چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ

ڈائجسٹ

کراچی

July 2020

قیمت -/90 روپے

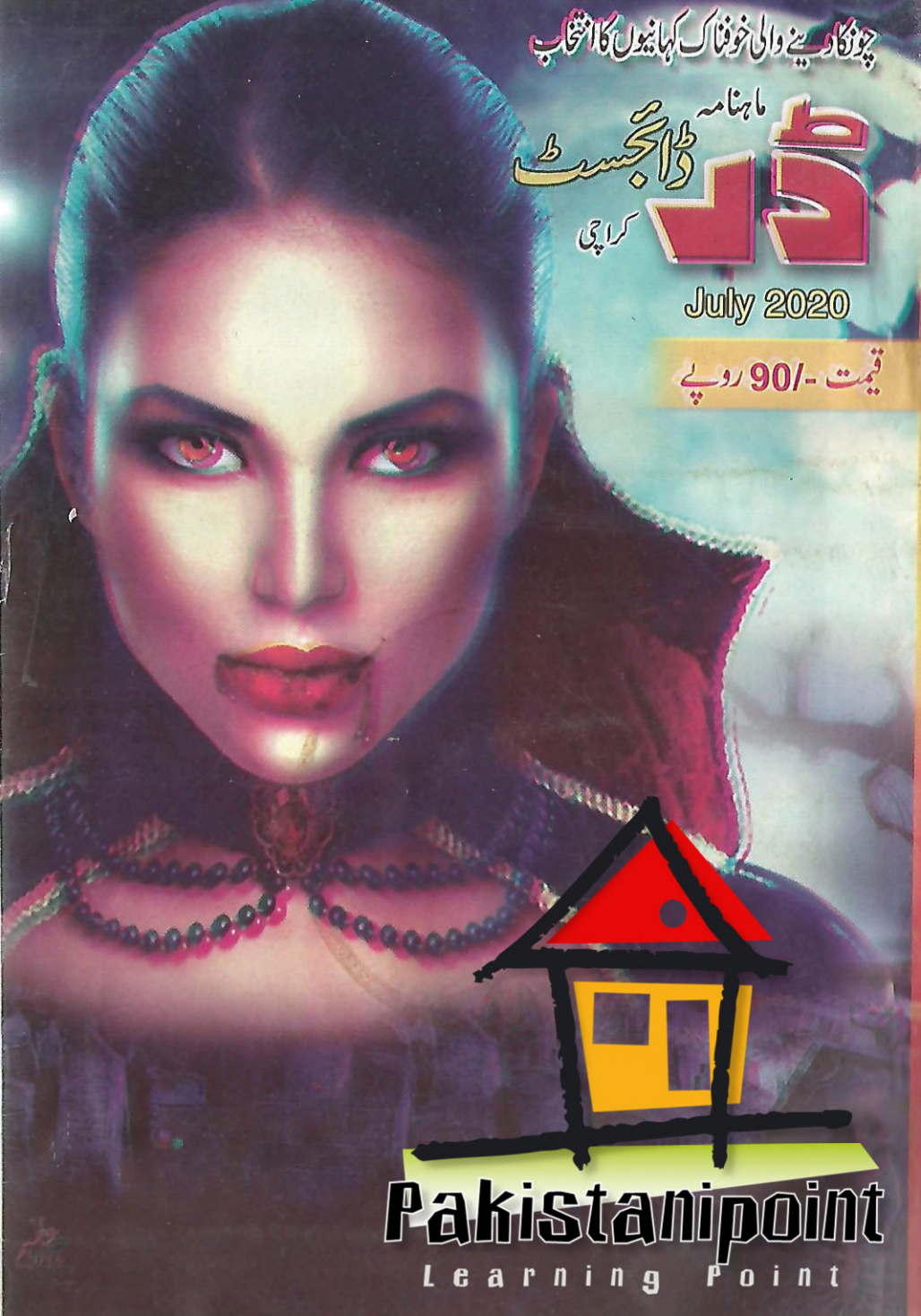

Pakistanipoint

Learning Point

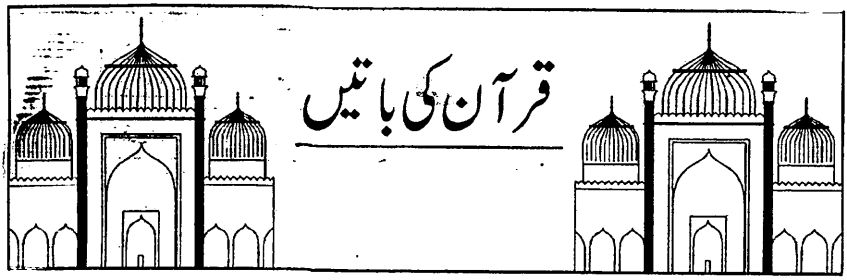

☆ اور وہی تو ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، اور رات دن کا بدلتے رہنا اسی کا تصرف ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔ (سورۃ مومنون 23 آیت 80)

☆ اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آخر الزماں آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب الٰہی میں سے چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 15)

☆ (اور جب حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے پاس آئے تو انہوں نے کہا) میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی صورت ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 49)

☆ اسی نے دو سمندر رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ تو تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے دونوں سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (سورۃ رحمٰن 55 آیت 19 سے 25)

☆ اے ایمان والوں جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کافروں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو اور جب تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس لئے کہ سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 57 سے 58)

☆ پس یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو۔ قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی سیدھا اور درست دین ہے۔ (سورۃ روم 30 آیت 30)

☆ اے پیغمبر جو ارشادات کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے رکھیں گا۔ بے شک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 67)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کراچی

منیجنگ ایڈیٹر خالد علی

چیف ایڈیٹر آصف حسن

ایڈیٹر شاہد علی

سب ایڈیٹر محمد ذیشان

قیمت -/90 روپے

سالانہ قیمت -/1500 روپے

جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 8,9,10 مئی، جون، جولائی 2020ء

ای میل ایڈریس: Dardigest01@gmail.com

ادارہ کا کسی بھی رائٹر کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ڈر ڈائجسٹ میں چھپنے والی تمام کہانیاں فرضی ہوتی ہیں کسی کی ذات یا شخصیت سے مماثلت اتفاقیہ ہوسکتی ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ ادارہ اس معاملے میں کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

ایڈووکیٹ نینا خان
16
کالی شکتی

قائرہ
43
خبیث

عامر شہزاد
55
شیطانی ہوس

عثمان غنی خان
70
جلتے گلاب

سلمان بشیر
99
قاتل لکھاری

احسان سحر
35
ایجاد

خلیل جبار
51
ڈراؤنی مخلوق

محسن عزیز
63
سالگرہ

حسیب ساحل
95
جنات کا سایہ

شہباز احمد
111
پہاڑی چڑیل

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تاپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

موناشہزاد
118
انوکھا عشق
[illegible]

محمد رضوان قیوم
127
دخل در معقولات
ایک ماورائی مخلوق کی دیدہ دلیری اس نے لوگوں کو حیران و پریشان کر کے رکھ دیا تھا

طارق محمود
133
ناگ ناگن
ایک ناگن کی [illegible] ..... [illegible] تھا

مظہر الحق علوی
140
موت کی سرگوشی
ایک ایسے ..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت ..... سے نکل آیا تھا

مرزا صہیب اکرام
161
عبرتناک موت
[illegible]

محمد خالد شاہان لوہار
167
روح کی چیخ
دل و دماغ پر خوف ..... طاری اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی کہانی

ضرغام محمود
178
بے وفا
[illegible]

شہزادہ چاند زیب عباسی
195
واپسی
ایک روح کا عجیب و غریب خاندان جس نے اپنے بچوں کے لئے ..... قربانی دی

ادارہ
217
قوس قزح
قارئین کے پیغامات [illegible] قارئین ..... بے حد ذوق شوق سے پڑھتے ہیں

محمد قاسم رحمان
220
قاتل ساحرہ
[illegible] حقیقت کے [illegible] میں چھپی ہوئی ایک مثال آپ کے لئے شاہکار کہانی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

خطوط

خواتین و حضرات السلام علیکم! دو ماہ کی غیر حاضری بنسبت کرونا وائرس کے حاضر خدمت ہوں، کوئی بھی بات ہم تمام لوگوں سے پوشیدہ نہیں اچانک جو حالات پوری دنیا پر رونما ہوئے کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا خیر عذاب الٰہی کے آگے ہر انسان بے بس ہے اور سوائے ہم اللہ کے آگے گڑگڑانے کے کر بھی کیا سکتے ہیں، اس مہلک وبا کے تحت ہر شعبہ متاثر ہوا وہیں ڈر ڈائجسٹ بھی بند ہو گیا، خیر اب دوبارہ حوصلہ و ہمت کو یکجا کر کے ڈر ڈائجسٹ آپ سب کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ آپ سب کا تعاون رہا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی رہی تو ڈر ڈائجسٹ ہر ماہ آتا رہے گا، ہم سب مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے لوگوں پر اپنا فضل و کرم کرے اور اس مہلک وبا سے جان چھڑائے۔ (آمین)

خالد علی

منیجنگ ایڈیٹر

ملک این اے کاوش سلانوالی سے، جناب محترم شاہد علی و خالد علی صاحب اور ڈر ڈائجسٹ کے ساتھ بالواسطہ اور بلاواسطہ منسلک احباب کی خدمت میں ناچیز کا سلام۔ امید واثق ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے۔ کرونا وائرس کی وجہ سے پوری دنیا کے حالات کافی کشیدہ ہو چکے ہیں۔ ہر کس و ناکس اضطرابیت کا شکار ہے مگر باوجود اس کے یہ وقت پریشان ہونے کا نہیں بلکہ مالک کائنات کے سامنے گڑگڑا کر گناہوں سے معافی مانگنے کا ہے۔ بے شک موت کا وقت متعین ہے لیکن پھر بھی اس عبرت کی گھڑی میں جب قہر الٰہی کرونا وائرس کی شکل میں دنیا پر چھا چکا ہے تو وقت مالک کائنات کے سامنے رونے کا ہے۔ ماہ اپریل کا ڈائجسٹ بھی شاید اسی لئے نہیں مل پایا۔ ماہ مارچ کا ڈائجسٹ بھی انہی دنوں نظروں سے گزرا۔ ادیب حضرات کی محنت قابل داد ہے ایک دو نہیں بلکہ سب ہی قابل تعریف ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ڈر ڈائجسٹ کے اگلے شمارے میں کچھ ایسی تحریروں کو شامل کیا جائے جو مالک کائنات کی کرونا وائرس جیسی آفتوں سے متعلق ہوں۔ میں بھی اس موضوع پر تحریر لکھ رہا ہوں جو جلد ہی آپ کو بھیج دوں گا۔ دعائے آخر کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

☆☆ این اے کاوش صاحب: آپ کی تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑا کر اور آنسو بہا کر ہی ہم اس وبا سے جان چھڑا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا رحم و فضل فرمائے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ ماہ بھی اپنی کاوش ارسال کر کے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔ Thanks۔

اسحار بن ناصر کراچی سے، السلام علیکم، جناب ایڈیٹر صاحب امید خیر ہے کہ آپ تمام عملہ رسالہ اور پیارے قارئین حفظ و امان سے ہوں گے، حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ زندگی قریب المرگ ہو گئی! دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس خط کے آپ لوگوں کے پاس پہنچنے تک یہ وبا اور عذاب ختم ہو جائے۔ (آمین) خیر! اپریل کا شمارہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے 3 تاریخ کو خریدا، کھولا تو اپنی کوشش کو شائع دیکھ کر دل سے آپ کے لئے ڈھیروں دعائیں نکلیں، اب ایک اور کہانی تحریر پیش خدمت ہے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف، ہمیشہ کی طرح پہلی پوزیشن پر جلتے گلاب (عثمان غنی) رہی۔ دوسری پوزیشن پر مصنف اسرار (محمد خالد شاہان) کی 'روح کی چیخ' رہی۔ تیسری پر 'ام الیقین' (ضرغام محمود)، ضرغام صاحب کہانی شاندار تھی۔ 'بریدنڈ' (ثنا اے شیخ) ثنا صاحبہ آپ نے کرایہ داروں کے دلوں کی بات قلم کے ذریعہ کہی، خوب! دیگر کہانیوں میں 'زرتاش کا راز'، 'لٹیرا'، 'پراسرار قوت' رہی، ابھی قسط وار دونوں نہیں پڑھیں۔ ایک تو توجہ طلب بات یہ ہے کہ ایک وقت میں اب 'تین قسط وار کہانیاں' چل رہی ہیں، براہ مہربانی تھوڑے صفحات بڑھا دیجئے تو نوازش ہوگی۔ آخر میں تمام قارئین اور عملہ کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ اسحار صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، آپ کا خط ہم تک پہنچ گیا مگر وبا ابھی تک پنجے گڑائے ہوئے ہے، دعا کریں کہ جلد از جلد اس وبا کا خاتمہ ہو جائے۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، السلام علیکم! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا! اس ماہ تادم تحریر "ڈر" ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ Pst Box کی جانب رخ نہ کر سکے؟ شٹ ڈاؤن اور Carona کی وبا کے باعث گھر سے نکلنا نہیں ہو سکا؟ "آخری مرحلہ"، "حرف در حقیقت"، غزل ارسال خدمت ہے۔ پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ڈر کے تمام خوب صورت لکھنے والوں رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے ویورز کو دعا سلام اور آخر میں دل سے دعا ہے Corona جیسے موذی مرض سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے اور اپنے

.... رکھے جہاں جہاں اس دھرتی میں مسلمان ہیں اللہ ان سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔

..... امتیاز صاحب: ہم پاکستانی کیا بلکہ پوری دنیا کورونا کی وجہ سے متاثر ہے اور حال سے بے حال ہے اس کے خاتمے کے لئے صرف اور ...... اللہ سے دعاؤں کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے انسانوں پر اپنا فضل وکرم کرے، صحت وتندرستی دے اور کورونا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کردے۔ (آمین)

عثمان غنی خان پشاور سے، السلام علیکم! یقیناً ادارہ بالکل خیروعافیت سے ہوگا کیونکہ پورا ملک بہت برے حال سے دوچار ہے، مگر یہ صرف ہمارے ملک کا حال نہیں ہے، پوری دنیا اس موذی مرض کی لپیٹ میں آچکی ہے۔ جب پورے ملک کی یہ صورتحال ہے، تو ادارہ بھی کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہو گیا ہوگا۔ ایک طرف بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے عام آدمی کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، دوسری طرف ایک جان لیوا بیماری، جو دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے اور زیادہ تر کمزوروں کو شکار بنا چکی ہے، بس ہم سب کو اس وقت اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور دل سے دعا مانگنی چاہیے کہ آئندہ سب خیر ہو، 2020ء جب سے شروع ہے، دنیا کے لیے کچھ اچھا ثابت نہیں ہوا ہے، بہت سارے سرمایہ دار ملک چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، ملک میں بہت سارے لوگوں کو بے روزگار کیا جارہا ہے، ویسے ہماری نہم جماعت اردو کی کتاب میں ایک سبق ہے، جس کا نام فارش طلب .... ہے، اس میں ایک بہت زیادہ خوبصورت جملہ ہے، وہ جملہ یہ ہے، ''اگر پاکستان میں ایک بھی سفارش طلب ..... ہے، تو پاکستان چلانے کی ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔'' بالکل اس سبق کے مصنف کرنل محمد خان نے ٹھیک کہا ہے۔ آج مجھے سمجھ آچکی ہے۔ کرنل صاحب نے اتنے سالوں پہلے یہ جملہ کیوں اس سبق میں لکھا تھا۔ ہم لوگ بس اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چھوڑ چکے ہیں۔ ہم صرف اپنے لیے جی رہے ہیں، جو ملے جیب میں ڈال لو، ملک چلانے کا نظام تو ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک پر ہے، اہل اقتدار اپنے آپ میں مست ہیں، ذخیرہ اندوزی، چوری چکاری، بدکاری، بے غیرتی، ملک میں عدم انصاف، ظلم وزیادتی کا بازار، یتیم کا حق کھانا، پرائے مال کو ناحق ہڑپ کرجانا، سرکاری اسکولوں کی عمارات کو نقصان پہنچا کر اسے اپنی ملکیت سمجھنا اور پتہ نہیں اور کیا کچھ ہمارے ملک، جس کا نام پاکستان ہے، میں ہورہا ہے۔ کرتا دھرتا لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کررکھی ہیں، جیسے اسے تو کچھ نظر ہی نہیں آرہا ہے، اس ..... ظلم وستم ..... سوشل میڈیا بھرا پڑا ہے۔ مگر ہمارا الیکٹرونک میڈیا صرف کرونا کے علاوہ کچھ دکھا ہی نہیں رہا ہے، ہاں اگر غریب ..... تو جیل میں ڈال کر اس پر پرچہ کٹوا دیا، امیر کو سیلوٹ کرکے راستہ دے دیا۔ کیا یہ قانون ہے، اس طرح کا قانون تو جنگل کا بھی نہیں ہے، وہاں بھی کچھ اصول وضوابط ہیں، یہ کیا غریب آدمی کے رکشے، ٹیکسی کے ٹائر میں ہتھوڑے سے کیلیں ٹھونک کر اسے سائیڈ لائن کردیا، امیر کی پراڈو آئی تو اس کے لیے ٹریفک کو روک کر راستہ بنانے پر تل گئے، میرے پیارے بہن بھائیوں، معذرت کے ساتھ کچھ دل کی باتیں شیئر کردی ہیں، کیونکہ مجھے شمارہ بہت زیادہ لیٹ ملا، اپریل کا شمارہ مل تو گیا، مگر دل لہولہو تھا۔ پھر بھی میں ادارے کا پورے دل سے مشکور ہوں وہ میرا ناول جلتے گلاب کو شائع کرکے دل کا سارا بھاری پن ختم کردیا ہے۔ قرآن کی باتیں بے حد پیاری ہیں، خطوط میں سب دوستوں کے تبصرے بے حد عمدگی کے ساتھ دل جیتنے کے لیے کافی ہیں۔ آئندہ بھی اسی طرح مزے دار تبصرے لکھا کریں اور سب سے گزارش ہے۔ چاہے وہ رائٹر ہو، ادارہ ہو، یا کوئی ریڈر ہو، پلیز ڈر کے خطوط کے ذریعے اپنی خیر خیریت کی اطلاع دے دیا کریں، تاکہ بے قراری کم ہوسکے، باقی سب لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ جنہوں نے بہت پیار سے مجھے اپنے خطوط میں یاد رکھا ہے۔ اپریل کے ڈائجسٹ میں اس ماہ ثناء شیخ، نے برینڈ ڈ بہت زیادہ پیاری تحریر ہے، ویری گڈ کہانی کے جن میں ہم انسانوں سے زیادہ دردمند دل موجود ہے۔ زرتاش کا راز بہت پیاری کہانی ہے۔ ام الیقین ضرغام محمود کی کہانی بھی بہت زبردست ہے، کہانی کا مین آئیڈیا بہت زیادہ اسپیشل ہے، آخری رسومات کہانی بھی بہت اچھی لگی، لٹیرا، مونا شہزاد نے بہترین لکھی۔ مونا شہزاد دیار غیر میں رہتی ہیں، پلیز مونا شہزاد اپنی خیریت سے آگاہی ضرور دیں، مریم فاطمہ عشق ممنوع کتابی شکل پر بہت بہت مبارک باد قبول فرمائیں، آخری نشانی بھائی ایس امتیاز احمد نے بہت زبردست تحریر لکھی ہے۔ ایک شرط ماریہ مسعود لکھ رہی ہے۔ ڈراؤنا سفر عامر شہزاد بہت ڈراؤنی تحریر رہی، قوس وقزح میں ایس ایتاز احمد کی غزل بہت زیادہ پسند آئی، باقی سب لوگوں کی تحریریں بھی بہت زیادہ اچھی ہیں اور دل سے یہی دعا ہے۔ اللہ اس وبا کو ہمارے ملک سے ختم کرکے پاکستان میں سدا کے لیے امن قائم کردے۔

☆☆ عثمان صاحب: آپ کی تمام باتیں درست ہیں جو کہ دل پر اثر کرتی ہیں، کاش کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں پر اپنی گرفت سخت کردے۔

-Thanks

عبدالرؤف ہائی وے تاروجبہ سے، السلام علیکم! ڈرڈائجسٹ اپریل بہت زیادہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے مشکلوں سے مل گیا، خط بھی بہت مشکلات سے لکھ رہا ہوں، پتہ نہیں کب تک ادارے کو مل جائے گا، ٹائٹل اچھا تاثر دے رہا تھا، کہانیوں کی فہرست دیکھی، پھر خطوط کی محفل میں آ گئے۔ بلقیس خان صدر محفل تھی، جو کچھ بھی کہا، ٹھیک کہا اور اچھے انداز میں سب کو سمجھایا۔ دل نور صاحبہ جو بھی لکھا اچھا لکھا، فریال صاحبہ بہت نائس لکھتی ہیں۔ آپ کوئی کہانی کیوں نہیں لکھ لیتیں؟ مسز خائستہ رحمان کے خط لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، ایس حبیب خان میرے خیال میں ڈر آپ کے بنا ادھورا ہے، خط کیوں نہیں لکھا، اسحار بن ناصر کا خط بھی پسند آیا۔ بلال تابش، خانسہ غیور، بیناخان اور شہزاد خان کے تبصرے دل کو چھو گئے، اس ماہ کہانیوں میں یہ کہانیاں مجھے بہت اچھی لگیں پہلی کہانی برنڈ بہت اچھی لگی۔ واقعی ہم انسانوں میں سے زیادہ اس جن میں عقل اور شعور زیادہ تھی، آخری نشانی اچھی تحریر تھی، زرتاش کا راز بھی اچھی تھی۔ عجیب واقعات بہت ہی بچگانہ کہانی تھی۔ روح کی چیخ ناپسند رہی، جناتی دنیا بہت مزے دار ہی تھی، پراسرار قوت نائس لگی، مگر یہ کہانی یکسانیت کا شکار تھی، لٹیرا ڈر کے عین مطابق تھی۔ ایک شرط میری من پسندیدہ تھی۔ جدید روح کہانی پسند آئی، آئندہ بھی لکھتے رہئے گا۔ ڈراؤنا سفر بہت اچھی کہانی لکھی ہے۔ ام البنین بہت آمیزنگ اسٹوری تھی، اب قسط وار کہانیوں کی بات کرتے ہیں، جلتے گلاب قسط نمبر 1 عثمان غنی خان کی روانی میں پڑھی، بھائی جان آپ کا بھائی جی بالکل کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا، میرے خیال میں ابھی اس کہانی میں بہت زیادہ سسپنس برقرار ہے، ولن کون ہے، کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے، جہنمی دروازہ قسط نمبر 2 ڈر کی ایک اور عمدہ کاوش ہے، یہ کہانی بھی بہت اچھی ہے، موت کی سرگوشی قسط نمبر 4 بہت اچھی جارہی ہے، اب کہانی کا مزہ آرہا ہے۔ ویسے جلتے گلاب قسط وار تحریروں میں بازی لے گئی ہے۔

☆☆ عبدالرؤف صاحب: دل کی گہرائی سے خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے ڈھیروں شکریہ قبول کریں۔

ابرار بشیر یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم ڈر ڈائجسٹ ماہ اپریل کا شمارہ بہت جان کھپانے کے بعد آخر مل گیا، لاک ڈاؤن کی وجہ سے بہت جلدی پڑھ لیا، اس ماہ کا ٹائٹل شاندار تھا۔ خطوط میں بلقیس خان کا خط ٹاپ پر تھا، عثمان غنی خان، عامر شہزاد، سردار اعظم، ذیشان یمیر، کرن خان، ہما خان، کائنات بلوچ، مہرینہ غلام، صبا، بسما خان، امرحہ خان، بیناخان کے تبصرے بہت زیادہ اچھے لگے۔ عثمان غنی خان آپ کی باتوں پر بہت سارے پرانے لکھاری حضرات کو غور کرنا چاہیے۔ بریندڈ دل سے پسند آئی، نیو انداز میں طرز تحریر کی تھی۔ کہانی میں جن کا کردار واقعی میں قابل تعریف تھا، آخری نشانی اچھی تھی، اس لیے پسند آئی، یہ کہانی ترجمہ تھی۔ زرتاش کا راز بھی خاص تحریر ہے، پراسرار چو کی پسند آئی، عجیب واقعات پیاری تحریر تھی، روح کی چیخ اتنی اچھی نہیں تھی، جناتی دنیا بہترین رہی، روح جدید واہ مزہ آ گیا۔ لٹیرا گڈ نائس آمیزنگ اسٹوری رہی، ایک شرط بھی اچھی کہانی ہے۔ آخری رسومات میں بھی لکھاری بہن نے خوب سسپنس اور ڈر ڈالا تھا۔ ڈراؤنا سفر بے حد پسند آئی۔ پراسرار قوت اچھی کہانی لکھی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر 1 عثمان غنی خان کی اس کہانی نے دل جیت لیا ہے، بہت زبردست کہانی ہے۔ طرز تحریر بہت زبردست ہے۔ جہنمی دروازہ بھی دوسری قسط پہلے سے بڑھ کر لگی اور موت کی سرگوشی بھی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔

☆☆ ابرار بشیر صاحب: آپ کی تحریر نے بھی دل جیت لیا ہے، لکھنے کا انداز دل کو چھو لیتا ہے۔

امام فیصل لکی مروت سے، اپریل کا شمارہ اس بار کئی بار بازار سے پتہ کرتے کرتے آخر کار اپریل کے اینڈ میں مل گیا۔ خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے۔ خطوط میں، سربراہی صدارت بلقیس خان سنبھال رہی تھیں۔ عثمان غنی خان بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، کائنات بلوچ، امرحہ خان، بیناخان، بلال، دل نور، فریال عروج، مہرینہ غلام، مریم فاطمہ کے خطوط پسند آئے۔ عامر شہزاد، مہر پرویز، شرف الدین جیلانی بھی عمدہ تبصرہ کرتے نظر آئے، پورا ڈر پڑھا۔ ڈر کا ٹائٹل کافی اچھا تھا۔ بریندڈ نے خوب رنگ جمایا، کہانی کا آخری سین بہت جاندار تھا، بیرونی چیزوں کو بریندڈ کا درجہ دینے والی آسیہ کو خوب سزا ملی۔ آخری نشانی بہت اچھی اسٹوری ہے۔ جناتی دنیا مجھے بے حد پسند ہے۔ جدید روح یہ جاندار و شاندار تحریر ہمیشہ یاد رہے گی۔ آخری رسومات بھی پسند آئی۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان کی نئی سلسلے وار کہانی کی پہلی قسط میں ابھی کرداروں کا تعارف ہی چل رہا تھا کہ کہانی کا اینڈ ہوگیا؟ کہانی بہت زیادہ متاثر کن انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ میں نے اس جیسی کہانی کبھی نہیں پڑھی ہے۔

☆☆ امام فیصل صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آئندہ ماہ بھی آپ کے نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

ثمر خان کراچی لیاری کالونی سے، اللہ نے جیسے ہم سب انسانوں کو اس بار امتحان میں ڈال دیا ہے، مگر میرے بہن بھائیوں

...ہے۔ اللہ سب سے بڑا کارساز ہے۔ میرا لاک ڈاؤن مختلف قسم کے ادبی رسائل کے ساتھ گزر گیا۔ خط پہلی بار ... سے پہلے خطوط کی بات کرتے ہیں۔ بلقیس خان آپ نے کمال کا تجزیہ لکھ کر ہمارا دل ہی جیت لیا ہے۔ ڈر کی محفل میں ... دوستوں کو خوش آمدید! اور مجھے بھی ویلکم کیا جائے۔ سب کو سلام۔ خطوط میں اسی لیے تو خان صاحبہ صدر محفل ہیں اور وہ بھی اتنے عمدہ تبصرے کے ساتھ، دوسرا بھرپور تبصرہ عثمان غنی کا ہے۔ تیسرا بھرپور تبصرہ عامر شہزاد کا ہے۔ باقی سب بہن بھائیوں کے خطوط کافی اچھے اور منفرد ہیں، پہلی کہانی برینڈ ڈکوروانی میں پڑھتے چلے گئے۔ بہت بہت بہت اچھی کہانی ہے۔ آخری رسومات بے حد اچھی، عمدہ اور پیاری تحریر ہے۔ زرتاش کا راز بے حد مزے دار انوکھی و اچھوتی تحریر ہے، لٹیرا کیا بات ہے، پڑھ کر مزہ آ گیا ہے۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان پہلی قسط بہت خوبصورت ہے۔ کہانی میں ہیرو کا کردار کافی مضبوط لگ رہا ہے۔ جو بھٹکتا نہیں ہے، ورنہ ایکٹر تو وہ کارنامے سرانجام دیتے ہیں، جس کی مثالیں نہیں ملتی ہیں، ایک ہیرو ہے، جس نے اچھی خاصی ہیروئن وائف کو چھوڑ کر ایک آئٹم نمبر گرل سے شادی رچالی ہے۔ میں نے اشارہ کر دیا ہے، باقی سب سمجھ دار ہیں۔ ایس امتیاز کی آخری نشانی واقعی بہت زبردست آمیزنگ کہانی ہے۔ ام الیقین اچھی لگی ہے، پراسرار قوت بھی زبردست تحریر ہے۔ جناتی دنیا بھی پسند آئی۔ باقی سب بھی اچھی تحریریں لائے ہیں۔

☆☆ ثمر خان صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، جناب آئندہ ماہ بھی خط لکھنا بھولئے گا نہیں۔ Thanks۔

شاداب سکندر خان ٹیکسلا سے، اپریل کا منتقلی شمارہ میرے کزن بلال سے منتیں کر کر کے مانگ لیا۔ میری وجہ سے وہ پڑھ بھی نہیں پائے، کیونکہ وہ خط لکھنا چاہتے تھے، مگر اب میں نے پڑھا ہے، تو میں ہی لکھ دیتا ہوں، پہلا خط ہے، شائع کر دیجیے گا، میرا دوست اور کزن عباس ڈائجسٹ پڑھتا ہے اس بار میں بھی کرونا جیسے عذاب کی وجہ سے گھر میں بند ہو گیا تھا۔ جب کبھی لائٹ چلی جاتی تو ہم ڈائجسٹ پڑھ لیتے تھے۔ مگر کبھی خط نہیں لکھا ہے۔ بلقیس خان پہلے خط کے ساتھ حاضر خدمت تھیں، ویلڈن جی! عثمان غنی خان آپ کا خط بہت اچھا لگا۔ شرف الدین صاحب، غلط بات پر دل دکھتا ہے، پہاڑوں کی قسم میں عثمان غنی خان نے پورے ناول میں ایک مرتبہ بھی یہ ... پٹھانوں میں موجود ہیں، یا کسی قبیلے کا نام لیا ہے، آپ اپنی اصلاح کر لیں، پٹھان لڑکیوں کے سروں پر ہرگز پیسے ... رشتہ داروں میں شادیاں کرتے ہیں، آپ پٹھانوں کی ہسٹری چیک کر سکتے ہیں۔ آپ ایک ... آدمی ہیں، مجھے جواب دیتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا ہے، اگر پٹھان پیسے لیتے، تو پورے ملک میں ان کی لڑکیاں بک رہی ہوتیں، پہاڑوں کی قسم میں میرے ذاتی خیال کے مطابق، عثمان غنی خان نے چترال کے اس قبیلے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو غیر مذہب ہے اور اپنے قبیلے کی نسل کو بڑھانے کے لیے لڑکیوں کو بیچ دیا کرتے تھے۔ تا کہ ان کی نسل کشی نہ ہو سکے، اس قبیلے کا نام مجھے بھی نہیں پتہ ہے، مگر یہ وادی کیلاش میں کہیں رہتا ہے۔ پٹھان ایک غیرت مند قوم ہے، آپ کو رائے دیتے ہوئے کم از کم دوسرے لاکھوں لوگوں کے دلی جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔ مہرینہ، امرحہ، روہانیہ، صبا، ماریہ، عامر شہزاد، سردار اعظم، کرن خان، ہما خان وغیرہ کے خطوط اچھے اور پسندیدہ تھے۔ ٹائٹل کور پیارا تھا۔ اول صفحات سے ڈر کو پڑھنا شروع کر دیا، برینڈ ڈ کافی یونیک کہانی ہے، آخری نشانی بھی عمدہ پیش کش تھی، عثمان غنی خان جلتے گلاب کی پہلی قسط کافی اسٹرونگ پاورفل رہی، کہانی میں سوہا کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، میرے خیال میں یہ ماہ نور جبین ہی اس کہانی کی ولن ہے، وہی زین کو چاہتی ہے، اسی نے سوہا کو جلتے گلاب میں مقید کر دیا ہے۔ اب باقی کہانی پڑھ کر پتہ چلے گا۔

☆☆ شاداب صاحب: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، امید ہے آئندہ بھی اپنی رائے ضرور ارسال کیا کریں گے اور آپ کی بات پڑھ کر عثمان غنی ضرور معلومات کر کے اپنی اصلاح کر لیں گے۔ شکریہ۔

ساجدہ راجہ ہنڈواں سرگودھا سے، السلام علیکم! ڈر کی ٹیم اور تمام قارئین کو میری طرف سے سلام۔ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے۔ کافی عرصہ بعد ڈر کی محفل میں دو کہانیوں کے ساتھ حاضر ہوں، امید ہے آپ کو پسند آئیں گی۔ اسے شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں۔ کہانیوں کے ذریعے ہر مہینے حاضر ہونے کی کوشش کروں گی۔ پہلے بھی ریگولر کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ امید ہے آپ کو یاد ہو گا۔ اجازت چاہتی ہوں۔ خدا حافظ۔

☆☆ ساجدہ صاحبہ: ایک مرتبہ پھر ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم۔ آپ کی دو کہانیاں موصول ہو چکی ہیں جو کہ آئندہ شمارے میں ضرور جلوہ گر ہوں گی۔ ایک وقت تھا کہ آپ کی کہانی کے بغیر شمارہ مکمل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خیر مصروفیات نے آپ کو ڈرڈائجسٹ سے دور کر دیا۔ اب آپ نئے عزم کے ساتھ کہانیاں بھیجتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ و ہمت دے تا کہ ہر ماہ آپ کی حاضری ہوتی رہے، پورا ادارہ آپ کی صحت و

تندرستی کے لئے دعا گو ہے۔

امرحہ خان ملتان سے، ماہ اپریل کا ڈر مہینے کی آخری تاریخوں میں مل گیا۔ ٹائٹل پیج بہت پیارا تھا۔ دل بہت اداس تھا۔ ہر چیز بند تھی، ہم بھی جیسے گھر میں قید ہو گئے تھے اور اس قید میں پھر لاک ڈاؤن نرم ہوا تو ہم بازار گئے اور ڈر مل گیا، پہلا خط بلقیس خان آپ نے جو بھی لکھا بہت خوب لکھا، عامر شہزاد آپ کا خط بے حد پسند آیا۔ عثمان غنی خان کی باتوں پر رائٹرز حضرات کو ضرور عمل کرنا چاہیے، خطوط میں جتنے بھی لوگوں نے تبصرے کیے تھے سب بیحد پسند آئے۔ دل نور کا تبصرہ اچھا رہا۔ فریال عروج آپ کا تبصرہ بھی بہت اچھا لگا۔ نوری کے تبصرے داد کے قابل ہیں، مریم فاطمہ کا خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا کیونکہ کتاب شائع ہونے پر مبارک باد۔ اس ماہ کی پہلی کہانی بریننڈ ڈ بہت اچھی کہانی ہے۔ اول درجے کی کہانی پر مبارک باد قبول ہو۔ زرتاش کا راز واقعی میں بہت اسپیشل کہانی لکھی ہے۔ آخری نشانی خوبصورت کہانی ہے۔ ایس امتیاز احمد بھائی کی لاجواب رہی، حالانکہ یہ کہانی میں پہلے انگلش فکشن میں پڑھ چکی ہوں۔ روح کی چیخ گزارہ لائق مطلب قابل قبول تحریر تھی، آخری رسومات آمیزنگ کہانی ہے۔ جناتی دنیا بہت اچھی کہانی لکھی ہے۔ ایک شرط بہت نائس کہانی ہے۔ روح جدید [illegible] آنے والی [illegible]۔ ام الیقین بہت اچھی کہانی تھی، پراسرار قوت بھی زبردست تھی۔ جلتے گلاب قسط نمبر 1 عثمان غنی خان اور [illegible] واہ، آپ نے تو دل کے ساتھ ساتھ پورا پورا ہمیں بھی جیت لیا ہے۔ پہلی قسط میں شروع میں جو سین دیے گئے تھے، وہ بہت سسپنس سے بھرپور تھے، کہانی کا مین کردار سوہا ایک گلاب کے پھول میں قید ہے۔ بہت یونیک آئیڈیا ہے، جہنمی دروازہ قسط نمبر 2 بھی پسند آرہی ہے، یہ ایک روایتی سی کہانی ہے، موت کی سرگوشی بھی اب اچھے انداز میں کافی بڑھ چکی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کرونا کی وبا پاک سرزمین سے جلد از جلد ختم ہو جائے۔ آمین۔

☆☆ امرحہ صاحبہ: دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط پڑھ کر اچھا لگا آئندہ ماہ بھی خوبصورت خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

اسمارہ خان کوئٹہ سے، السلام علیکم....!! ماہنامہ ڈر اپریل کا شمارہ اپنے کزن کے گھر لاک ڈاؤن میں دیکھا، تو اٹھا لیا، بہت زیادہ بور ہو گئی تھی، تو ڈر کو ریڈ کیا، پھر جتنے دن لاک ڈاؤن رہا، سارے پرانے ڈر کے شمارے منگوا کر پڑھ لیے۔ پہلا خط ہے، شائع ہو گا بھی یا نہیں، پھر بھی لکھ رہی ہوں۔ سب کے خطوط بے حد پسند آئے، بلقیس خان بہت نائس لکھتی ہیں۔ عثمان غنی خان نے بہت پیارا تبصرہ لکھا ہے۔ اس ماہ کا شمارہ بے حد اچھا ہے۔ کہانیاں زبردست ہیں۔ سب سے پہلے بریننڈ ڈ پڑھی، کہانی بہت اسپیشل اور آمیزنگ ہے۔ ایس امتیاز احمد کی آخری نشانی بھی اچھی کہانی ہے، دل سے آپ کو کہانی پر مبارک باد قبول ہو۔ زرتاش کا راز کہانی بہت اچھی اور شاندار و جاندار تھی۔ آخری صفحوں میں ام الیقین نام سے لگا کوئی اسلامک تحریر ہے مگر نہیں، کہانی میں وقت رک جاتا ہے اور ہیرو پرانے دور میں چلا جاتا ہے۔ بس اچھی کہانی تھی، پراسرار قوت بھی اچھی تھی، مگر پسند نہ آسکی، جناتی دنیا بھی نائس کہانی ہے۔ لٹیرا دل سے پڑھی، عثمان غنی خان قسط وار پڑھنے کا من تو نہیں تھا، مگر لوگوں کا آپ سے پیار دیکھ کر نئی کہانی کی پہلی قسط دیکھ کر پڑھنا شروع کر دی، واقعی میں کہانی نے اپنے حصار میں جیسے باندھ لیا۔ پہلی قسط جلتے گلاب کی پسند آئی، کیونکہ کہانی کی اٹھان کافی اچھی ہے۔ اب مجھے دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے، شاید دوسری قسط آخری ہو، آپ کی پچھلی کہانی پہاڑوں کی قسم بھی دو اقساط پر مشتمل تھی، تو یہ بھی ہو گی۔ جدید روح بھی اچھی تحریر ہے۔ ایک شرط بھی ایک اچھی کہانی ہے اور آخری رسومات بھی نائس ہے۔ قوس قزح کا سلسلہ بہت کم ہے۔ یہ زیادہ صفحات پر مشتمل ہونا چاہیے۔

☆☆ اسمارہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں ویلکم آپ کا خط پڑھ کر دل اچھل پڑا، امید ہے آئندہ بھی دل پذیر خط ضرور ارسال کریں گی۔ شکریہ۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم! ماہ اپریل کا ڈر ڈائجسٹ بہت جان کھپانے کے بعد بالآخر مل گیا۔ ہم بھی قرنطینہ میں گھر کے اندر جیسے بند ہو گئے تھے۔ چلیں اس لاک ڈاؤن میں بچوں کی وہ وش تو ضرور پوری ہو گئی کہ اسکولز کی چھٹیاں چھ مہینے ہونی چاہئیں۔ کرونا کی وبا پشاور میں خاص کر تیزی سے پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی، یہاں کے لوگ بالکل بھی احتیاطی تدابیر نہیں اپنا رہے تھے۔ اس ماہ کا ٹائٹل اتنا بار نہیں تھا۔ ویسے عظیم انکل! ٹائٹل بارر بنایا کریں۔ ویسے بھی 2020ء کا سال بہت سارے لوگوں کے لیے اچھا ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ خیر اس ماہ کا ڈر بس بالآخر مل گیا، پہلے قرآن کی باتیں پھر خطوط۔ اپنے خط کو ٹاپ پر دیکھ کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی۔ اس منتھ اسپیشلی سب کے خطوط بہت زیادہ پسند آئے! عثمان غنی خان رائٹرز کو اب کم بیک کر لینا چاہیے، خیر میں بھی جلد کہانی لکھوں گی، کہانیوں پر بات کرتے ہیں، پہلی کہانی بریننڈ ڈ مجھے بہت پسند آئی۔ ثنا جی بے حد عمدہ اور باذوق کہانی لکھ دی۔ آخری نشانی بھی پسند آئی۔ پراسرار چوکی پسند آئی۔ روح کی چیخ پسند نہ آسکی۔ عجیب واقعات بیگانہ لگی، زرتاش کا راز اچھی تھی۔ جناتی دنیا بھی ٹھیک ٹھاک نائس تھی۔ ام الیقین اچھی تو تھی، مگر کہانی کا نام کہانی سے میچ نہیں ہو رہا تھا۔ ٹائم ٹریول پر مبنی یہ کہانی کافی اچھی تھی۔ جس میں ہیرو ایک پرانے دور میں چلا جاتا ہے۔ پراسرار قوت بھی اچھی لگی، جلتے گلاب پہلی قسط

عثمان غنی خان، بہت اچھی کہانی ہے، کہانی کی پہلی قسط نے اپنے حصار میں کس لیا ہے۔اب دوسری قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔جہنمی دروازہ دوسری قسط نے بھی بے حد متاثر کیا۔

☆☆بلقیس صاحبہ: آپ کا اچھا اور خوبصورت خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، امید ہے آئندہ بھی دلکش خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔Thanks۔

بینا خان اسلام آباد سے، ماہ اپریل کا ڈر مئی سے کچھ دن پہلے مل گیا۔قرآن کی باتیں بہترین ہیں، خطوط کی محفل بے حد پسندیدہ ہے۔ پہلے ملک کی سیاسی صورتحال ابتر تھی، اب تو پوری دنیا کا حال بہت زیادہ خراب ہے، ہمارے ملک کے لوگ تو پھر بھی بازاروں میں گھوم پھر رہے ہیں، باقی دنیا تو جیسے ویران ہوگئی ہے۔ پہلا خط بلقیس خان کا شاندار تھا، عثمان غنی خان آپ جب بھی لکھتے ہیں، وہ دل چھو لیتا ہے، چاہے وہ خط ہو یا کہانی ہو۔دل نور عبیر، بینا خان، صباشاہ، ایس امتیاز، سردار اعظم، فریال عروج، بسما خان، کائنات بلوچ، اسحار، شیخ معین، عامر شہزاد کے خطوط دل کی گہرائیوں سے پسند آئے، ڈر کا شمارہ اس ماہ کا اچھا تھا، جتنا پڑھا اس پر تبصرہ کردوں، پہلی کہانی بربنڈ ڈ شروع میں بورنگ رہی، آخر میں پسند آئی، پراسرار چوکی مجھے بالکل بھی پسند نہیں آسکی، روح کی چیخ بھی پسند نہ آسکی، اسی طرح کافی لکھا جا چکا ہے۔آخری نشانی پیاری تحریر تھی۔عجیب واقعات بھی گزارہ لائق تھی، جناتی دنیا بہت نائس تھی۔آخری رسومات ویلڈن پیا سحر گڈ اسٹوری! بہت بہت اچھی تھی۔ام الیقین کا اچھوتا موضوع تھا۔پراسرار قوت بھی بہترین کہانی تھی، نئی قسط وار کہانیاں شروع ہوگئی ہیں۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان کہانی کا نام بہت پیارا ہے، پہلی قسط میں شروع کے چند سین سر سے گزر گئے، مگر اس بار سیڈ اینڈنگ ہمیں بالکل بھی نہیں چاہیے، کہانی کا مین تھیم کافی اسٹرونگ ہے۔ جہنمی دروازہ، بہت اچھی لگی۔قسط نمبر 2 میں اب مزہ آرہا ہے۔موت کی سرگوشی بھی بہترین ہے۔ڈر کے لیے دعاگو۔

☆☆بینا صاحبہ: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے خط لکھا اور کہانیوں کی تعریف کی آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

دل نور عبیر کوہاٹ سے، ڈیئر ایڈیٹر السلام علیکم! ڈر کا شمارہ بہت لیٹ ملا، پھر بھی خط اس امید پر لکھ رہی ہوں شائع ہوگا۔ٹائٹل بہت خوبصورت تھا، لڑکی بہت پیاری تھی۔ادارے نے جو قرآن کی باتیں دی تھیں، پہلے وہی پڑھیں۔ پھر خطوط کی طرف چلے آئے، ا... واہ بلقیس خان کو پہلے تبصرے پر مبارک باد۔عثمان غنی خان آپ کا تبصرہ بھی بہت پیارا ہوتا ہے۔مسز خائستہ کا تبصرہ اچھا تھا، مریم فاطمہ [illegible] آپ کی نئی کہانی کا ہمیں بے حد انتظار ہے۔اب ہو جائے کہانیوں پر تبصرہ اس مہینے کے شمارے میں پہلے [illegible] بربنڈ ا بہت دم دار کہانی تھی۔ثناء شیخ لاجواب کہانی کے ساتھ بازی مارتی نظر آئی۔لٹیرا کہانی نے الجھایا، مگر مزہ نہیں دیا، آخری نشانی ایک جاندار اور اچھی کہانی تھی، جناتی دنیا آمیزنگ کہانی ہے۔عجیب واقعات بھی بس گزارہ لائق سی کہانی تھی۔ام الیقین بے حد خوب تر رہی، جدید روح بس نائس کہانی تھی۔جہنمی دروازہ قسط نمبر 2 نمکین سی کہانی ہے، اب تہہ خانے کے اندر جہنمی دروازہ نظر آرہا ہے، موت کی سرگوشی کہانی میں مزہ نہیں ہے، شاید آگے چل کر مزے دار ہو جائے، جلتے گلاب نے دل جیت لیا ہے، کہانی کے دونوں ہیرو اور ہیروئن بہت زیادہ باوقار ہیں، کہانی کا جو سونگ ہے، وہ بہت پیارا لگا۔آپ بہت نائس لکھتے ہیں، عثمان غنی خان کا جواب نہیں ہے۔ڈر ڈائجسٹ میں جلتے گلاب نے میرا دل جکڑ لیا ہے۔ویری نائس، اینڈ کیوٹ اسٹوری آف دی منتھ۔

☆☆دل نور صاحبہ: آپ کے خط نے بھی دل جیت لیا ہے ویری گڈ اینڈ نائس خط جس کا آئندہ ماہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

فریال عروج کوہاٹ سے، اس ماہ اپریل کا ڈر ڈائجسٹ بہت زیادہ لیٹ ہوگیا۔شاید آگے مئی کا ملے یا نہیں، قرآن کی باتیں بہت خوبصورت اور دیدہ زیب لگیں، خیر خطوط کی محفل میں پہنچے۔ پہلا تبصرہ بلقیس خان نے بے حد عمدہ لکھا تھا۔ویلڈن بلقیس خان۔عثمان غنی خان کا خط بہت پیارا لگا۔روہانیہ خط آپ اچھا لکھتی ہیں، کرن اور ہما خان آپ دونوں کا خط بے حد پیارا لگا۔ذیشان سمیر آپ کا تبصرہ بے حد پسند آیا۔مہرینہ دل جیت لیا ہے، بلال کا تبصرہ بھی ٹھیک تھا۔اللہ سب کو خوش رکھے۔سب کو سلامت رکھے۔ ڈر کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔اس ماہ کی کہانیاں کافی اچھی تھیں۔پہلی کہانی بربنڈ ڈ شاہکار تھی۔خوبصورت کہانی پڑھی۔زرتاش کا راز عمدہ تحریر لکھی، سنبل نے دل میں جگہ پکی کرلی، آخری نشانی ایس امتیاز احمد نے بھی دل میں جگہ پکی کرلی۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان پہلی قسط اب کیا بتائیں؟ آپ تو ہمارے فیوریٹ ہیں، کہانی کا انداز بہت زبردست ہے، طرز بیاں سب سے جدا، پلاٹ شاندار اور کہانی بہت زیادہ جاندار ہے۔دوسری قسط کا شدید انتظار ہے۔موت کی سرگوشی قسط نمبر 4 بورنگ لگی۔جہنمی دروازہ اب قدرے پیاری ہوگئی ہے، حویلی میں گھومتی ہوئی یہ تحریر اب من پسند آرہی ہے، اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی۔

☆☆ فریال صاحبہ: دل کی گہرائی سے خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے بہت بہت دلی شکریہ قبول کریں۔

کائنات بلوچ بلوچستان سے، السلام علیکم! جہاں تک پوری دنیا کرونا سے متاثر ہوئی تھی۔ وہاں ڈر ڈائجسٹ بھی نہ پہنچ سکا، اس لیے ہمیں اس بار بہت جان جھوکم میں ڈال کر ملا، سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، کافی دل کو سکون عطا کر گئیں۔ پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، بلقیس خان کا خط ٹاپ پر دیکھ کر خوشی سے پاگل ہوگیا تھا، آپ بے حد اچھا لکھتی ہیں، مگر خط بہت چھوٹا سا تھا۔ عثمان غنی خان آپ کا خط بہت زیادہ پسند آیا، دل نور آپ نے اچھا لکھا، شیخ معین صاحب آپ اچھا لکھ رہے ہیں۔ امرحہ خان آپ کا خط پسند آیا۔ ذیشان سمیر کا خط بہت بہت اچھا لگا۔ بلال کا خط نائس تھا، روہانیہ عامر کا خط اچھا تھا، فریال عروج آپ کا خط پسند آیا، سردار اعظم اور مون بخاری کا پیارا خط تھا، شرف الدین اور نامعلوم کے خط بھی اچھے تھے۔ پہلی کہانی بر ینڈ ڈ بہت پیاری رہی، کہانی نے نیا انداز اپنا کر دل خوش کردیا۔ آخری نشانی بہت اچھی لگی۔ زرتاش کا راز یہ کہانی ڈر کی جان دار کہانی ہے۔ جناتی دنیا کہانی خوب تر رہی، آخری رسومات بہت ہی پیاری تحریر رہی، ام الیقین سبق آموز کہانی تھی۔ پراسرار قوت بھی بس اچھی تھی۔ ایک شرط کہانی ایسے روانی میں پڑھی۔ لٹیرا نائس اسٹوری لکھی ہے، مگر دہرایا گیا موضوع تھا۔ ڈراؤنا سفر بہت خوب تھا۔ اول قسط جلتے گلاب عثمان غنی خان، ایک ایکٹر، زین کی کہانی جو اپنی محبت کی تلاش میں سرگرداں ہے، وہ اسے ملتی بھی ہے تو جلتے گلاب میں مقید، کہانی کا آئیڈیا خوب ہے، شاید اس سے پہلے کسی نے اس موضوع پر نہیں لکھا ہے۔ دوسری قسط کا انتظار ہے، جہنمی دروازہ دوسری قسط بھی اچھی ہے۔ موت کی سرگوشی بھی دھیرے دھیرے دل پر اثر کر رہی ہے۔

☆☆ کائنات صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا بلکہ بہت اچھا لگا امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھ کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔ Thanks۔

ماہم ملک پاک پتن شریف سے، میں ڈر ڈائجسٹ کی خاموش قاری ہوں، ماہ اپریل کا ڈر ڈائجسٹ بہت زیادہ مشکلات سے ملا، مگر شکر ہے، بلآخر مل گیا، اس بار کور بہت پیارا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کر کے دل سکون سے بھر دیا پھر خطوط کی محفل میں آئیں بلقیس خان کا خط پہلا تھا۔ پڑھا اچھا لگا، عثمان غنی خان کا تبصرہ بھی بہت عمدہ اچھا، نائس تھا، پلیز لکھاری بہن بھائیوں کو واپس آجانا چاہیے، ڈر آپ کا انتظار کر رہا ہے، اس بار ڈر میں لاک ڈاؤں کا خوب ساتھ رہا، ڈر کی پہلی کہانی نے دل جیت لیا۔ سب سے پہلے برینڈ ڈ پڑھی جو کہ اچھی لگی۔ آخری نشانی بہت اچھی مزے دار کہانی ہے۔ جناتی دنیا بے حد مزے دار کہانی رہی، لٹیرا بہت عمدہ لکھی ہے۔ زرتاش کا راز اس کہانی میں آخر تک کہانی کا چارم موجود تھا۔ آخری رسومات اچھی لکھی، پراسرار قوت بھی اچھی تھی۔ ام الیقین بھی اچھی تھی، جلتے گلاب عثمان غنی خان پہلی قسط میں جو شروع میں سینز دیے ہیں۔ وہ کہانی سے ریلیٹڈ ہیں۔ اگر اس کہانی میں بھی ہیرو یا ہیروئن کو مار دیا، تو پھر ہم نے ناراض ہو جانا ہے۔ ویسے بھی کہانی کے ایک سین میں ایک لڑکا اپنے آپ کو پستول سے گولی مارتا ہے۔ مگر اس چھوٹے سے سین نے میرا دل مٹھی میں لیا ہوا ہے۔ جلتے گلاب ڈر کی ایک رومینٹکلی اسٹوری ہے۔ جہنمی دروازہ قسط نمبر 2 حویلی کی بھول بھلیوں میں، گم ایک تہہ خانے میں ہے۔ جہاں ایک عفریت قید ہے، مگر کہانی کے کرداروں کے نام ایسے ہیں، جو کہانی کا چارم ہی کم کر دیتے ہیں۔ شرفو، نادر، سیما، نواب انور، وحیدہ، عالی بابا، ایسے لگتا ہے، جیسے ہم کوئی پچاس سالہ پرانی بار فلم دیکھ رہے ہوں۔ موت کی سرگوشی بھی اب قدرے اچھی ہوگئی ہے۔ مگر یہ مشکل کہانی ہے، جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اب اس آپ بیتی کہانی کا خلاصہ کچھ کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔

☆☆ ماہم صاحبہ: اگر آپ غور کریں تو یہ کہانی پرانے دور کی ہے، یعنی نوابی دور کی، خیر اپنی اپنی پسند کی بات ہوتی ہے۔

مہرینہ غلام علی بدین سے، السلام علیکم! امید ہے کہ ادارہ بخیر و خیریت ہوگا، کیونکہ پاکستان میں کرونا کی وجہ سے بہت کچھ ڈسٹرب ہوگیا ہے۔ میں دعا کرتی ہوں، ادارہ بالکل خیر و عافیت سے ہو۔ ڈر کا نیا شمارہ کافی مشکلات سے ملا، مگر ملا تو صحیح، بلقیس خان نے اچھی باتیں لکھ کر ادارے کا دل جیت لیا، اس لیے سربراہی ان کو سونپی گئی۔ بلقیس خان آپ کو سلام اور آپ کی سوچ کی قدر کرتے ہیں۔ عثمان غنی خان، آپ میرے فیوریٹ رائٹر ہیں، اس لیے ہمیشہ لکھتے رہیے گا؟ اللہ کرونا سے سب کو محفوظ رکھے، آمین۔ اول صفحات پر برینڈ ڈ بہت بے مثال تحریر ہے۔ آخری نشانی میں الیس امتیاز نے جادوئی قلم کا بخوبی استعمال کیا، یہ مدتوں یاد رہے گی۔ زرتاش کا راز کہانی بھی اچھی تھی۔ عجیب واقعات پسند نہ آسکی۔ جناتی دنیا بھی پسند نہ آسکی۔ ام الیقین بھی اچھے موضوع پر لکھی گئی پیاری تحریر ہے، پراسرار قوت مجھے بے حد بہترین لگی، لٹیرا بھی بیسٹ تھی۔ آخری رسومات اچھی لگی۔ ایک شرط بالکل پیاری تھی، جہنمی دروازہ قسط نمبر 2 ٹی کہانی اسٹارٹ ہوگئی ہے۔ مگر بہت زیادہ حویلی کے اندر گھوم رہی ہے، موت کی سرگوشی گزارہ لائق ہے۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان کی اس نئی کہانی نے تو ہمارا دل ہی جیت لیا ہے۔ کہانی کا ہیرو بہت زیادہ چارمنگ ہے، اس پر لڑکیاں فدا ہو رہی ہیں اور وہ لاپرواہ روڈ سے انداز میں اپنی محبت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ پلیز اس

طرح ہارر کمبینشن کے ساتھ لواسٹوری لکھا کریں، جو ذہن کو اپنے حصار میں لے سکے۔ ویلڈن عثمان غنی خان۔
☆☆ مہرینہ صاحبہ: آپ کا خط لکھنے کا انداز بہت پیارا اور دلکش ہے، آئندہ ماہ بھی دلکش خط لکھنا نہ بھولئے گا۔

مینال اعظم لاڑکانہ سے، اس ماہ کا ڈر ڈائجسٹ بابا کو کئی بار کہنے کے بعد مہینے کے بالکل آخر میں ملا، وہ بھی بہت عجیب سے انداز میں، بابا جان کو کہہ کہہ کر تھک گئی، مگر وہ کہتے تھے کہ بازار بند ہیں، مگر اس بار کور بہت پیارا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی۔ پھر خطوط کی محفل میں آئی، بلقیس خان کا خط بہت پسند آیا، سب کو سلام، دل کرتا ہے، مجھے بھی پورے دل سے ویلکم کہا جائے، اس بار خطوط میں کافی اچھی باتیں کی گئی تھیں۔ سب کے تبصرے مثبت تھے، اس ماہ پہلی کہانی برینڈڈ قابل قدر تحریر تھی، آخری سین میں نے خود بابا جانی کو کئی بار سنایا۔ گڈ پیاری دل سے سراہنے والی تحریر ہے۔ اچھا نیا موضوع تھا۔ بابا نے بھی تعریف کی، آخری نشانی بھی اچھی کہانی ہے، عثمان غنی خان کی جلتے گلاب خطوط میں ان کی محبت کو دیکھتے ہوئے پڑھنی شروع کردی، یہ کہانی پہلی قسط میری من پسند رہی، ویسے تو ان کی تعریف نہیں کی جاتی ہے، ماشاءاللہ بہت زیادہ منفرد تحریر ہے، شروع کے سینز نے سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔ کس نے اپنے آپ کو گولی ماری ہے؟ ام الیقین کہانی بہترین کہانیوں میں ایک تھی۔ پراسرار قوت بھی اچھی تھی۔ باقی سارا شمارہ اچھا تھا۔ اشعار، لطائف اور کٹ پیس سب اچھے تھے۔
☆☆ مینال صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم آپ کا خط پڑھ کر دل جھوم اٹھا، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

نادیہ ڈسکو لاہور سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ ماہ اپریل کا ڈر مئی کی پہلی تاریخ کو ملا، میرا نام حسنین یعقوب تھا مگر یہ نام میرے ماں باپ نے رکھا تھا۔ بعد میں جب میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا، تو میں نے اپنا نام نادیہ ڈسکو رکھ دیا، ڈر کا ساتھ اتنا پرانا تو نہیں ہے، مگر ہماری ایک شی میل ٹرانس جینڈر کبھی کبھار فراغت میں پڑھ لیا کرتی تھی، تو اس بار لاک ڈاؤن میں، میں نے بھی پڑھنا شروع کردیا۔ ٹائٹل کور اچھا تھا، سمجھ نہیں آرہا کیا لکھوں، کبھی خط نہیں لکھا ہے، خطوط سب کے بہت اچھے تھے۔ سب بہت قابل تعریف لوگ ہیں۔ پہلی کہانی برینڈڈ بے حد پسند آئی۔ آخری نشانی بھی عمدہ کہانی ہے۔ جناتی دنیا مجھے پسند آگئی، زرتاش کا راز کمال کی کہانی ہے۔ آخری رسومات بھی بہت اچھی کہانی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر 1 مجھے بہت اچھی لگی، کہانی کا ہیرو مجھے بہت پسند آیا، ایسے محبت کرنے والے آج کل کہاں ملتے ہیں، آج کل کی محبت تو صرف جسم کی بھوک کی حد تک رہ گئی ہے، اس لیے تو بڑے بڑے عذاب آرہے ہیں۔ جلتے گلاب شاید میں آگے پڑھ نہ پاؤں گی، کیونکہ میں نے بس صرف وقت گزاری کے لیے ڈائجسٹ پڑھا تھا۔ مگر بہت زیادہ اچھی کہانی ہے، میرے ساتھ میری دوست ماہین ہے، جو ڈائجسٹ پڑھتی ہے، وہ کہتی ہے، میں یہ کہانی تمہیں آگے ضرور بتاؤں گی۔ بس ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی دعا کرلیا کریں۔
☆☆ نادیہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ ڈر ضرور پڑھا کریں، کیونکہ اس سے معلومات میں اضافہ اور وقت پاس ہوتا رہتا ہے۔

رومانسہ عالم شیخ ملتون ٹاؤن مردان سے، ہیلو ایوری ون! پہلی بار ایسا ہوا، جو ڈر کا شمارہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔ بس دل عجیب سا بے چین ہو رہا تھا، جب مل گیا، تو دل کو خوشی ہوئی، مگر مہینہ تمام ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں۔ پلیز قرآن کے صفحات دو کردیں، پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے۔ بلقیس خان نے جاندار تبصرہ کر کے دل جیت لیا۔ عثمان غنی خان کا خط اچھا تھا۔ مہر پرویز نے بھی اچھا خط لکھا، مریم فاطمہ کو عشق ممنوع پر مبارک باد قبول ہو، آپ اگر فیس بک پر ہیں، تو اپنے کتاب کے ٹائٹل کور والی پک اپ لوڈ کردیں، ہم دیکھ لیں گے۔ برینڈڈ پہلی کہانی مجھے تو پسند آئی، کیونکہ یہ کہانی بہت اچھی اور بہترین تھی۔ اور بہت زیادہ نیو تھی، آخری نشانی بھی ایک بہترین اور اچھی کہانی ہے۔ زرتاش کا راز ارے اتنی بھرپور اور مزے دار کہانی، سیدھی دل میں اتر گئی ہے۔ آخری رسومات بھی بہت بھرپور کہانی ہے۔ ایک شرط کہانی اچھی تھی۔ ام الیقین کہانی بہت اچھی رہی، مگر اس کہانی کا نام ٹائم ٹریول ہونا چاہیے تھا۔ عثمان غنی خان کی پہلی قسط جلتے گلاب، ایک رومانوی کہانی ہے اور سچ پوچھیے تو ہم لڑکیوں کو رومانوی کہانیاں بہت زیادہ اٹریکٹ کرتی ہیں۔ یہ میرے خیال میں ایک سپر ہٹ کہانی ہے۔ کیونکہ مجھے تو اس کی پہلی قسط بہت زیادہ من پسند آگئی ہے، دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ عثمان غنی خان اپنے چاہنے والوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ جہنمی دروازہ بھی اچھے انداز میں آگے چلی گئی ہے۔ موت کی سرگوشی اتنی اچھی نہیں ہے۔ مگر رینگ رہی ہے۔
☆☆ رومانسہ صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کا خط پڑھ کر بہت اچھا لگا، آپ کے خوبصورت خط کا آئندہ ماہ شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

☆☆

کالی شکتی

ایڈووکیٹ نیناخان-کراچی

چڑیل کی آواز اچانک گونجی، بدلے کی آگ میں جتنا جلی ہوں، اس سے کھیں زیادہ تجھے بھی جلائوں گی میں تجھے برباد کردوں گی، ہرحال میں تیری بلی ضرور چڑھے گی اور پھر

شہر کی دنیا میں تہلکہ مچاتی اور رگ و پے میں خون منجمد کرتی اور جسم پر کپکپی طاری کرتی روداد

''**ارمان** بیٹا میں نے تمہارے سارے گرم کپڑے رکھ دیئے ہیں پلیز ذرا احتیاط سے کام لینا بیمار نہ پڑ جانا۔''

امی کو مسکرا کر بانہوں میں بھرتے ہوئے ارمان بولا!

''میری پیاری امی اتنا خیال نہ کیا کریں۔ اب میں بڑا ہو چکا ہوں۔ اب آپ کی بہو کے آنے کا بھی ٹائم آ گیا ہے۔ اس لئے ذرا کم خیال کیا کریں میرا۔ کل کو آپ کی بہو آئے گی تو اس نے بھی تو میرا خیال کرنا ہے نا۔ تھوڑا خیال اس کے لئے بھی رہنے دیں۔''

امینہ بیگم پیار سے ارمان کے سر پر چپت لگا کر بولیں! ''ابھی بیوی آئی نہیں ہے اور ابھی سے ہی اس کی فکر لاحق ہوگئی۔ بیٹا بیوی جتنی بھی اچھی ہو ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ ماں جیسی کیئر کوئی نہیں کرسکتا۔''

تو ارمان مسکرا کر بولا!

''ارے امی میں تو مذاق کرر ہا تھا آپ کو چھیڑ رہا تھا۔ And I Know میری ماں جیسی کیئر تو کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ جس طرح ابو کے جانے کے بعد ابو کے بزنس اور مجھے آپ نے سنبھالا ہے ناں۔ Salute ہے آپ کو I love you امی جان۔''

''I Love You Too بیٹا۔ خوش رہو ہمیشہ اور ارسم کب تک آئے گا؟''

''بس آنے ہی والا ہے۔ ہم نکل جائیں گے ساتھ اور پلیز امی جان آپ پریشان نہ ہونا میرے لئے جب آپ میرے ساتھ نہیں ہوتیں نا اس وقت میری دوسری ماں ارسم میرے ساتھ ہوتا ہے۔ ہا...... ہا...... ہا۔''

ارمان کی بات سن کر امینہ خاتون ہنستے ہوئے بولیں۔!

''ارمان تم کبھی نہیں سدھرو گے۔ ارسم جیسا لائق دوست مخلص دوست قسمت سے ہی ملتے ہیں۔''

ارسم ارمان کے روم میں انٹر ہوتے ہوئے امینہ خاتون کی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا!!

''اور اسے لائق مخلص دوست کی قدر کرنی چاہیے۔ آنٹی سمجھتا ہی نہیں ہے یہ تو ایک سیدھی اور سچی بات کو۔ اسے رات دن سمجھاتی رہا کریں۔''

ارمان چڑ کر بولا۔

''بس کر یار اب تو بھی شروع ہو جا ہمیں چلنا چاہئے میں تو بہت Excited ہوں خطہ کے ٹرپ پر ہمیں نکلنا چاہئے۔''

امینہ بولیں۔ ''ارسم بیٹا پلیز ارمان کا خیال رکھنا اسے فوراً ٹھنڈ لگ جاتی ہے۔ اور کھانے پینے کا بھی خیال رکھنا دونوں۔''

ارسم مسکراتے ہوئے بولا۔!

''Dont Worry آنٹی میں ہوں نا میرا بچپن کا دوست ہے۔ ہم دوستوں سے بڑھ کر ہیں اور یہ تو میرا بھائی ہے۔ میں ہوں میرے ہوتے ہوئے آپ کو ارمان کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا حافظ ہم چلتے ہیں اور ہاں کار میں خود Drive کروں گا۔''

''بس اب بہت ہوگئیں باتیں چل اب نکل یار خدا حافظ امی جان۔''

امینہ خاتون ارسم اور ارمان کی کار میں بیٹھتے ہوئے کئی ہدایتیں کرتے ہوئے کار کو جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔

☆.....☆.....☆

''ابو جان آپ نے نماز پڑھ لی ہے تو آجائیں میں چائے نکال رہی ہوں امی بھی آپ کا انتظار کررہی ہیں۔''

ارم نے ریاض احمد کے روم میں آتے ہوئے کہا۔ تو ریاض احمد نے دعا مانگنے کے بعد جائے نماز اٹھائی اور ٹیبل پر رکھ کر ارم پر دم کرنے لگے۔ ارم مسکراتے ہوئے بولی!!

''ابو جان میں آپ کی دعاؤں کے حصار میں ہوں، مجھے کچھ نہیں ہونے والا۔''

''بیٹا اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کی حفاظت فرمائے (آمین) میں تو آپ کا ابو ہوں نا مجھے تو اپنی اکلوتی بیٹی کی فکر رہتی ہے نا جبھی تو دم کرتا رہتا ہوں قرآنی آیاتیں، اچھا اب یہ بتاؤ آپ نے نماز ادا کی؟؟؟''

''جی ابو جان میں نے بھی نماز ادا کرلی ہے۔ بس چائے پر آپ کا انتظار کررہے ہیں ہال میں چل کر چائے پی لیں۔''

اور پھر ہال میں بیٹھ کر تینوں چائے پینے لگے۔

☆.....☆.....☆

''یار ارسم اب بس بھی کر مجھے Drive کرنے دے۔'' ارسم کار روک کر ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا ارمان کار چلانے لگا۔ ارسم بولا!!

''ارمان ذرا آرام سے ڈرائیو کر یار اور یہ تو نے راستہ کیوں بدل دیا؟'' ارمان ہنستے ہوئے بولا۔

''کیوں کہ ہم خطہ نہیں کالے جنگلات کی طرف جارہے ہیں میں نے انٹرنیٹ پر سرچ کیا تھا۔ وہاں ایک ڈاک بنگلہ بھی بنا ہوا ہے میں نے پہلے ہی اس کی ریزرویشن کروالی ہے۔ ہم اس ڈاک بنگلے میں Stay کریں گے۔ اور جنگلات کی سیر کرنے کے ساتھ ساتھ خوب شکار بھی کریں گے۔ میں نے امی جان سے چھپ کر بندوقیں بھی رکھ لی ہیں۔ ہرن کا شکار کر کے میں تو ہرن کے گوشت کے کباب بنوا کر کھاؤں گا اف کیا مزہ آئے گا۔''

ارسم منہ بنا کر بولا۔ ''Shut Up یار، تو کبھی نہیں سدھرے گا۔ اپنے اس پروگرام کے بارے میں کم از کم مجھے تو بتا دیتا۔ میں مینٹلی طور پر تیار ہو جاتا۔ اور یہ کالے جنگلات کا تو ایک واقعہ بہت زیادہ نیٹ پر دکھا رہے ہیں۔ ان جنگلات میں اثرات ہیں مجھے لگتا ہے کہ ہم غلطی کررہے ہیں وہاں جا کر میری بات مان اور واپس لے لے کار دوسرے راستے پر۔''

ارمان ارسم کے سر پہ ہلکے سے چپت لگا کر بولا۔

''تو بہت ڈرپوک ہے بھئی، ذرا بہادر بن، میری طرح۔'' ارسم ارمان کی بات پر ہنستے ہوئے بولا۔

''اب کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ پر کار روک کر کھانا تو کھلا دے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ چائے بھی پینی ہے۔''

''Ok,Ok بس آنے والا ہے ریسٹورنٹ۔''

ارمان نے ایک ڈھابے کے قریب کار روک کر پارک کی اور تخت پر بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دیا کھانا کھا کر چائے پینے لگے ہی تھے کہ ایک کالی بلی ایک دم سے ان کے تخت پر چھلانگ لگا کر آئی اور ارمان کو دیکھنے لگی۔ ارسم نے جھٹ سے اسے بھگا دیا۔ چائے پی کر ارسم کار

ڈرائیو کرنے لگا انٹرنیٹ سے راستہ سرچ کرتے ہوئے وہ کار بھگائے جا رہا تھا لیکن کالی بلی جو ڈھابے پر ان کے پاس چھلانگ لگا کر آئی تھی مسلسل ان کی کار کے پیچھے دوڑ رہی تھی ارمان نے ارسم کو یہ بات اس لئے نہ بتائی کہ کہیں ارسم واپس نہ گھر لے جائے اور ارمان کا شکار کا خواب ادھورا نہ رہ جائے وہ ہر حال میں ہرن کا شکار کر کے اس کے کباب بنا کر کھانا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بیٹا ارم کال تو ملاؤ ذرا ارسم کو اتنی غیر ذمے داری کا ثبوت دے رہا ہے یہ لڑکا۔ اب تک کوئی خیر خبر نہ دی، نہ لی۔''

ریاض احمد کے کہنے پر ارم جھنجھلا کر بولی!

''ابو جان شام سے کال کر رہی ہوں بھائی جان کو ان کا نمبر مل نہیں رہا۔ میں تنگ آ گئی انہیں کال کرتے کرتے۔'' ریاض احمد غصے سے بولے!

''حد ہے غیر ذمے داری کی بس ارمان کا ساتھ مل جائے بے خبر ہو جاتا ہے یہ لڑکا۔''

ریاض احمد کی بات پر چڑ کر رابعہ بیگم بولیں!

''بس کریں ریاض احمد میرا ارسم ہرگز غیر ذمے دار نہیں ہے۔ وہ تو بہت سمجھدار لڑکا ہے۔ ہر کام ذمے داری سے انجام دیتا ہے۔ اس کا ایک ہی تو بچپن کا دوست ہے ارمان پھر ہمارے تعلقات بھی کوئی آج کے نہیں ہیں۔ ارمان کے ابو آپ کے گہرے دوست تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے کبھی ارسم کو ارمان کے کام آنے سے نہیں روکا اور نہ ہی امینہ کے آپ خود بھی تو کتنا خیال رکھتے ہیں ارمان اور امینہ کا۔''

ریاض احمد مسکرا کر بولے!'' بیٹے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا تم! ہاں امینہ بھابھی اور ارمان میرے سب سے پیارے دوست کے اپنے ہیں پھر ان کا خیال رکھنا تو ہمارا فرض ہے نا۔ اچھا بیٹا ارم تم کال کرتے رہنا جیسے ہی ارسم سے بات ہو میری بات کروا دینا۔''

''جی ٹھیک ہے ابو جان۔''

☆.....☆.....☆

انٹرنیٹ سے راستہ سرچ کرتے ہوئے آخر کار ارمان اور ارسم ڈاک بنگلے میں پہنچ گئے۔ شام اب رات میں تبدیل ہو چکی تھی ڈاک بنگلے کا بڑا سا لوہے کا گیٹ ایک سیاہ رنگ کے آدمی نے کھولا اور اندر آنے کا اشارہ کیا ارسم کار بنگلے کے اندر لے گیا۔ چاروں طرف درخت ہی درخت تھے۔ زمین پر خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ہوائیں مزید تیز ہونے لگی تھیں۔ سیاہ رنگ کے آدمی نے گیٹ بند کر کے کار کی طرف بھاگتا ہوا آیا اور پیچھے سے ارمان کے سامنے تیزی سے آ گیا ارمان ڈر گیا۔ ارمان کو ڈرتا ہوا دیکھ کر ارسم ہنستا ہوا بولا!!

''کسی ہارر فلم کے ہارر بنگلے کی طرح لگ رہا ہے اوپر سے واچ مین صاحب کی انٹری بھی اتنی اچانک ہارر تھی کہ ڈر لگتا ہے۔'' ارمان جھینپتے ہوئے بولا۔

''شٹ اَپ ارسم میں کسی سے نہیں ڈرتا بس یہ واچ مین اچانک سامنے آ گیا۔ اس لئے تھوڑا سا چونک گیا بس۔ ڈرتا تو نہیں ہوں میں۔''

ارسم ارمان کے اس طرح جھینپنے پر زور سے ہنسا واچ مین نے جلدی سے اپنی بھاری سی آواز میں کہا۔

''صاحب میرا ام جاموٹ ہے۔ میں یہاں چوکیداری کے علاوہ بھی بہت سے کام کرتا ہوں۔ آپ دونوں کے کمرے میں نے صاف کر دیئے ہیں۔ اپنا سامان مجھے دیں میں آپ کو آپ کے کمرے دکھاتا ہوں۔ آپ دونوں غسل کر کے نیچے ہال میں آ جائیں میں میز پر کھانا گرم کر کے لگاتا ہوں۔ اپنی بیٹی کے ساتھ ملر کھانے کی میز پر ہی آپ سے مالک صاحب بھی ملیں گے۔ مالک صاحب ہی دراصل اس ڈاک بنگلے کے مالک ہیں۔ وہ بھی بس آتے ہی ہوں گے چلیے۔''

''بڑا سا گارڈن کراس کر کے بنگلے کا گیٹ کھول کر ہال سے گزرتے ہوئے سیڑھیوں کی مدد سے پہلی منزل پر قطار در قطار کمرے بنے ہوئے تھے اور سبھی کمروں کے دروازے مضبوط لکڑی کے بنے ہوئے تھے جس پر پرانے زمانے کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ جاموٹ انہیں سب سے آخر کے کمرے کی طرف لے

گیا۔ انہیں ان کے کمرے دکھائے جیسے ہی وہ جانے لگا ارسم بولا۔

''جاموٹ سیڑھیوں سے اتنا پیدل چل کر ہم اپنے کمروں میں آئے ہیں اب کھانے کے لئے اتنا ہی چل کر آئیں گے۔ سیڑھیوں کے ساتھ والے کمرے ہی ہمارے لئے صاف کروا دیتے نا''

ارسم کی بات پر ارمان بھی تائید کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں کھانا کھانے کے بعد اپنے روم میں آتے، آتے تو ہمارا کھانا ہی ہضم ہو جائے گا، کیا ہم پھر سے کھانا کھانے آئیں۔ ہم تو اسی میں ہی پورے ہو جائیں گے۔''

ارمان کی بات پر ارسم زور سے ہنسنے لگا مگر جاموٹ سنجیدہ ہی رہا پیچھے سے آتے ہوئے ایک خوبصورت دوشیزہ نے کہا۔

''جناب ذرا پیچھے بھی دیکھ لیجئے۔ اگر آپ پیچھے دیکھ لیتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے میرے بابا سے۔''

لڑکی کی آواز پر دونوں نے پلٹ کر دیکھا تو ان کے پیچھے ایک انتہائی خوبصورت دوشیزہ کھڑی تھی اس کی ترنم سی آواز جیسے کانوں میں رس گھولتی ہوئی محسوس ہوئی انداز بھی اس کا بہت شیریں سا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سنگ مرمر کی بنی ہوئی لگ رہی تھی ارمان یک ٹک اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا۔ اس کی نظریں بھی ارمان سے جا ملی تھیں چہرے پر ایک دھیمی سی مسکان سجائے ارمان کو ہی دیکھ رہی تھی۔ ارمان جیسے اس کی خوبصورتی کے سحر میں کھو سا گیا تھا۔ ارسم نے اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

''ارمان مروائے گا کیا اس کا باپ کھڑا ہے لڑکی کو تاڑنا بند کر۔''

ارمان خود کو سنبھالتے ہوئے بولا!

''جی.....جی.....میں تو بس.....وہ ذرا۔''

ارمان کی بوکھلاہٹ پر خوبصورت دوشیزہ سائیڈ پر ہوتے ہوئے اشارے سے دوسری جانب سے سیڑھیوں کی طرف ہاتھ کر کے بولی!

''وہ دیکھئے دوسرے سائیڈ پر بھی سیڑھیاں جو نیچے ہال کی جانب اترتی ہیں۔ یہ بنگلہ ذرا پرانے وقتوں کا بنا ہوا ہے۔ کمرے بہت ہیں یہاں مگر سب سے اچھے کمرے بابا نے آپ کے لئے صاف کر دیئے ہیں۔ آپ دونوں فریش ہو جائیں ٹیبل پر کھانا لگ جائے گا۔ آ کر نوش فرمایئے گا۔''

جاموٹ دوسری سائیڈ سے اپنی بیٹی کو لے کر نیچے ہال میں اتر گیا۔ ارمان لڑکی کو جاتے ہوئے ہی دیکھتے رہا ارسم نے اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

''بس کر بھائی تو تو لٹو بنا جا رہا ہے۔ مانا کہ لڑکی بہت خوبصورت ہے مگر اب اس کے باپ کے سامنے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا مناسب نہیں۔ وہ کیا سوچے گا کہ ہم کسی بڑے خاندان کے بگڑے نواب ہیں۔''

ارمان گہری سوچ سے نکلتے ہوئے بولا۔

''یار ارسم مجھے ایک بات تنگ کر رہی ہے کہ جاموٹ اتنا کالا سیاہ ہے اور اس کی بیٹی اتنی گوری اور خوبصورت وہ تو سنگ مرمر کی ایک مورتی لگ رہی تھی سراپا حسن۔ اس کی آواز جیسے ترنم ساز گونجنے لگے ہوں۔ اوپر سے اس کی مسکراہٹ اف قاتل مسکراہٹ ہے اس کی جان کے ساتھ ساتھ وہ تو میرا دل ہی لے گئی۔''

ارمان کو روکتے ہوئے ارسم بولا!

''بس کر دے یار بس کر دے اتنی تعریفیں مت کر جاموٹ نے سن لیا نا تو ہمیں رات میں ہی اس بنگلے سے نکال نہ دے۔ بہت بھوک لگ رہی ہے میں تو فریش ہونے جا رہا ہوں اور تو بھی فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ۔''

دونوں فریش ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے طرح طرح کے کھانے ٹیبل پر سجے ہوئے تھے خوشبو سے مزید بھوک میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ارسم اور ارمان بغیر مالک صاحب کا انتظار کئے کھانے پر ٹوٹ پڑے اور مزے سے کھانا کھانے لگے۔ آج دونوں نے کچھ ضرورت سے ہی زیادہ کھا لیا تھا۔ خوبصورت دوشیزہ نے قہوہ رکھ کر پیالیوں میں نکالا ارسم کے سامنے پیالی رکھ دی جبکہ

ارمان کو اپنے ہاتھوں سے پیش کیا ارمان پھر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ نظریں ملانے کے بعد دونوں ہی جیسے دنیا سے بے خبر ہو گئے ہوں۔ مالک صاحب بناوٹی کھانستے ہوئے ان کے پاس آ کر بولے!

''میں ہوں مالک۔ اور ڈاک بنگلے کا مالک بھی میں ہی ہوں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ دونوں ہمارے اس بنگلے میں آئے۔ امید ہے کہ جاموٹ اور ہماری نیلم بیٹی آپ کا بھرپور خیال رکھیں گے۔ نیلم بیٹا مہمانوں کو ذرا بھی تکلیف نہ ہونے پائے۔'' معنی خیز انداز میں نیلم مسکرا کر مالک صاحب کو دیکھ کر بولی!

''آپ فکر نہ کریں چاچا میں آپ کے مہمانوں کا خوب خیال رکھوں گی۔''

''مجھے تم سے یہی امید ہے۔''

مالک صاحب بولے اور وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد ارمان قہوہ پیتے ہوئے بولا!

''تو تمہارا نام نیلم ہے؟''

''جی صاحب میرا نام نیلم ہے اور آپ کا نام کیا ہے؟''

''ارمان۔ میرا نام ارمان ہے اور یہ میرا دوست ہے ارسم ہے ہم یہاں جنگلات کی سیر اور شکار کے لئے آئے ہیں سنا ہے ان جنگلات میں ہرن بہت ہیں مجھے ہرن کا گوشت بہت پسند ہے۔'' نیلم قاتلانہ مسکراہٹ سے بولی!

''آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے ارمان صاحب۔''

''ارمان صاحب نہیں تم مجھے صرف ارمان کہا کرو تمہارے منہ سے ارمان نام اچھا لگتا ہے مجھے تو آج سے پہلے کبھی اپنا نام پیارا نہیں لگا۔'' ارسم شرارت سے بولا۔

''''ہاں ہم تو بہت نفرت سے تیرا نام لیتے ہیں۔ ارمان۔'' ارمان چڑ کر بولا۔

''تو تو چپ کر مجھے نیلم سے بات کرنے دے۔'' نیلم مسکراتے ہوئے بولی۔

''رات بہت ہو گئی ہے اب آپ دونوں کو آرام کرنا چاہئے شب بخیر۔''

☆.....☆.....☆

''السلام علیکم! ریاض بھائی۔ اتنی رات گئے آپ کو کال کرنے کے لئے بہت معذرت مگر میں پریشان ہو رہی تھی ارمان اور ارسم کی کال تک نہیں آئی ان کی خیریت تک پتا نہیں چلی۔ کیا آپ کی ارسم سے بات ہوئی؟''

امینہ کے رات میں کال کرنے سے ریاض احمد بھی پریشان سے ہو گئے تھے امینہ کو جواب دیتے ہوئے بولے!

''امینہ بھابھی وعلیکم السلام۔ آپ پریشان نہ ہوں میری ارسم سے بات ہوئی تھی بہت زیادہ سگنل کا ایشو ہے وہاں پھر بچے تھک بھی گئے تو کل بات کرنے کا کہا ہے دونوں بچے بخیریت پہنچ گئے ہیں آپ فکر نہ کریں کل ارمان آپ کو کال کرے گا۔''

امینہ مطمئن ہوتے ہوئے بولیں!

''شکر ہے خدا کا آپ سے دونوں بچوں کی خیریت معلوم ہو گئی اچھا پھر سے معذرت آپ آرام کریں خدا حافظ۔''

''معذرت کی کوئی بات نہیں بھابھی چلیں آپ بھی آرام کریں خدا حافظ۔'' ریاض احمد بولے۔

ارسم ریاض احمد سے مختصر سی بات کر کے اپنے روم کے بیڈ پر لیٹتے ہی سو گیا تھا جبکہ ارمان بیڈ پر لیٹا نیلم کے بارے میں یہی سوچ رہا تھا نیلم اس کے حواس پر چھا سی گئی تھی نیلم کی بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھوں میں ارمان ڈوب سا گیا تھا۔ ابھی وہ نیلم کے سراپا حسن میں ہی گم تھا کہ اچانک اسے اپنے بیڈ پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا جیسے ہی ارمان نے کروٹ لے کر دیکھا تو وہی کالی بلی جو دن میں ڈھابے پر اچانک سے ان کے تخت پر آن دھمکی تھی پھر وہی کالی بلی ان کے پیچھے راستے بھر ساتھ ساتھ دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ اب وہ ارمان کے بیڈ پر اس کے برابر میں لیٹی ہوئی آرام فرما رہی تھی ارمان یہ دیکھ کر غصہ میں آ گیا وہ اسے بھگاتے

ہوئے بولا۔

''حد ہے یار یہ تو وہی کالی بلی ہے میرے برابر میں میرے ہی بیڈ پر پاؤں پھیلا کر لیٹی ہوئی آرام فرما رہی ہیں میڈم۔ اوئے کالی بلی جا یہاں سے۔''

وہ کالی بلی اس طرح سے حکم کی بجا آوری لائی کہ ارمان حیران ہو گیا کمرے کی کھڑکی سے باہر درخت میں کہیں غائب ہوگئی ارمان مسکرا کر خود کلامی کر کے بولا۔

''واہ بھئی یہ بلی تو بہت سمجھدار ہے۔ فوراً میری بات سمجھ کر چلی گئی۔''

ارمان نے مسکراتے ہوئے کھڑکی بند کی اور بیڈ پر لیٹتے ہی سو گیا۔

ریاض احمد رات کے تیسرے پہر اچانک خواب میں ڈر کر بیدار ہوئے تو کمرے کی لائٹ آن کر کے سرہانے رکھا جگ دیکھا تو وہ خالی ہو چکا تھا۔ رابعہ بیگم لائٹ آن ہونے سے بیدار ہو کر ریاض احمد کو پریشان دیکھ کر بیٹھتے ہوئے بولیں!!

''کیا ہوا ریاض احمد اس طرح بیٹھے کیوں ہو۔ سب خیریت ہے نا؟''

''نہیں رابعہ اچانک آنکھ کھل گئی تھی حلق خشک ہونے لگا تھا۔ میں اپنے عبادت کرنے والے کمرے میں جا رہا ہوں وہاں اپنے اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں تم سو جاؤ۔''

ریاض احمد کی بات سے رابعہ مطمئن نہ ہو سکیں مگر لائٹ آف کر کے سو گئیں۔ ریاض احمد اپنے عبادت والے کمرے میں عبادت میں مشغول ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

''ارے امی جان آپ خفا کیوں ہو رہی ہیں ہم سفر میں اس قدر تھک گئے تھے کہ بس کھانا کھاتے ہی سو گئے اس لئے میں آپ کو کال نہیں کر سکا۔ پلیز معاف کر دیں۔''

ارمان کی بات کا جواب دیتے ہوئے موبائل پر امینہ بولیں۔

''تمہیں پتا ہے نا ارمان میں تمہارے لئے کس قدر فکر مند رہتی ہوں۔ تم بہت کیئر لیس ہو۔ اب ہر روز مجھے کال کر کے اپنی خیریت بتاتے رہنا سمجھے تم۔''

''جو حکم امی جان..... ہا..... ہاہا۔'' ارمان بولا۔

''اچھا اچھا اب مکھن مت لگاؤ اور ہاں کھانا ٹائم پر کھانا گھومنے پھرنے میں اپنی صحت کو نہ بھول جانا سمجھے تم۔''

''بہت اچھی طرح سمجھ گیا امی جان۔ اچھا میں آپ کو اب کل کال کروں گا ابھی میں ارسم کے ساتھ وزٹ پر جا رہا ہوں۔''

ارمان کی بات سن کر امینہ نے کہا۔

''خدا حافظ بیٹا۔''

☆.....☆.....☆

نیلم کو اپنے پاس آتا دیکھ کر ارمان اس کی آنکھوں کے سحر میں ڈوبتے ہوئے بولا۔

''اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں؟''

نیلم اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گارڈن میں پڑے جھولے پر سوار ہو کر جھولا جھولنے لگی ارمان اسے Push کر کے جھولا جھلاتے ہوئے بولا۔

''میں نے آج تک اپنی لائف میں اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی۔ نیلم تم بہت خوبصورت ہو۔''

نیلم نے چہکتے ہوئے جھولا جھولتے ہوئے بولا۔

''تو گویا آپ مجھ سے دل لگی کر رہے ہیں صاحب۔''

''صاحب نہیں ارمان بس ارمان کہو مجھے اچھا لگے گا۔ تمہارے خوبصورت ہونٹوں اور آواز میں اپنا نام سننا۔''

نیلم معنی خیز انداز میں جھولا روکتے ہوئے ارمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی!

''ارمان اگر آپ میرے ارمان بن گئے تو؟''

''ارمان بن گیا کیا مطلب میں تو ہوں ہی ارمان۔''

''جانے دو ارمان تم نہیں سمجھو گے ابھی۔''

نیلم کی بات سن کر اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے ارمان بولا۔

''اف میرے خدا۔ کیا بات ہے مجھے تو ایک شعر یاد آ گیا۔

ہجر کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم اور تم سے تو ہونے لگی

تو گویا شاعر بھی ہیں آپ۔ نیلم بولی۔

''یہ تو بہت بڑے شاعر کا کلام ہے۔ میں شاعر کہاں مگر آپ کے حسن کے زیر اثر شعر اچھا لگنے لگا ہے۔''

''بہت عاشق مزاج ہیں آپ تو۔'' نیلم بولی۔

''تھا نہیں لگتا ہے اب ہو جاؤں گا۔'' ارمان نے ہنستے ہوئے کہا ارسم وہاں آ گیا اور بولا۔

''او بھائی یہاں کھڑا تو کس سے بات کر رہا ہے؟''

ارمان اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اپنی محبت، اپنے پیار سے۔''

''پر ارمان یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ تو کس سے بات کر رہا ہے۔''

ارمان نے پلٹ کر جھولے کی طرف دیکھا تو وہی کالی بلی جھولا جھول رہی تھی۔ ارمان حیران ہو کر بولا۔

''تجھے آتا دیکھ کر چلی گئی شاید تو بھی نا میری محبت کا دشمن بنا ہوا ہے۔ چل اب چلتے ہیں شکار پر کار تو ہی Drive کر میں تو اپنی محبت کے حسن میں گم ہو چکا ہوں۔''

''سدھر جا ہم یہاں بس ایک ہفتے کے لئے ہیں وہ یہاں جنگل کی رہنے والی ہے۔ شہر میں کیسے ایڈجسٹ کرے گی۔''

''شٹ اپ۔ چل تو کار چلا۔''

☆.....☆.....☆

''کیا بات ہے ریاض احمد تم تو کل رات سے پریشان ہو۔ سب خیریت ہے نا۔ ایک تو تم مجھے کچھ بتاتے نہیں ہو ہر بات چھپاتے ہو۔''

رابعہ کے ساتھ ہی بیٹھی صوفے پر ارم سے مخاطب ہو کر ریاض احمد بولے۔

''ارم بیٹا ذرا کڑک سی مزیدار چائے بنا لاؤ سر میں بہت درد ہے۔''

''جی ابو جان بس ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' ارم جواب دے کر کچن میں چلی گئی اس کے جاتے ہی ریاض احمد بولے۔

''رابعہ میں نے خواب میں ارمان اور ارسم کو کسی مصیبت میں گرفتار دیکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کچھ غلط ہوا ہے یا ہونے والا ہے۔ ارسم کو کال کر کر کے تھک گیا بیل تو جا رہی ہے مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہا۔''

رابعہ فکرمند ہوتے ہوئے بولیں۔

''ریاض احمد بس اب دونوں بچوں کو واپس بلا لو کیونکہ تمہارے خواب میں کچھ بھی یونہی نہیں آتا۔''

''تم پریشان مت ہو انشاء اللہ کچھ غلط نہیں ہوگا۔'' ریاض احمد بولے۔

ارم چائے لے کر آ گئی تو تینوں چائے پینے لگے۔

☆.....☆.....☆

سارا دن شکار ڈھونڈنے پر بھی کوئی جانور ہاتھ نہ آیا مگر وہ کالی بلی مسلسل ان دونوں کے ساتھ ساتھ ہی رہی ارسم کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا تو وہ کالی بلی کو دیکھ کر بولا۔

''یار یہ تو وہی کالی بلی ہے جو جھولا جھول رہی تھی مزے سے، میں کافی دیر سے نوٹ کر رہا ہوں یہ ہمارے آگے پیچھے ہی پھر رہی ہے۔''

''ہاں یہ ڈاک بنگلے میں ہی رہتی ہے۔ بلی ہے جنگل میں آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہوگا۔ تو کیوں اتنا سوچ رہا ہے۔ گہرا کالا رنگ ہے سلکی سلکی بال ہیں اچھی کیوٹ سی بلی ہے۔''

ارسم ارمان کی بات سن کر چھیڑنے کے انداز

میں بولا۔

''ہاں اس بلی کی آنکھیں بھی نیلم کی طرح گہری نیلی اور بڑی بڑی آنکھیں ہیں نیلم سے کتنا ملتی ہے نا یہ۔ ہاہاہا۔''

شٹ اپ ارسم میری نیلم کو کسی جانور سے کی مثال دے۔ نیلم تو ایک خوبصورت پری ہے۔''

''ابے وہ پری نہیں کوئی چڑیل ہے۔ جو تجھ سے چمٹ گئی ہے۔'' ارسم ہنستے ہوئے بولا تو ارمان بھی بولا۔

''اور میں جن ہوں جو نیلم چڑیل پر عاشق ہو گیا۔ ہا..... ہاہاہا۔''

☆.....☆.....☆

ارسم اپنا موبائل ڈاک بنگلے کے روم میں ہی بھول گیا تھا جہاں وہ ٹھہرا تھا۔ جب جنگل سے واپس آیا تو موبائل چیک کیا۔ ابو کی مس کالز دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ انہیں کال بیک کر کے بولا۔

''السلام وعلیکم ابو جان! ایم سوری میں موبائل جلدی میں اپنے روم میں ہی بھول گیا تھا۔

''وعلیکم السلام! ابھی کہاں ہو بیٹا آپ دونوں؟''

''اپنے ہوٹل کے رومز میں ہیں خیریت تو ہے نا سب؟''

ارسم کے پوچھنے پر ریاض احمد بولے۔

''بیٹا صبح ہوتے ہی فوراً گھر کے لئے نکلو بس اب آ جاؤ۔''

''مگر ابو جان ہم کل تو یہاں آئے ہیں۔''

''ارسم بحث مت کرو اور ارمان کو لے کر صبح گھر کے لئے نکل آؤ۔ اچھا خدا حافظ۔''

''ok ابو جان جیسا آپ کا حکم ہم صبح ہی گھر کے لئے روانہ ہوتے ہیں خدا حافظ۔''

☆.....☆.....☆

رات کا تیسرا پہر تھا ارمان کو اپنے بستر پر وزن سا محسوس ہوا تو ارمان کی آنکھ کھل گئی اس نے لائٹ آن کر کے دیکھا تو اس کے برابر میں بیڈ پر وہی کالی بلی لیٹی ہوئی تھی ارمان کو بہت حیرت ہوئی وہ خود کلامی کرنے لگا۔

''سونے سے پہلے میں نے تمام ونڈو بند کی تھیں گیٹ لاک کیا تھا تم کہاں سے آ گئیں کالی بلی میرے برابر میں سونے کے لئے اور تم ایسے لیٹی ہو جیسے بڑی نواب ہو تم پاؤں پھیلا کر چلو اٹھو یہاں سے اور جاؤ چلو سونے دو مجھے نیند آ رہی ہے۔''

ارمان کی بات سن کر کالی بلی اٹھی اور ونڈو کی طرف جیسے ہی گئی تو کھڑکی اپنے آپ کھل گئی پھر ارمان کو حیرت کا جھٹکا لگا کہ کھڑکی اپنے آپ کیسے کھل گئی بلی کے جاتے ہی وہ کھڑکی کے پاس گیا تو گارڈن میں لگے جھولے پر نیلم جھولا جھول رہی تھی ارمان کو مزید حیرت ہوئی کہ رات تین بجے کے وقت نیلم گارڈن میں درختوں کے جھنڈ میں لگے جھولے پر بیٹھی ہے نیلم نے نظریں اٹھا کر ارمان کی طرف دیکھا ارمان کی نیلم سے نظریں ملتے ہی وہ بے قرار سا ہو گیا اور اس کے قدم اپنے آپ روم سے باہر سیڑھیاں اترتے ہوئے گارڈن میں نیلم کی جانب بڑھنے لگے نیلم کے پاس آ کر ارمان بولا۔

''نیلم تم اتنی رات میں اس وقت درختوں کے بیچ جھولے میں بیٹھی ہو۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لئے یہاں آ گئی مجھے جھولا جھولنا اچھا لگتا ہے اور پتا نہیں کیوں میرا دل کہہ رہا تھا تم بھی نہیں سوئے ہو گے اور میرے پاس آ جاؤ گے۔''

ارمان جھولے پر نیلم کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''بڑا یقین ہے تمہیں مجھ پر۔''

''برسوں سے تمہارا انتظار کیا ہے میں نے ارمان اس بات کو تم کبھی نہیں سمجھو گے۔ میں تمہارے ساتھ کو، تمہارے قرب کے لئے کس قدر تڑپی ہوں ارمان اب مجھے چھوڑ کر مت جانا۔'' ارمان حیرت میں مبتلا ہو کر بولا۔

''برسوں سے میرا انتظار کیا ہے؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔''

''میں نے کہا نا کہ تم کبھی نہیں سمجھو گے ارمان۔ چلو تم میرے ساتھ چلو میں تمہیں سب کچھ سمجھا دوں گی۔''

نیلم ارمان کا ہاتھ پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی نیلم کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سحر تھا اور ارمان اس کی آنکھوں کے سحر میں ڈوب چکا تھا بنا ہیل و حجت کے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اس کا ہاتھ پکڑے نیلم اسے اپنے ساتھ لے کر جانے لگی۔

ارمان کو جنگل کے راستے سے لے کر چلتے چلتے بیچ جنگل میں لے گئی جہاں مالک دائرہ بنا کر بیٹھا ہوا کچھ منتر پڑھ رہا تھا۔ ہون کی آگ سلگائے جا رہا تھا بلند آواز میں کچھ منتر پڑھتے پڑھتے نیلم کو دائرے کے باہر ارمان کا ہاتھ پکڑے کھڑا دیکھ کر کچھ پڑھنے کے بعد بولا۔

''نیلم ارمان کو دائرے کے اندر لے آؤ اور ہون کے سامنے بیٹھ جاؤ اسے لے کر۔''

مالک صاحب کی بات سن کر نیلم دائرے کے اندر ارمان کو لے کر بیٹھ گئی۔ مالک نے اب زور زور سے منتر پڑھنے شروع کر دیئے ہون کی آگ میں گھی ڈال ڈال کر اسے سلگائے جا رہا تھا ارمان اپنے ہوش سے بے گانہ بنے دائرے میں بیٹھا تھا۔ اور منتروں کا سلسلہ جاری تھا۔

☆.....☆.....☆

ریاض احمد رات دیر تک اپنی عبادت میں مشغول رہنے کے بعد سوئے ہی تھے کہ اچانک تیسرے پہر ان کی آنکھ کھلی انہوں نے ارمان کو آگ کے گھیرے میں پایا اور پھر خواب میں دیکھا کہ وہ آگ کے گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے مگر وہ نکل نہیں پا رہا ریاض احمد خواب سے بیدار ہوتے ہی اپنا موبائل اٹھا کر روم سے باہر آ گئے تاکہ رابعہ بیگم کی نیند خراب نہ ہو ارسم کو کال کر کے بولیں۔

''ارسم بیٹا جلدی سے اٹھ جاؤ اور ارسم کے روم میں جا کر دیکھو وہ کیا کر رہا ہے؟''

''ارسم نیند سے بیدار ہوتے ہی ریاض احمد کی کال اٹینڈ کر کے ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا ابو جان آپ اتنے پریشان کیوں ہیں اور رات کے اس پہر کال کر کے ارمان کا کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''تم سے جو بول رہا ہوں ارسم تم وہ کرو ابھی اسی وقت ارمان کے روم میں جاؤ اور میری اس سے بات کرواؤ۔''

''جی ابو جان میں ابھی جاتا ہوں آپ کال پر رہیں۔''

ارسم جیسے ہی ارمان کے روم کی طرف پہنچا اس کے روم کا گیٹ کھلا پا کر گھبرا گیا اندر جا کر دیکھا تو روم میں ارمان نہیں تھا۔ موبائل کان سے لگا کر بولا۔

''ابو جان ارمان کے روم کا گیٹ کھلا ہے اور ارمان اپنے روم میں بھی نہیں ہے۔'' ارسم کی بات سن کر پریشانی سے سر پر ہاتھ رکھ کر ریاض احمد بولے۔

''وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ ارسم سچ سچ بتاؤ تم دونوں حظہ کا کہہ کر کہاں گئے ہو؟''

ارسم شرمندہ سا ہو کر بولا۔ ''آئی ایم سوری ابو جان مجھے خود نہیں پتا تھا یہ ارمان ہی مجھے بغیر بتائے یہاں لایا ہے۔ یہ جگہ اس نے نیٹ پر سرچ کی تھی کالے جنگلات کے نام سے کوئی جگہ ہے شہری آبادی سے بہت دور یہاں بس ایک ہی پورے جنگل میں ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے۔ ہم یہاں ٹھہرے ہیں۔ اس کی بکنگ بھی ارمان نے ہی کسی طرح کروائی تھی بخدا ابو جان مجھے اس بات کا ذرا علم نہ تھا۔''

''اف میرے خدا اب کیا ہوگا۔ یہ کیا کر دیا تم دونوں نے بے وقوف لڑکے اگر ارمان نے بے وقوفی کی تھی تم نے اس کا ساتھ کیوں دیا۔ اسے واپس چلنے کا نہیں بول سکتے تھے تم یا مجھے کال ہی نہیں بتا سکتے تھے تم

اس بات کا؟ یہ کیا کر بیٹھے تم دونوں؟''

''ابو جان آخر بات کیا ہے آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ مجھے بات تو بتائیں۔''

''ابھی کچھ بتانے اور سننے کا وقت نہیں ہے تم ابھی اس وقت اپنی کار لے کر جنگل میں جاؤ وہ تمہیں جنگل میں ہی ملے گا۔ اور ہاں جو تعویذ تمہارے گلے میں ہے اسے تم ارمان کو پہنا دینا اور خود آیۃ الکرسی کا ورد کرتے رہنا اپنا بدنی حصار باندھ لو جو میں نے تمہیں بتایا تھا۔ کسی بھی صورت میں ارمان کو وہاں سے لے کر آنا ہے تمہیں ہر حال میں سمجھے تم۔ اب جلدی جاؤ جنگل۔''

''جو حکم ابو جان۔''

ارسم اپنے روم میں گیا وضو کیا بدنی حصار باندھا کار کی چابی لے کر جنگل کی طرف کار اسٹارٹ کر کے دوڑا دی اور مسلسل آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ جنگل کے بیچ اور بیچ سی روشنی نظر آئی اس روشنی کی طرف بڑھنے لگا تو اندازہ ہوا وہ آگ تھی کار روک کر دور کھڑی کی اور خود خاموشی کے ساتھ آگ کی جانب بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں سے چھپ کر ارسم نے دیکھا۔ دائرے میں نیلم اور مالک بیٹھے کچھ منتر پڑھ رہے ہیں ارمان دائرے کے اندر بے سود لیٹا ہوا تھا۔ نیلم تیز دھاری تلوار اٹھائے ارمان کی گردن پر وار کرنے کی کوشش کر رہی تھی ارسم بھاگتا ہوا دائرے کے اندر داخل ہو گیا۔ نیلم کا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔ مالک نے زور زور سے مزید منتر پڑھنے شروع کر دیے نیلم جو کہ ایک حسین و جمیل لڑکی کے روپ میں تھی انتہائی بد صورت چڑیل کی شکل اختیار کرنے لگی بال اپنے آپ کھل کر بکھر گئے چہرہ خوفناک تر ہوتا چلا گیا۔ ارسم خوفزدہ سا ہو گیا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ آیۃ الکرسی پڑھنے کی رفتار بڑھا دی دوسرے ہاتھ سے اپنا تعویز کو ارمان کے گلے میں ڈال دیا۔ نیلم اور مالک دونوں ہی اچانک سے غائب ہو گئے۔

ارسم مزید خوفزدہ ہو گیا ہون کی آگ بھی اپنے آپ بجھ چکی تھی۔ ارسم نے خود کو سنبھالا اور جلدی جلدی ارمان کو اٹھایا وہ نیم مدہوشی میں تھا اسے سہارا دے کر کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹا دیا اور کار ڈرائیو کر کے فل اسپیڈ سے جنگل سے نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

امینہ بیگم ڈرائیور کے ہمراہ ارسم کے گھر آتے ہی بھاگتے ہوئے بھانپتے کانپتے ارسم کے روم میں پہنچیں ارمان بے خبر سو رہا تھا ارسم رابعہ ریاض احمد اور ارم سب ارمان کے بیڈ پر ہی بیٹھے تھے۔

امینہ آتے ہی روتے ہوئے ارمان کی پیشانی پر بوسہ دے کر ریاض احمد سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

ریاض بھائی۔ اب میرے ارمان کو اس چڑیل سے کون بچائے گا۔ ریاض بھائی کچھ کریں۔ ارمان میرے جینے کا واحد سہارا ہے فرحان کی ناگہانی موت نے مجھ سے میری تمام خوشیاں چھین لی تھیں ایک ارمان ہی تو ہے جس کی وجہ سے میں زندہ ہوں۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں بھی مر جاؤں گی۔''

امینہ بیگم اپنی بات مکمل کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں رابعہ نے اٹھ کر انہیں گلے سے لگایا چپ کروایا، ریاض احمد امینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''بھابھی! آپ میری بہن ہیں۔ فرحان میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ارسم اور ارمان میں کبھی فرق نہیں رکھا۔ ٹھیک وقت پر ارسم وہاں پہنچ گیا اور اللہ کے پاک کلام کا ورد کرتے ہوئے ارمان کی بلی چڑھنے سے روک دی ورنہ آج ارمان ہمارے درمیان نہ ہوتا۔ اللہ کا شکر ادا کریں رونے سے بہتر اور ہاں آپ اب ڈرائیور کے ساتھ جا کر اپنا ضروری سامان ہمارے گھر لے آئیں میں ارمان کو ہرگز آپ کے ساتھ گھر جانے نہیں دوں گا۔ جب تک میں ارمان کو اس چڑیل کے سحر سے نہیں نکال لیتا۔ وہ یہیں رہے گا۔ ارسم تم جا کر آرام کرو رات بھر

جاگے ہوئے ہو۔ اور لونگ ڈرائیو بھی کی ہے۔ تم نے۔ میں ارمان کے ساتھ ہوں۔ آپ سب لوگ جائیں یہاں سے میں ذرا ارمان پر اللہ کا کلام پڑھ کر دم کروں گا۔''

ریاض احمد کی بات سن کر سب وہاں سے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

''آنٹی آپ بتا دیں کہ آکر یہ سب ماجرا کیا ہے؟ نیلم کا ارمان سے کیا تعلق ہے؟ جہاں تک میں جانتا ہوں ارمان نیلم سے زندگی میں پہلی بار کالے جنگلات میں ہی ملا ہے۔ میں اور ارمان بچپن سے ایک ساتھ ہیں۔ بھلا ارمان کی کسی چڑیل سے کیا دشمنی ہے؟ اور کب کیوں کیسے ہوئی مجھے آخر پتا کیوں نہیں چلا۔؟''

ارسم کے سوالوں پر امینہ خاموش رہیں ارم بھی بول پڑی۔

''ہاں آنٹی ارمان کا بھائی کے ساتھ بچپن سے گہرا تعلق ہے پھر کوئی چڑیل کیسے ارمان کی اس حد تک دشمن ہوگئی کہ اس کی بلی چڑھانا چاہتی ہے۔ پلیز آنٹی بتائیں نا۔ آپ خاموش کیوں ہیں؟''

امینہ کے خاموش رہنے پر ارم اور ارسم دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ارسم نے رابعہ کو مخاطب کیا۔

''امی آپ ہی بتا دیں آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ تو سب کچھ جانتی ہی ہوں گی۔''

رابعہ سنجیدگی سے بولیں۔

''بیٹا میں سب کچھ جانتی ہوں مگر تمہارے ابو جان نے منع کیا تھا تمہیں کچھ بھی بتانے کو نہ ارمان اس بارے میں کچھ جانتا ہے بس تمہارے ابو جان۔''

رابعہ کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ ریاض احمد ہال میں آتے ہوئے بڑے صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھے اور ارم سے کہا۔

''سب کے لئے چائے بنا لاؤ آج میں تم دونوں کو تمام باتیں بتاتا ہوں۔''

ارم جلدی سے سب کے لئے چائے بنا لائی چائے کی سپ لیتے ہوئے ریاض احمد گہری سانس لے کر بولے۔

''ارسم بیٹا ارم بیٹا بات ذرا غور سے سنو اور ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمارے پاس اللہ کے پاک کلام کی طاقت ہے ہم اشرف المخلوقات میں سے ہیں۔

فرحان اور میں بہت اچھے دوست تھے جیسے تم اور ارمان، آج سے بیس سال پہلے ہم شکار پر گئے تھے کالے جنگلات میں۔ ہمیں بھی شکار کا بہت شوق تھا۔ وہاں ہم ہرن کا شکار کھیل رہے تھے کہ فرحان ہرن کے پیچھے پیچھے جنگل میں آگے نکل گیا ہرن کا شکار کرنے کے لئے جیسے ہی اس نے فائر کیا تو کوئی سادھو ہون جلا کر پوجا کر رہا تھا وہ فائر ہرن کو لگنے کے بجائے اس سادھو کو لگ گیا اور وہ اسی وقت مرنے کی حالت میں آ گیا اس کی پتنی بھی وہیں تھی اس نے اپنے مرتے ہوئے پتی سے کہا۔

''سوامی یہ کیا ہو گیا۔ آج کی رات تمہارے جاپ کی آخری رات تھی اور یہ کیا ہو گیا۔ میں جان سے مار دوں گی جس نے ہمیں اس حال میں پہنچایا ہے۔''

میں اور فرحان اس جگہ پہنچ گئے فرحان اس عورت کے قریب پہنچ کر بولا۔

''آئی ایم سوری یہ محض ایک حادثہ ہے۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ میں انہیں ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔''

فرحان میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''ریاض اسے اٹھا کر کمرے میں لے چلو میرے ساتھ غلطی سے فائر انہیں لگ گیا۔''

میں آگے بڑھ کر فرحان کے ساتھ اسے اٹھانے لگا۔ وہ عورت بولی۔

''رک جاؤ! تم دونوں نے میرے سوامی کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' وہ عورت آگے بڑھ کر مزید کچھ کہتی کہ اس کے پتی نے حالت مرگ میں کہا۔

''رک جاؤ نیلم، میرے پاس آؤ۔''

نیلم جیسے ہی اس کے پاس گئی اس نے نیلم کے ماتھے پر اپنا خون آلود انگوٹھا رکھا اور کچھ پڑھنے لگا۔ جب اس کا منتر ختم ہوا تو بولا۔

''آج کی رات آخری رات تھی۔ میرے جاپ کی آج مجھے کالی شکتیاں ملنے والی تھیں مگر اس آدمی نے مجھے جان سے مار ڈالا نیلم میں نے اپنی تمام شکتیاں تمہیں پرایت کر دی ہیں۔ آج کی رات اس آدمی کی پتنی ایک لڑکے کو جنم دے گی وہ گراوتی ہے آج پورن ماشی کی رات ہے تم اس لڑکے کے جوان ہوتے ہی اس کی بلی کالی ماتا کو ارپن کر دینا میری آتما اس کے بیٹے کے شریر میں آجائے گی۔ پھر میں بیس سال کا جوان ہو جاؤں گا تم وچن دو مجھے نیلم جیسا میں نے کہا ہے۔ ویسا ہی کرو گی۔ میں پھر سے اس دنیا میں جیوت ہو جاؤں گا۔''

اس کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے نیلم نے وچن دیا اور بولی!

''سوامی میں تمہیں وچن دیتی ہوں تمہاری آتما کو اس آدمی کے لڑکے کا جوان شریر دوں گی۔ اس کے لئے چاہے مجھے کچھ بھی کیوں نا کرنا پڑے۔ ہمارا ملن ہوگا اور ضرور ہوگا۔ بس تمہیں وچن دیتی ہوں۔''

اس آدمی کے مرتے ہی ہون کی آگ خود بخود بجھ گئی۔ جنگل کے درخت زور زور سے ہلنے لگے۔ میں اور فرحان بہت حیران تھے ہوائیں بھی زور و شور سے چلنے لگی تھیں مانو جیسے کوئی خطرناک آندھی آئی ہو۔ میں نے فرحان کا ہاتھ پکڑ لیا ہم دنوں اپنی کار کی طرف بڑھنے لگے قدم ہواؤں کے زور سے پیچھے ہٹنے لگے۔ ہم جتنا قدم آگے بڑھاتے قدم اتنا ہی پیچھے ہٹتے میں نے فرحان سے کہا!

''فرحان با آواز بلند آیۃ الکرسی کا ورد جاری رکھو۔''

پھر میں اور فرحان با آواز بلند آیۃ الکرسی پڑھنے لگے کچھ ہی دیر میں وہ آندھی تو رک گئی ہم نے نیلم اور اس کے شوہر کو دیکھا وہاں کوئی نہ تھا ہم نے وہاں سے گھر آنے میں ہی عافیت جانی کہ رات ٹھیک 12 بجے فرحان کے ہاں ولادت ہوئی۔ ہم دونوں حیران تھے کہ لڑکا ہی پیدا ہوا ہے۔ فرحان پریشانی میں ہاسپٹل میں مجھے بولا۔

''یار ریاض مجھے بہت فکر ہو رہی ہے کہیں میرے بیٹے کو میرے انجانے گناہ کی سزا نہ مل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم میں نے جان بوجھ کر یہ گناہ نہیں کیا۔ یہ سب ایک حادثہ تھا۔''

''میں جانتا ہوں فرحان اس طرح پریشان مت ہو کچھ نہیں ہوگا۔ تم نے جان بوجھ کر اس سادھو کو نہیں مارا۔ اللہ سب جانتا ہے وہ رحم فرمائے گا۔ سب بہتر ہی ہوگا۔''

''تم نے اس کی بات نہیں سنی تھی ریاض کیا اس سادھو نے حالت مرگ میں اپنی کالی شکتیاں اپنی بیوی نیلم کو دے دی تھیں اور وہ کوئی خاص شکتی حاصل کرنے کا جاپ کر رہا تھا۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں ہے ریاض فکر ہے تو اپنے بیٹے کی جو ابھی اس دنیا میں آیا ہے آتے ہی موت کی تلوار اس کے سر پر لٹک گئیں۔''

''فرحان تم فکر نہ کرو۔ کچھ نہیں ہوگا تمہارے بیٹے کو ہم مل کر مقابلہ کریں گے اس نیلم سے۔''

میں فرحان کو تسلیاں دیتا رہا مگر فکر مند بھی بہت تھا۔ کیوں کہ جو کچھ جنگل میں ہوا اس کے بعد نیلم اور سادھو کی باتوں کو معمولی سمجھنے کی غلطی کرنا بے وقوفی تھا۔

چند مہینے گزرے تھے کہ فرحان مستقل پریشان رہنے لگا تھا امینہ بھابھی پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی ساتھ ہی ارسم تمہاری امی پر بھی میں اور فرحان نے ان دونوں سے وعدہ لیا تھا کہ کسی بھی حال میں یہ بات اپنی زبان پر نہیں لائیں گے۔

نیلم نے غصے اور جلال میں پورے ایک سال بعد فرحان کو مار ڈالا ہم چاہ کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ اس نے ہماری آنکھوں کے سامنے فرحان کو اس کے ہی گھر میں مار ڈالا فرحان نے ہم تینوں کے سامنے

تڑپ کر اپنی جان دے دی میں نے پولیس کو بلایا تو نیلم نے کچھ اس طرح کے منتر پڑھے کہ تلوار غائب ہوگئی فرحان کے جسم سے نکلنے والا خون بھی غائب ہو گیا۔ پولیس نے پوسٹ مارٹم کروایا تو موت کی وجہ دل کا اچانک بند ہو جانا بتایا گیا۔

ہم تینوں بے حد حیران تھے جو ہماری آنکھوں نے دیکھا۔ اب ہم تینوں کو فرحان کے جانے کے بعد ارمان کی فکر لاحق ہوگئی۔ بس یہی وجہ تھی کہ ہم سب ارمان کی اتنی فکر کیوں کرتے تھے۔ میں نے اپنے مرشد سے روحانی علم کی تعلیم حاصل کی تاکہ ان 19 سالوں میں نیلم سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاؤں اور اپنے دوست فرحان کو اس کے ناکردہ گناہ کی سزا سے بچالوں اگر ارمان کو کچھ ہوا تو فرحان کی روح تڑپتی رہے گی۔

ریاض احمد کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ارسم ان کی بات مکمل ہونے پر ان کے قدموں میں بیٹھ کر بولا۔

''ابو جان میں آپ کے ساتھ ہوں جس طرح فرحان انکل سے آپ کو محبت تھی اسی طرح مجھے ارمان سے ہے میں ارمان کی جان بچانے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں اور میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں۔''

ریاض احمد بیٹے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز جب ارمان نیند سے جاگا تو اس کا پورا جسم درد سے چور تھا۔ بہت ہمت کر کے بستر سے اٹھا تھا کہ اچانک کالی بلی نے اس پر حملہ کر دیا وہ خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ اچانک حملے کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھا پھر درد سے جسم ٹوٹ بھی رہا تھا کالی بلی نے ارمان کے چہرے پر اپنے پنجے گاڑ دیئے تھے۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا اس کے چیخنے پر گھر کے تمام لوگ اس کے روم میں آئے تو کالی بلی ارمان پر جھپٹی ہوئی تھی ارسم آگے بڑھنے لگا کہ بلی کو ارمان کے اوپر سے ہٹا دے ریاض احمد نے روکتے ہوئے کہا۔

''رک جاؤ ارسم تم دور رہو۔''

ریاض احمد آگے بڑھ کر کچھ قرآنی آیت پڑھنے لگے ساتھ ہی اپنی جیب سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پر پھونک مارتے ہوئے بلی پر چھڑکنے لگے۔ بلی ایک دم ارمان کے اوپر سے ہٹی اور غائب ہوگئی۔ تمام لوگ گھبرا گئے تھے ارم رابعہ بیگم سے چپک گئی تھی۔ امینہ آگے بڑھ کر ارمان کو گلے لگاتے ہوئے رو کر بولیں!

''پورا چہرہ زخمی کر دیا میرے بیٹے کا اس نے۔ یا اللہ میرے بیٹے کی اس نیلم سے حفاظت فرما۔''

ریاض احمد بولے۔

''امینہ بھابھی آپ یہاں سے جائیں ارسم بیٹا ذرا فرسٹ ایڈ بکس لا کر ارمان کے چہرے پر دوا لگاؤ۔ رابعہ بیگم ارم کے ساتھ جا کر کھانے کا بندوبست کریں کھانا ٹیبل پر لگائیں ارمان ہم سب کے ساتھ لنچ کرے گا۔ چلو اٹھو بیٹا ڈائننگ ہال میں چلو۔''

ارمان جوان تھا ایک دم سے لاغر حالت میں پہنچ گیا تھا۔ ارسم اور ریاض اسے سہارا دے کر ڈائننگ ٹیبل تک لائے، امینہ اپنے ہاتھوں سے ارمان کو کھانا کھلانے لگیں ارمان ایک دم گم سم تھا خاموش کسی سے کچھ بات تک نہیں کر رہا تھا۔ ارسم بات کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا مگر ارمان اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ نا کوئی جواب دے رہا تھا۔ وہ تو اس دنیا سے لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کی نظر سامنے دیوار پر گئی تو وہ زور زور سے چلانے لگا۔

''وہ کالی بلی وہاں ہے۔ وہ مار ڈالے گی مجھے وہ مجھے غرا کر دیکھ رہی ہے وہ مار ڈالے گی مجھے۔''

ارمان کے اشارے پر سب نے اس طرف دیکھا مگر وہاں کچھ نہ تھا ریاض احمد تو سمجھ گئے تھے اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس پر قرآنی آیتوں کا دم کرنے لگے اور اسے وہیں صوفے پر لیٹا دیا ارمان دم کرنے سے گہری نیند میں چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

''مالک مجھے ہر حال میں اس لڑکے کی بلی کالی ماتا کو ارپن کرنی ہے تاکہ میرے سوامی کی آتما پھر سے

جیوت ہو سکے۔ میرے اس کام میں وہ ریاض احمد بیچ میں آرہا ہے۔ اس کا کچھ کرنا ہوگا۔ پانی اس نے مجھ پر پھینکا تھا اس سے میرا شریر جل رہا ہے۔''

نیلم کی بات سن کر مالک نے ایک پیتل کے پیالے میں پانی دے کر کہا۔

''یہ لو یہ پوتر جل ہے اس سے تمہارے شریر کی جلن ختم ہو جائے گی۔ یہ پی لو۔''

نیلم کے جل کو پیتے ہی اس کے شریر کی جلن ختم ہوگئی سکون کا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''اس آگ کی تپش سے میں جتنا جلی ہوں نا ریاض احمد اب تجھے بھی جلاؤں گی۔ میں تجھے برباد کر دوں گی ارمان کی بلی ہر حال میں کالی ماتا کو چڑھاؤں گی۔''

''ذرا دھیرج رکھو نیلم رام ناتھ اگر تمہارا سوامی تھا تو وہ میرا بھی دوست تھا کالی دویا ہم نے ایک ساتھ ہی سیکھی تھی۔ تمہیں رام ناتھ نے اپنی شکتیاں دے دی تھیں جس کی وجہ سے تم آج بھی خوبصورت اور جوان ہو اور جب چاہو کالی بلی کا روپ دھارن کر سکتی ہو۔ اب میں تمہیں ایک ایسی چیز دینے والا ہوں جس کی مدد سے تم ریاض احمد کے اس پانی کا مقابلہ کر سکتی ہو اس پانی کا تم پر کوئی اثر نہیں ہوگا یہ لوگ یہ کالی دوڑی اس ڈوری پر میں نے کئی راتیں جاگ کر جاپ کیا ہے۔ اسے اپنے گلے میں پہن لو اور ہاں پھر بھول کر بھی اسے مت اتارنا ورنہ اس پانی سے تم جل کر راکھ بھی ہو سکتی ہو۔ ابھی تمہاری قسمت اچھی تھی تم فوراً ہی غائب ہو گئیں اگر ریاض احمد پورا پانی تم پر ڈال دیتا تو تم جل کر بھسم ہو جاتیں وہ کوئی معمولی پانی نہیں تھا وہ زم زم کا پاک پانی تھا اس پاک پانی پر کئی قرآنی سورتیں پڑھی گئیں تھیں۔ یہ اب تمہیں خیال کرنا ہوگا کہ ڈوری تمہارے گلے سے نہ اترے۔ اس ڈوری پر میں نے اپنی تمام تر کالی شکتیاں ڈال دی ہیں۔ اب میرے پاس کوئی شکتی نہیں ہے میں اب کیول ایک معمولی انسان ہوں۔''

مالک کی بات سن کر نیلم بولی۔

''تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی تم نے جو میرے اور میرے سوامی کے لئے کیا ہے، مالک میں تمہاری بہت آبھاری ہوں۔''

☆.....☆.....☆

ریاض احمد اپنی عبادت والے روم میں بیٹھے عبادت میں مشغول تھے کہ ایک دم گھر میں کہرام مچ گیا اپنی تسبیح ہاتھ میں لئے تیزی سے ہال میں آئے ارسم ارم ابینہ رابعہ ارمان ہال میں بری طرح سے چیخ رہے تھے۔ ریاض احمد نے آتے ہی پریشانی کے عالم میں کہا۔

''کیا ہو گیا ہے تم سب کو اس طرح کیوں رہے ہو؟'' ریاض احمد نے غور کیا تو سب کے چہروں پر اور ہاتھوں پر بلی کے پنجوں کے نشانات تھے اور خون بہہ رہا تھا ریاض احمد نے غصے سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نیلم کہاں ہو تم؟ اور تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر والوں کی یہ حالت کرنے کی؟ ظاہر ہو مجھ پر۔ بات کرو مجھ سے لگتا ہے کہ تم اس پاک پانی کا اثر بھول گئیں۔ اب میں پورا پانی تم پر چھڑک دوں گا۔ تمہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔ ہمت ہے تو سامنے آؤ میرے۔''

ریاض احمد کی بات سن کر اچانک سے ایک بلی نمودار ہوئی۔ تمام گھر والے صوفے پر چڑھ کر کھڑے ہو گئے۔ سب نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارمان خاموشی سے دوسرے صوفے پر گم صم بیٹھا تھا وہ تو ہوش سے بے گانہ تھا۔ وہ کالی بلی چلتی ہوئی ریاض احمد کے قریب آئی اور تمام گھر والوں کو غرا کر دیکھنے لگی۔ ریاض احمد اپنی جیب سے پانی کی بوتل نکالتے ہوئے بولے۔

''لگتا ہے اس آگ کی جلن ٹھنڈی ہوگئی جو اس پانی کی وجہ سے تجھے ہوئی تھی اب میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔''

ریاض احمد کی بات سن کر نیلم غائب ہوگئی، پھر قہقہہ مار کر ہنسی۔

ہاہا..... ہاہا ریاض احمد تو مجھے جلا کر بھسم کرے گا دیکھ اپنے گھر والوں کے چہرے ان کے جسم پر میرے پنجوں کے نشانات اور ان نشانات میں سے بہتا ہوا خون دیکھ ان کی میں نے کیا حالت کر دی ہے۔ ریاض احمد ہٹ جا میرے راستے سے میں تم لوگوں کو جان سے بھی مار سکتی ہوں۔ ان کی یہ حالت تو بس ایک شروعات ہے اور انت ان کی موت پر بھی ہو سکتا ہے۔ اب فیصلہ تجھے کرنا ہے یہ تمام لوگ یا ایک ارمان۔ میں ان تمام لوگوں کی زندگی بخش دوں گی اگر تو ارمان کو مجھے یہاں سے لے جانے دے گا تو ورنہ میں ان سب کو مار دوں گی۔ اب فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے جلدی بتا ارمان یا یہ چاروں۔ جلدی بول۔''

ریاض احمد نیلم کی ڈھٹائی پر غصے سے پانی اس پر چڑھکتے ہوئے بولے۔

''ابھی بتاتا ہوں تجھے اپنا فیصلہ جب یہ پانی تجھے جلائے گا نا تب تجھے احساس ہوگا کہ تو نے یہاں آ کر کتنی بڑی غلطی کر لی ہے۔''

ریاض احمد بار بار دم کیا ہوا پانی اس پر پھینکتے مگر اس پر تو اس پاک پانی کا اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ریاض احمد جتنی بار پانی اس پر جھڑکتے وہ زوردار بھیانک سا قہقہہ لگاتی اس کے قہقہے کی آواز اتنی زوردار اور بھیانک تھی کہ ماحول مزید خوفناک سے خوفناک تر ہوتا جا رہا تھا۔ ارسم ان تینوں کو گلے لگا کر تسلی دے رہا تھا ارم کا تو خوف کے مارے برا حال تھا۔ اب تو ریاض احمد بھی پریشان ہو گئے تھے کہ آ کر پانی کا اثر نیلم پر کیوں نہیں ہو رہا۔ ریاض احمد کو پریشان دیکھ کر نیلم ہنستے ہوئے ان کے قریب آ کر بولی۔

''دیکھ لی میری کالی شکتیوں کی طاقت اب میں ارمان کو اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں دیکھتی ہوں کہ تو کیا کرتا ہے مجھے روکنے کے لئے۔ ہاہاہا۔''

نیلم نے اپنے ناخن کا وار ریاض احمد پر اچانک سے کیا ریاض احمد اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے ہاتھ کی خراشوں سے خون بہت زیادہ بہنے لگا وہ تکلیف سے تڑپنے لگے نیلم ارمان کے قریب گئی اس کا ہاتھ جیسے ہی پکڑا تو وہ دونوں غائب ہو گئے اور سب چیختے رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

''مالک اب میں کوئی ارچن برداشت نہیں کروں گی تم ہون کی اگنی جلاؤ اور اس لڑکے کی بلی چڑھانے کی تیاری کرو کالی ماتا کی مورتی کے سامنے آج ہی ہم اس کی بلی چڑھا دیں گے۔ تاکہ رام ناتھ کی آتما اس کے شریر میں داخل ہو جائے اور میرے سوامی رام ناتھ پھر سے جیوت ہو جائیں۔''

نیلم کی بات سن کر مالک بولا۔

''نیلم تم بھول رہی ہو ابھی رات کے 7 بجے ہیں اور ہم اپنی پوجا رات 12 بجے ہی شروع کر سکتے ہیں۔ میں پھر بھی ہون میں لکڑیاں رکھ دیتا ہوں گھی بھی رکھ دوں گا لیکن پوجا تو رات میں ہی شروع ہو سکتی ہے تمہیں 12 بجنے کا انتظار کرنا ہوگا۔'' مالک کی بات سن کر ہاتھ پر ہاتھ مار کر نیلم بولی۔

''انتظار ہی تو نہیں ہوتا، اتنے ورشوں تک اپنے سوامی رام ناتھ کی جدائی سہی ہے اور چند گھنٹے کا انتظار بھاری لگ رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

''ابو جان آپ کے ہاتھ سے بہت خون بہہ گیا ہے۔ آپ اس نیلم کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر اتنی کمزوری بھی ہو گئی ہے آپ کو۔''

ارسم کی بات کی تائید کرتے ہوئے رابعہ بیگم بولیں!

''ریاض احمد ارسم ٹھیک بول رہا ہے اس نیلم کا مقابلہ تم اتنی کمزوری میں کیسے کر سکتے ہو۔ اگر اس نے تمہیں نقصان پہنچا دیا تو کیا ہوگا ہم سب تمہارے بغیر ادھورے ہیں ریاض احمد خدا کے لئے اپنے ساتھ ساتھ ہم پر بھی رحم کرو۔''

امینہ خاموشی سے ایک کونے میں کھڑی رو رہی تھی ریاض احمد نے امینہ کی طرف دیکھا اور ان کے پاس جا کر سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''امینہ بھابھی آپ صرف میری بھابھی ہی نہیں بہن بھی ہیں اور ایک بھائی آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بہن کے لختِ جگر کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔ بھروسہ رکھیں اپنے اس بھائی پر۔''

امینہ روتے ہوئے بولیں۔

''ریاض بھائی اس کام میں آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ میں محض اپنی خوشی کی خاطر آپ کے بچوں سے ان کا باپ اور ایک بیوی سے اس کا شوہر نہیں چھین سکتی۔ اللہ نے چاہا تو ارمان کو کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ ہی نگہبان ہے بس ارمان کا۔''

''اتنی جلدی ہمت ہار گئیں آپ بھابھی۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے ارمان کو میں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ بس آپ سب مل کر دعائیں کریں ارسم تم مرے ساتھ چلو کار نکالو ہم ابھی جا رہے ہیں۔ اور ہاں ارم بیٹا گیٹ اچھی طرح سے لاک کر لو۔ میں باہر سے گھر کا حصار باندھ کر جاؤں گا کوئی بھی شیطانی طاقت ہمارے گھر کے اندر داخل نہیں ہو سکتی بس تم تینوں میں سے کوئی بھی گھر سے باہر مت نکلنا۔

''چلو بیٹا ارسم ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔''

رابعہ روتے ہوئے بولیں۔

''ریاض احمد تم خود تو جا رہے ہو ساتھ میں میرے بیٹے کو بھی لے کر جا رہے ہو۔ جانے سے پہلے تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا تم ارسم اور ارمان تینوں صحیح سلامت جلدی واپس آؤ گے۔''

رابعہ کی بات سن کر اس کے پاس آ کر ریاض احمد بولے۔

''فکر مت کرو رابعہ بیگم ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ اور ہاں میں تم سے سچا وعدہ کرتا ہوں ہم تینوں باخیریت واپس آئیں گے آور آتے ہی ارمان اور ارم کی شادی بہت دھوم دھام سے کروں گا انشاء اللہ۔''

☆.....☆.....☆

''ارسم بیٹا کار ذرا تیز چلاؤ ہمارے پاس بس 5 گھنٹے ہیں جلدی پہلے مجھے بزرگ حضرت صاحب کے پاس لے چلو۔''

ریاض احمد کی بات سن کر کار کی اسپیڈ مزید بڑھاتے ہوئے ارسم کار حضرت صاحب کے حجرے کے پاس لے گیا وہاں پہنچ کر کار روکی ریاض احمد اور ارسم دونوں حجرے میں داخل ہوئے وہاں نورانی چہرے والے سیفد داڑھی والے ایک بزرگ عبادت میں مشغول تھے ریاض احمد اور ارسم ادب سے ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت صاحب نے اپنی آنکھیں کھول دیں ریاض احمد کو دیکھ کر مسکرا کر بولے۔

''ہم جانتے تھے بیٹا کہ تم ضرور آؤ گے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے کالے علم والوں کا اختتام کر دوں۔''

''لیکن حضرت صاحب پاک پانی کا اثر اس بار اس نیلم پہ ہوا نہیں تھا وہ اپنی طاقت میں اضافہ کر کے آئی تھی۔ ارمان کی جان کو خطرہ ہے وہ ارمان کی بلی کالی مندر میں چڑھانا چاہتی ہے۔ اگر رام ناتھ پھر سے اس دینا میں آ گیا تو اس بار اس کی طاقت بھی زیادہ ہوگی اور وہ معصوم لوگوں کی جانوں پر نعوذ باللہ خدا بنا بیٹھے گا۔ ہمیں ہر حال میں اسے اس دنیا میں آنے سے روکنا ہوگا اور ارمان کی جان بھی بچانی ہوگی۔

ریاض احمد کی بات سن کر حضرت صاحب بولے۔

''فکر مت کرو بیٹا۔ یہ کالی ڈوری اپنے اور اپنے بیٹے کے ہاتھ میں باندھ دو اور یہ تیسری ڈوری لو یہ ارمان بیٹے کے ہاتھ میں وہاں پہنچتے ہی باندھ دینا۔ ارمان اپنے ہوش میں آ جائے گا۔ اس ڈوری کی وجہ سے وہ ڈائن تم لوگوں کا کچھ برا نہیں چاہ سکے گی۔ اور ہاں کالی مندر میں ایک تریشول ہوگا کالی کی مورتی کے ہاتھ میں وہ تریشول اس کے دل میں مار دینا۔ اور ہاں یاد رہے وہ صرف تریشول سے نہیں مرے گی اس کے گلے میں ایک کالی ڈوری ہوگی پہلے اسے اتارنا ہوگا پھر اس کے دل پر تریشول کا وار کرنا ہوگا۔''

ارسم جھٹ سے حضرت صاحب کی بات سن

بولا۔

''اور وہ مالک کا خاتمہ کیسے ہوگا۔ وہ بھی تو کالی شکتیوں کا عامل ہے؟''

حضرت نے جواب دیا۔ ''اس نے اپنی ساری کالی شکتیاں اس کالی ڈوری میں ڈال ہی دیں اور وہی کالی ڈوری اس ڈائن کے گلے میں ہے جس کی وجہ سے اس پاک پانی کا اثر اس پر نہیں ہوا۔ تم لوگ جاؤ وقت کم ہے اور اس ڈائن کا خاتمہ کرنے کے بعد وہاں ایک لمحہ نہ رکنا اگر وہاں رکے تو جان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ رام ناتھ کی روح وہاں قید ہے نیلم کے اندر رام ناتھ کی شکتیاں ہیں نیلم کے مرتے ہی وہ جگہ یعنی کالی کا مندر ایک دھماکے کے ساتھ ٹوٹ جائے گا۔ میری بات اچھی طرح سمجھ گئے نا؟ جاؤ اور برائی کا خاتمہ کرکے آؤ۔''

حضرت صاحب کو ادب سے خدا حافظ کرکے فوراً ہی ارسم نے کار دوڑا دی کالے جنگلات کی طرف وہ دونوں جلد سے جلد ارمان کو بچانا چاہتے تھے۔

☆.....☆.....☆

''یا خدا میرے بیٹے اور ارسم اور ریاض بھائی کی حفاظت فرمانا ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھنا۔''

امینہ بیگم روتے ہوئے اللہ سے دعائیں کررہی تھیں ارم نے پیار سے کہا۔

''آنٹی فکر مت کریں ابو جان اگر سچا وعدہ کر کے گئے ہیں نا تو وہ لازمی ارمان کے ساتھ ساتھ ارسم بھائی کو بھی صحیح سلامت لائیں گے۔''

''ارم ٹھیک کہہ رہی ہے امینہ ریاض احمد اپنے قول کے سچے ہیں۔ دیکھنا ان تینوں کو کچھ نہیں ہوگا انشاءاللہ''

رابعہ کی بات پر امینہ اور ارم دونوں ساتھ بولیں! ''انشاءاللہ''

☆.....☆.....☆

ارسم نے کار جنگل میں اس جگہ روکی جہاں درختوں کے جھنڈ میں کالی ماتا کا مندر تھا۔ وہاں نیم بے ہوشی کی حالت میں ارمان ایک دائرے میں لیٹا ہوا تھا۔ دور سے دیکھ کر ارسم بولا۔

''ابو جان یہی وہ جگہ ہے وہ دیکھیں ارمان کو دائرے کے اندر لیٹا یا ہوا ہے۔ اور ہون بھی رکھا ہوا ہے وہ مالک ہون میں آگ جلا رہا ہے۔''

''ہاں اب یہ مالک ایک معمولی انسان ہے۔ اور تم نے کسی بھی قیمت پر اپنی ڈوری نہیں اتارنی میں مالک کو باتوں میں الجھا کر رکھوں گا تم دائرے کے اندر جاکر یہ ڈوری ارمان کی کلائی میں پہنا دینا اور اسے سمجھا دینا کہ وہ نیلم کے گلے سے وہ ڈوری ہوشیاری سے اتار دے تھوڑا ڈرامہ تو کرنا ہوگا تاکہ اس ڈائن کو ہم پر شک نہ ہو۔ تم سمجھ گئے نا؟''

''جی ابو جان میں سمجھ گیا اور ارمان کو بھی سمجھا دوں گا۔''

☆.....☆.....☆

نیلم مندر کے اندر کالی ماتا کی مورتی کے سامنے رکھے طابوت کا دروازہ کھول کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

''سوامی رام ناتھ آج کی رات تم ارمان کے شریر میں پھر سے جیوت ہو جاؤ گے اور ہم پھر سے ایک ہوں گے۔ تمہاری کالی شکتاں مزید بڑھ جائیں گی، پھر ہم اپنے راستے میں آنے والے تمام انسانوں کو مار دیں گے۔ ہم جو چاہیں گے وہ کریں گے کوئی انسان ہمیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم انسانوں کی بلی کالی ماتا کو ارپن کر کے اپنی شکتیاں مزید بڑھاتے رہیں گے ہم اس دنیا میں امر ہو جائیں گے۔ پھر موت ہمارا مقدر کبھی نہیں بن سکے گی۔ میں اپنی جوانی ہمیشہ برقرار رکھوں گی۔ ہا..... ہا..... ہا۔''

ایک طرف نیلم رام ناتھ کے ڈھانچے کے سامنے بیٹھی باتیں کررہی تھی دوسری طرف دائرے میں ارمان کو لیٹا کر مالک پوجا کی تیاری کررہا تھا ارسم اور ریاض احمد نے چپکے سے دبے قدموں آکر مالک کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سر پر زوردار لکڑی سے وار کیا تو وہ مرگیا۔ ارسم نے جلدی سے کالی ڈوری جیب سے نکال کر ارمان کے ہاتھ میں پہنا دی تو ارمان فوراً ہوش میں آگیا۔ ریاض احمد نے گلے سے

لگایا ارمان کے کان میں کچھ کہا ارمان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ارمان واپس دائرے میں لیٹ گیا ریاض احمد اور ارسم نے مالک کے جسم کو درختوں کے پیچھے چھپا دی۔ اور خود بھی وہاں چھپ کر نیلم کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ جیسے ہی نیلم مندر کے اندر سے باہر نکلی ریاض احمد نے ارسم کو اشارہ کیا ارسم دبے قدموں درختوں میں چھپتا چھپاتا خاموشی سے مندر کے اندر داخل ہوگیا۔ کالی کی مورتی کے ہاتھ میں جو ترشول تھا وہ لے لیا اور چھپتا چھپاتا واپس ریاض احمد کے پاس درخت کے پیچھے آ گیا۔

نیلم مالک کو نہ پا کر چاروں طرف دیکھنے لگی مالک دائرے کے اندر بے ہوش لیٹا ہوا تھا۔ نیلم کی نظر خون پر پڑی۔ نیلم زور سے چیخی اور بولی۔

''مالک۔ مالک۔ مالک تم کہاں ہو؟ یہ یقیناً ریاض احمد اور اس کے بیٹے کا کام ہے۔ میں بھی دیکھتی ہوں کون مجھے یہ پوجا کرنے اور ارم کی بلی چڑھانے سے روکتا ہے؟''

نیلم ہون کی آگ میں گھی ڈال کر کچھ پڑھنے لگی پڑھتے پڑھتے ارمان کے منہ کے قریب اپنا منہ لے کر گئی تو فوراً ارمان نے نیلم کے گلے میں پڑی ڈوری کو کھینچ لیا۔ نیلم اس اچانک حملے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔ ڈوری کو آگ میں پھینک کر ارمان بولا۔

''جا ڈائن آج تیری ساری شکتیاں اس ہون میں جل کر بھسم ہوگئیں۔''

نیلم غصے سے چیختی ہوئی اور بولی!

''یہ تو نے کیا کیا ارمان میری ڈوری ہون کی اگنی میں پھینک کر تو نے اپنی موت کو دعوت دی ہے میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔ میری شکتیاں ابھی ختم نہیں ہوئیں یہ تو مالک کی کالی ودیاں کی شکتی تھی ابھی میری شکتیاں تو اپنی جگہ باقی ہیں میری شکتی سے تجھے کون بچائے گا ارمان تیری موت تو میرے سوامی کی زندگی ہے تجھے مرنا ہوگا۔''

ارسم اور ریاض احمد بھاگتے ہوئے دائرے میں داخل ہوگئے نیلم نے پلٹ کر دیکھا تو بولی۔

''یہ سب تو نے کیا ہے نا ریاض احمد آج تو اور تیرا بیٹا بھی ارمان کے ساتھ ہی مریں گے۔ میں تم سب کو مار ڈالوں گی۔ سب کو مار ڈالوں گی۔''

نیلم جیسے ہی آگے بڑھنے لگی ریاض احمد نے پاک زم زم کا پانی اس پر جھٹ سے ڈال دیا نیلم کے جسم میں آگ بھڑک اٹھی، اور پھر ریاض احمد کا اشارہ ملتے ہی ارسم نے ترشول سے نیلم کے دل پر زوردار وار کر دیا۔ نیلم کے خون کی دھار بہہ نکلی تو ریاض احمد بولے۔

ارمان ارسم دونوں جلدی سے بھاگو کار کی جانب تو ان تینوں نے سرپٹ دوڑ لگا دی اور کالی کے مندر میں زوردار دھماکا ہوا چاروں طرف آگ کے شعلے بڑھکنے لگے۔

ان تینوں نے کار میں بیٹھتے ہی خدا کا شکر ادا کیا اور گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔

☆.....☆.....☆

گھر میں چاروں طرف شادیانے بج رہے تھے۔ لڑکیاں ڈھول کی تھاپ پر گانے گا رہی تھیں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ ارمان اور ارسم کی شادی نے نیلم کے واقعے کو جلد سے جلد بھلانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ رخصتی کے وقت ارمان ارسم سے بولا۔

''آج سے تو میرا سالا ہے تجھے اپنے بہنوئی کے نخرے اب بہت زیادہ برداشت کرنے ہوں گے۔''

''شٹ اپ اگر زیادہ ہی رشتے کا رعب جتایا نا تو تجھے گھر داماد بنالوں گا۔ ہاہاہا.....''

ارسم کی بات سن کر تمام گھر والے ہنسنے لگے۔ ریاض احمد ہنستے ہوئے بولے۔

''خدا ہمارے گھر کو اسی طرح خوشیوں کا گہوارہ بنائے رکھے۔''

ریاض احمد کی بات پر امینہ اور رابعہ بولیں۔ ''آمین۔''

ایجاد

احسان سحر-میانوالی

ایک ناقابل یقین مشین جو کہ انسانی تصور سے بالا تر تھی حقیقت کی دنیا سے مبرا اور دل دہلاتی اپنی نوعیت کی عجیب و غریب حقیقت۔

دل و دماغ پر.....خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی.....خونچکاں.....بھونچکاں تحریر

''**کیا** تم واقعی سنجیدہ ہو؟ کیا واقعی تمہیں یقین ہے کہ کوئی بھی مشین سوچ بھی سکتی ہے؟''

مجھے اپنی بات کا فوری جواب نہیں ملا۔ میکسن بہ ظاہر اپنے ہاتھ میں دبی لوہے کی چھڑی سے آتش دان میں دہکتے کوئلوں کو الٹنے پلٹنے میں ڈوبا ہوا تھا حتیٰ کہ اس عمل سے ابھرنے والی آگ نے بھی اس کی توجہ میری طرف مبذول کرادی۔ پچھلے کئی ہفتوں سے میں نے اس کے اندر ایک بات نوٹ کی تھی۔ وہ کسی بھی بات کا جواب دینے میں تاخیر کرنے لگا تھا۔ خواہ وہ سوال معمولی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہوتا۔ اسے دیکھ کر ہی خیال ابھرتا تھا کہ اس کی یہ عادت تولنے، پرکھنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کا سبب جیسے اس کے ذہن میں کچھ ایسی دوسری باتیں ہیں جو اسے الجھاتے ہوں۔ وہ قدرے کھویا کھویا سا لگتا تھا پھر اس نے میری بات کا جواب دیا۔

''سوال یہ ہے کہ مشین ہے کیا چیز؟ مشین کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔ ایک پاپولر ڈکشنری کے مطابق یہ ایک ایسی کل یا اوزار ہوتی ہے جن کے ذریعے توانائی کو موثر بنایا جاسکتا ہے یا جس کی مدد سے موقع اثر پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس طرح دیکھیں تو کیا آدمی خود ایک مشین نہیں؟ اور تم یہ بات تو مانو گے کہ آدمی سوچتا ہے، یا سوچتا ہے کہ وہ سوچتا ہے۔''

''دیکھو اگر تم میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے۔'' میں نے قدرے روکھے لہجے میں کہا تو یہ بات صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ تم نے جو کہا اس سے تو صاف لگتا ہے کہ تم بات کو گول کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جب میں نے مشین کی بات کی تھی تو اس سے میرا مطلب مشین ہی تھا۔ آدمی نہیں۔ میں نے ایک ایسی چیز کی بات کی جسے آدمی نے بنایا ہے اور جسے وہ کنٹرول کرتا ہے۔''

''جبکہ وہ خود آدمی کو کنٹرول نہیں کرتی۔'' اس نے کہا اور ایک دم اٹھ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ جس سے اس طوفانی رات میں باہر کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ لمحہ بھر بعد وہ مڑا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا بات گول کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ میں نے ڈکشنری میں دیئے ہوئے اس کے حوالے سے اس لئے بیان کئے تھے کہ اس بحث میں اس سے مدد مل سکتی ہے۔ ویسے میں تمہارے سوال کا جواب بہ آسانی براہ راست بھی دے سکتا ہوں۔ ہاں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک مشین سوچتی بھی ہے اپنے اس کام کے بارے میں جسے وہ کررہی ہوتی ہے۔

بلاشبہ یہ ایک کھلا جواب تھا۔ مگر میرے لئے باعث تشویش بھی تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میکسن جس تندہی اور عرق ریزی سے اپنی مشین شاپ میں مطالعہ اور کام میں لگا ہوا تھا اس کے خاصے برے اثرات اس پر مرتب ہورہے تھے، ایک بات کا مجھے علم تھا کہ وہ بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی تو کیا اس کی وجہ سے اس کا ذہن متاثر ہوگیا ہے؟ میرے سوال کا جو جواب اس نے دیا تھا اس سے شبہ ضرور ہوا تھا لیکن اس کی بھی ضرورت تھی کہ میں دوسرے زاویے سے سوچتا۔ میں اس وقت نوجوان تھا اور جوان العمری میں عموماً علمی کا غلبہ عام سی بات ہے۔ میں نے اس متنازعہ صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ''اور مجھے ذرا بتاؤ کہ وہ کس چیز سے سوچتی ہے، جبکہ اس کے پاس دماغ نہیں ہوتا؟''

اس بار اس نے اپنی عادت کے مطابق تاخیر نہیں کی اور اپنے پسندیدہ طریقے کے مطابق سوال کا جواب بھی سوال کی صورت میں دیا۔ ''تم یہ بتاؤ کہ ایک پودا کس کے ذریعے سوچتا ہے جبکہ اس کے پاس دماغ نہیں ہوتا۔''

''پودے..... پودے بھی فلاسفر کلاس کے ہوتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ ان کے کچھ نتائج جان کر تم تمہید میں نہ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے میرے مذاق پر توجہ نہیں دی اور بولا۔ ''تم ان کے عمل سے ان کی سوچ کو سمجھ سکتے ہو۔ میں یہاں معمولہ کی جسارت کا ذکر نہیں کروں گا یہ وہ پھول ہوتے ہیں جو اپنے Stamens جھکا کر اپنے بیج ان کیڑوں پر مثلاً بھونروں اور شہد کی مکھیوں پر ڈال دیتے ہیں جو ان پر بیٹھتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے سے دور موجود مادہ پھول کو بارآور بنادیتے ہیں۔ میں تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں۔ اس پر توجہ دو۔ میں نے اپنے باغیچے کے کھلے حصے میں ایک اوپر چڑھنے والی بیل بوائی تھی۔ جب وہ ابھی سطح پر ہی تھی میں نے وہاں ایک لکڑی گاڑ دی۔ اس سے کوئی گز بھر دوری پر اس بیل نے بلاتاخیر ادھر کا رخ کیا تھا۔ مگر ابھی وہ اس تک پہنچی ہی نہ تھی کہ میں نے لکڑی کو مزید چند فٹ دوری پر لگادیا۔ بیل نے پھر ادھر کا رخ کردیا۔ میں نے یہ حرکت کئی بار کی تھی اور لکڑی کو مختلف سمتوں میں گاڑا تھا۔ بیل نے ہر بار اپنا راستہ بدلا تھا اور اپنا رخ اسی طرف کرلیا تھا۔ پھر جب بیل مایوس ہوگئی تو زمین پر سفر کرتے ہوئے ایک قریبی چھوٹے پیڑ پر چڑھ گئی تھی۔ پولکپٹس کی جڑیں نمی کی تلاش میں بڑی استقامت کا مظاہرہ کرتی

ہیں۔ ایک ماہر نباتات کا بیان ہے کہ ایک جز کو تو اس نے ایک پرانے گندے پانی کے پائپ تک میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ پھر جب پائپ میں اسے اپنا مقصد نظر نہیں ملا تھا تو وہ ایک شگاف کے ذریعے گزر کر اپنی تلاش میں آگے بڑھتی گئی۔'' وہ رکا تو میں نے پوچھا۔

''اس سے میں کیا سمجھوں؟''

''اوہ..... تو تم نے اس کی اہمیت سمجھی ہی نہیں۔ اس سے پودے کی سوچ کا پتا چلتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سوچتے ہیں۔''

''اچھا چلو یونہی سہی..... پھر؟ ہم تو مشین کی بات کر رہے ہیں۔ پودوں کی نہیں۔ مشینیں لکڑی کی بھی بنی ہوتی ہیں اور مکمل طور پر دھات کی بھی..... تو کیا معدنیات میں خیال موجود ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر مظہر مظہر کی طرح وضاحت کرو گے مثلاً بلوریت لی۔

''میں اس کی وضاحت نہیں کرتا۔''

''صرف اس لئے کہ تم اسے اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک تم تسلیم نہ کرلو کہ کرسٹل بنانے والے عناصر میں ایک نوع ذہانت بھر تعاون بھی موجود ہوتا ہے۔ جب فوجی قطار بناتے ہیں تو تم اسے منطق، دلیل، سبب عقلیت اور شعور وغیرہ کے نام دیتے ہو۔ لیکن جب بگلے آسمان کی طرف پرواز کے دوران طرح طرح کے نمونے بناتے ہیں تو تم اسے جبلت کا نام دیتے ہو۔ جب کسی معدن کے یکساں ذرے کسی سیال میں آزادانہ حرکت کرتے ہوئے کوئی ریاضاتی شکل کی تشکیل کرتے ہیں تو تمہارے پاس اس کے لئے کوئی لفظ نہیں ہوتا۔ حد تو یہ ہے کہ تم نے اب تک کوئی ایسا نام تک ایجاد نہیں کیا ہے جس سے تم اپنی غیر عقلی پن کو چھپا سکو۔''

میکسن نہایت مدبرانہ انداز میں بول رہا تھا۔ جونہی وہ خاموش ہوا۔ میرے کانوں میں ایک ایسی آواز ٹکرائی۔ جو ملحقہ کمرے سے ابھری تھی جسے میکسن نے مشین شاپ کا نام لے رکھا تھا۔ اس میں سوائے اس کے کسی اور کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ آواز کچھ اس طرح تھی جیسے وہاں کسی نے میز پر اپنا کھلا ہوا ہاتھ مارا ہو۔ میکسن نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ ظاہر ہوتی تھی۔ وہ اٹھا اور عجلت میں اس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں سے یہ آواز آئی تھی۔ مجھے یہ بات خاصی تعجب خیز لگی کہ کوئی اس کمرے میں کیسے ہوسکتی ہے۔ میرا تجسس سوا ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے کان لگا دیئے کہ سن سکوں وہ تو خیر ہوتی کہ میں دروازے کی ہول کے پاس نہیں آیا۔ وہاں سے ایسی آوازیں آتی تھیں کہ جیسے کچھ جدوجہد ہوتی ہو یا اٹھا پٹخ۔ فرش بھی کانپ اٹھا تھا۔ پھر میں نے اپنی آواز سنی جیسے کوئی ہانپ رہا ہو ساتھ ہی ایک بھرائی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔ ''لعنت ہو۔'' اس کے بعد خاموشی چھا گئی ذرہ دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور میکسن باہر آیا۔ آتے ہی اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اچانک جانے کیلئے معذرت خواہ ہوں اس کے اندر ایک مشین ہے۔ اسے غصہ آ گیا تھا۔''

میں نے اس کے بائیں رخسار کی سمت گھورا جہاں چار نشان بنے ہوئے تھے جیسے کسی نے پنجے سے کھرچا مارا ہو۔ ان خراشوں میں کون موجود تھا۔

''کیا تم نے اس کے ناخن نہیں کترے تھے؟''

مجھے یہ مزاحیہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا اور اسی کرسی پر بیٹھ گیا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا پھر اس نے اپنی گفتگو کو اسی جگہ سے آگے بڑھایا جہاں سے وہ اسے توڑ کر اٹھا تھا۔ ''میں ان لوگوں کی صف میں تمہیں نہیں رکھوں گا جنہوں نے سکھایا ہے کہ تمام مادہ جاندار ہوتے ہیں۔ ہر ذرہ زندہ ہوتا ہے..... ان میں حس ہوتی ہے..... شعور ہوتا ہے، بے شک تمہارے خیالات اور ہیں مگر میں ان سے متفق ہوں، کوئی بھی شے ایسی نہیں جسے مردہ کہا جاسکے۔ یہ سب خوابیدہ ایشیا ہوتی ہیں۔ سب زندہ ہوتی ہیں۔ سب میں جبلتیں ہوتی ہیں۔ حقیقی اور پرقوت سب اپنے اپنے ماحول میں وہاں کی قوتوں کو محسوس کرنے والی ہوتی ہیں۔ جہاں ان کی قوتوں سے برتر قوتیں ہوتی ہیں۔ جن کا ان سے سابقہ پڑ سکتا ہے۔ مثلاً آدمی جب انہیں اپنی مرضی کے مطابق کسی اوزار کی شکل میں ڈھالتا ہے۔

یہ اشیا اپنے خالق کی کچھ ذہانتوں اور قوتوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہیں۔

اسی تناسب سے یہ جتنی پیچیدہ ہوتی ہیں اور جس قدر وسیع ان کی کارکردگی ہوتی ہے۔

کبھی تم نے ہربرٹ اسپنسر کی لکھی ہوئی وہ تعریف پڑھی ہے جو اس نے 'زندگی' کے لئے کی تھی۔ میں نے آج سے پچیس سال قبل پڑھا تھا وہ چاہتا تھا تو اسے بعد میں تبدیل بھی کر سکتا تھا مگر اس زمانے میں وہ ایسی تھی کہ اس میں کسی قسم کا ردوبدل میرے خیال میں ممکن ہی نہ تھا۔ مجھے تو یہ نہایت ہی مکمل تعریف لگتی تھی۔ یہی نہیں میرے خیال میں اس کی بس یہی تعریف ہو سکتی ہے ممکنہ۔

اس کا کہنا تھا کہ ''زندگی کے نوع کے عناصر کی تبدیلیوں کے اجتماع کا نام ہے یعنی عناصر میں ظہور ترتیب۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اس سے صرف مظہر کی تعریف ہوتی ہے۔ یہ تعریف وجہ کے بارے میں، اسباب کے بارے میں، کچھ نہیں بتاتی۔''

''تعریف بس ایسی ہی ہوتی ہے۔'' اس نے کہا جواباً۔

''بقول مل کر ہمیں اسباب کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں، جہاں تک کسی مظہر کا معاملہ ہے اس کا ظہور کسی دوسرے ظہور کے بغیر ہوتا ہی نہیں ایک کو ہم سبب کہتے ہیں اور دوسرے کو اثر۔ اگر کسی نے صرف ایک بار کسی کتے کو خرگوش کا تعاقب کرتے دیکھا ہو اور اس نے کبھی پہلے نہ بعد میں کسی کتے کو دیکھا ہو نہ ہو خرگوش کو تو وہ یہی سمجھے گا کہ کتا دراصل خرگوش کے سبب سے ہوتا ہے۔'' اس جگہ وہ ٹھہر کر مسکرایا اور مزید بولا۔

''میں اس کتے اور خرگوش کے چکر سے بہت دور نکل گیا۔ میں دراصل بتانا یہ چاہتا تھا کہ اسپنسر نے زندگی کی جو تعریف لکھی تھی اسی میں مشین کی کوئی کڑی شامل تھی۔ اس میں کہیں کچھ ایسا نہیں جس کا اطلاق مشین پر نہ ہو کے۔ مشاہدہ کرنے والی ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے اور سوچنے والا ہر ذہن سمجھ سکتا ہے کہ آدمی جب تک سرگرم رہتا ہے زندہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح مشین عمل کے دوران زندہ کہی جا سکتی ہے۔ میں نے مشینیں ایجاد کی ہیں اور انہیں بناتا رہتا ہوں میں جانتا ہوں کہ یہ بات بالکل درست ہے۔'' اس کے بعد میکسن چپ ہو کر کھو سا گیا اور اس نے آگے کی سمت گھورنا شروع کر دیا۔ رات بڑھ رہی تھی اور میں اب رخصت ہونے کے ارادے سے تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں میرا دل اس وقت اسے اس دور افتادہ تنہا مکان میں چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھا۔ میکسن یہاں تنہا تھا۔ سوائے ایسی ہستی کے جسے میں نہیں جانتا تھا لیکن جس کے بارے میں ایک بات واضح تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھا دوست کسی کا نہ تھا۔ میں کرسی پر اس کی سمت جھکا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے میں نے ایک ہاتھ دروازے کی سمت اشارہ کیا جدھر اس کی ورک شاپ تھی اور کہا ''میکس یہ تم نے کسے ادھر رکھ چھوڑا ہے؟''

وہ ہنس دیا تو مجھے حیرت ہوئی۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر کہا۔ ''وہاں کوئی نہیں ہے۔ جس واقعے سے تمہارے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ اس کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ میں نے غلطی سے اپنی ایک مشین کو ایکشن کی حالت میں چھوڑ دیا تھا جو کچھ نہیں کر رہی تھی۔ ادھر میں تمہارے ساتھ لمبی بحث میں چلا گیا تھا تمہیں پتہ ہے شعور دراصل (Rhythm) یعنی آہنگ کی مخلوق ہوتا ہے؟''

''چھوڑو یہ باتیں۔'' میں نے کہا اور اٹھتے ہوئے اپنے اوورکوٹ کو بھی اٹھا لیا۔ ''بھئی میں اب چلوں گا۔'' پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''البتہ تم ذرا اپنی مشین کو دستانے پہنا کر رکھا کرو تا کہ اسے بند کرنے میں تم کھرونچوں سے بچ سکو۔'' پھر میں نے اپنے جملوں کے اثرات اس کے چہرے پر دیکھے بغیر قدم اٹھائے اور گھر سے باہر نکل گیا۔

''باہر بارش ہو رہی تھی اور اندھیرا بہت گہرا ہو رہا تھا۔ ایک پہاڑی کی چوٹی کے ادھر، آسمان پر جدھر میں چل رہا تھا۔ میں نے شہری روشنیوں کا ہالہ دیکھا۔ میرے سامنے کیچڑ آلود، ناہموار سا راستہ تھا۔ میرے عقب میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ سوائے ایک کھڑکی

جو روشن تھی اور میکسن کے مکان کی تھی۔ یہ روشن تھی اور مجھے خاصی پراسرار نظر آرہی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ہے اور یہ کھڑکی اس کی ورک شاپ کی تھی شاید میرے نکلنے کے بعد وہ کمرے سے نکل کر اس میں چلا گیا تھا۔ تاکہ اپنے مطالعے اور کام کو آگے بڑھا سکے جو میری آمد سے التوا میں چلا گیا تھا۔

جو باتیں اس نے مجھے سمجھانے کیلئے کی تھیں وہ نہ صرف مجھ خاصی ضبط آمیز لگیں بلکہ ان میں ہنسنے ہنسانے کا سامان بھی نظر آیا تھا۔ مشین کے شعور اور آہنگ کے صاحب اولاد ہونے کی باتیں کچھ ایسی ہی تو تھیں۔ پھر میرے اندر فکر ایک اور ابھری ہوئی تھی اور مجھے ان باتوں کا تعلق میکسن کے زندگی کے کسی المیے پر جڑا محسوس ہو رہا تھا شاید اس کے مقدر سے، حالانکہ میں اس کی کسی بات سے اب اس کے دماغ کی کسی خرابی سے وابستہ نہیں کر رہا تھا۔ خواہ اس کا خیال کیسا بھی رہا ہو۔ اس نے ساری گفتگو نہایت ہی مدلل انداز میں کی تھی۔ بار بار اس کی ایک بات میرے ذہن میں گونج رہی تھی۔ ''شعور دراصل ردھم کی مخلوق ہے۔'' یہ ایک برہنہ سا بیان تھا۔ مگر مجھے اب بڑا پرکشش سا لگ رہا تھا۔ یہ میرے ذہن میں ابھرتا تھا تو مجھے لگتا تھا کہ ہر بار جیسے اس کی مقویت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اپنے اندر پھیل سا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے اس میں کوئی نکتہ ہے جو پورے ایک فلسفے کو جنم دے سکتا ہے۔ اگر شعور، ردم کی پیداوار تھا تو پھر بھی اشیا کو باشعور کہنا پڑتا۔ کیونکہ ان سب میں Motion موجود ہوتا ہے اور جہاں حرکت ہوتی ہے وہاں ردم یا آہنگ بھی ہوتا ہے۔ میں نے سوچا پتہ نہیں میکسن کو اس کا علم بھی ہے کہ اس کے خیال میں کتنی وسعت پائی جاتی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کو یہ بات موقع پر سوجھی تھی یا ایک طویل مشاہدے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا؟

یہ عقیدہ میرے لئے نیا تھا۔ میکسن نے جتنا زور ف کیا تھا اس سے مجھ پر ذرہ بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ مگر ب مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک روشنی میں آ گیا

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی و ہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائیے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانئے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر نئی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

ہوں۔علم کے ایک نئے احساس سے مجھے مسرت محسوس ہورہی تھی اور مجھے یہ عقل کیلئے ایک فخر کی بات لگ رہی تھی۔ میرے پیر جیسے زمین سے مل ہی نہیں پارہے تھے لگتا تھا مجھے نادیدہ پروں نے اٹھالیا ہے۔ اور میں محو پرواز تھا۔ میرے اندر ایک نئی لہر سی پیدا ہوتی تھی۔ اور ایک شدید خواہش نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کہ میں اس ضمن میں اس سے مزید باتیں کرکے اپنے علم کو موثر بنادوں یہ سوچ ہی کچھ ایسی تھی کہ بے خیالانہ میں پلٹ پڑا تھا۔ اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب میں نے خود کو ایک بار پھر میکسن کے گھر کے دروازے پر پایا۔ میں بارش سے بری طرح تر بتر تھا۔ مگر مجھے کوئی بے آرامی نہ تھی۔ میرا ہیجان کچھ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میں مکان کی گھنٹی نہ بجاسکا۔ میں نے جبلی طور پر دروازے کو آزمایا اس کی ناب آسانی سے گھوم گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اندر چلا گیا۔ میں نے سیڑھیاں طے کیں جو اس کمرے تک جاتی تھیں جس میں سے کچھ دیر قبل میں نکلا تھا۔ ہر طرف اندھیرا تھا اور خاموشی۔ میکسن جیسا کہ میں نے اندازہ لگایا تھا۔ اس میں سے نکل کر ملحقہ کمرے میں جاچکا تھا۔ وہی کمرہ جو اس کی مشین شاپ تھی۔ دیواروں کا سہارا لیتا ہوا میں اس کے دروازے تک گیا میں نے اس پر تین بار دستکیں دیں۔ مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں سمجھ گیا کہ باہر بارش اور طوفان کا زور شور ہے شاید اسی وجہ سے میری دستک نظر انداز کردی گئی ہے۔ ہوا دیواروں سے ٹکرا رہی تھی اور چھت پر بارش نے بھی شور پیدا کررکھا تھا۔

مجھے کبھی میکسن نے اپنے مشین شاپ میں کبھی نہیں بلایا تھا۔ میں ہی نہیں کسی کو بھی وہ اس میں نہیں لے گیا۔ سوائے ایک ہنرمند دھاتی مستری کے جس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ اس کا نام ہیلری تھا اور وہ بہت ہی چپ اور خاموش طبع آدمی تھا۔ اس کے بعد میرے ہیجانی مجھے اس قدر مجبور کیا کہ میں نے مزید اخلاقیات میں پڑنے کی ضرورت محسوس کی اور دروازے کو کھول کر کمرے میں داخل ہوگیا اور جو کچھ میں نے دیکھا اس کے بعد میرے دماغ سے سارے فلسفیانہ خیالات پھر سے اڑ گئے۔

میکسن ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھا ہوا تھا جو کمرے کے دور افتادہ کونے میں پڑی تھی۔ اس کا منہ میری طرف تھا اس میز پر ایک اکیلی موم بتی جل رہی تھی اور کمرے میں جتنی بھی روشنی تھی بس اسی سے ہویدا تھی۔ اس کے مخالف میں ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ جس کی پشت مجھے نظر آرہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان میز پر شطرنج کی بساط رکھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں شطرنج کھیل رہے تھے۔ مجھے شطرنج کا کھیل اچھی طرح نہیں آتا لیکن اس وقت بساط پر بہت کم مہرے رہ گئے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ کھیل خاتمے کے قریب ہے، میکسن غالباً کھیل میں بہت زیادہ غرق تھا یا..... وہ اس شخص کی ذات میں گہری دلچسپی لے رہا تھا جو اس وقت اس کا حریف تھا کیونکہ وہ بڑی متاثر نظروں سے اپنے مخالف کو تکے جارہا تھا اور اس کی محویت کچھ ایسی تھی کہ میں جو کہ ٹھیک طرح سے اس کی نظر کے سامنے تھا، اس کی توجہ حاصل نہیں کرسکا تھا۔ میکسن کا چہرہ اس وقت بالکل سپید ہورہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کا حریف کیسا تھا۔ میری طرف اس کی پیٹھ تھی مگر میرے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ میں ہرگز اس کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ قد میں بمشکل وہ پانچ فٹ کا ہوگا۔ اس کی جسمانی ساخت کسی حد تک گوریلے جیسی تھی۔ یعنی شانے بے حد چوڑے تھے، موٹے تھے، گردن جسم کے ساتھ پیوست تھی، سر بھی بھاری تھا، اس پر پکھو جیسے سیاہ بال تھے جس میں ایک سرخ لکیر سی پڑی ہوئی تھی۔ یہ سرخ لکیر وہاں سے اس کی کمر تک چلی آتی تھی۔ وہ کسی کرسی پر نہیں بلکہ غالباً کسی صندوق پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اسی وجہ سے اس کے پیر اور پنجے نظر نہیں آرہے تھے۔ اس نے اپنا بایاں اگلا بازو گود میں رکھ چھوڑا تھا۔ وہ مہروں کو اپنے دائیں ہاتھ سے چلا رہا تھا اور مجھے یہ بازو خاصا نامناسب اور لمبا سا محسوس ہورہا تھا۔ میں اس عرصے میں دبک سا گیا تھا۔ اور وہیں دروازے کے

پاس ایک طرف سمٹ گیا تھا جدھر روشنی کم آ رہی تھی۔ اب میں ایسی جگہ تھا اگر میکسن سر اٹھاتا تو میں اسے فوری طور پر نظر نہیں آ سکتا تھا۔ البتہ اسے دروازہ ضرور نظر آ سکتا تھا۔ جو کھلا ہی رہ گیا تھا۔ کسی حس نے مجھے مزید اندر جانے اور یا واپس ہو جانے سے روک دیا تھا۔ یہ احساس کسی طرح مجھ پر وارد ہوا تھا مجھ کو اس کا علم نہ تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا در گھٹنا ہونے والی ہے۔ کوئی الم ناک بات اور میں نے محسوس کیا تھا کہ مجھے اپنے دوست کی مدد کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اسی وجہ سے میں وہیں رک گیا تھا۔

کھیل تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ میکسن اپنے مہروں کو حرکت دیتے ہوئے مشکل سے ان کی سمت نظریں ڈال رہا تھا۔ وہ بس انہیں ادھر ادھر رکھ رہا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے مجھ جیسے اناڑی کو بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی چالیں درست نہیں ہیں۔

بلکہ اس کے حریف کا انداز بالکل برعکس تھا۔ وہ نہ صرف سوچ سمجھ کر مہروں کو چلا رہا تھا بلکہ اس میں ایک نوع کی تنظیم اور مشینی رو موجود تھی۔ جو منظر میرے سامنے تھا وہ مجھے اس زمین سے کٹا ہوا لگ رہا تھا۔ مجھے ہلکی سی کپکپی محسوس ہوتی تھی مگر..... شاید یہ اس وجہ سے تھی کہ میں بھگا ہوا تھا۔ ایک دو بار مہروں کو چلانے کے بعد اس اجنبی پیکر نے اپنا سر زرہ سا ہلایا۔ اس کے ساتھ میکسن کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے شاہ کو ہٹا رہا ہے تبھی مجھے احساس ہوا کہ یہ اجنبی یقیناً گونگا ہے۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی تھا کہ یہ کوئی زندہ فرد نہیں بلکہ ایک مشین ہے۔ ایک آٹو میٹون چیس پلیئر اور پھر مجھے یہ بھی یاد آیا کہ ایک بار مجھ سے میکسن نے کہا تھا کہ اس نے ایک ایسی مشین بنالی ہے۔ اس وقت میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ میں نے سوچا تو کیا آج اس نے مجھ سے مشین کے شعور وغیرہ کی جو اتنی باتیں کی ہیں کہیں یہ اس مشین کو دکھانے کی ایک تمہید تو نہ تھی جو اس نے بنا رکھی تھی۔ کیا اس نے اتنی ساری باتیں اس لئے کی تھیں کہ اپنی اس مشین کی نمائش پر میری حیرت اور استعجاب کو دیکھ کر خوش ہو سکے؟ خوب میں نے سوچا..... یہ میرے ہیجان اور فلسفے کی خوبصورتی وغیرہ کا بہت عمدہ انجام ہے۔

میں وہاں سے جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کیونکہ میں جس لئے پلٹا تھا، وہ سارا فلسفہ تو ڈھیر ہو چکا تھا کہ اچانک ہی ایک ایسا واقعہ ہوا کہ جس نے میرے تجسس کو بیدار کیا۔ میں نے اس شے کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنے چوڑے شانے اس طرح اچکائے تھے جیسے کسی بات نے انہیں جھنجھلا دیا ہو اور یہ حرکت بے حد فطری بلکہ خالصتاً انسانی تھی۔ چونکہ اب میں سارے معاملے کو ایک نئے رخ سے دیکھ رہا تھا مجھے اس کی حرکت نے چونکا دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے ہی لمحے میز پر چڑ چڑاہٹ کے ساتھ ایک زور کا ہاتھ بھی مارا اور مخالف کی اس حرکت نے مجھ سے بھی زیادہ میکسن کو پریشان کر دیا تھا اس نے عجلت میں اپنی کرسی تھوڑی سی پیچھے سرکائی۔ یہ حرکت خطرے کو محسوس کرتے ہوئے کی گئی تھی۔

پھر لیکن نے اپنا ایک ہاتھ بلند کیا اور دوسرے ہی لمحے ہاتھ نیچے آیا۔ اس نے اپنے پیروں میں سے ایک کو اس طرح دبوچا جیسے کوئی باز کسی چڑیا کو دبوچتا ہے پھر چیخا۔ ''مات۔''

اس کے بعد وہ عجلت سے اٹھا اور کرسی کے پیچھے جا رکا۔ آٹو مشین اپنی جگہ ساکت بیٹھا رہا۔

ہوا کا زور اس عرصے میں کم ہو گیا تھا مگر میں نے سنا بادل کہیں زور سے کڑکے تھے۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے ہلکی ہلکی سی گونج ابھر رہی ہو۔ پھر یہ لمحاتی طور پر اونچی ہو گئی۔ تب میں نے جان لیا کہ آواز دراصل آٹو مشین کے اندر سے ابھر رہی تھی۔ یہ آواز کچھ اس نوعیت کی تھی جیسے کوء چرخی چلنے لگی ہو جیسے مشین میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہو۔

اور وہ کنٹرول سے باہر ہو گئی ہو۔ مگر اس سے قبل کہ میں اس آواز پر مزید خیال آرائی کر سکتا میری توجہ آٹو مشین کی ایک عجیب حرکت کی سمت مبذول ہو گئی۔ اس مشین کے جسم میں ہلکی ہلکی اینٹھن پیدا ہو رہی تھی۔ وہ اب سر سے پیر تک ہلکی ہلکی کپکپانے لگا تھا۔ معاً وہ کسی بلی کی طرح اچھلا، بیچ کی میز اور کرسی کو ساتھ لئے۔ اس کی یہ جست بجلی

جیسی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے پھیلا دیئے جیسے کسی کو دبوچ لینا چاہتا ہو۔ میکسن نے اس سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی کوشش ضرور کی مگر یہ جست اس قدر غیر متوقع اور تیز تھی کہ وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ میں نے دیکھا کہ اس ہیبت پیکر کے ایک ہاتھ نے میکسن کے حلقوم کو دبوچ لیا ہے۔ میکسن کے اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی چھڑانے کے لئے تھامی جس کے نتیجے میں میز کرسی سب لڑھک گئے تھے اور اس پر رکھی موم بتی گر کر بجھ گئی تھی۔

اب ہر طرف تاریکی تھی۔ مگر یہاں ہونے والی جدوجہد کی آوازیں بہت واضح تھیں۔ مجھے میکسن کے منہ سے نکلنے والی کراہیں سنائی دے رہی تھیں۔ جس کا گلا دبایا جارہا تھا۔ اب رکے رہنے کا وقت نہ تھا۔ میں نے اپنے دوست کی مدد کے لئے اندھیرے میں سمت کا تعین کر کے جست بھری۔ ابھی میں چند گز پر ہی تھا کہ سارا کمرا سفید روشنی سے بقعہ نور بن گیا اور اس روشنی میں جو منظر میں نے دیکھا وہ میری یادداشت سے کبھی کھر چا نہیں جاسکتا۔

دونوں حریف ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے اور زمین پر گرے ہوئے تھے۔ میکسن نیچے تھا۔ اس کا گلا ہنوز اس کے مخالف کے پنجوں میں تھا۔ اس کا سر نیچے لٹک گیا تھا۔ آنکھیں باہر نکل آئی تھیں منہ کھل گیا تھا اور اس کی زبان باہر لٹک پڑی تھی۔ یہ بہت ہی خوفناک منظر تھا۔ ادھر اس کے قاتل کا رنگوں سے بنا ہوا چہرہ ہر تاثر سے بے نیاز تھا۔ تاہم اس کے وجود سے آسودگی جھلک رہی تھی۔ گویا اس نے شطرنج کے مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ لمحاتی روشنی تھی اس کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا اور ساتھ ہی کمرے میں سناٹا بھی پھیل گیا۔ تین روز بعد مجھے ہوش آیا۔ میں ایک اسپتال میں تھا۔ جیسے جیسے میرے ذہن کی دھند چھٹی اور نگاہ جما کر کچھ دیکھنے کا لائق ہوا مجھے وہ چہرہ نظر آیا جو میں نے دیکھا ہوا تھا۔ یہ ہلپری تھا۔ میکسن کا قابل اعتماد کلینک۔ اس نے مجھے ہوش میں دیکھا تو آہستہ سے مسکرایا اور کچھ اور نزدیک آ گیا۔

''ذرہ مجھے تفصیل بتانا۔'' میں نے آہستہ آواز میں اس سے کہا۔ ''ساری باتیں۔''

''تمہیں ایک جلتے ہوئے مکان سے بے ہوشی کی حالت میں نکالا گیا تھا۔ مکان میکسن کا تھا۔ کسی کو اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ تم آخر وہاں کس طرح موجود تھے۔ تمہیں اس کی وضاحت کرنی ہوگی۔ مکان میں آگ کس طرح لگی۔ یہ معاملہ بھی پراسرار سا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس مکان پر آسمانی بجلی گری تھی۔''

''اور میکسن۔''

''اسے کل دفن کر دیا گیا ہے بلکہ یوں کہو کہ اس کی باقیات کو۔'' یہ صورتحال ایسی ہی تھی ورنہ ہلپرپ جیسا شخص اس قدر کبھی نہ بولتا۔ سبھی جانتے ہیں کہ وہ کم باتوں کا عادی ہے۔ بہرحال اس نے میرے تجسس کے پیش نظر کسی حد تک زبان کھول کر میرا دل رکھ لیا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے ایک سوال کے لئے پھر ہمت کی۔

''مجھے کس نے بچایا تھا.....؟''

''اب تم پوچھ رہے ہو تو بتا رہا ہوں..... میں نے.....''

''شکریہ ہلپری۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے۔ یہ بتاؤ کیا تم نے اس حیرت ناک شے کو بھی بچایا ہے جسے میں تمہارے ہنر کا شاہکار کہہ سکتا ہوں۔ میرا مطلب وہ آٹو مشین چیس پلیئر جس نے اپنے موجد کو ہلاک کر دیا تھا۔''

ہلپری کچھ دیر تک چپ رہا۔ اس نے اپنی نظریں بھی دوسری طرف کر لی تھیں۔ بالآخر اس نے میری سمت توجہ دی اور بولا۔ ''اچھا تو تم اس کے بارے میں جاننے ہو؟''

''ہاں.....'' میں نے کہا۔ ''میں نے اسے خود میکسن کا گلا گھونٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

یہ ساری باتیں بہت پرانی ہوچکی ہیں۔ بہت سال گزر چکے ہیں۔ آج جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو سب کچھ مٹے مٹے خواب جیسا لگتا ہے۔ اسی صداقت پر خود مجھے شبہ ہونے لگتا ہے۔

خبیث

قائرہ۔ بھلوال

عامل نے لڑکے کو ایک آخری حل بتایا اور ڈوری دم کرکے دی کہ جب لڑکی سوجائے تو وہ ڈوری اس کے ہاتھ میں باندھ دے اس طرح لڑکی اور لڑکے کا خواب ایک سے جڑجائیں گے اور پھر.....

ایک خوفناک حیرت ناک وحشت ناک اور دہشت ناک پر تحیر حیرت انگیز شاخسانہ

سونا نہیں۔سن رہی ہو نا؟ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔یقین رکھو۔میں ابھی آتا ہوں۔

سمیر بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلا۔

وہ ڈری سہمی سی اپنے اطراف میں دیکھنے لگی۔ ہال پر لگی گھڑی بارہ بجنے کا اعلان کرنے والی تھی۔اس کی نظر گھڑی پر پڑی اور اس کی حالت بگڑنے لگی۔ بجی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی اور وہ بے بس ہوکر نیند کی وادی میں اترنے لگی۔

اس نے خود کو ایک گھر کے باہر پایا۔ وہ اس جگہ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ یہاں رہنا اور آنا جانا پسند نہیں کرتی تھی۔مگر مجبور تھی۔

سارا گھر جلا ہوا تھا، جس گھر کے باہر وہ موجود تھی۔

باہر کا موسم بھی عجیب تھا۔ ہر چیز کہر آلود نظر

آتے ہوئے بھیانک لگ رہی تھی۔ خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے اپنے اطراف میں دیکھتے ہوئے سمیر کو پکارا۔

سمیر۔۔۔!

وہ واپس آیا تو انعم سو چکی تھی۔ وہ گھبرا کر اسے جگانے لگا۔

انو۔۔۔ انو آنکھیں کھولو۔۔۔ اٹھو انو ہوش میں آؤ۔۔۔

وہ مسلسل اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ مگر وہ کہاں اٹھنے والی تھی۔ وہ نیم مردہ سی بیڈ پر پڑی تھی۔

یہ تمہارے پاس آخری موقع ہے۔ اگر تم نے ذرا سی بھی غلطی کی۔ تو تم دونوں وہاں سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ عامل نے کہا۔ سمجھ گئے نا؟ تم وہاں سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ دیکھو بیٹا گھبرانے کی کوئی بات نہیں اپنے ڈر پر قابو پا گئے تو سمجھو کامیاب ہو گئے۔ یہ خبیث روح صرف اپنی موت کا بدلہ لینا چاہتی ہے۔ لیکن یہ بھی کڑوا سچ ٹھہرا کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ بہر حال خدا کی مدد شامل حال ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ عامل نے اس کی ہمت بندھائی۔

ٹھیک ہے بابا جی، میں تیار ہوں۔ سمیر نے مصمم اراہ کرتے ہوئے کہا۔

آخری بار عامل کے بتائے ہوئے طریقے پر غور کیا اور مٹھی میں دبایا سرخ دھاگہ دیکھا۔ اس نے آخری بار سوچا۔

مجھے یہ کرنا ہوگا۔ آخر وہ میری بہن ہے۔

جلدی سے سرخ دھاگا انو کی کلائی پر باندھا اور دوسرا سرا اپنی کلائی پر باندھ لیا اور بیڈ کے کنارے سر ٹکاتے ہی وہ بھی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ وہ اسی گھر کے اندر موجود تھا۔ اسے ویسی ہی آواز آ رہی تھی جس کا ذکر انعم کیا کرتی تھی۔

وہ فوراً جلے ہوئے کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔

انو۔۔۔۔۔! انو۔۔۔۔۔! کہاں ہو انو؟

اس کے ہاتھ میں وہی چاقو تھا جو اس نے اس کی ماں کے پیٹ میں اتارا تھا۔ وہ اسے دیوار پر رگڑتا ہوا ڈھونڈ رہا تھا۔

چاقو کے رگڑنے کی تیز آواز سے انو کے کان کے پردے پھٹنے لگے۔ دونوں ہاتھ کان پر رکھے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ضبط کھو رہی تھی۔ انو نے آہستگی سے پکارا۔ بھیا کہاں ہو؟

☆.....☆.....☆

کیا کروں کہاں تلاش کروں؟ وہ سوچنے لگا۔

نہیں! چھپنا حل نہیں ہے۔ مجھے مقابلہ کرنا ہوگا۔

چاقو دیواروں پر رگڑتا وہ پورے گھر میں انو کو تلاش کر رہا تھا۔

دروازے کی اوٹ سے جلے ہوئے کاٹھ کباڑ کی آڑ میں چھپ کر سمیر اسے تلاش کرنے لگا۔ وہ ایک جگہ کھڑا تھا۔ سمیر ایک لکڑی کے جلے ہوئے بینچ کے پیچھے چھپ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے اسے اس کے پیر نظر آ رہے تھے۔

سر تا پیر تک جو دیکھا تو ڈر کر اس نے اپنے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ لیا کہ مبادا چیخ نہ پڑے۔

وہ پورا جلا ہوا تھا۔ سیاہ چہرا، ابلی ہوئی آنکھیں جن کے گرد کھال غائب تھی۔۔۔۔۔ اور زیادہ اسے خوفناک لگ رہی تھیں۔ اسے متلی ہونے لگی۔ بازو پر پڑے آبلے پھٹ چکے تھے گلا ہوا گوشت صاف نظر آ رہا تھا۔ کئی جگہ جسم کی کھال کٹی پھٹی تھی۔

سمیر اپنی بگڑتی حالت پر قابو پانے لگا۔

کیسے ہو میرے پیارے بیٹے۔۔۔ اچھا ہوا تم بھی مل گئے۔ یہ سب تمہارا ہی تو کیا دھرا ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر دیکھتا اس کی گردن اس کے شکنجے میں تھی۔ ابھی ابھی سمیر نے اس کے جلے بازو دیکھے تھے انہی ہاتھوں سے وہ اس کی گردن دبوچے گا اس نے سوچا نہ تھا۔

تکلیف اور کراہیت کی کیفیت سے دوچار سمیر اس کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

وہ اسے تڑپتا دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔
ہنسی کی آواز سن کر انو کو جھٹکا لگا۔ اس منحوس آواز کو وہ پہچان گئی تھی۔ پہچانتی بھی کیسے نا پورا سال اس نے اذیت برداشت کی تھی،۔ وہ ادھر ادھر اسے کاٹھ کباڑ کی اوٹ سے خود کو ہر ممکن طور پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈھونڈنے لگی۔
تم لوگوں نے مجھے جلا ڈالا تھا نا! آج دیکھنا میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔
جلے ہوئے شخص نے سمیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ تمہاری بہن بھی یہاں ہے نا؟
سمیر نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔
بلا۔۔۔ بلا اسے۔۔۔! وہ اپنی جلی ہوئی آنکھوں کو پھیلائے دھاڑتے ہوئے بولا۔
انو۔۔۔ انو۔۔۔۔ تم خود چلی آؤ ورنہ میں اس کے ٹکڑے کردوں گا۔
کہتے ہوئے وہ آہٹوں کا پیچھا کرنے لگا۔
سمیر بھی گھبرا گیا کہ دھمکی پر انو خود کو کہیں اس کے حوالے نہ کردے۔
سن رہی ہو؟ انو۔۔۔۔
اب اس نے لہجہ دھیما کرتے ہوئے پھٹے ہونٹوں پر مسکان سجا کر کہا۔
انو میری پیاری بچی۔۔! آ میرے پاس آ۔
انو نے اپنے بھائی کو اس کی گرفت میں دیکھا تو سرتاپیر لرز گئی۔ وہ جلے ہوئے دروازے کے پیچھے منہ پر ہاتھ رکھے سسکنے لگی۔۔۔
بابا چھوڑ دو مجھے۔۔۔۔ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ بیٹی ہوں میں آپ کی۔
وہ اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑے کمرے کی طرف لے جا رہا تھا اور انو گھسٹتی ہوئی اس کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔
اس نے کمرے تک لا کر اسے کھڑا کیا۔
''چپ ایکدم چپ، تیری ماں کام کرتی ہے؟ تیرا بھائی بھی کام کرتا ہے؟۔۔۔ تو تو کیوں مفت کی روٹیاں توڑ رہی ہے؟ آج سے تو بھی کام کرے گی۔
انو اس کا مطلب سمجھتے ہوئے بند دروازے کو دیکھ کر دہل گئی۔
اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولی۔
ذرا سوچو اگر میری ماں اور بھائی کو پتہ چل گیا نا تو۔۔۔
جواباً وہ کمینگی کی انتہا کو چھو کر مسکراتے ہوئے بولا۔
کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔۔۔ اسی رئیس کے گھر تیری ماں کام کرتی ہے۔ تجھے یاد ہے تو ایک دفعہ اپنی ماں کے ساتھ اس کے گھر گئی تھی اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے۔۔۔ اس کی بیٹی کی شادی تھی۔ بس وہیں اس نے تجھے دیکھا تھا۔ تیری ماں سے اس نے بات بھی کی کام کی کہ دبئی میں عیش وعشرت کی زندگی گزارے گی اور تم لوگ جو غربت کی چکی میں پستے ہو اس سے بھی نجات مل جائے گی پر وہ حرامزادی نہیں مانی اور صاف انکار کردیا۔ میری بات غور سے سن تیری ماں بیوقوفی کر سکتی ہے میں نہیں۔ تھوڑا تعاون کر۔۔۔ آج کی رات۔۔۔ کل تو پھر مجبوراً وہی کرنا پڑے جو میں تیری ماں سے کہوں گا۔ پھر وہ اجازت دینے پر مجبور ہوگی کیونکہ اور کوئی چارا جو نہیں ہوگا۔۔۔ ارے گھبرا نہیں۔۔۔ ابھی تو تو دبئی بھی جائے گی جہاز پر۔۔۔ ہاہاہا کبھی دیکھا ہے جہاز؟ نہیں نا؟ ارے پگلی ہم امیر ہوجائیں گے۔۔۔۔
ایک لمحے کو وہ آنے والے دنوں کا خواب دیکھنے لگا۔
انو نے ہاتھ جھٹکا تو ہوش میں آیا۔
آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہی ہے؟ آج رات تیری ماں گھر نہیں آئے گی اور نہ ہی سمیر! اس لیئے میں جو کہتا ہوں وہ کرتی جا۔۔۔ دیکھو انم! ہم کب تک غربت کی چکی میں پستے رہیں گے؟ اس رئیس کا دبئی میں بہت بڑا کاروبار ہے وہ کیا کہتے ہیں

ماڈلز۔۔۔ہاں وہ ماڈلز لے جاتا ہے وہ وہاں بڑے بڑے ہالوں میں تقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔ اور خوبصورت لڑکیوں کو نوکری بھی دی جاتی ہے اور تو تو ہے ہی اتنی خوبصورت۔۔۔۔ہے ناں؟ بس آج تو اسے قابو کر لے بس پھر دیکھ کیسے وارے نیارے ہوتے ہیں۔۔۔۔

انعم اس کی باتیں سن کر دنگ رہ گئی۔تم جیسا گھٹیا شخص تو کہیں نہیں ہوگا تو تو باپ کہلانے کے لائق ہی نہیں بے غیرت شخص ہے تو۔۔۔۔۔

اے۔۔۔۔بہت بول رہی ہے تو۔۔۔۔قینچی کی طرح چلتی زبان کاٹوں کیا تیری؟ زیادہ بکواس کی ناتو ہڈی پسلی توڑ دوں گا سمجھی! چل۔۔۔

وہ اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے آیا۔

سامنے ایک شخص ٹیبل پر پڑی شراب کی بوتل اٹھا رہا تھا اسے دیکھ کر بوتل وہیں رکھ دی اس کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

کوئلے کی کان میں ہیرا۔۔۔واہ رے اوپر والے تیرے کرشمے۔

وہ اسے چھوڑ کر جانے کے لئے پلٹا تو انعم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

بابا مجھے اس درندے کے سامنے مت ڈال۔۔۔رحم کر۔

وہ شخص تیزی سے اٹھا اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے انعم کے باپ کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

اس شخص نے کمرے کو بند کیا اور ناپاک نظروں سے انو کو دیکھا۔

ایک زخمی ہرن گدھ کے ہتھے چڑھ گئی جو اسے نوچتا رہا کھسوٹتا رہا۔

بھیانک رات اس کی چادر میں اپنی ہولناکی چھاپ چھوڑتی گزر چکی تھی۔

وہ ابتر حالت میں بے ہوش پڑی تھی۔ پاس ہی شراب کی وہ بوتل خالی گری پڑی تھی جو زبردستی اس کے حلق میں انڈیلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دور سے آوازیں آرہیں تھیں مگر وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی ماں اسے جھنجھوڑتی ہوئی پکار رہی تھی۔

خود پر گزری قیامت کا ایک ایک پل ماں کو بتاتی روتی بلکتی رہی۔

اس کی ماں سکتے کے عالم میں بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا باطی خان اس حد تک گر جائے گا۔وہ تو پہلے ہی اس سے ناامید ہو چکی تھی۔بچوں اور اپنا مضبوط سہارا سمجھنے کی غلطی اتنی بھاری پڑے گی اس نے اس خوش فہمی میں ناقابل تلافی نقصان اٹھایا۔مگر اب طوفان گزر چکا تھا جو اپنے ساتھ سب کچھ نیست ونابود کر گیا تھا۔

میں بے عزت ہوگئی اماں۔۔۔۔۔

وہ روتے ہوئے اپنے جسم کو اپنے بالوں کو، اپنے منہ کو نوچتی رہی۔

سمیر گھر میں داخل ہوا تو انو کی چیخیں سن کر حیران ہوا تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے کی طرف بھاگا۔

سامنے کے منظر پر اسے جھٹکا لگا دیوار سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

باطی۔۔۔انو کی ماں چیخنے لگی، ہائے میں بیوگی کی چادر میں اپنے بچوں کو چھپا لیتی تو آج میری عزت تار تار نہ ہوتی۔سوتیلے پن کی ہی لاج رکھ لیتا۔۔۔۔

کیا کہہ رہی ہو اماں۔۔۔۔

سمیر نے چونک کر ماں کو دیکھا چلتے ہوئے بے حال ہوتی ماں کو تھام لیا۔

سمیر میری بچی کو کھا گیا وہ۔۔۔۔۔میری بیٹی کا سودا کر دیا بدخصلت نے۔

کیوں شور مچا رہی بد بخت! باطی نشے میں لڑکھڑاتا دروازے سے جھانکتے ہوئے بولا۔۔۔اپنا

تماشا خود ہی بنا رہی ہے تو۔۔۔

شمیم غصے میں اٹھی اور باطی کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

تیرے پیٹ کی جہنم بھرنے کو ہم دونوں کافی نہیں تھے جو تو نے میری معصوم بچی کو بھی دہکتی بھٹی میں جھونک دیا۔۔۔؟

باطی نے غصے سے شمیم کو دیکھا۔

تو نے میرے گریبان پر ہاتھ ڈالا۔۔۔؟

ہاں ڈالا!

شمیم غصے میں چلا کر بولی۔

تیرے خلاف پرچہ کٹواؤں گی میں دیکھنا جیل میں سڑے گا تو۔۔۔۔

باطی نے جیب سے چاقو نکال کر شمیم کے پیٹ میں اتار دیا، شمیم لڑکھڑاتی ہوئی بے یقینی کے عالم میں اسے گھورتی نیچے جا گری۔

اماں۔۔۔۔

سمیر ماں کو تھام کر انو کو آوازیں دینے لگا انو بے یقینی کی کیفیت میں کبھی ماں کو کبھی باپ کو دیکھنے لگی۔

اماں کچھ نہیں ہوگا تجھے میں اسپتال۔۔۔۔

شمیم نے اکھڑتی سانسوں سے بیٹے کو دیکھا۔ شمیم کا سر سمیر کے بازو پر ڈھلک گیا۔

سمیر نے خوف سے ماں کو ہلایا۔

اماں اماں اٹھو۔۔۔ آنکھیں کھولو اماں۔۔۔ سمیر پکارتا رہا پر شمیم نے ایک نہ سنی۔

ناٹک کر رہی ہے ابھی اٹھ جائے گی۔۔۔۔۔

سمیر نے ماں کو کمرے کے فرش پر لٹایا۔ ماں کے پیٹ سے چاقو نکالا اور سرعت سے باطی کے پیٹ میں مار دیا۔ باطی درد سے جھومتے ہوئے گر کر تڑپنے لگا۔

تو نے میری ماں کو مار دیا۔

سمیر اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جانے لگا باطی خود کو چھڑاتے ہوئے انو کی طرف بھاگا۔

انو اسے قریب پا کر چیخنے لگی۔

سمیر نے باطی کا بازو پکڑ کر کھینچا تو باطی نے دوسرے ہاتھ سے انو کو پکڑنا چاہا مگر انو پیچھے ہٹ گئی لیکن انو کا دوپٹہ باطی کے ہاتھ لگ گیا اور باطی نے کھینچا تو انو نے اتار پھینکا۔

سمیر اسے گھر کے اسٹور کی طرف لے گیا۔ باطی انو کا دوپٹہ تھامے خود کو چھڑانے کی کوشش میں تھا۔ چاقو ابھی بھی باطی کے پیٹ میں تھا جو اندر ہی اندر اسے کاٹ رہا تھا۔

سمیر نے اسے اسٹور میں پٹخا جہاں وہ ورکشاپ سے لایا کالا تیل لا کر رکھتا تھا جو چولھا جلاتے ہوئے انعم استعمال کرتی تھی۔

اکثر گیلی لکڑیاں ہوتیں تو ان پر ڈالا کرتی اور وہ آسانی سے جل جاتیں۔ دیگر لوگ بھی آگ جلانے کے لئے لیتے تھے جسے وہ سستے دام بیچا کرتے تھے کیونکہ ابھی یہاں گیس نہیں پہنچی تھی بارشوں میں سوکھی لکڑی ملنا دشوار تھا۔

سمیر نے اسے فرش پر پٹختے ہوئے ہوئے کہا۔

تیرا جرم بہت بڑا ہے اور میں اتنے ظرف کا مالک نہیں کہ تجھے معاف کردوں۔۔۔۔۔! میری دنیا اجاڑ دی تو نے۔۔۔۔۔

انو بھی روتے ہوئے دروازے میں آن کھڑی ہوئی، سمیر نے ایک نظر اسے دیکھا اور تڑپتے ہوئے باطی کے پاس بیٹھ گیا جواب آخری سانسیں گن رہا تھا۔

ہماری عزت ہماری غیرت پر وار تو کیا تو نے۔۔۔۔ ساتھ ہی ماں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تو اب تیرے زندہ رہنے کا کیا جواز؟

سمیر نے باطی کے پیٹ میں گھونپے چاقو کو دیکھا اور اس کے ہاتھ میں موجود انو کے دوپٹے سے چاقو کا دستہ صاف کیا۔

سمیر اٹھا۔۔۔ تیل کے ڈبے اٹھا کر باطی کے اوپر اور اس کے آس پاس گرانے لگا۔ مڑ کر انو کو دیکھا۔ انو نے اس کا اشارہ سمجھ لیا مگر پھر بھی کھڑی

باطی کو دیکھتی رہی۔

باطی نیم مردہ حالت میں دیکھ رہا تھا۔ سسکتے ہوئے انو کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

انو کو خود پر بیتی قیامت کا پل پل یاد آنے لگا۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔

سمیرا اسے تڑپتا دیکھتا رہا۔

انو پلٹی تو اس کے ہاتھ میں ماچس تھی جو اس نے سمیر کی طرف بڑھائی۔ لیکن سمیر نے نہیں لی۔

انو نے سمیر کو دیکھتے ہوئے ماچس میں سے تیلی نکال کر آگ جلائی اور گرے ہوئے تیل پر پھینک دی تو تیل نے آگ پکڑ لی اور آگ تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔

باطی نیم وا آنکھوں سے آگ دیکھ رہا تھا اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

سمیر انو کو لئے باہر آ گیا دونوں اسٹور کے دروازے سے باطی کو جلتا دیکھ کر ماں کے پاس آئے جو انہیں چھوڑ کر ملک عدم کی راہی بن بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

پولیس آئی اور کارروائی شروع کر دی۔

سمیر نے پولیس کو بتایا کہ اس کا باپ شرابی تھا اس کی ماں کو قتل کر کے گھر کو آگ لگا دی جس میں وہ خود بھی جل مرا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے واضح تھا کہ باطی کو چاقو مارا گیا ہے۔ مگر سمیر اور انعم اپنے بیان پر ڈٹے رہے کہ باطی خان نے خودکشی کی تھی۔ سمیر اور انو پولیس کی حراست میں چھ ماہ رہے مگر کچھ ثابت نہ ہوا۔

چھ ماہ بعد۔۔۔

جیل سے رہائی شام کے وقت ہوئی، اور اپنے گھر کے علاوہ رات گزارنے کا چارہ بھی نہ تھا۔ یوں دونوں بھائی بہن گھر لوٹے، اپنے جلے گھر کے سامنے کھڑے سوچنے لگے رات تو یہیں بتانی پڑے گی۔ محلے داروں میں سے تو اس وقت کوئی دروازہ بھی نہ کھولے گا صبح استاد سے رہائش کا بندوبست کرنے کا کہتا ہوں۔

سمیرا انو کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوا۔

انو گھبرائی سی سمیر کے ساتھ چلنے لگی عجیب سا خوف اس کے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔

رات کے دس بج چکے تھے چاند کی روشنی پورے گھر میں پھیلی تھی چھتوں سے بے نیاز کمروں میں کہیں کہیں اندھیرا بکل مارے بیٹھا تھا۔

دونوں قدرے صاف جگہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے کتنی ہی یادیں ان کے سامنے رقصاں تھیں۔ نجانے کب ماں کی یاد سے لپٹے نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

انو۔۔۔انو۔۔۔

یہ آواز تو ابا کی ہے۔۔۔انو کو باپ کی آواز دور سے آ رہی تھی۔۔۔پھر آہستہ آہستہ نزدیک آنے لگی۔ آواز کے ساتھ ساتھ کسی چیز کے گھسٹنے کی آواز زیادہ آنے لگی۔

اس نے گھبرا کر اپنے آس پاس دیکھا وہ وہیں کھڑی تھی جہاں اس نے ابا کو جلایا تھا۔

گھبرا کر باہر نکلنا چاہا مگر دروازہ نہیں نظر آ رہا تھا وہ ادھر ادھر بھاگتی دیواروں سے ٹکرانے لگی۔

انو۔۔۔انو۔۔۔۔کہاں بھاگ رہی ہو۔

خباثت سے مسکراتا باپ ایک جگہ کھڑا انو کو دیکھ رہا تھا۔

انو نے چاند کی روشنی میں ابا کو دیکھا۔ اس کا سیاہ وجود مکمل طور جل چکا تھا کہیں کہیں تو کھال لٹک رہی تھی۔

اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

مکمل خاموشی چھا گئی۔

انعم نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ابا کی ابلی آنکھیں دیکھ کر چیخ پڑی، گرتے پڑتے جو دروازہ دیکھا تو بھاگ کر باہر نکلی۔

ابا کی ہنسی اسے اپنے پیچھے سنائی دینے لگی۔

بھیا۔۔۔ بھیا بچالے۔
انعم اسے پکارتی رہی مگر سمیر سویا رہا۔
باطی ہنستا ہوا آیا اور پھر سے اسے پکڑ لیا انعم شور مچاتی رہی
وہ اسے گھسیٹتا ہوا اسٹور میں لے گیا۔
انعم نے اس کی انگلیوں میں اپنے دوپٹے کا جلا ہوا کچھ حصہ اور چاقو دیکھا۔ اچانک انعم کو جھٹکا لگا۔

☆.....☆.....☆

انعم۔۔۔ انعم۔۔۔ انعم۔
سمیر اسے کب سے آوازیں دے رہا تھا مگر انعم تو گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی تھی۔
سمیر کی آواز پر وہ اٹھی تو سمیر اسے جگا رہا تھا۔
وہ اٹھتے ہی ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
بھیا ابا۔۔۔ ابا زندہ ہے۔۔۔ یہاں سے چلو بھیا وہ مجھے مارنا چاہتا ہے۔
وہ ڈری سہمی سمیر کو بتانے لگی۔
میری بات کا یقین کریں بھیا ابا زندہ ہے۔
انعم ابا مر چکا ہے۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ اچھا چلو یہاں سے۔۔۔
سمیر کے کہتے ہی انعم اٹھی اور بھاگ کر باہر نکل گئی۔
ارے رکو تو۔۔۔!
سمیر بھی پیچھے دوڑا۔۔۔ بمشکل اسے بازو سے پکڑ کر بولا۔
کیا پاگل پن ہے انعم! کیوں تماشہ بنا رہی ہو۔
میری بات کا یقین کرو بھائی، میں نے ابا کو دیکھا تھا۔۔۔ ابا نے مجھے مارنے کی کوشش بھی کی۔
اچھا بس۔۔۔! چلو یہاں سے۔۔۔
شاید انعم ابھی اس واقعے کو بھلا نہیں سکی سمیر سوچنے لگا۔۔۔ مجھے کہیں اور رہنے کا بندوبست کرنا چاہیے تاکہ وہ ان اثرات کے اثر سے نکل سکے۔۔۔ اس گھر کو بیچ دیتا ہوں۔

☆.....☆.....☆

سمیر نے پھر ورکشاپ پر کام کرنا شروع کر دیا اور کرائے پر مکان بھی حاصل کر لیا تھا۔
سمیر اب بے فکر تھا کہ اب انعم اس واقعے کو بھول جائے گی مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔
چند دن گزرے تو انعم نے اسے بتایا کہ ابا کو دیکھتی ہے جو بدلہ لینے کی بات کرتا ہے سمیر نے اسے کافی سمجھایا کہ برے وقت کو بھول جا مگر انعم کی حالت نہ بدلی۔ سمیر اسے دماغی مریض سمجھنے لگا۔
پھر ایک دن سمیر نے اپنا مسئلہ اپنے استاد سے ڈسکس کیا جس نے ایک عامل کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔
سمیر نے عامل کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔
عامل نے اسے بتایا کہ انعم سچ کہہ رہی ہے۔
جب تمہارے باپ کی موت ہوئی تو انعم کی کوئی استعمال شدہ چیز اس کے پاس تھی اور بدلے کی نیت بھی تھی۔۔۔ اب اسی استعمال شدہ چیز کے ذریعے وہ اسے تنگ کر رہا ہے جس طرح وہ خواب میں آتا ہے اسی استعمال شدہ چیز سے اس کی روح باندھنا چاہتا ہے ابھی تک وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ انعم کو جگا دیا جاتا تھا، عین اسی وقت جب وہ اسے باندھنا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن۔۔۔! جس دن اس نے اسے باندھ لیا تو انعم تب تک نہ جاگے گی جب تک وہ اسے آزاد نہیں کرتا اور اسی حالت میں وہ مر بھی سکتی ہے۔
سمیر یہ حقیقت سن کر کافی پریشان تھا۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔۔۔؟ سمیر سوچنے لگا۔
عامل نے اس کی مشکل بھانپتے ہوئے کہا۔ اس دنیا میں بہت سارے واقعات ہماری عقل و خرد ماننے سے انکاری ہے مگر ایسا ہوتا ہے نیکی اور بدی کی جنگ تا قیامت جاری رہے گی۔

☆.....☆.....☆

اس کا حل یہی ہے جب انعم کو وہ دکھائی دے تو وہ دیکھے اس کے پاس اس کی وہ کون سی چیز ہے جس

کے زریعے وہ تنگ کر رہا ہے اس سے وہ چیز لینی ہے۔۔۔۔ تبھی چھٹکارا ممکن ہے۔۔۔۔ بس ایک بات کا خیال رہے اپنا دفاع کرے اس کی گرفت سے بچنے کے لئے۔

سمیر نے انعم کو عامل کی بات سمجھائی اسے ذہنی طور پر تیار کر لیا۔۔۔ مگر! انعم خوفزدہ تھی۔ انعم اپنے خوف پر قابو نہ پا سکی اور ہر رات میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا۔

عامل نے ایک آخری حل بتایا سمیر کو اور ایک ڈوری دم کر کے دی کہ جب انعم سوئے تو ڈوری اپنے اور انعم کے ہاتھ میں باندھ دے یوں دونوں ایک ہی خواب سے جڑ جائیں گے اور تم وہ چیز اس سے لے لینا جو انعم سے اسے جوڑ رہی ہے۔

تو تو نہیں مانے گی۔

باطی اسے متلاشی نظروں سے کھوجتے ہوئے سمیر کو اذیت دے رہا تھا۔

سمیر اس کی گرفت سے نکلنے کی ہر کوشش ناکام ہوتے دیکھ کر ہمت ہارنے لگا۔

انعم اس کی آواز پر چونکی: اس نے محتاط انداز میں باطی کو دیکھا جو سمیر کو گردن سے دبوچے کھڑا تھا۔

انعم نے خوف سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ بھاگ بھاگ کر وہ تھک چکی تھی اور اس کا بھائی اس کے سامنے تڑپ رہا تھا وہ ہر روز کی پریشانی سے نکل کر باطی سے سامنا کرنے چلی آئی۔

چھوڑ دو اسے۔۔۔! انعم نے بے خوفی سے اسے دیکھ کر کہا۔

تمہارا یہ دلیر پن مجھے بہت اچھا لگا۔۔۔ مگر بات یہ ہے کہ تمہیں میرے قریب آنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی میں اسے چھوڑوں گا۔

انعم نے ایک بار پھر اس کے جلے ہاتھ میں اپنے بھائی کو لٹکا دیکھا جو بری طرح تڑپ رہا تھا۔

انعم آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آنے لگی۔ سحر انگیزی کیفیت سے دوچار وہ آگے بڑھنے لگی۔

چاندنی میں اس کا کٹا پیٹ، جلا وجود واضح طور نظر آ رہا تھا۔ ہیبت ناک چہرے پر نظریں گڑائے وہ قریب آنے لگی۔ چند فٹ کا فاصلہ لمبی مسافت پر محیط لگنے لگا۔ انعم کو اپنی موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی۔ قریب۔۔۔ قریب۔۔۔ اور قریب ہوتی انعم کو سڑاند محسوس ہونے لگی اسے اس کے وجود سے بو آنے لگی۔ پھٹے آبلوں سے اس کی کھال کا گلا گوشت نظر آیا تو اس نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

اور پھر دھپ کی آواز آئی تو گھبرا کر آواز کی سمت دیکھا۔ سمیر نیچے گرا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ انعم اس کو اٹھانے کے لئے آگے بڑھتی اس نے خود کو اپنے باپ باطی خاں کی روح کی گرفت میں پایا۔

انعم کو کھینچتے ہوئے وہ لے جانے لگا۔ انعم چیختی ہوئی نیچے بیٹھ گئی۔ وہ گھسیٹتے ہوئے کھینچنے لگا۔

اچانک انعم کی نظر اس کی جلی انگلیوں پر پڑی جہاں اس کے دوپٹے کا چھوٹا سا ٹکڑا انگلی کے گوشت پر چپکا تھا۔

ابا۔۔۔ سمیر نے کھڑے ہوتے ہوئے اسے پکارا، وہ چلتے ہوئے بنا مڑے رکا: ایک لفظ کی زنجیر نے جیسے اس کے قدم روک لئے ہوں۔

پھرتی سے انعم نے ہاتھ کی انگلی سے دوپٹے کا ٹکڑا کھرچ ڈالا! دوپٹے کا ٹکڑا انگلی کے گوشت سے اکھڑ گیا تو وہ چیخنے لگا اور آہستہ آہستہ وہ دھوئیں کی لپیٹ میں آتا گیا اس کا پورا وجود دھوئیں میں تحلیل ہو گیا۔

انعم اور سمیر نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

سمیر نے جلدی سے انعم اور اپنے بازو پر دم شدہ ڈوری کو باندھا تو اگلے ہی پل دونوں بھائی بہن اپنے کمرے میں نیند سے جاگ گئے۔

اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دونوں بھائی بہن اپنے باپ کے انتقام سے چھٹکارا پا چکے تھے۔

ڈراؤنی مخلوق

خلیل جبار

عجیب الخلقت بلا جو کہ بہت طاقتور تھی لیکن وہ روشنی سے ڈرتی تھی اس لئے روشنی دیکھتے ہی بے قابو ہوجایا کرتی تھی اور روشنی دکھانے والے پر اچانک حملہ کردیتی تھی۔

ایک آسیب جو کہ کالے جانور کے روپ میں آتا تھا اور پھر ایک روز عجیب تماشہ ہوا

اس علاقے میں انسپکٹر کی حیثیت سے آئے مجھے دو ہفتے ہی ہوئے تھے۔ سعید پور گاؤں کی آبادی زیادہ نہیں تھی۔ گاؤں میں زیادہ تر لوگ مویشی پالنے کا کام کرتے تھے۔ میرے اس گاؤں میں آنے سے قبل کبھی کبھار ہی کوئی بھولا بھٹکا جانور آ کر کسی کا کوئی بکرا، بھیڑ وغیرہ لے جاتا تھا۔ دراصل جنگل گاؤں کے قریب ہی لگتا تھا۔ جب کوئی جنگل سے لکڑیاں جلانے کو لکڑیاں لینے جاتا تھا اسے گمشدہ جانور کی باقیات یعنی کھال اور دیگر ہڈیاں مل جانے پر اسے اندازہ ہوجاتا تھا کہ اسے کوئی جنگلی جانور جنگل میں اٹھالایا تھا۔

سعید پور میں میرے آنے سے دو ہفتے قبل مویشیوں کو روزانہ لے جانے کی واردات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ گاؤں کے لوگوں کا تشویش میں مبتلا ہونا فطری بات تھی۔ لوگوں نے اپنے اپنے طور پر رات میں جاگ کر اس راز کو جاننے کی کوشش کی۔ کچھ دیہاتیوں کا یہ خیال تھا کہ جنگل میں آسیب ہے جو ان کی کسی بات سے ناراض ہوگیا

ہے۔ اس لئے روزانہ ایک مویشی غائب ہورہا ہے۔

گاؤں کے کچھ لوگوں نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ انہوں نے آسیب کو دیکھا ہے وہ ایک کالے جانور کے روپ میں رات میں آتا ہے۔ جسمانی اعتبار سے وہ ریچھ لگتا ہے لیکن وہ اس قدر قد آور ہے کہ کئی ریچھ کو جمع کئے جانے پر اس کی لمبائی، چوڑائی بنتی ہے۔ یعنی وہ ہاتھی سے جسمانی طور پر بڑا ہے۔ کوئی اسے روشنی کی مدد سے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرے وہ اس وقت حملہ آور ہوجاتا ہے۔ اس لئے آسیب کو چاندنی راتوں میں ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

میرا خیال تھا آسیب سے متعلق جو بات پھیلائی جارہی ہے اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اسی طرح کی افواہ وہی پھیلا رہا ہے جو مویشی چرانے کے کام میں ملوث ہے۔ اس طرح کی خبر پھیل جانے پر کوئی شخص چور کو آسیب سمجھ کر نہ اسے دیکھنے اور نہ اس کا پیچھا کرنے کی کوشش کرے گا۔ چور کا کام چلتا رہے گا۔ جنگل میں جانوروں کے لئے خوراک کا خوب انتظام تھا۔ وہ پھر کیوں گاؤں کا رخ کرے گا۔ اس کے گاؤں کا رخ کرنے پر یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ گاؤں کے لوگ اسے گھیر کر پکڑلیں گے اور مار ڈالیں گے۔

رات کا ایک بج چکا تھا ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ پورے علاقے کو تاریکی نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ میں نے روشنی کرنے کو اپنے ہاتھ میں ٹارچ لی ہوئی تھی۔ ایک جگہ جھاڑیوں میں مجھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔ جھاڑیوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے پر وہاں سے ایک لومڑی نکل کر بھاگی۔ وہ جھاڑیوں میں گھسی کچھ کھا رہی تھی۔ میں نے اس جگہ پر روشنی ڈالی جہاں لومڑی کچھ کھا رہی تھی۔ اس جگہ ایک مردہ خرگوش پڑا تھا۔ لومڑی نے ابھی ابھی اس خرگوش کا شکار کیا تھا۔ اور اسے کھانا چاہتی تھی ایسے میں وہاں میں پہنچ گیا تھا اور وہ اپنا شکار کیا۔ خرگوش چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔

میں وہاں سے آگے بڑھا۔ ایک مقام پر مجھے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میں نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھنا چاہا۔ میرے پیچھے موجود ایک ڈراؤنی مخلوق نے مجھ پر حملہ کردیا۔ میں اس اچانک حملے کے لئے بالکل بھی تیار نہ تھا اس لیے منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ ٹارچ بھی میرے ہاتھ سے دور جاگری تھی۔ پھر میں جیسے تیسے کرکے اٹھا اور ٹارچ کو اٹھا کر جلایا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ مجھ پر کس نے حملہ کیا ہے۔ میرے زمین پر گرنے پر اس مخلوق نے دوبارہ حملہ کیوں نہیں کیا۔ اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت تھی کہ زمین پر گرائے جانے پر مجھ میں خاصی دیر تک زمین سے اٹھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ وہ دوبارہ حملہ کرکے میرا کام تمام کرسکتی تھی۔ وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ مجھ پر حملہ کرنے والی مخلوق اتنی جلدی کہاں غائب ہوگئی ہے۔ ایسا لگ رہا تھا مجھ پر حملہ کرنے والی مخلوق چھلاوا تھی۔ جو اچانک سے آئی اور مجھ پر حملہ کیا پھر غائب ہوگئی میرا کسی طاقتور دشمن سے مقابلہ تھا جو چھلاوے کی طرح غائب ہوجانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

چند دن مجھ میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ میں رات کے وقت علاقے میں چور کی تلاش جاری رکھ سکوں۔ جب طبیعت میں بہتری آئی تو ایک رات پھر چور کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ میں ایک فرض شناس افسر تھا۔ میری ذمہ داری میں یہ بات شامل تھی کہ اس علاقے کے لوگوں کو مویشی چور سے نجات دلاؤں۔ چور کو جلد سے جلد پکڑ کر جیل بھجوادوں۔ میں چور کی تلاش میں آبادی سے خاصی دور نکل آیا تھا۔ یہ خیال مجھے اس لیے آیا کہ میں جنگلی جانوروں کو ادھر ادھر بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ میں ابھی پلٹ کر لوٹ جانا چاہتا تھا کہ ایک جھاڑی کے پیچھے مجھے ایسا لگا کہ کوئی چھپا ہوا ہے۔ میں نے ٹارچ روشن کرنے میں دیر نہ کی اور ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں پر ڈالی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ رات کے اس وقت کون جھاڑی کے پیچھے چھپا ہے۔ کہیں یہ وہ چور نہ ہو جس کی مجھے تلاش ہے۔ میں نے پستول بھی تان لیا تھا تاکہ اس کے حملہ آور ہونے پر فائر کردوں۔

اچانک جھاڑیوں سے ایک کالا جانور جس کے پورے جسم پر کالے کالے بال تھے۔ بالکل ایسا محسوس ہورہا تھا کہ وہ بن مانس کی نسل سے تعلق رکھنے والا جانور ہے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اتنا بڑا جانور میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مجھے

موقع دیئے بغیر ہی حملہ کر دیا۔ اس نے میرے جسم پر اپنے دو ہاتھ مارے تھے لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے بھاری بھرکم پتھر مار رہے ہیں میں دور جا گرا۔

ٹارچ اور پستول بھی ہاتھ سے چھوٹ گئے تھے۔

میں ابھی اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ پراسرار مخلوق غائب ہوگئی۔ پراسرار مخلوق چاہتی تو مجھے دونوں دفعہ ہلاک کر سکتی تھی لیکن وہ مجھے دھکہ دے کر بھاگ رہی تھی۔ اس میں ضرور کوئی راز تھا جب اسے مارنا نہیں تھا پھر حملہ کر کے زمین پر چت کیوں کر دیتی ہے۔ یہ بات کسی طرح دماغ میں نہیں آ رہی تھی۔

زمین سے اٹھ کر میں نے اسے ادھر ادھر تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس جگہ سے ایسے غائب ہوگئی تھی جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔ صبح تھانے میں جب میں نے اپنے اسسٹنٹ راشد سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"سر جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ جھاڑیوں میں کوئی ہے اس وقت اس مخلوق نے حملہ کیوں نہیں کیا۔"

"یہ بات میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ٹارچ کی روشنی ڈالنے پر حملہ کیا۔ پہلی بار جب اس نے حملہ کیا تو ٹارچ روشن تھی۔"

"ہاں ٹارچ روشن تھی۔" میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے اس مخلوق کو روشنی پسند نہیں ہے جس طرح گاؤں میں پرورش پانے والے جانور شہر میں قربانی کے لئے لاتے ہیں رات میں وہ روشنی دیکھ کر مالک کے ہاتھ سے رسی چھڑا کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ روشنی کے عادی نہیں ہوتے اس لئے ایسا کرتے ہیں۔"

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ پراسرار بلا ٹارچ کی روشنی سے ڈرتی ہے۔"

"ہاں میرا خیال ایسا ہی ہے۔"

"اسی لیے وہ گاؤں میں رات کے وقت مویشی اٹھا لے جاتی ہے ورنہ دن میں بھی آ سکتی ہے۔"

"دن میں وہ کہیں چھپ جاتی ہوگی اور رات میں وراک کی تلاش میں نکلتی ہوگی۔"

"ہم نے اسے مویشی چراتے نہیں دیکھا اس لیے پراسرار بلا پر اس طرح الزام نہیں لگا سکتے۔"

"سر پولیس کا کام شک کی بنیاد پر شروع ہوتا ہے۔ ہمیں اس پراسرار بلا پر شک کرنا ہوگا بھی ہم اس کی جاسوسی کریں گے۔" وہ بولا۔ "میں اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا۔ وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا پولیس کا کام شک کی بنیاد پر شروع ہو کر مجرم کی گرفتاری پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

"ہمیں اس پراسرار بلا پر شک کر کے کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"ہاں سر اس کام میں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، جنگلوں میں کئی غار ہیں، ان غاروں میں کوئی نہ کوئی غار اس کا پناہ گاہ ہوگا۔" راشد نے کہا۔ "جنگل میں غار میں نے بھی دیکھے ہیں لیکن میرا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں۔"

"سر کیوں نہ یہ کام آج ہی سے شروع کر دیا جائے۔"

"ہاں کام میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے تاخیر کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ ہم دونوں تھانے سے نکل کر جنگل میں گھس گئے۔ اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ ساتھ لے کر آئے تھے۔ ایک غار میں گھسنے پر پراسرار بلا کے آثار نظر نہ آئے۔ البتہ غار کے اندر بدبو بہت تھی اس کا مطلب تھا۔ جانور رات میں یا سخت دھوپ سے بچنے کو غار میں گھس جاتے ہیں۔ ہم دونوں نے منہ پر رومال رکھ لئے تھے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ غار کے اندر اندھیرا تھا۔ ایسے میں ٹارچ کی روشنی سے غار کے اندر کا ماحول آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ غار کے آخری سرے پر ہمیں کئی خرگوش ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے۔ وہ ہمیں دیکھ کر غار کی زمین میں بنائے بلوں میں گھس گئے۔

"یہاں ان خرگوشوں کا بسیرا ہے جبھی غار میں بدبو بہت زیادہ ہے۔" میں نے کہا۔

"سر یہ جانور دیکھنے میں بہت خوبصورت ہے لوگ ان کو پالنا بھی چاہتے ہیں لیکن اس کے پیشاب میں بدبو بہت تیز آتی ہے۔ اس لیے شہروں میں ان کو پالا نہیں جاتا ہے۔" راشد نے کہا۔

اس غار سے نکل کر ہم دوسرے، تیسرے، چوتھے

غرض کئی غاروں میں گئے لیکن ایسا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے کہ اس غار میں وہ پراسرار بلا رہتی ہے۔ واپسی پر ایک آخری غار رہ گیا تھا۔ ہم اس غار میں گھس گئے۔ اس غار میں مویشیوں کے کھانے سے بچ جانے والے سر اور دیگر جسم کے اعضاء پڑے تھے اور کثرت سے پڑے تھے۔ اس میں اب کوئی شک باقی نہیں رہا تھا کہ گاؤں کے چرائے گئے مویشی اس غار میں لاکر کھائے گئے ہیں۔"

"دیکھ لیں سر شک کرنے کا کچھ فائدہ ہوگیا ہے۔" راشد نے کہا۔ "ہاں بھئی تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اس کا مطلب ہے وہ پراسرار بلا بھی اسی غار میں ہے۔ ہمیں سنبھل کر ایک، ایک قدم آگے بڑھانا ہوگا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر میں ہوشیار اور چوکنا ہو چکا ہوں۔" راشد نے کہا۔ ہم دونوں کے آخر تک چلے گئے تھے۔ لیکن پراسرار بلا کا کچھ پتا نہیں تھا۔

"جب اس بلا کا یہی ٹھکانہ ہے پھر اسے یہاں پر ہونا چاہئے۔" میں نے کہا۔ "ایسا بھی ہوسکتا ہے وہ رہتی کہیں اور ہو اور مویشی کھانے کے لئے یہ جگہ استعمال کرتی ہے۔ گوشت بچ جانے پر وہ دوسرے دن آکر کھا لیتی ہوگی۔

"کہیں اور رہنے کا مطلب ہے اس کے ساتھ اس جیسی کئی اور پراسرار بلائیں بھی ہوں گی۔" "ہاں ایسا ممکن ہے۔" راشد نے کہا۔

دن بھر ہم دونوں نے اس پراسرار بلا کو ڈھونڈا لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ ہم دونوں واپس تھانے آگئے۔ ہمیں اس حد تک کامیابی حاصل ہوگئی تھی کہ ہم نے وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں گاؤں کے مویشیوں کو کھایا جاتا ہے۔"

"راشد تم اپنے سپاہیوں کے ذریعے یہ پیغام پہنچا دو جیسے ہی رات میں کسی کا مویشی چوری ہو تھانے کو اطلاع کردی جائے۔"

"ٹھیک ہے سر میں یہ پیغام ابھی بھجوا دیتا ہوں۔" راشد نے کہا۔

چند دن تک گاؤں سے کوئی مویشی چوری نہیں ہوا۔ گاؤں والوں نے بھی اب اطمینان کا سانس لیا کہ ان کے مویشی چوری ہونا بند ہوگئے ہیں۔

ایک رات ہم دونوں جنگل میں ہی تھے کہ دور سے اس بلا کو آتے ہوئے دیکھ لیا اس نے منہ میں ایک بکری کا بچہ دبایا ہوا تھا۔ میں نے اپنے ساتھی کو ٹارچ بجھانے کا اشارہ کیا اور ایک جھاڑی کی اوٹ لے کر بیٹھ گئے۔ اس کا رخ ہماری ہی طرف تھا میں نے اس کے سر کا نشانہ لے لیا تھا۔ وہ جیسے ہی نزدیک آئی میں نے گولی چلا دی۔ اس بلا کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ کچھ دیر تک ہماری اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس بلا کے قریب جاسکیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ وہ پراسرار بلا واقعی مر چکی ہے اس کا بدن بے حس اور بے حرکت ہوگیا ہے۔ اس کے قریب گئے۔ اسے اچھی طرح ہلا جلا کر دیکھا حالانکہ اس کا بھیجہ اڑ چکا تھا۔ پھر بھی اس بلا سے خوف آرہا تھا۔ میں نے اور میرے ساتھی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگوں کو پکڑا اور گاؤں کا رخ کیا۔ اسے گھسیٹتے ہوئے جنگل سے گاؤں میں لے آئے۔

صبح ہونے پر گاؤں میں پراسرار بلا کی ہلاکت کی خبر پہنچ چکی تھی۔ لوگ اس بلا کو دیکھنے آرہے تھے اور اس بلا کو حیرت سے دیکھ رہے تھے جس نے گاؤں کے لوگوں کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا میں نے اس بلا سے نجات دلا دی تھی۔

وہ بلا بہت طاقتور تھی لیکن روشنی سے بہت ڈرتی تھی اس لیے روشنی دیکھتے ہی بے قابو ہوجاتی تھی۔ اور روشنی دکھانے والے پر بے اختیار حملہ کردیتی تھی۔ میں نے اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور بلا کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

میرے اس کارنامے سے گاؤں کے لوگ بہت خوش تھے اور میری سچے دل سے عزت کرنے لگ گئے تھے۔

میں جب تک سعید پور میں رہا پھر کوئی اس پراسرار اور ڈراؤنی بلا جیسی مخلوق نظر نہ آئی اس کا مطلب تھا کہ اس علاقے میں ایک ہی پراسرار بلا تھی جو میرے ہاتھوں ماری گئی تھی۔

شیطانی ہوس

عامر شہزاد۔ نکانہ صاحب

رات کا اندھیرا ہر سو مسلط تھا ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ اچانک پورے گائوں میں تھلکہ مچ گیا کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ کمرے سے اچانک دلہن کیسے غائب ہوگئی لیکن جب راز کھلا تو.....

ایک ایسے شخص کی کہانی جس نے ناممکن کو ممکن سمجھ بیٹھا تھا، حیرت ناک دل گرفتہ کہانی

گرمی کا موسم تھا ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ سیبوں کے باغ میں کھڑا میں حمیدہ کا انتظار کر رہا تھا۔ ہم دونوں نے آج باغ میں ملنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اور میں وقت سے پہلے ہی مقررہ جگہ پر پہنچ گیا کافی دیر گزرنے کے بعد حمیدہ نہیں پہنچی، موسم خراب ہونے لگا ہلکی ہلکی بارش شروع ہوگئی۔ پہاڑیوں کے دامن میں ایک خوبصورت وادی میں کھڑا میں اس حسین قدرتی منظر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بارش کی بوندیں ننھے پودوں پر گرتی عجیب خوبصورتی پیش کر رہی تھیں بارش کی آمد نے حمیدہ کے آنے کو مشکوک بنا دیا کیونکہ بارش میں وہ اپنے گھر والوں سے کوئی بہانہ بنانے سے قاصر ہوگی۔ یہی سوچتا ہوا میں واپس چل دیا۔ راستے میں مرد و عورت کی محبت کے قصے ہر زبان پر عام رہے ہیں کہیں ہیر رانجھا، سسی پنوں، سوہنی مہینوال، اور کہیں گیتوں ،

ڈراموں اور فلموں میں پیار و محبت کے قصے غرضیکہ دنیا میں زیادہ تر صرف پیار و محبت اور عشق مجازی کو اہمیت دی جاتی ہے۔

مگر اس وقت میں جو نظارہ دیکھ رہا تھا۔ پہاڑیوں کے دامن میں موجود ایک پودے، شمال کی جانب چھوٹا سا جنگل اور اوپر سے برسنے والی بارش یہ اعلیٰ اور خوبصورت مناظر کیا ان سے پیار نہیں ہوسکتا؟ یقیناً حسین مناظر قدرت کسی بھی عورت سے پیار سے کم نہیں اس وقت مجھے ایک خوبصورت گانا یاد آیا۔ ''یہ موسم یہ مست نظارے پیار و کردو تو ان سے کرو۔''

البتہ پھر بھی عشق مجازی کی اپنی حیثیت مسلمہ ہے۔

ہمارا گاؤں اسی وادی میں واقع تھا شہر شفٹ ہونے سے پہلے ہم سب گاؤں میں اکٹھے رہتے تھے گاؤں وسیع تھا۔ یہاں کے باشندے امن پسند اور نیک تھے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے آب و ہوا اچھی ہونے کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور رنگ و روپ بھی دوسرے علاقوں کی نسبت مختلف تھی تمام لوگ محنتی اور جفاکش تھے۔

میں جو واقعہ سنانے جا رہا ہوں۔ وہ میرے ساتھ تقریباً 17 سال پہلے پیش آیا ان دنوں میری تعلیم ایف۔اے تھی اور ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے میں اپنے باغات اور زمینوں میں ہی کام کرتا تھا ابو آرمی میں ملازم تھے۔ ہماری گزر بسر اچھی ہو رہی تھی اوہ میں اپنا نام بتانا تو بھول ہی گیا میرا نام عمار ہے انہیں دنوں میرے دوست اختر کی شادی تھی اور ہم دوستوں نے مل کر انتظامات کیئے تقریباً پورا گاؤں شادی پر مدعو تھا ہم نے اپنی رسوم کے مطابق شادی کو خوب انجوائے کیا مہمانوں کی وجہ سے میری حمیدہ سے کھل کر ملاقات تو نہیں ہوسکی البتہ ہم دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے خوب باتیں کیں۔

رات 11 بجے میں اپنے گھر واپس آ گیا اختر کا گھر ہماری ساتھ والی گلی میں تھا میں اپنے بستر پر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر میری آنکھوں کے سامنے حمیدہ کا خوبصورت سراپا تھا حمیدہ واقعی اس دن بہت خوبصورت لگ رہی تھی اب تو میں حمیدہ کو بہت جلد اپنی دلہن بنانے کا سوچنے لگا۔

تقریباً 2 گھنٹے بعد گلی میں شور برپا ہوگیا ہم سب گھر والے پریشان ہو کر باہر نکلے مسئلہ جان کر میرے پاؤں تلے سے جیسے زمین نکل گئی اختر کی بیوی فائزہ حجلہ عروسی سے غائب ہوگئی تھی۔

سب نے مل کر اسے پورے گاؤں میں تلاش کیا علاقے کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر سب کوششیں ندارد۔ آخر وہ کہاں جاسکتی ہے؟ ان دونوں کی ''لو'' میرج ہوئی تھی۔ فائزہ اسی گاؤں کی تھی وہ نیک اور اچھی لڑکی تھی لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے اختر بے چارے کا برا حال تھا وہ میرے گلے لگ کر رونے لگا اور بولا۔ ''عمار میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا میری عزت تو خاک میں مل گئی۔''

میں نے اسے سمجھایا۔ دلاسے دیے مگر ایسے وقت میں وہ کیسے مطمئن ہوسکتا تھا؟

فائزہ کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی متعلقہ تھانے میں رپورٹ درج کرائی مگر وہ کہیں نہ ملی۔

دھیرے دھیرے وقت گزرتا رہا اور ایک مہینے بعد گاؤں میں ایک اور شادی ہوئی جو بڑی دھوم دھام سے منعقد کی گئی اور سہاگ رات والے دن بالکل فائزہ کی طرح نئی دلہن بھی حجلہ عروسی سے غائب پائی گئی۔ ان واقعات سے گاؤں میں کھلبلی مچ گئی اور پورا گاؤں پریشان ہوگیا زیادہ تر لوگوں کی آراء میں دونوں لڑکیاں اپنے آشناؤں کے ساتھ بھاگ گئی تھیں مگر حقیقت کیا تھی؟ اس سے سب لاعلم تھے۔

گاؤں کے تمام لوگ اور پولیس مل کر بھی اس معمہ کو حل کرنے میں ناکام رہیں وقت گزرتا رہا، دو سالوں میں گاؤں میں سات شادیاں ہوئیں۔ مگر بدقسمتی سے سہاگ رات کو دلہنیں غائب ہوجاتیں۔

گاؤں والوں نے پولیس، کھوجیوں اور عاملوں وغیرہ سے ہر ممکن مدد لی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔

پھر ہمارے گاؤں کے لوگ شادی کے نام سے بھی ڈرنے لگے۔ میری اور حمیدہ کی محبت کو جیسے کسی کی نظر بد لگ گئی ہو حمیدہ کے گھر والے جو مجھے حمیدہ کے لئے پسند کر چکے تھے اب شادی سے انکار کر رہے تھے جس کی وجہ گاؤں میں رونما ہونے والے واقعات تھے۔

ہم دونوں ہجر و فراق کی لمبی راتوں کو انتہائی تکلیف کے ساتھ برداشت کر رہے تھے گو کہ ہماری خفیہ ملاقاتیں ہوتی تھیں مگر خدا گواہ ہے کہ ہماری محبت انتہائی پاکیزہ تھی اتفاق سے انہی دنوں میں اپنے ایک دوست قدیر کے ہمراہ کسی رشتہ دار کی شادی میں رہنے گاؤں سے بہت دور ریگستانی علاقہ میں گیا جہاں جا کر ہمیں معلوم ہوا کہ اس علاقے میں ایک بہت نیک اور دین دار و معزز بزرگ تشریف فرما ہیں۔

ہم دونوں فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام دعا ہوئی ان کی شخصیت دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ واقعی خدا کے پیارے بندے اور ولی ہیں سادہ مگر پاکیزہ و صاف ستھرا لباس، نورانی چہرہ، لمبی زلفیں اور سفید داڑھی ان کو پرکشش بنا رہی تھی۔

ہم دونوں نے ان کو اپنے گاؤں میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہاں سے نوجوان دلہنیں غائب ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے سارا گاؤں پریشان ہے بلکہ اہل گاؤں نے تو شادی پر پابندی ہی لگا دی ہے۔

بزرگ بابا جی کا نام عبداللہ تھا بات کو سن کر گہری سوچ میں پڑ گئے اور پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولے!

''بیٹا غائب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تمہارے گاؤں میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی وجہ تو وہیں جا کر ہی معلوم ہو سکتی ہے۔'' پھر بابا جی ہمارے بے حد اصرار پر ہمارے ساتھ گاؤں چلنے پر آمادہ ہو گئے اور شادی سے فارغ ہو کر ہم تینوں گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے۔

گاؤں پہنچ کر ہم نے بابا جی کا لوگوں سے تعارف کروایا اور لوگوں نے کھلے دلوں سے بابا جی کا بھر پور استقبال کیا بابا جی کی خواہش کے مطابق ہم نے ان کو گاؤں سے باہر ایک پرانی اور چھوٹی سی جھونپڑی بطور رہائش دے دی جہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔

بقول بابا جی کہ میں جمعرات کی رات کسی خاص روحانی عمل سے اس مسئلے کو حل کرنے کو کوشش کروں گا اور اس رات میرے ساتھ صرف ایک آدمی ہی جھونپڑی میں رہ سکتا ہے۔ اسی وجہ سے جمعرات کی رات میں بابا جی کے ساتھ جھونپڑی میں موجود رہا ساری رات بابا جی عبادت میں مصروف رہے اور میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

جمعۃ المبارک کے روز طلوع آفتاب سے پہلے ہی پورا گاؤں جھونپڑی کے آس پاس موجود تھا کہ بابا جی اب کیا کہیں گے؟

بابا جی بولے۔ ''میں پھر کہتا ہوں کہ غائب کا علم تو صرف سوہنے رب کے پاس ہے البتہ اس کی عطا کردہ علم کی مدد سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیطان کا ایک چیلہ ''بدھ داس'' اس گاؤں کی دلہنیں اٹھاتا ہے اور ابلیس کے نام پر ان کی بلی چڑھاتا ہے ان کی عزتیں لوٹ کر نا صرف خون پیتا ہے بلکہ ان کی ہڈیاں اور گوشت تک بھی کھا جاتا ہے۔'' بقول ان کے کہ اگر ''بدھ داس'' جو کہ ماہر جادوگر بھی ہے ناوے دلہنوں کی بلی شیطان کے نام پر چڑھائے گا تو شیطان اسے بے پناہ شیطانی قوتوں سے بھی نوازے گا اسی وجہ سے وہ یہ مکروہ اور بھیانک کام میں مصروف عمل ہے۔

گاؤں والے اپنی پیاری اور معصوم بیٹیوں کے بارے بابا جی کی گفتگو سننے کے بعد ان کی یاد میں رونے لگے تو بابا جی شفقت سے بولے! صبر کرو یہ تم لوگوں کی بد قسمتی ہے کہ ''بدھ داس'' نے اپنے عمل کو پورا کرنے کے لیے جہاں دیگر بہت سے علاقوں کا رخ کیا وہاں تمہارا گاؤں بھی چن لیا۔

پھر میں نے افسردہ لہجے میں ان سے کہا۔

''معزز بزرگ اس شیطان کا خاتمہ انتہائی ضروری ہے ہم اپنی بیٹیوں کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے جب تک اس ظالم کو ختم نہ کر دیں ہم چین سے

نہیں بیٹھیں گے اور آخر کب تک ہم گاؤں میں ایک اہم اسلامی اسم شادی سے محروم رہیں گے؟ یہ تو سراسر ظلم ہے۔''

بابا جی بولے! ''میں بوڑھا اور لاغر ہو چکا ہوں اس عمر میں ''بدھ داس'' کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوں البتہ کوئی بہادر اور نوجوان ہی اسے ختم کر سکتا ہے میری دعا اور عمل خاص ہر وقت اس کی مدد کرے گی۔''

میں اور قدیر فوراً تیار ہو گئے اور پوچھا۔

''مگر وہ کہاں ملے گا اور رہتا کہاں ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے اور اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو منزل جلد ملنے کا یقین ہے۔''

پورے گاؤں کے اصرار پر ہم تینوں بد داس خبیث کے ٹھکانے کی طرف چل پڑے ہم نے سفر کے لیے ایک جیپ کا انتخاب کیا تھا تقریباً ہم دور دراز جنگلات میں بنی ہوئی بڑی مگر پرانی اور بوسیدہ حویلی کے مرکزی دروازے پر موجود تھے۔

دوران سفر ہمیں معلوم ہوا کہ بابا جی دل اور شوگر کے مریض ہیں ایک ہارٹ اٹیک بھی انہیں ہو چکا تھا اور تمام متعلقہ میڈیسن ان کے تھیلے میں موجود تھیں حیرت ہے اس سے پہلے انہوں نے ان باتوں کو ہم سے کیوں چھپایا؟

ہم حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہونا ہی چاہتے تھے کہ اچانک چمگادڑوں کا بڑا غول ہم پر بری طرح سے حملہ آور ہوا مگر بابا جی نے کچھ پڑھ کر ان کی طرف پھونک ماری تو وہ سب جل کر راکھ ہو گئیں۔

حویلی میں داخل ہوئے تو اسے دیکھ کر حیران ہو گئے کیونکہ حویلی اندر سے بہت بڑی تھی کھلا اور وسیع صحن، بڑا ہال، تین منزلہ عمارت اور بے شمار کمرے تھے ہال کے اختتام والی دیوار کے ساتھ ایک تخت بنا ہوا تھا جس کے دونوں جانب لکڑی کے شیر نما جانور بنے ہوئے تھے۔

غرضیکہ حویلی خوبصورت، پراسرار اور خوفناک لگ رہی تھی ہم قدم بڑھاتے ہوئے صحن میں چلنے لگے کہ اچانک ایک دیوار میں لگے پنجرے میں موجود طوطا ہم سے بڑی غمگین آواز میں مخاطب ہوا!

''کیوں آئے ہو یہاں؟ چلے جاؤ کیونکہ یہاں موت بستی ہے موت۔''

مگر ہم بابا جی کی رہنمائی میں ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے بابا جی سیڑھیوں پر چڑھنے لگے سیڑھیوں والی دیوار کے اوپر خوفناک اور ڈراؤنی تصاویر آویزاں تھیں جو اچانک اونچی آواز میں بولنے لگیں۔

''بھاگ جاؤ۔ یہاں سے۔ یہاں موت بستی ہے صرف موت۔''

میں اور قدیر اس خوفناک صورتحال سے ڈر محسوس کرنے لگے مگر بابا جی نے ہمیں ہمت دلائی اور ہم بالائی منزل پر پہنچ ہی گئے حویلی میں موجود نسبتاً بڑے اور وسیع ہال کے دونوں جانب کمرے بنے ہوئے تھے جن پر سیڑھیوں کی مدد سے پہنچا جا سکتا تھا بجلی کی عدم موجودگی کی وجہ سے حویلی کو خوفناک اشکال سے بنے ہوئے روشن دانوں میں آگ کے شعلوں کی مدد سے روشنی کا انتظام کیا گیا تھا۔

پھر بابا جی نے جنوب کی جانب موجود کمروں کا انتخاب کیا اور ہم دونوں سے مخاطب ہوئے۔

''بیٹا مجھے اپنی روحانی شکتیوں سے معلوم ہوا ہے کہ بدھ داس حویلی میں موجود نہیں ہے۔ البتہ اس کے جادوئی کرشمے ضرور موجود ہیں لہٰذا میں آج رات ایک خاص عمل کروں گا جس کی وجہ سے تم دونوں کو دوسرے کمرے میں رہنا ہوگا کیونکہ یہ کوئی عام عمل نہیں ہے۔ شیطان مجھ پر حملہ بھی کر سکتا ہے اور دوران عمل میرے جسمانی اعضاء الگ الگ ہو کر بکھر بھی سکتے ہیں اسی لیے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم لوگ یہ خوفناک منظر دیکھ کر ڈر نا جاؤ اور نقصان اٹھاؤ لیکن تم بے فکر رہو میں تمہارے کمرے میں ایک مضبوط حصار کھینچ دوں گا تاکہ تم ہر طرح کے شیطانی حملوں سے محفوظ رہو۔''

لیکن یاد رکھنا کسی بھی صورت کمرے سے باہر مت نکلنا ممکن ہے کہ شیطانی قوتیں تمہیں مختلف طریقوں اور حرکات سے کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور

لریں وہ کسی صورت کمرے کے اندر داخل نہ ہوسکیں گی کمرے سے باہر نکلنے کی صورت میں تمہیں موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔'' پھر وہ ہمارے کمرے میں حصار کھینچنے کے بعد دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

ہم دونوں کمرہ اندر سے لاک کرنے کے بعد بیڈ پر بیٹھ گئے کمرے میں شیشے کی بنی ہوئی کھڑکی موجود تھی جس میں سے بیرونی مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

ہم دونوں گپ شپ میں مصروف تھے کہ اچانک قدیر چونکا اور بولا۔ ''کیا تمہیں عابدہ کی آواز سنائی دی۔'' میں نے انکار میں سر ہلایا اور مزاقاً کہا۔

''حیرت ہے جناب کو اس ویرانے میں بھی اپنی خوبصورت منگیتر کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔''

اور ہم دونوں کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک گھبرائی ہوئی نسوانی آواز آئی۔ ''مجھے بچاؤ..... کوئی تو مدد کرے..... یہ لوگ مجھے مار دیں گے..... بچاؤ..... بچاؤ..... میں ماری گئی..... بچاؤ۔''

اب کی بار آواز ہم دونوں نے سنی تھی اور واقعی یہ عابدہ کی آواز تھی آواز میں بہت کرب اور تکلیف شامل تھی، جیسے وہ سخت مصیبت اور تکلیف میں ہے۔

ہم نے فوراً کھڑکی سے دیکھا تو شمال کی جانب بالائی منزل پر عابدہ دیوار کے ساتھ زنجیروں کی مدد سے بندھی ہوئی تھی اور مسلسل بچاؤ، بچاؤ، پکار رہی تھی۔

ہم عابدہ کو یہاں اس حالت میں دیکھ کر حیران ہوئے پھر مجھے اچانک بابا جی کی نصیحت یاد آئی کہ شیطانی قوتیں مختلف حربوں سے تمہیں کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کریں گی۔ مگر تم ان کے بہکاوے میں ہرگز مت آنا اور میں نے قدیر کو سمجھایا کہ یہ شیطانی چال ہے تم آرام سے بیٹھ جاؤ بھلا عابدہ اتنی دور اس بھیانک اور خوفناک حویلی میں کیسے آسکتی ہے؟''

مگر محبت کرنے والے بھلا کیسے چین سے بیٹھ سکتے ہیں؟

قدیر کی آنکھوں پر تو عابدہ کی محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی وہ بولا۔

''عمار تم کیسے دوست ہو میری زندگی اور جان مشکل میں ہے اور تم اس کو بچانے اور میری مدد کرنے کی بجائے مجھے روک رہے ہو۔''

پھر فوراً دروازہ کھول کر وہ سیڑھیاں اترنے لگا میں بھی اس کی مدد یعنی اس کو روکنے کی غرض سے باہر نکلنا چاہتا تھا مگر باہر سے دروازہ خود بخود لاک ہوگیا حالانکہ قدیر نے دروازہ بند بھی نہیں کیا تھا میں دروازہ کھولنے کی ناکام کوشش کرتا رہا بعد ازاں کھڑکی سے قدیر کو زور زور سے آوازیں دینے لگا مگر قدیر تو جیسے ہپناٹائز ہوگیا تھا وہ ادھر سے اتر کر صحن عبور کرتا ہوا دوسری جانب سیڑھیاں چڑھ کر عابدہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے زنجیروں سے آزاد کروانے کی کوشش کرنے لگا۔ سارا منظر کھڑکی سے مجھے صاف نظر آرہا تھا۔

قدیر اسے آزاد کروانے میں مصروف تھا کہ

شادی کے بعد کی شاعری

بیگم نے منہ بسورتے ہوئے شوہر سے کہا۔

''پہلے تو تم کہتے تھے کہ تمہاری ان جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے۔ مگر اب تمہیں کیا ہوا ہے۔ کبھی محبت سے بات بھی نہیں کرتے۔''

شوہر نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''بیگم! ہوا تو کچھ نہیں گیا مگر تمہاری ان جھیل جیسی آنکھوں میں میرا بینک بیلنس، کار اور بنگلہ ڈوب گیا ہے۔''

(شمس الحق۔ کراچی)

اچانک عابدہ کی شکل بگڑنے لگی ناخن لمبے ہونے لگے منہ سے حشرات نکلنے لگے، بال بالکل سیدھے کھڑے ہو گئے اور وہ قدیر پر لپک گئی اب عابدہ کی جگہ ایک خوفناک چڑیل موجود تھی اور یہ واقعی شیطانی چال تھی جس میں قدیر بری طرح پھنس چکا تھا میں گلا پھاڑ پھاڑ کر اسے بلا رہا تھا کمرہ لاک تھا میں شدت سے چاہتے ہوئے بھی اپنے پیارے دوست کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔

اچانک قدیر کو ہوش آ گیا تو اس نے چڑیل کو دھکا دیا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور نیچے اترنے لگا اسی دوران قدیر کو پکڑنے کے لیے سیڑھیوں کے اندر سے خوفناک ہاتھ باہر نکلنے لگے، اف توبہ.....

بہت خطرناک منظر تھا سیڑھیوں پر خوفناک ہاتھ اور قدیر کے پیچھے دہشت ناک چڑیل وہ بے چارا خوفناک ہاتھوں اور چڑیل سے بچ کر صحن تک آنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر کسی چیز میں پاؤں پھنسنے کی وجہ سے دھڑام سے نیچے گر گیا۔

میں مسلسل اسے اپنی طرف بلا رہا تھا میری لاکھ کوششوں کے باوجود کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا اور نہ کمرے کا دروازہ کھلا۔ مگر حیرت انگیز طور پر اس وقت چڑیل غائب ہو گئی پھر قدیر سنبھلا اور مشکل سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھنے لگا وہ بہت ڈر چکا تھا اور تکلیف میں بھی تھا وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ اچانک حویلی کی چھت سے ایک بہت بڑا اژدھا نیچے آیا اور قدیر کو اٹھا کر چھت کی جانب واپس پلٹ گیا میں نے ایسا بھیانک منظر کبھی فلموں میں بھی نہیں دیکھا تھا پھر اژدھے نے قدیر کے جسم کو زور سے دبایا جس سے اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ اور اس کا جسم لاش میں تبدیل ہو گیا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھیانک اژدہا قدری کو سالم نگل گیا بعد ازاں دھواں بن کر غائب ہو گیا اتنا خوفناک منظر برداشت نہ کرتے ہوئے میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

فجر کے وقت بابا جی میرے منہ پر پانی کے قطرے ڈال کر مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے ہوش میں آنے کے بعد جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں بابا جی کے پاؤں میں گر گیا اور بابا جی کے مزید کچھ بولنے سے پہلے ہی رات پیش آنے والا ہولناک اور دل خراش واقعہ میں نے ان کو سنا دیا۔

جسے سن کر وہ بہت دکھی ہوئے اور بولے۔ ''بیٹا میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی اس نے میری بات نہیں مانی اور بھیانک موت مرا مگر قسمت سے کون جیت سکتا ہے؟'' اور میں دل میں سوچا! قدیر کو اژدھے نے نہیں بلکہ حسن اور محبت نے مار ڈالا۔

پھر بابا جی بولے! ''عمار بیٹا رات کے خاص عمل سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس حویلی میں ایک تہہ خانہ بھی ہے جہاں ''بدھ داس'' لڑکیوں کی عزتیں لوٹ کر اور ان کو قتل کر کے ان کی بلی شیطان کو چڑھاتا ہے۔

بعد ازاں بابا جی نے مجھے ایک تعویز دیا اور کہا۔'' اس کو اپنے داہنے بازو پر باندھ لو اور اس کی موجودگی میں تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

پھر جلد ہی ہم تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگے۔ تہہ خانے میں بہت غلیظ بدبو پھیلی ہوئی تھی انجانی سی مگر واضح روشنی بھی تہہ خانے میں موجود تھی وہاں ہم نے ایک ڈراؤنا منظر دیکھا بے شمار انسانی اعضاء بکھرے پڑے تھے اور انسانی کھوپڑیاں علیحدہ سے موجود تھیں۔

بابا جی بولے۔'' بیٹا یہی وہ جگہ ہے جہاں ہم بدھ داس کو ختم کر سکتے ہیں اور شاید اس کی موت بھی یہیں لکھی ہے۔

مختصر یہ کہ بابا جی کے کہنے پر میں نے تہہ خانے میں ایک طرف جگہ صاف کی اور بابا جی نے اس جگہ پر منہ میں کچھ پڑھ کر پھونک ماری تاکہ جگہ پاک ہو جائے بعد ازاں حصار کھینچ کر ہم اس کے اندر بیٹھ گئے۔

بابا جی نے اپنے تھیلے سے چھوٹی سی انگیٹھی نکالی اور اس میں کوئلوں کو آگ لگا کر تیار کر لیا اور مجھے سخت تاکید کی کہ کچھ بھی ہو جائے حصار سے مت نکلنا ورنہ قدیر کی طرح عبرتناک موت تمہارا مقدر بن جائے گی۔

اور میں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

پھر بابا جی نے بدھ داس کو طلب کرنے کے لیے روحانی عمل شروع کیا اور مسلسل پڑھنے میں مصروف رہے کچھ دیر بعد حویلی میں زبردست زلزلہ محسوس ہوا مجھے لگا جیسے حویلی ابھی زمین بوس ہو جائے گی مگر بابا جی نے اشارے سے مجھے مطمئن کر دیا۔

دھیرے دھیرے بہت سی شیطانی قوتوں نے ہمیں اس عمل سے روکنے کی کوششیں کیں کبھی آگ کے شعلے ہماری جانب پھینکے جاتے اور کبھی کفن میں ملبوس مردے ہم پر لپکنے کی کوشش کرتے مگر حصار تک آ کر ختم ہو جاتے یا غائب ہو جاتے۔

اچانک سامنے میری نظر حمیدہ پر پڑی اور میں بری طرح چونک اٹھا وہ مجھے مدد کے لئے پکار رہی تھی اور کوئی ابلیس کا چیلہ اسے برہنا کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ میں جذبہ غیرت سے حصار سے باہر نکل سکوں قریب تھا کہ میں بھی نکل جاتا مگر بابا جی کی آواز نے مجھے بچا لیا میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ مزید شیطانی، مناظر نہ دیکھ سکوں جو صرف بہکاوے تھے۔ آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی مجھے حمیدہ کی درد بھری آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے اسے مدد کی ضرورت ہو کبھی میری بہن اور امی کی آوازیں بھی سنائی دیتیں مگر میں خاموشی سے درود پاک کا ورد کرتا رہا۔

پھر آخر کار بدھ داس تہہ خانے میں پہنچ گیا اور میں نے بابا جی کے کہنے پر آنکھیں کھول لیں۔ بدھ داس بہت بدشکل اور خوفناک شخصیت کا حامل تھا۔ اس کی انگارہ برساتی آنکھیں، غضب ڈھا رہی تھیں۔ چہرہ جھلسا ہوا تھا اس نے ایک لنگوٹ باندھ رکھی تھی۔

وہ آتے ہی اونچی اور رعب دار آواز میں بولا۔

او بڈھے کیوں تو نے اپنی موت کو بلایا ہے؟ تیرے اس عمل کی وجہ سے میں آج ایک اہم شکار سے محروم ہو گیا ہوں جس کا انتظار میں پچھلے کئی دنوں سے کر رہا تھا اب تو مرنے کی تیاری کر۔ خواہ مخواہ اس لونڈے کو بھی اذیت ناک موت سے مروائے گا۔''

بابا جی مسلسل پڑھنے میں مصروف رہے پھر تھوڑا ٹھہر کر بدھ داس سے مخاطب ہوئے۔

''خبیث انسان تجھے شرم آنی چاہئے کہ بہت بے غیرتی والا کام کر رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تیرا قبیلہ بہت معزز ہے اور تیری انہی کرتوتوں کی وجہ سے انہوں نے تجھے اپنے قبیلے سے نکال کر باہر کیا اور اب میں تجھے دنیا سے نکال دوں گا۔''

بابا جی کی باتیں سن کر بدھ داس غصے سے بولا!'' بڈھے تو میرے سارے حالات سے واقف ہے تو یہ بھی سن! میں نے ننانوے دلہنوں کی عزتیں لوٹ کر ناں صرف ان کا خون پینا ہے بلکہ ان کی بلی شیطان کو بھی دینی ہے ساٹھ شکار تو میں کر بھی چکا ہوں جو باقی ہیں وہ بھی جلد متوقع ہیں۔''

بابا جی بولے! ''خبیث انسان اب تو زندہ بچے گا تو ہی شکار کر سکے گا ناں؟'' اور پھر پڑھائی میں مصروف ہو گئے بعد ازاں بدھ داس منہ سے آگ کے شعلے ہماری طرف پھینکنے لگا مگر بابا جی کی انگلیوں سے نکلنے والی روشنی ان کو راستے میں ہی ٹھنڈا کر کے گرا دیتی۔ پھر اس نے منہ سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بچھو ہماری جانب پھینکے۔ مگر ان کا انجام بھی آگ کے شعلوں جیسا ہی ہوا اس کے بعد بہت سارے نقاب پوش چھت سے تیزی کے ساتھ ہمارے اوپر آنے کی کوششیں کرتے مگر بابا جی کے کلام نے راستے میں ہی ان کا کام تمام کر دیا۔

بدھ اس مسلسل بکواس کرتا رہا البتہ بابا جی اپنے عمل میں مصروف رہے بے شمار شیطانی حرکات اور اعمال کے باوجود بھی بدھ داس بابا جی کے سامنے ناکام رہا۔

اپنی شکست اور یقینی موت سامنے دیکھ کر وہ آخر کار رام ہو گیا اور بابا جی سے معافی مانگنے کے لیے گڑ

گڑانے لگا اور آئندہ اپنے گندے کرتوت سے بھی توبہ کرنے کا عزم کرنے لگا۔

مگر بابا جی اطمینان سے بولے! ''بدھ داس میں تیری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو کسی صورت بھی اس گھناؤنے کام سے باز آنے والا نہیں ہے اور موقع دیکھتے ہی ہمیں ختم کر ڈالے گا۔

اتنی بات کی ہی تھی کہ اچانک بابا جی کے دل میں زبردست درد شروع ہو گیا جیسے دل کا دورہ پڑ گیا ہو مگر اس کے باوجود بھی وہ پڑھائی میں مصروف رہے۔

درد سے بابا جی کا برا حال ہو رہا تھا اور صد افسوس کے ان کی دوا کمرے میں ہی رہ گئی تھی اور بقول بابا جی کے جب تک عمل مکمل نہیں ہو جاتا بدھ داس کی موت واقع نہیں ہو سکتی میں نے میڈیسن لانے کے لئے بارہا اصرار کیا مگر بابا جی نے مجھے سختی سے منع کر دیا۔ بابا جی واقعی بہت تکلیف میں تھے ایک ہاتھ دل پر رکھے ہوئے لیٹ چکے تھے مگر زبان پر کلام الٰہی کا ذکر جاری تھا۔

میں بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی کچھ کرنے سے قاصر تھا میں سوچنے لگا۔ ''الٰہی یہ تیرے کیسے بندے ہیں جو دوسرے لوگوں کی زندگیاں آسان بنانے کے لیے اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

بدھ داس نے خود کو بچانے کے لیے بے شمار کوششیں کیں مگر میری خوش قسمتی تھی کہ میرے ساتھ ایک نہایت معزز، دیندار اور صالح انسان موجود تھے۔

درد سے بابا جی مکمل طور پر نڈھال ہو چکے تھے مگر عمل میں مسلسل مصروف رہے، جب عمل پورا ہونے کے قریب ہو رہا تھا تہہ خانے میں موجود مختلف شیطانی تصاویر اور چیزوں کو آگ لگنے لگی اور دھیرے دھیرے بدھ داس کے جسم پر دھماکے ہونے لگے اور اس کے جسمانی اعضاء سے خون کے فوارے ابلنے لگے اس کی درد میں مبتلا ہولناک آوازیں اور چیخیں دل کو دہلا رہی تھیں آہستہ آہستہ بدھ داس تڑپ تڑپ کر لقمہ اجل بن گیا کچھ ہی دیر بعد اس کی لاش کو آگ لگ گئی اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ویسے بھی جیت حق کی ہوتی ہے باطل تو صرف مٹنے کے لیے ہی ہوتا ہے میرے ذہن میں خیال آیا کہ اس شیطانی چیلے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں جلا کر بھسم کر ڈالا تو آخرت میں اس کا کیا حال ہوگا بعد ازاں لمحہ بھر میں ہی پورے تہہ خانے کو آگ لگ گئی اور میں فوراً بابا جی کی جانب متوجہ ہوا۔

جو میری طرف دیکھ کر ایسے مسکرا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہو دیکھو بیٹا یہ خبیث انسان اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اب کسی کو اس سے کوئی خطرہ نہیں پھر میں نے ان کے سر کو اپنی گود میں رکھ لیا وہ تکلیف کی وجہ سے بمشکل بولے۔

''بیٹا میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے بھری دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے لہٰذا مجھے اپنے گاؤں میں دفنا دینا'' یہ کہتے ہی ان کی روح اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔

تہہ خانے سمیت پوری حویلی کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہر چیز بھسم ہو رہی تھی مگر میں بابا جی کے مبارک چہرے پر جھک کر رو رہا تھا۔

اچانک میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا کیونکہ ہم اپنے گاؤں کی اسی جھونپڑی میں موجود تھے جس کو بابا جی نے اپنے لیے بطور رہائش پسند کیا تھا اور میری گود میں ایسے بزرگ کا سر تھا جنہوں نے صرف خدمت انسانیت کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا تھا جس کا اجر اللہ تعالیٰ ان کو ضرور عطا فرمائے گا۔

پھر سب گاؤں والوں نے نہایت ادب و احترام اور مکمل اعزاز کے ساتھ بابا جی کو سپرد خاک کیا، دفن کرنے کے بعد جب ہم واپسی کی تیاری کر رہے تھے تو مجھے آسمان پر بادلوں کی اوٹ میں بابا جی کی روح مسکراتی ہوئی نظر آئی جو تھوڑی دیر بعد آنکھوں سے اوجھل ہو گئی اور میں مسکرا کر گھر کی جانب چل پڑا۔

سالگرہ

محسن عزیز جلیم-کوٹھا کلاں

اچانک تسبیح کا رخ سایہ کی طرف کرتے ہی تسبیح سے سرخ رنگ کی شعاعیں نکلنے لگیں اور سایہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگیں تو سایہ کی دلدوز چیخیں پورے بنگلے کی در و دیوار کو دھلا رہی تھیں۔

دل و دماغ کو فرحت بخشتی دل گریفتہ دل شکستہ جسم و جاں کے رونگٹے کھڑے کرتی روداد

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی مگر اسے کوئی بھی نہیں اٹھا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کال کرنے والے کو کچھ ضروری کام تھا، تبھی تو وہ بار بار کال کر رہا تھا، اور پھر ایک خوب صورت سی لڑکی کچن سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے فون کی طرف آئی اور فون ریسیو کر کے کان سے لگایا۔ ''ہیلو فلک اسپیکنگ'' آگے سے کسی لڑکی کی آواز تھی۔ ''جی آپ ہی فلک ہیں ناں؟'' فون کرنے والی لڑکی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''جی ہاں میں ہی فلک ہوں کوئی شک.....؟'' ریئلی آئی ڈونٹ بی لیو کہ میں سچ میں فلک سے بات کر رہی ہوں، دراصل میں رابعہ عباس بات کر رہی ہوں، ڈرڈ ائجسٹ رائٹر۔'' کال کرنے والی لڑکی نے اپنا تعارف کروایا تو بے ساختہ فلک کے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی رابعہ کہ تم نے مجھے یاد کیا۔ اور پھر دونوں کچھ دیر باتوں میں مشغول رہیں اور پھر زابعہ عباس نے بتایا کہ ''تمہیں پتا ہے نا کہ اکتوبر میں ڈر کی سالگرہ ہے تو ڈراسٹاف نے ہم سبھی رائٹرز خواتین وحضرات کو انوائٹ کیا ہے کیا تم بھی جارہی ہو؟'' رابعہ نے فلک سے پوچھا تو فلک نے کہا۔ ''کیوں نہیں جاؤں گی پکا جاؤں گی، ایکچوئلی میرے ساتھ ثنا اور ربیعہ امجد بھی جارہی ہیں۔'' فلک نے رابعہ کو بتایا، تو رابعہ نے کہا۔ ''میرے ساتھ ہما اور کرن خان بھی آرہی ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے تم ایسا کرو کہ تینوں ہمارے پاس لاہور چلی آؤ، ہم سب یہاں سے ایک ساتھ چلیں گے۔'' فلک نے رابعہ کو کہا۔

''اوکے ٹھیک ہے تم مجھے اپنا ایڈریس سینڈ کردو ہم آجائیں گے۔'' اور پھر ان دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور رابطہ منقطع کردیا۔

کچھ دیر بعد رابعہ کے سیل فون پر میسج کی بیپ ہوئی، فلک نے خود کا ایڈریس سینڈ کیا تھا جسے رابعہ نے اچھے سے نوٹ کرلیا تھا اور پھر رابعہ اپنی الماری سے ڈر کی سالگرہ میں پہننے کے لئے ڈریس چوز کرنے لگی۔ کہ اچانک گلاس ونڈو کے باہر ایک بہت بھیانک چہرہ نظر آرہا تھا جس کی انگارہ آنکھیں رابعہ پر ہی لگی ہوئی تھیں۔

''اب آئے گا کھیل کا مزا اب کوئی بھی رائٹر میرے ہاتھوں سے نہیں بچے گا، اس بھیانک چہرے نے اتنا ہی کہا اور پھر غائب ہوگیا۔''

صبح کا اجالا ہر طرف پھیل چکا تھا اکتوبر کی نیم گرم دھوپ بہت بھلی لگ رہی تھی موسم بالکل صاف تھا، ہما اور کرن دونوں بہنیں رابعہ کو پک کرنے آگئی تھیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد ان کی کار فراٹے بھرتی ہوئی لاہور کی طرف رواں دواں تھی، وہ تینوں بہت ہی خوش نظر آرہی تھیں۔ ''کیا ایس حبیب خان بھی آرہی ہیں؟'' ہما نے رابعہ سے پوچھا۔ تو رابعہ نے کہا۔ ''ظاہر سی بات ہے۔

وہ تو ضرور آئیں گی آخر کو ڈر کی سینئر رائٹر جو ہیں اور وہ بلقیس خان کو سب نے کتنا زور دیا کہ کہانی لکھو کتنے فینز ہیں ان کے اور سب ان کی کہانیاں پڑھنا چاہتے ہیں مگر بلقیس نے کہانی نہیں لکھی کیا وہ بھی آئیں گی۔'' کرن نے کہا تو رابعہ نے کہا بھئی ٹینشن نہ لو سبھی آئیں گی آل ٹو آل ڈر فیملی۔

سفر بہت اچھے طریقے سے طے ہورہا تھا، آج وہ سبھی رائٹرز سے ملیں گی بس یہی خیال انہیں پاگل کئے دے رہا تھا، ڈرائیونگ ہما کررہی تھی ان کی کار سے ذرا اوپر ایک گہرا کالا سایہ ساتھ ساتھ پرواز کررہا تھا اور پھر کب لاہور آیا انہیں پتا ہی نہیں چلا، پھر جلدی سے رابعہ نے فلک کا نمبر ڈائل کیا اور جیسے ہی کال پک ہوئی تو رابعہ جلدی سے بولی۔

'بھئی فلک کہاں ہو، ہم لاہور آگئے ہیں، جلدی سے آجاؤ بہت دیر ہورہی ہے، تم اپنے موبائل کی لوکیشن آن کرو ہم پہنچ جائیں گے۔'' اور پھر رابعہ نے جلدی سے کال ڈسکنکٹ کی اور موبائل کی لوکیشن آن کی تو دس منٹ میں ہی فلک اپنے گروپ کے ہمراہ ان کے سامنے تھی، سب نے اپنا اپنا انٹروڈکشن کروایا، سب ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش تھیں، سب فیس ٹو فیس پہلی دفعہ مل رہی تھیں۔ ساحل دعا نے کال کی تھی کہ وہ کراچی پہنچ گئی ہے۔

فلک نے ان سب کو بتایا تو سبھی فوراً اپنی اپنی سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئیں۔ ''اب فالتو کی باتوں میں ٹائم ویسٹ مت کرو اور جلدی چلو۔'' کرن نے کہا تو جلدی سے ہما نے کار اسٹارٹ کی ادھر فلک کی کار کی ڈرائیونگ ربیعہ امجد کررہی تھی، اس نے بھی جلدی سے کار اسٹارٹ کی، اور یوں یہ قافلہ کراچی کی طرف رواں دواں ہوگیا۔

اور اس کالے سایہ نے اُڑان بھری اور ان دونوں کاروں کے اوپر پرواز کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

خالد شاہان ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر خود کا جائزہ لے رہے تھے۔ پھر انہوں نے خود اسپرے کا چھڑکاؤ کیا اور ندیم عباس، نور اسلم اور شہزاد خان سے رابطہ کرنے لگے، باری باری سب کو کہا کہ وہ سب تیار رہیں، میں بس نکلنے ہی والا ہوں تو ان تینوں نے میسج بھیج دیا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ چاروں ایک بڑی جیپ میں کراچی کی طرف گامزن تھے، وہ چاروں باتوں میں مشغول تھے کہ اچانک ندیم عباس نے پوچھا۔ ''یار کیا ضرغام محمود، ایس امتیاز، چاند زیب اور گلاب خان سولنگی بھی آرہے ہیں؟''

تو شاہان نے بتایا کہ ''وہ تو کب کے ڈرآفس میں پہنچ گئے ہیں۔''

''ارے واہ یہ تو بہت تیز نکلے۔'' شہزاد نے کہا، پھر سب نے قہقہہ لگایا۔

''اور محمد شعیب اور شکیل نیازی وہ کدھر ہیں۔'' شاہان نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے شہزاد خان سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ''وہ دونوں پرویز احمد دولوکو لے کر آرہے ہیں میرے خیال میں وہ تینوں کراچی پہنچ گئے ہوں گے۔'' شہزاد نے بتایا تو شاہان نے گاڑی کی اسپیڈ مزید تیز کردی کہ کہیں وہ لیٹ نہ ہوجائیں۔

ادھر مریم فاطمہ سالگرہ میں پہننے کے لئے اپنی فراک استری کررہی تھی تو اچانک اس کے موبائل کی رنگ بجی، اسکرین پر اقرا قریشی جگمگا رہی تھی، مریم فاطمہ نے جلدی سے کال پک کی ''ہائے اقرا کیسی ہو؟'' مریم نے پوچھا تو اقرا بولی۔ ''میں بالکل ٹھیک ہوں تم ریڈی ہو'' اقرا نے مریم سے پوچھا تو مریم نے کہا۔ ''بس 20 منٹ لگیں گے تم آؤ جلدی۔'' مریم نے کہا تو اقرا نے او کے بول کر کال ڈسکنکٹ کردی۔

نینا خان، فاطمہ خان اور رشک نور ڈرآفس کب کی آچکی تھیں، نینا خان نے آتے ہی مریم کو ٹیکسٹ کردیا تھا۔ سیدہ عطیہ زاہرہ ایک دن پہلے ہی آگئی تھی تاکہ وہ ان سب کو ویلکم کہہ سکے، شگفتہ ارم ارانی، ساجدہ راجا، پیا سحر بھی آگئی تھیں اور سبھی ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول تھیں کہ ایک خوب صورت سی لڑکی ڈرآفس میں انٹر ہوئی وہ کوئی اور نہیں بلکہ ایس حبیب خان تھی، سبھی اس سے ملیں، وہ سب سے بڑی خوش اخلاقی سے مل رہی تھی۔ تو عطیہ زاہرہ نے پوچھا۔ ''بھئی تم تو کراچی میں تھیں اتنی لیٹ کیوں آئی ہو'' تو ایس حبیب خان نے بتایا۔ ''مما کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے لیٹ ہوگئی۔''

''اب ان کی طبیعت کیسی ہے۔'' نینا خان نے پوچھا تو ایس حبیب خان نے بتایا۔ ''وہ پہلے سے بہتر ہیں۔'' اور پھر وہ اپنی اپنی کہانیوں کے بارے میں باتیں کرنے لگیں، ساحل دعا بخاری بھی ان سب سے مل کر بہت خوش ہورہی تھیں۔

مرد حضرات ایک طرف تھے اور خواتین ایک طرف تھیں، ضرغام محمود اور ایس امتیاز احمد کاؤچ پر بیٹھے ایک دوسرے سے گفت وشنید کررہے تھے، ضرغام کے موبائل پر کال آئی، اسکرین پر Kousar ان کی وائف کا نام جگمگا رہا تھا، انہوں نے کال ریسیو کی۔ ''پہنچ گئے آپ'' کوثر کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ تو انہوں نے جلدی سے ہاں میں جواب دیا۔ ''گھر جلدی واپس آجایئے گا۔'' کوثر نے کہا تو بیچارے ضرغام نے صرف ''ٹھیک ہے'' ہی کہنے پر اکتفا کیا اور پھر رابطہ منقطع ہوگیا۔

خالد عباس، حنیف شاکر اور رانا عامر شہزاد، ایس امتیاز احمد سے جنات کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ تبھی ہی عثمان غنی، رضوان قیوم، ناصر محمود فرہاد اور عمران قریشی بھی آگئے۔ وہ سبھی سے دعا سلام کررہے تھے اور سب لوگ ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہورہے تھے۔

''مونا شہزاد بھی آرہی ہیں؟'' نینا خان نے عطیہ سے پوچھا تو عطیہ نے کہا کہ وہ شام 7 بجے کی فلائٹ سے کینیڈا سے آئے گی۔''

کچھ ہی دیر میں ملک فہیم ارشاد، راشد نذیر طاہر، خلیل جبار اور طارق محمود بھی اکٹھے ہی تشریف

لا چکے تھے، ان کا استقبال حنیف شاکر نے آگے بڑھ کر کیا، ماحول بہت سحر انگیز ہوا جا رہا تھا، ادھر فلک اپنے گروپ کے ساتھ اور رابعہ عباس اپنے گروپ کے ساتھ ڈر آفس میں انٹر ہو چکی تھیں، ساحل دعا بخاری اور ایس حبیب خان نے آگے بڑھ کر ان سب کو وعلیکم السلام کہا۔

حنیف شاکر کچھ عجیب سا محسوس کر رہے تھے، اس بات کا ذکر انہوں نے ضرغام اور امتیاز سے بھی کیا، جواب میں انہوں نے بھی یہی کہا کہ وہ بھی کچھ الگ، عجیب سا محسوس کر رہے ہیں، یہ بات انہوں نے تب محسوس کی تھی جب فلک اور رابعہ کا گروپ آیا تھا، وہ تینوں کچھ سوچنے لگے تھے۔

ایک صاحب تھری پیس میں ملبوس اور ساتھ میں دو لڑکیاں ڈر آفس میں آتے دکھائی دیئے، اور تعارف پر پتہ چلا کہ وہ دونوں لڑکیاں ایک عائشہ افضل اور دوسری نثار فاطمہ ہیں جبکہ وہ صاحب نعیم بخاری آکاش ہیں، ربیعہ امجد نے آگے بڑھ کر ان تینوں کو ویلکم کہا۔

''کچھ ہی دیر میں مونا شہزاد کی فلائٹ لینڈ ہونے والی تھی اور فلک زاہد نے مریم فاطمہ کو کال کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ آتے ہوئے ایئر پورٹ سے مونا شہزاد کو بھی لیتی آئے، کوئی آدھے گھنٹے بعد مریم فاطمہ، اقراء قریشی، اور مونا شہزاد بھی آ چکی تھیں، ڈر انتظامیہ نے انہیں ویلکم کہا اور اندر لے گئے، بلقیس خان اور عشاء خورشید بھی تشریف لے آئی تھیں اور ان دونوں نے محمد عمران سے لفٹ لی تھی کیونکہ راستے میں بلقیس کی گاڑی خراب ہوگئی تھی، تقریباً سبھی آ چکے تھے۔

پھر اچانک کسی نے زور سے ''ہائے'' کہا تو سبھی نے مڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا وہاں ایک لڑکا کھڑا تھا، پھر وہ آہستہ سے چلتا ہوا اندر آیا تو پتا چلا کہ وہ مدثر بخاری ہے، اس سے مل کر سب بہت خوش ہوئے، سب لوگ ماحول کو کافی انجوائے کر رہے تھے،

پہلے تو ان کا قلمی رابطہ ہوتا تھا، مگر اب سب ایک دوسرے سے فیس ٹو فیس مل رہے تھے سب لوگ بہت خوش ہو رہے تھے۔

مگر ان سب میں حنیف شاکر، ضرغام محمود اور امتیاز احمد پریشان دکھائی دے رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہے، کچھ انہونا سا کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''لیڈیز اینڈ جینٹل مین جیسے کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج ڈرڈائجسٹ کی سالگرہ ہے، پہلے تو اکیلے ہی ڈر کی سالگرہ مناتے تھے، مگر اس بار ہم نے سوچا کہ کیوں نا ڈر کی آل ٹو آل فیملی کو انوائٹ کیا جائے اور سب مل کر سالگرہ سیلی بریٹ کریں، کچھ لوگ مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ سکے اگر غور کیا جائے تو لفظ ''ڈر'' اس کا تھیم ہی خوفناک سا ہے تو کیوں نا مزید خوف پیدا کرنے کے لئے کچھ الگ کیا جائے ہر بار کیک آفس میں کاٹا جاتا رہا ہے، مگر اس بار کیک امتیاز صاحب کے بنگلے میں کاٹیں گے جو کہ کافی سالوں سے بند پڑا ہے۔''

''کب سے بند ہے وہ.....؟'' ناصر محمود فر نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو جواباً امتیاز احمد نے بتایا کہ وہ تقریباً پاک و ہند کی تقسیم سے بھی پہلے کا بند پڑا ہے۔ شاید ڈیڑھ صدی سے بند ہے۔''

''پھر تو بہت انجوائے کریں گے۔'' سب ایک زبان ہو کر کہا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتے، تین لڑکیاں اور ایک آدمی اندر داخل ہوئے انٹروڈکشن ہونے پر پتہ چلا کہ وہ آدمی سکندر حبیب گجر ہیں اور لڑکیاں صائمہ شاہد، فائزہ خان اور فرح انیس ہیں۔

ماحول بڑا دلچسپ ہو گیا تھا، اور پھر سبھی لوگ امتیاز احمد اور ایڈیٹر خالد صاحب کے ہمراہی میں اس بنگلے کی طرف چل پڑے، بنگلہ زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے سب لوگ پیدل ہی بنگلے کی طرف چل پڑے۔

راستے میں حنیف شاکر، ضرغام محمود سے کہہ رہے تھے۔ ''میرے خیال میں بنگلے میں جانے و

فیصلہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ بنگلہ ایک عرصہ سے بند پڑا ہے اور میں نے سنا ہے کہ اس طرح کی جگہ میں آسیب وغیرہ اپنا مسکن بنا لیتے ہیں۔''

تو ضرغام محمود مسکراتے ہوئے بولے۔ ''کیا آپ کو کچھ غیر ضروری محسوس ہو رہا ہے۔ اگر ایسا کچھ ہے تو آپ مجھے بتائیں، کچھ خاص تو نہیں ہے۔'' حنیف شاکر نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''پہلے مجھے بھی ڈر آفس میں کچھ محسوس ہوا تھا مگر وہ سب ادھر آفس میں ہی ہوا تھا۔ خیر بنگلے میں جا کر اور بھی واضح ہو جائے گا۔''

لڑکیاں اور لڑکے تیزی سے بنگلے کی طرف بڑھے جا رہے تھے، مگر ان دونوں کی رفتار تھوڑی دھیمی تھی، تبھی خالد شاہان کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی، ''آپ دونوں کیوں اتنی دھیمی رفتار چل رہے ہیں۔'' تو ضرغام محمود نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ''ویسے ہی'' تو خالد شاہان مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گیا سبھی کتنے خوش ہیں نا؟ حنیف شاکر نے ضرغام سے کہا تو انہوں نے کہا۔

''بھئی اتنے عرصے سے ایک دوسرے کی کہانیاں پڑھتے آ رہے ہیں اور آج ایک دوسرے کو دیکھنے اور ملنے کا اتفاق ہوا ہے تو خوش ہونا فطری سی بات ہے۔'' تو دونوں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر سب میں شامل ہو گئے۔

جب سارے لوگ بنگلے میں پہنچے تو ساحل ابڑو نے ان کا شاندار استقبال کیا، اس نے بنگلے کی بالکونی میں کھڑے ہو کر ان سب پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں، اور مونا شہزاد نے یہ سارے مناظر کیمرے میں قید کر لیے۔

تمام لڑکیاں سیلفیز بنا رہی تھیں، تو دوسری طرف مرد بھی سیلفیز بنا رہے تھے۔ ''سب لوگ آگے آ جائیں تاکہ کیک کاٹا جائے۔'' ایڈیٹر خالد صاحب نے ویٹرز کو آواز لگائی تو دو ویٹرز ایک ٹرالی دھکاتے ہوئے جس پر ایک بہت پیارا ڈیزائننگ کیک سجا ہوا تھا جس پر "Happy Birthday Dar" لکھا ہوا تھا۔ ''میرے خیال میں اب کیک کاٹنا چاہیے۔'' ایڈیٹر خالد نے سوالیہ لہجے میں سب سے پوچھا۔ تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیئے، عطیہ زاہرہ نے آگے بڑھ کر چھری خالد صاحب کو پکڑا دی تاکہ وہ کیک کاٹ سکیں۔

اس سے پہلے کہ خالد صاحب کیک کاٹتے ایک آواز ابھری۔ ''ہمارے بغیر ہی سالگری سیلی بریٹ کریں گے۔'' تو سب لوگوں نے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ تو وہاں ایک صاحب کھڑے تھے اور مسکراتی نظروں سے سب کی طرف دیکھ رہے تھے تو خالد صاحب کی خوشی سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ ''ایم الیاس صاحب آپ۔'' سب لوگ حیرت اور خوشی سے ایم الیاس کو دیکھے جا رہے تھے، پھر خالد صاحب آگے بڑھ کر ایم الیاس سے بغل گیر ہوئے اور ان کو ساتھ لئے ٹرالی کے قریب آ گئے جس پر کیک موجود تھا۔

''ایم الیاس صاحب سے ملئے یہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ڈرڈائجسٹ ان کے بغیر ادھورا ہے، یہ ڈرڈائجسٹ کے سینئر لکھاری ہیں۔'' خالد صاحب نے ان کا تعارف تمام مہمانوں سے کروایا۔ الیاس صاحب اب جب آپ آ ہی گئے ہیں تو پلیز کیک آپ ہی کاٹیں، ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' ایڈیٹر صاحب نے ایم الیاس صاحب سے کہا۔'' تو انہوں نے کہا۔ ''کیوں نہیں ہم ضرور کیک کاٹیں گے۔'' ایڈیٹر خالد صاحب نے چھری ایم الیاس کے ہاتھوں میں تھما دی۔

سب لوگوں کی نگاہیں ان پر ٹکی ہوئی تھیں اور الیاس صاحب کا ہاتھ آہستہ آہستہ کیک کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ چھری کیک کو چھوتی اچانک لائٹ چلی گئی، تو اس اچانک افتاد سے سبھی لوگ گھبرا گئے، سب لوگوں نے اپنے اپنے موبائلز کی لائٹس روشن کر لیں۔

''یہ اچانک لائٹ کو کیا ہو گیا۔'' اس طرح کی

ملی جلی آوازیں ہال میں ابھر رہی تھیں۔ خاص کر لڑکیاں بہت گھبرائی ہوئی تھیں، تو خالد صاحب نے جلدی سے ہیلپرز بوائز کو آواز دی کہ وہ لائٹ کو دیکھیں کہ کیا ہوا ہے، لڑکے بھاگتے ہوئے اس سمت گئے جہاں مین سوئچ بورڈ تھا، انہوں نے جلدی سے اسے چیک کیا، پر انہیں بظاہر کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ تو وہ واپس آ کر خالد صاحب سے بولے۔ ''سر مین سوئچ تو بالکل ٹھیک ہے۔'' تو خالد صاحب نے پریشانی کے عالم میں اپنا سر تھام لیا۔ ''اچانک لائٹ کو ہوا کیا ہے۔'' سب لوگ پریشانی میں کھڑے تھے۔

''مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' یہ رابعہ عباس کی آواز تھی جو ڈر رہی تھی تو بلقیس خان نے اسے حوصلہ دیا کہ ڈرو مت تم تو خود ڈرامے تخلیق کرتی ہو اور آج بچوں کی طرح ڈر رہی ہو۔'' بلقیس خان نے رابعہ عباس کو کہا۔

تو رابعہ بولی۔ ''پلیز تم ادھر میرے پاس ہی کھڑی رہو، کہانیوں میں اور حقیقت میں بڑا فرق ہے۔'' رابعہ عباس کی آواز ابھری تو وہاں موجود سبھی افراد ہنسنے لگے کہ اچانک ان سب کی ہنسی کو بریک لگ گئے، کیونکہ اوپری منزل پر ان سب نے ایک سایہ دیکھا تھا۔

''آپ سب نے وہاں کچھ دیکھا۔'' فلک زاہد کی آواز آئی۔

''ہاں وہاں کچھ ہے۔'' سب کی مشترکہ آواز ابھری۔ ''ایک تو اتنا پرانا بنگلہ اوپر سے رات کا سماں اور لائٹ بھی چلی گئی اور وہ سایہ۔''

ڈرنا فطری عمل تھا، لڑکیوں نے ڈر کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ ''ہمیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا، مجھے یہ بنگلہ آسیب زدہ لگ رہا ہے۔'' ہما خان کی آواز سے ڈر واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

''کچھ تو کرو۔'' ہما خان رونے لگ گئی تھی تو کرن خان نے اسے تھاما۔ ''چپ ہو جاؤ تم ہمت مت ہارو ہم سب ہیں ناں۔'' کرن خان اپنی بہن کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔

یکلخت وہ بھیانک سایہ پھر لہرایا اور لہراتے ہوئے نیچے ہال میں پرواز کرنے لگا، یہ دیکھ کر تمام لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں۔

ادھر حنیف شاکر نے اپنے کرتے کی جیب سے سبز دانوں والی تسبیح نکال لی۔ یہ تسبیح وہ جب عمرہ کرنے گئے تھے تب لائے تھے اس تسبیح پر وہ ورد کرنے لگے۔

تو اس سایہ کے منہ سے بڑی بھیانک آوازیں نکل گئیں، اور پھر وہ جیسے بولا تو مانو جیسے پورے کا پورا بنگلہ لرز گیا۔

لڑکیاں دہل کر ایک دوسرے سے چمٹ گئیں، ماحول ایک دم ڈراؤنا ہو گیا تھا۔

''بہت شوق ہے نا تم لوگوں کو ڈراؤنی کہانیاں لکھنے کا، اب میں دیکھتا ہوں کہ کون لکھے گا ڈراؤنی کہانیاں۔'' اور پھر اس سایہ نے بہت ہی بھیانک قہقہہ لگایا۔

''تم ہو کون اور کیا چاہتے ہو۔'' حنیف شاکر نے کرخت لہجے میں اس سائے سے مخاطب ہو کر پوچھا اور ساتھ میں مسلسل تسبیح پر ورد بھی کرتے جا رہے تھے۔

''میں کون ہوں۔'' سائے نے گویا سوال دہرایا۔ ''میں رابعہ عباس کے پڑوس میں رہتا ہوں ابن آتش ہوں میں، اور میں قہر بن کر سب کو جلا دوں گا، کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔''

''ہم سب نے تمہارا کیا بگاڑا ہے اور تم ہمیں کیوں مارنا چاہتے ہو.....؟'' اب کی بار گلاب خان سوالگی بولے۔

''تم لوگ اپنی کہانیوں سے لوگوں کو ڈراتے ہو جبکہ ڈرانے کا کام ہمارا ہے جب سے تم لوگوں نے کہانیاں لکھنا شروع کی ہیں، لوگوں نے ہم سے ڈرنا ختم کر دیا ہے، اگر ایسا ہی چلتا رہا تو لوگوں کے دلوں سے ہمارا خوف ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ اور یہ میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔''

جب وہ سایہ سب سے مخاطب تھا تو حنیف شاکر نے چپکے سے عامر شہزاد کو اشارہ کیا کہ وہ صدر

دروازہ بند کردیں تو عامر شہزاد نے اشارہ پاتے ہی چپکے سے صدر دروازہ بند کردیا تھا، حنیف شاکر نے ستائشی نظروں سے عامر شہزاد کی طرف دیکھا اور پھر سایہ سے مخاطب ہوئے۔ ''دیکھو تمہاری یہ ساری باتیں بے سروپا اور فضول ہیں، لہٰذا ہمارا وقت برباد مت کرو اور چلے جاؤ یہاں سے نہیں تو.....'' حنیف شاکر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ورنہ ورنہ کیا کرلو گے۔'' سایہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

ہال میں موجود سبھی لوگ تماشائی بنے ہوئے تھے، کوئی کچھ بھی نہیں بول رہا تھا۔ ''نہیں تو ہم وہ کریں گے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔'' حنیف شاکر نے اپنا جملہ پورا کیا، تو سایہ بھیانک انداز میں ہنسنے لگا۔

''یہ تم لوگوں کی کہانیوں کا کوئی سین نہیں ہے کہ تم جیسے چاہو گے لکھ ڈالو گے یہ حقیقت ہے۔'' سایہ کے منہ سے نکلا تو حنیف شاکر بولے۔ ''تم صرف یہ بتاؤ کہ تم جاؤ گے کہ نہیں؟'' حنیف شاکر نے دوٹوک الفاظ کہے۔

تو سایہ نے 'نہیں' میں جواب دیا۔ ''تو حنیف شاکر نے ہال میں موجود سارے افراد کو آیت الکرسی پڑھنے کے لئے کہا تو سب لوگ آیت الکرسی کا ورد کرنے لگے۔

ادھر حنیف شاکر کے ہاتھوں میں جو تسبیح تھی انہوں نے اس کا رخ اس سایہ کی طرف کردیا تو سایہ ایک دم گھبرا گیا اور پورے ہال میں بدحواسی کی حالت میں ادھر ادھر پرواز کرنے لگا۔

سایہ جدھر جاتا حنیف شاکر تسبیح کا رخ اسی طرف کردیتے۔

ہال میں موجود سب لوگ آیت الکرسی کا ورد کررہے تھے، آج تک سارے رائٹرز اپنے قلم سے ڈر تخلیق کرتے آئے تھے، مگر آج وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

محمد شعیب کو بار بار ایم اے تو قیر یاد آرہے تھے جبکہ این اے کاوش کو بار بار ضدی ناگن یاد آرہی تھی، آخر کار تھک ہار کر سایہ فرش پر ڈھیر ہوگیا اور حنیف شاکر سے معافی مانگنے لگا، تو حنیف شاکر کرخت لہجے میں گویا ہوئے۔ ''ہم تمہیں کبھی بھی معاف نہیں کریں گے کیونکہ تم معافی کے قابل نہیں ہو لہٰذا تمہارا فنا ہوجانا ہی ٹھیک ہے۔'' یہ کہتے ہی حنیف شاکر نے تسبیح کا رخ سایہ کی طرف کردیا تو تسبیح سے سرخ رنگ کی لہریں نکلنے لگیں اور سایہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگیں سایہ کی دلدوز چیخیں بنگلے کی در و دیوار کو ہلا رہی تھیں۔

یہ خوفناک اور ڈراؤنا منظر سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور سب سکتے کی کیفیت میں تھے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سایہ مکمل طور پر ختم ہوگیا، تو حنیف نے تھکن کی صورت میں اکڑو بیٹھ کر گردن نیچی کرلی، ان کے حلیہ سے صاف لگ رہا تھا کہ حنیف شاکر ذہنی اور جسمانی طور پر بہت زیادہ نڈھال ہوگئے تھے۔

خیر پرویز احمد دولو نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالا اور سہارا دے کر قریب پڑی کرسی پر بٹھایا، عثمان غنی خان دوڑ کر حنیف شاکر کے لئے پانی لے آئے، اور پھر انہوں نے ان کو پانی پلایا۔ اس ساری کارروائی میں حنیف شاکر بہت زیادہ تھک گئے تھے اور پھر حنیف شاکر نے سب کو بتایا کہ سایہ کا خاتمہ ہوگیا ہے اور پھر اچانک لائٹ آگئی تو پورا بنگلہ روشنی میں نہا گیا۔

سارے لوگوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مصیبت ٹل گئی تھی، سب لوگ حنیف شاکر کا بھی شکریہ ادا کررہے تھے۔

ماحول ایک بار پھر پہلے کی طرح ہوگیا تھا، سب لوگ سالگرہ دل سے انجوائے کررہے تھے، یہ سالگرہ سب کے لئے یادگار بن گئی تھی اور پھر کیک کاٹا گیا، سب نے باری باری ایڈیٹر خالد صاحب کو مبارکباد دی اور یوں یہ ڈراسپیشل سالگرہ اپنے اختتام کو پہنچی۔

جلتے گلاب

عثمان غنی خان-پشاور

قسط نمبر:2

دو دلوں کا ملاپ اچانک چھناکے سے بکھر گیا، دونوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر عجلت میں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے اور جب ایسا ہوا تو ایک انوکھا شاخسانہ سامنے آیا تو انجان سفر کے باسی گھٹ کر رہ گئے لیکن جب وقت پلٹا تو.....

ایک اچھوتی انوکھی دلکش دلنواز، فرحت بخشتی دل دماغ کو گدگداتی شاہکار کہانی

ابرار بریف کیس ہاتھ میں لیے وہاں آ گئے، زرتاشہ کسی خیال میں کھوئی ہوئی لگ رہی تھی۔ ابرار نے گلہ کھنکارا۔ زرتاشہ اسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا اور اس کے کندھے سے کوٹ اتار لیا۔ اب زرتاشہ کے ہاتھ میں فولڈ کیا ہوا شائننگ کوٹ اور بریف کیس تھا۔ ابرار اور وہ ایک ساتھ اپنے کمرے میں جانے لگیں۔

''ابرار کیا بہت تھک گئے ہیں؟ جو یوں ڈسٹرب لگ رہے ہیں۔'' زرتاشہ نے کوٹ الماری میں ہانگ دیا۔

''کیا زین گھر پر ہے؟ میں بالکل بھی نہیں تھکا۔ بس کچھ اپنی پریشانیاں ہیں''؟

''ہاں.....!! ابھی ابھی آیا ہے۔ آپ سے کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچا ہے''۔

''ٹھیک ہے، تمہاری زین سے کیا بات ہوئی اس نے کیا کہا؟ سوہا سے تمہیں کب ملوا رہا ہے''؟

ہاں.....!! بات ہوگئی ہے، کہا ہے کہ جلد ملواؤں گا۔ مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سوہا ابھی ملک سے باہر ہے۔ صاف بات بتا نہیں رہا ہے۔ میں نے اس سے سوہا کے متعلق سوالات پوچھ لیے۔ مگر کچھ بھی نہیں بتایا۔ کہا جب سوہا سے میری شادی ہوجائے گی تب میں سوہا سے یہی سارے سوالات پوچھ لوں۔ اس کی عجیب منطق ہے''۔ زرتاشہ نے ابرار احمد کی طرف دیکھا۔

''زین نے ایسا کہا''.....!! ابرار نے بیوی کی طرف غیر یقینی سے دیکھا۔ جیسے اسے شاک لگا ہو۔

ہاں بالکل.....!! یہی کہا تھا۔ ابرار تم سوہا کو جانتے ہو''۔ زرتاشہ نے گہری نظروں سے ابرار کو دیکھا۔

''نہیں.....!! میں نے کسی سوہا نامی لڑکی کو اپنے پورے سوشل سرکل میں کہیں نہیں دیکھا۔ میں تو زین کی شادی کسی لینڈ لارڈ خاندان میں کروانا چاہ رہا ہوں۔ جس کا سیاست سے گہرا رشتہ ہو۔ اگر زین سوہا سے ہی شادی کرنا چاہتا ہے، تو اس کی پسند پر میں دل سے راضی ہوں''۔ ابرار نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ابرار.....!! مجھے ایسا لگتا ہے کہ کوئی سوہا نام کی لڑکی سرے سے ہے ہی نہیں، ورنہ زین ابھی تک اس کے گھر والوں کے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوتا۔ میرے خیال میں وہ وقت مانگ رہا ہے''۔ زرتاشہ نے دل کا خیال ابرار کے سامنے پیش کیا۔

''اگر ایسا ہے، تو بہت اچھا ہے۔ میں بھی اس کی پسند سے خوش نہیں ہوں''۔ ابرار نے فوراً کہہ دیا۔

''آپ کے تاثرات پہلے ہی بتا رہے تھے کہ

زین کی مرضی پر آپ دل سے خوش نہیں ہیں''۔ زرتاشہ اس کی شریک حیات تھی۔ اس کا چہرہ دیکھ کر سمجھ جاتی تھی۔ ابھی بھی اس نے کا چہرہ دیکھ کر درست اندازہ لگایا۔

''کیا تم اس سب پر دل سے خوش ہو''۔ ابرار نے اُلٹا اس سے سوال کیا۔

''نہیں.....!! مگر کبھی کبھار اولاد کی خوشی میں ہی اپنی خوشی ہوتی ہے اور میں زین کی خوشی میں خوش ہو جاؤں گی''۔ زرتاشہ اس سے نظریں چراتے ہوئے بول پڑی۔ زرتاشہ خوش نہیں تھی۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات اس کے چہرے سے ابرار کی طرح عیاں نہیں ہو رہے تھے۔

''تم ماں ہو نا۔ تم کہہ سکتی ہو۔ مگر تم بھی زین کی اس بات سے خوش نہیں ہو۔ جیسے میں خوش نہیں ہوں۔ جس طرح تمہارا دل چاہتا ہے کہ اپنی مرضی سے اپنی پسند سے زین کی شادی کروں۔ اس طرح ایک باپ کا دل بھی چاہتا ہے کہ میں اس کی شادی اپنی پسند اور مرضی سے کروں''۔ ابرار آخر میں مسکرانے لگا۔

''ابرار.....!! ایسا اب مت کہیں، کیا ہمارے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ زین شادی پر راضی ہو گیا ہے۔ چاہے وہ یہ شادی اپنی ہی پسند سے کیوں نہ کر رہا ہو؟ اب میں اس کو نہیں روکوں گی۔ اگر وہ محبت کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو والدین کے فرائض میں ایک فرض یہ بھی ہے۔ وہ اولاد کی شادی ان کی پسند سے کر دیں''۔ زرتاشہ نے ابرار کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں.....!! تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب میں بھی اسی پر سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔ آؤ باہر چلیں۔ آج رات کا ڈنر ہم باہر کرتے ہیں۔ زین کو بھی بلاؤ''۔ ابرار نے زرتاشہ کا موڈ چینج کرنا چاہا۔

''نہیں ابرار.....!! آج رات گھر پر بھی میں نے خاص اہتمام کیا ہوا ہے۔ ہم پھر کبھی باہر ڈنر کر لیں گے''۔

''واہ.....!! تو پھر بلاؤ زین کو ڈنر کر لیتے ہیں''۔ ابرار نے ٹائی نکالی۔ زرتاشہ زین کو بلانے کے لیے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ پلنگ کے محراب سے ٹیک لگائے اپنے موبائل میں کچھ غور سے دیکھ رہا تھا۔

''زین''.....!!

''مام.....!! آپ آیئے نا.....!!'' زین نے موبائل بند کر کے جیب میں رکھ دیا۔

''تمہارے ڈیڈ آ گئے ہیں۔ آجاؤ ساتھ ڈنر کرتے ہیں''۔

''اچھا آپ جائیں۔ میں آرہا ہوں''۔ زین نے مام سے کہا۔ وہ بھی اُٹھ گیا اور واش روم میں گھس گیا۔ وہ منہ ہاتھ دھونا چاہ رہا تھا۔ اب وہ باہر لاؤنج میں جا رہا تھا۔ وہ سب کرسیوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے بات چیت کرنے لگے اور کچھ دیر میں ملازم کھانا سرو کرنے والے تھے زتب تک وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ ڈنر کرنے کے بعد زین اپنے کمرے میں چلا گیا اور لیٹ گیا، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور کھڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

زین بالکل گم صم سا لیٹا ہوا تھا، اس نے اپنا موبائل نکالا اور وہی ویڈیو کلپ پلے کر دیا۔ وہ کلپ وہ بہت غور سے دیکھنے لگا۔ جیسے ہی اسکرین پر جلتے گلاب میں سوہا کا عکس دکھائی دیا۔ اس نے وہاں پر ویڈیو puese کر دیا۔ اب موبائل اسکرین پر گلاب کے پھول میں آگ کے شعلے اُبھر رہے تھے اور اسی میں سوہا کا عکس بھی نظر آرہا تھا۔ زین نے اس ویڈیو کلپ کا اسکرین شارٹ لیا اور اس کو اپنے موبائل کے ڈسپلے پر چھوڑ دیا۔ اب وہ ایک بہت خوبصورت وال پیپر لگ رہا تھا۔ ایک ایسا منظر جسے کسی نے ایڈیٹ کیا ہو۔ زین کتنی دیر تک اس منظر میں کھویا رہا۔

''سوہا.....!! آج میں نے تمہارا ذکر مام سے کیا۔ مام بھی ہماری شادی سے خوش ہو گئی ہے''۔ وہ کچھ دیر موبائل اسکرین کو دیکھتا رہا۔

''انشاء اللہ.....!! تم دیکھنا، ہم اب جلد سے جلد ملیں گے اور میں اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر کر رہا ہوں جو کوئی بھی ہمارے درمیان ہے۔ وہ اب خود بخود نکل جائے گا۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں''۔ اس نے سوہا کا عکس ہونٹوں سے لگایا۔

''سوہا.....!! میرے پاس بھی جادو ہوتا۔ میں جادو سے تمہیں اس گلاب سے آزاد کر دیتا اور جس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے۔ اس کو اپنے جادو سے جلا کر خاکستر کر دیتا۔ میں تمہیں اس جادوئی گلاب سے نکال کر اسی کو اسی جادوئی گلاب میں مقید کر لیتا اور تمہیں دکھاتا کہ دیکھوں محبت کے دشمن کا انجام ایسا ہوتا ہے''۔ اس نے سوہا کے عکس سے تصور میں باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اسے یہ پاگل پن اچھا لگ رہا تھا۔

''میں تم تک آنے کے لیے ہر مشکل راہ سے گزر جاؤں گا۔ اگر مجھے تمہارے ساتھ اسی جلتے گلاب میں مقید ہونا پڑے، تو بھی میں قید ہو جاؤں گا۔ تم مجھ سے بدگمان نہ ہونا۔ میں ایک لمحے کو بھی تم سے غافل نہیں ہوا ہوں۔ مین مجبور ہوں، بے بس ہوں۔ مگر میرا دل آج بھی صرف تمہاری محبت میں دھڑکتا ہے۔ آج بھی جب میں تمہارا نام لیتا ہوں، تو میری دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی ہیں۔ میرے چہرے پر رنگوں کی بہار چھا جاتی ہے۔ میرا دل بار بار تمہارا نام لیتا ہے۔ اللہ سے ہر دعا میں تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگ کر مجھے سکون ملتا ہے۔ میں دل سے تمہارے لیے ہی تو جی رہا ہوں''۔ اس نے دونوں آنکھیں بند کر دیں۔

''سوہا.....!! سوہا.....!! سوہا.....!! دیکھو اگر آج تم میرے سینے پر سر رکھ کر میری دل کی دھک دھک سنو۔ تو وہ دھک دھک بھی تمہارے نام کی ہوگی۔ میرے دل کی ہر سانس تمہارے آس پر جی رہا ہے۔ میں اگر زندہ ہوں۔ تو مجھے اتنا پتہ ہے کہ تم بھی زندہ ہو۔ تم اسی دنیا میں کہیں نہ کہیں موجود ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری یہ جدائی وقتی ہے۔ میں تم سے جس دن ملوں گا۔ اپنی ان بے چینیوں سے تمہیں آگاہ کر دوں گا۔ میں تو سانس لینا ہی چھوڑ دیتا، اگر مجھے اس بات کا ذرا سا بھی احساس ہو جاتا کہ تم اس دنیا میں کہیں نہیں ہو''۔ اس نے کتنی دیر خود سے باتیں کیں اور پھر دھیرے دھیرے اس پر بھی قدرت مہربان ہوگئی۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔

☆.....☆.....☆

سوہا کے چہرے پر انتہائی خوفناک تاثر تھا۔ وہ اس ویران سنسان سی جگہ میں اکیلی تھی۔ رات کا منظر تھا۔ دور دور تک آسمان پر آوارہ بادل پھیلے ہوئے بہت وحشت ناک لگ رہے تھے۔ ستارے بادلوں کی اوٹ میں فنا ہو گئے تھے اور چاند کہیں پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گھپ اندھیرا تھا۔ مگر سوہا کے اردگرد روشنی کا گول حالہ تھا۔ جس میں اس کا وجود صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بے شمار لحیم دیو ہیکل درخت اس اندھیرے کو ڈراؤنا بنانے کے لیے کافی تھے۔ اتنے میں کسی اُلو کی کریہہ آواز نے ماحول کو مزید دہشت زدہ کر دیا۔ سوہا سفید لباس میں بنا دوپٹے کے کھڑی تھی۔ اس کا دل کانپ رہا تھا۔ پورا وجود سرد ہواؤں سے سن ہو کر رہ گیا تھا۔ اچانک اس نے بنا سوچے سمجھے دوڑنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں اس کا خوبصورت چہرہ زرد لگ رہا تھا۔ آگے بڑا قبرستان تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے قبرستان کے زنگ الودگیٹ کو پار کر دیا۔ آگے بے شمار قدیم قبریں تھیں۔ سوہا قبروں کے اوپر بھاگنے لگی، اس کے انداز میں وحشت سی تھی۔ جیسے وہ کہیں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اچانک ماحول میں گیدڑ کی بھیانک آواز سنائی دی اور سوہا نے مڑ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ جیسے خوف سے نچڑ گیا تھا۔ ایک پرانی قبر میں بے خیالی میں اس کا پیر دھنس گیا۔ اس نے پیر نکالنے کی بے حد کوشش کی۔ مگر بے سود وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے بال چڑیا کے گھونسلے کی طرح ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے تھے۔ اچانک اسی قبر سے کسی انسان کا ہاتھ باہر نکلا۔ اور اس نے سوہا کا پیر پکڑ لیا۔ اس کا پاؤں پہلے ہی قبر کی مٹی میں دھنس چکا تھا۔ اس نے بھیانک چیخ ماری۔ چیخ مارتے ہی اس کا پیر اس انجانے ہاتھ سے آزاد ہو گیا۔ وہ قبرستان سے باہر آنے کے لیے دوڑنے لگی۔ وہ اس کوشش میں کئی بار گری، پھر اُٹھی۔ خود کو لڑکھڑاتے قدموں سے سنبھالتی اور پھر سے دوڑ پڑتی۔ سامنے قبرستان کے گیٹ کے قریب کہیں ویرانے سے کریہہ

صورت بھیڑیا آ کھڑا ہوا۔ وہ سوہا کو دیکھتا رہا۔ اور پھر جست لگا کر سوہا کی طرف دوڑ پڑا۔ سوہا خوف سے اس درندے جانور کو دیکھ کر اپنی جگہ کانپ کر بالکل ساکت کھڑی ہوگئی۔ جوں جوں وہ خونخوار جانور سوہا کے قریب بڑھ رہا تھا۔ توں توں سوہا ڈر سے جیسے کانپ رہی تھی۔ سوہا نے بے خیالی میں ایک بار پھر دوڑ لگادی۔ اب وہ آگے تھی۔ اور اس کے پیچھے وہ خونی درندے تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ رفتہ رفتہ کم پڑ رہا تھا۔ ایک بھیڑیے نے جست لگا کر سوہا کو پکڑنے کے لیے چھلانگ لگا دی۔ آگے ایک پرانا کنواں تھا۔ بے خیالی میں سوہا اسی گڑھے نما کنویں میں گرتی چلی گئی۔ وہ بھیڑیے کے شکنجے میں آنے سے تو بچ گئی۔ مگر وہ کنویں میں گر گئی۔ اس کے منہ سے گرتے وقت ایک ہی آواز نکل رہی تھی۔

''زین.....!! زین.....!! زین''.....!! اس کی چیخ نما بازگشت بن کر کنویں سے ابھر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

''سوہا...!! سوہا...!! سوہا''.....!! زین ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ جاگتے وقت اس نے سب سے پہلے سوہا کا نام پکارا تھا۔ سوہا نام کی گونج ابھی بھی اس کے کمرے کے در و دیوار سے صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ سخت پسینہ ہو گیا تھا۔ وہ جیسے پسینے میں شرابور تھا۔

''او میرے خدا.....!! تت۔۔۔تت۔۔۔ تو یہ خواب تھا۔ اتنا بھیانک خواب۔۔۔!! کہیں سوہا کسی بڑی مشکل میں نہ ہو اور اس کو میری مدد کی ضرورت ہو اور وہ مجھے پکار رہی ہو''۔ زین اُٹھ گیا۔ وہ پہلے واش روم میں گھس گیا۔ اس نے منہ پر کئی بار پانی کے چھپاکے مارے۔ تب وہ کچھ ہوش میں لوٹ آیا۔ اب وہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ وہ بے چینی جو اس کے دل کو ہو رہی تھی۔ اس نے کئی گہری سانسیں لیں۔ بے ساختہ اس کی نظریں وال کلاک پر ٹھہر گئیں۔ رات کے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس نے لان میں اپنے باپ ابرار احمد کو بے چینی سے ٹہلتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔ ابرار احمد ٹہل ٹہل کر جیسے خود کو ہلکان کر رہے تھے۔ اس کے ایک ایک قدم سے بے چینی عیاں ہو رہی تھی۔

''ڈیڈ.....!! اس وقت کیا کر رہے ہیں اور اس کے انداز میں کتنی بے چینی ہے۔ کیا اس کو بھی کوئی پریشانی ہے؟ یقیناً ڈیڈ کی کوئی برنس پرابلم ہوگی''۔ زین نے سوچا۔ وہ کچھ دیر ڈیڈ کو دیکھتا رہا۔ اچانک ابرار گیراج کی طرف جانے لگے۔ زین نے بھی کئی قدم اٹھا لیے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ڈیڈ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ ابرار احمد نے اپنی نئی ہنڈا سوک کار نکالی۔ اب گاڑی مین گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ واچ مین نے صاحب کی گاڑی دیکھی، تو مستعدی سے گیٹ کھول دیا۔ اب گیٹ سے گاڑی باہر جا رہی تھی۔ زین جلدی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ بے حد پریشان ہو چکا تھا۔ اس کو ڈیڈ کے پیچھے جانا تھا۔ وہ اپنی گاڑی نکال چکا تھا۔ اب اس کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی۔

''ڈیڈ.....!! اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ مجھے اس کے پیچھے جانا چاہیے۔ یقیناً کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ تبھی ڈیڈ بنا بتائے ہمیں پریشان نہیں کرنا چاہ رہے ہیں''۔ زین نے گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے سوچا۔ اس کو کافی فاصلے پر ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آ گئی۔ سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ زین کو لگا یہی ایک گاڑی ابرار احمد کی ہے۔ اس نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ گاڑی ہائی وے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اچھے خاصے فاصلے سے ڈیڈ کی گاڑی فالو کر رہا تھا۔ گاڑی اسی میدان کی طرف جا رہی تھی۔ جہاں زین کئی دفعہ گیا تھا ڈیڈ کی گاڑی اسی میدان کے پاس جا رکی۔ جہاں زین نے جلتے گلاب کو دیکھا تھا۔ زین کو حیرت ہو رہی تھی۔ زین بھی کافی فاصلہ رکھ کر گاڑی روک چکا تھا۔ زین نے احتیاط کے طور پر اپنی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس بند کر دی۔ اس جگہ ویرانی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ابرار گاڑی سے باہر نکلے اور اسی میدان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ زین کو حیرانی کے سوا کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ ابرار کی گاڑی اسٹارٹ تھی، اس کی بیک لائٹس روشن نظر آ رہی تھی۔ زین بھی اپنی گاڑی سے اتر آیا۔

وہاں روڈ لائٹس نہ ہونے کے برابر تھے۔ جو اِکا دُکا تھے وہ صحیح طریقے سے جل نہیں رہے تھے۔ زین بھی اندھیرے میں میدان کی طرف بڑھنے لگا۔ زین کو شدید قسم کا تجسس ہو رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ ڈیڈ کیوں اس ویران میدان میں آگئے ہیں۔ جہاں کانٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور حشرات الارض کی چیختی آوازوں کے علاوہ کوئی آواز نہیں ہے۔ ابرار نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔ وہ اسی جگہ جا رہے تھے، جہاں زین کو جلتے گلاب کا پودا ملا تھا۔ اب وہ اسی جگہ کھڑے تھے۔ جیسے اس جگہ کا جائزہ لے رہے ہو۔

''ڈیڈ.....!! اس جگہ کیا کر رہے ہیں؟ کیا ڈیڈ کا کوئی مخبر ہے، جس نے اسے بتایا تھا کہ میں اس جگہ آتا رہا ہوں''۔ زین دل ہی دل میں بولا۔ مگر وہ دھیمے قدموں سے ابرار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس وجہ سے اس کے پیروں میں کئی بار کانٹے پیوست ہوگئے، مگر وہ ہر تکلیف سہتا رہا۔ اس نے منہ سے کوئی آواز تک نہ نکالی۔

''کیا ڈیڈ نے بھی یہاں جلتے گلاب کا پودا دیکھا تھا، جس میں سوہا کا عکس نظر آ رہا تھا۔ کہیں ڈیڈ اس کی تلاش میں تو یہاں نہیں آئے ہیں؟ پتہ نہیں یہ سب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں کس چکر میں پھنس رہا ہوں؟ مگر میں اب ان سب کا پتہ لگاؤں گا۔'' وہ جھاڑیوں کے بیچ ہی بیٹھ گیا۔ کئی کانٹے اس کے پیٹھ میں بری طرح سے چبھ گئے، مگر اس نے اُف تک نہ کی۔ ایک سوچ نے اس کا خون منجمد کر دیا۔

''کیا میرے اور سوہا کے درمیان کہیں ڈیڈ تو نہیں ہیں''۔ اس سوال نے جو اس کے دماغ نے اس سے کیا تھا۔ وہ تھر تھر کانپ اٹھا۔

نن ۔۔۔ نہیں ایسا نہیں ہے، یہ سب محض ایک اتفاق ہے۔ ڈیڈ ایسے نہیں ہیں۔ ڈیڈ ایسا کیوں چاہیں گے، وہ میرے خوشیوں کے دشمن نہیں ہو سکتے وہ تو سوہا کو جانتے تک نہیں ہیں۔ کبھی زندگی میں اس سے ملے تک نہیں ہیں''۔ اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل پیش کیا۔ حالانکہ یہ خیال ہی اس کے لیے سوہان روح تھا۔ دوسری طرف زرد رنگ کی روشنی پھیلنے لگی۔ جیسے کسی نے مشعل جلائی ہو۔ کوئی اسی طرف آ رہا تھا۔ مگر وہ جو کوئی بھی تھا۔ بہت آہستہ تھا۔ وہ ابھی بہت دور تھا۔ اندھیرے میں صرف آگ کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اب قدرے وہ روشنی کچھ دیر بعد واضح ہوگئی۔ وہ زرد رنگ کی روشنی اب پھیل رہی تھی۔ وہ ایک نہیں دو آدمی تھے۔ ان کی صحت قدرے لاجواب تھی۔ جس نے ہاتھوں میں کوئی بہت بڑا گملا پکڑ رکھا تھا۔ اس گملے کو دونوں اطراف سے ان آدمیوں نے پکڑ رکھا تھا۔ اسی گملے میں وہ جلتے گلاب کا پودا تھا۔ اور جس سے آگ کے شعلے ابھر رہے تھے۔ زین اس پودے کو دیکھ کر بے قابو سا ہو گیا۔ وہ ان لوگوں کو اب واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ وہ ابرار کے بالکل سامنے رک گئے۔ ابرار کی نظروں میں اشتیاق تھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

''ویلڈن.....!! ویلڈن.....!!! ابرار کی آواز زین کو سنائی دی۔ وہ پرجوش سا کہہ رہے تھے اور زین کے ذہن میں جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔ یا جیسے کسی نے اس کو چلتی ٹرین کی پٹری پر لٹا دیا ہو اور ٹرین پوری رفتار سے اس کے اوپر سے گزر گئی ہو۔ اس کے چیتھڑے ارد گرد اُڑ گئے ہوں۔ وہ صدمے سے جیسے بیٹھ گیا تھا۔ اس کو اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ ابرار تالیاں بجا رہے تھے۔ وہ جلتے گلاب کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ دو آدمی تھے، صحت مند وجود کے مالک تھے، وہی دونوں اندھیرے میں مخالف سمت میں آ رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں جلتے گلاب کا وہی پودا تھا، وہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ اسی کی روشنی میں ان کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ زین اس کو دیکھ کر بے قابو سا ہو گیا تھا، وہ اٹھنے والا تھا، مگر رک گیا۔

''آخر یہ لوگ کرتے کیا ہے''؟ زین نے خود سے کہا اور رک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں اب ابرار کے بالکل قریب آ گئے تھے۔ زین ان کی آوازیں سن سکتا تھا، اگر وہ لوگ آپس میں بات چیت کرتے، تو وہ ان کے اتنے قریب تھا کہ با آسانی ان کی آوازیں سن سکتا

تھا۔ اچانک زین کے کانوں میں ابرار کی آواز سنائی دی۔

''ویلڈن....!!! ویلڈن....!!'' ابرار پرجوش سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ زین جیسے دھماکوں کی ضد میں کھڑا تھا۔ اس کو حیرت ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کے سامنے جو کھڑا شخص ویلڈن، ویلڈن کی بکواس کر رہا ہے، یہ تو اس کے جان سے بھی پیارے ڈیڈی ہیں اور وہ اس کی خوشی کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ مگر پھر وہ ایسا پرجوش کیوں ہو گیا ہے۔ زین کو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''نن... نہیں ... یہ میرے ڈیڈ نہیں ہو سکتے، کیوں کرینگے ڈیڈ ایسا... کیا وہ بھی اس انمول جلتے گلاب کو جانتے تھے اور ڈیڈ کو پہلے سے سب کچھ معلوم تھا۔ یہ باقی لوگوں کے لیے صرف ایک معمولی سا جلتے گلاب کا پودا ہوگا۔ مگر میرے لیے یہ میری متاع جان ہے۔ کیونکہ اسی میں سوہا کا عکس مقید ہے اور وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔'' زین نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔ وہ بری طرح سے پسینے میں نہا چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں گھبرا رہا تھا۔ وقت نے اس کو اپنے ڈیڈ کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ زین یقین تو کیا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے تو وہم وگماں میں بھی نہیں تھا کہ ابرار اس جگہ موجود ہو سکتا ہے، زین کے کانوں میں ان کی آوازیں اب آنے لگی تھیں۔

''تم لوگوں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں بھی اب تنگ آ چکا ہوں، لمبے عرصے سے اس لڑکی کا ذکر نہیں سنا تھا، تو دل کو ایک تسلی سی مل گئی تھی۔ سوچ لیا تھا، دوبارہ اس لڑکی کا نام کبھی زندگی بھر سننا نہیں پڑے گا، اس لڑکی کو کتنی مشکلوں سے اپنے بیٹے کی زندگی سے گم کیا تھا۔ اب پھر سے یہ زین کی نظر میں آ گئی ہے۔ وہ پھر سے اس کا نام لینے لگا ہے۔ میں ایسی گھٹیا اور ہیچ خاندان کی لڑکی سے کبھی بھی زین کی شادی نہیں کراؤں گا۔ بھلا کہیں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ سکا ہے''۔ ابرار احمد نے اپنے خیالات ابھار دیے اور زین کو لگا کہ وہ خیالات نہیں ایک طوفان ہے جو اسے اڑا کر لے جا رہا ہے۔ اس طوفان نے جیسے اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔

''سائیں....!! اب آپ کا کیا حکم ہے''۔ ان دونوں میں سے ایک نے نہایت ادب سے پوچھا۔

''یہ پودا اب بجھ جانا چاہیے، یہ کس طرح سے بجھ سکتا ہے؟'' ابرار نے نوواردوں سے پوچھا۔

''اس کو سمندر برد کر دیں، یہ گلاب کا جلتا پودا بجھ جائے گا اور وہ لڑکی بھی مر جائے گی۔ کیونکہ اس کا سایہ اس جلتے گلاب کے اندر قید ہے۔ وہ لڑکی ابھی تک اسی حال میں ہوگی۔ وہ زندہ لاش ہے۔ نہ مُردوں میں شمار کی جا سکتی ہے، نہ زندوں میں، اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس پودے کو اگر زمین میں دفن کر دیا جائے، تو اس کی روح کو آزادی مل جائے گی وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ زین بابا...!!! کو یہ جلتا گلاب کا پودا اس لیے دکھائی دیا تھا کیونکہ وہ سوہا سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ سوہا کا جلتا عکس صرف وہی دیکھ سکتا ہے، جو اس کا پریمی ہو۔ ورنہ کافی عرصے سے یہ گلاب کا پودا اسی میدان میں تھا۔ اس پر کسی کی نظر نہیں پڑی اور نہ کسی کو دکھائی دیا''۔ نوواردوں میں سے ایک نے ہاتھ جوڑ کر بڑے آرام سے سب کچھ بتا دیا۔

''تم دونوں مجھے یہ کہانیاں نہ سناؤ، مجھے اب یہ پودا کسی بھی صورت میں بجھا ہوا چاہیے۔ میں اب یہ قصہ تمام کر دینا چاہتا ہوں''۔ ابرار نے کرخت آواز میں کہا۔

''جی سائیں......!! جو آپ کا حکم ہوگا، وہی ہوگا، جیسے ہی زین بابا....!! کی نظر میں یہ پودا آیا، ہم نے آپ کو بروقت اطلاع کر دی، اور اس کی پہنچ سے زین بابا کو بہت دور کر دیا''۔

''ہاں....!! یہی تو تمہاری ڈیوٹی تھی۔ اس کام پر میں نے ہی تم دونوں کو لمبے عرصے سے رکھا تھا۔ پہلی بار تم دونوں نے بہت اچھا کام کیا، میں اس کام کا تم دونوں کو منہ مانگا انعام دوں گا۔ بس بہت خرچہ ہو گیا۔ اس معاملے پر اب اس کو اختتام پذیر ہونا چاہیے اور اس لڑکی کو بھی مر جانا چاہیے۔ جیتے جی، وہ کبھی بھی ہمارے ولا میں قدم نہیں رکھ سکے گی''۔ ابرار نے نہایت کروفر سے کہا۔ زین کو اب سب کچھ سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس کو وہ دیوار مل گئی تھی۔ جو اس کے اور سوہا کے درمیان

حائل ہوگئی تھی۔ وہ اس انکشاف پر اپنی جگہ جم سا گیا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ اور وہ دو گرگے، اس کی زندگی کی خاتمے کی بات کررہے تھے۔

مگر ڈیڈ.....!! اب سوہا کا خاتمہ کیوں چاہتے ہیں، وہ تو یہ سب بہت پہلے بھی کر سکتے تھے۔ شاید قدرت کو اس کی زندگی منظور تھی۔ اس لیے وہ ایسا کچھ بھی نہیں کر سکے اور اللہ نے مجھے ایک موقع دے دیا ہے''۔ زین کے آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''تم دونوں اس گلاب کے پودے کو میری کار کی ڈکی میں رکھ دو، ہم اسے سمندر برد کررہے ہیں''۔ ابرار نے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ ان دونوں نے جلتے گلاب کے گملے کو پکڑا اور اس کے پیچھے لے جانا شروع کردیا۔ اچانک ابرار رک گیا۔ اس نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا۔

''میں نے تم دونوں کو یہ پودا زمین کے اندر دفن کرنے کو کہا تھا۔ مگر تم دونوں نے اس کو عام پودے کی طرح بو دیا۔ تم دونوں کسی کام کے نہیں ہو، نکمے، بالکل ہڈ حرام نکلے ہو''۔ وہ غصے سے چلایا۔

''سائیں.....!!! ہمیں بڑے سرکار نے ایسا کرنے سے منع کردیا تھا اُس کا کہنا تھا، اگر پودا زمین میں دفن کردیا۔ تو یہ مرجھا جائے گا۔ اس سے وہ قید سایہ نکل کر دوبارہ لڑکی کے جسم میں داخل ہوجائے گا۔ وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ بڑے سرکار نے ہمیں ایسا کرنے کو کہا تھا، یہ پودا کسی کو بھی نظر نہیں آسکتا تھا، اور اس کو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ مگر سوائے زین بابا کے، کیونکہ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور جو محبت کرتے ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مقام پر مل جاتے ہیں، اس لیے زین بابا کا اس پودے سے ٹکراؤ ہوگیا''۔

''بس کردو، اب میں اور کچھ نہ سنوں.....!! تم دونوں یہ پودا میری کار کی ڈکی میں ڈال دو''۔ ابرار اب آگے جارہے تھے، وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تھے، دونوں نے دائیں، بائیں اطراف سے گملا پکڑ رکھا تھا۔ وہ پودا اتنا بھاری نہیں تھا، مگر فطری ڈر کی وجہ سے وہ ڈر رہے تھے۔ ابرار اب سڑک پر کھڑے کار کی ڈکی کھول رہے تھے۔ دونوں بہت دھیرے چل رہے تھے۔ زین بھی آہستہ قدموں سے ان کے پیچھے چلنے لگا تھا۔ اب وہ لوگ پوداڈکی میں رکھ چکے تھے۔ ابرار گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وہ دونوں پیچھے بیٹھنے لگے۔ زین کا دماغ سائیں، سائیں کرنے لگ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے اپنی گاڑی کی طرف ڈورنا شروع کردیا۔ وہ ان لوگوں کو روکنا چاہتا تھا۔ اس سے وہ پودا چھیننا چاہتا تھا۔ وہ انہیں سمندر میں کیسے پھینک سکتے تھے۔ محبت تو اس نے بھی سوہا سے کی تھی۔ تو اکیلے سوہا کو کیوں سزا مل رہی تھی۔ ان کی گاڑی اب اسٹارٹ ہوگئی تھی۔ زین بھی اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔ اب وہ ان کے پیچھے جارہا تھا۔ اس نے کار کے ڈیش بورڈ میں ہاتھ ڈال کر دیکھا، وہاں اس کا پستول پڑا ہوا تھا، اس نے پستول نکال کر پینٹ کی بلٹ میں اُڑس دیا۔ اس کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ بہت ڈر رہا تھا۔ وہ سوہا کو بچانے کے لیے کچھ بھی کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ کانپ رہا تھا۔ اس کا وجود کپکپاہٹ کا شکار تھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اسے ان سب کی امید نہیں تھی، جو ہونے جارہا تھا۔ جو ہورہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک سال پہلے۔

سوہا یونی کے گراؤنڈ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کا اتنی آسانی سے ایڈمیشن ہو جائے گا۔ اس یونی میں ایڈمیشن ملنا خواب کو جیسے تعبیر ملنے کی بات تھی۔ اس کے پاس اخراجات کے لیے بالکل بھی پیسے نہیں تھے۔ مگر یونی والے قابل لوگوں کو اسکالرز شپ دے رہے تھے۔ اس نے بھی اپنے تعلیمی ریکارڈ کے ساتھ ایک اپلیکیشن لکھی اور اسکالرز شپ کے لیے اپلائی کردیا۔ چند دن بعد اسے بلایا تھا۔ وہ بے انتہا خوش تھی۔ اس سے پہلے وہ اتنی خوش نہیں تھی، اس نے جرنلزم کرنا تھا۔ سوہا نے ہمیشہ اے پلس گریڈ لیا تھا

،اس جیسے طلباء کو ادارے کی اشد ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ وہ ادارے کے ساتھ ساتھ ملک کا نام بھی روشن کرتے ہیں۔ سوہا دلجمعی کے ساتھ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی، اسے اپنے گھریلو حالات کا خوب علم تھا، وہ اپنے گھریلو حالات کو تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ اس کا ایک چھوٹا سا گھر تھا، جو شہر کے دوسرے کنارے واقع تھا، گھر اپنا تھا، مگر بے حد چھوٹا تھا۔ اس چھوٹے سے گھر میں چھ افراد بڑی محبت سے رہتے تھے، ایک اس کا باپ، باقی اس سے چار چھوٹے بہن، بھائی، وہ سب اس سے چھوٹے تھے، اس کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب وہی اس گھر کی بڑی تھی۔ وہی ماں کی جگہ تھی۔ سب ذمہ داریاں اسی نے سنبھالی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے سوہا تھی، پھر اس کی بہن روبا تھی، پھر دونوں چھوٹے جڑواں بھائی آشان اور کاشان تھے۔ اس سے آخر میں سب سے چھوٹی زوبا تھی۔ زوبا جب چھ ماہ کی تھی، زینت بیگم کرنٹ لگنے سے انتقال کر گئی۔ کپڑے دھونے والی مشین میں کرنٹ تھا، اور وہی اس کی موت کا سبب بنا، تب سوہا میٹرک کر رہی تھی۔ ماں کے بے وقت انتقال نے اسے وقت سے جیسے پہلے بڑا کر دیا، وہ تعلیم گھر کے لیے چھوڑنا چاہ رہی تھی۔ مگر اس کی ماں کی آخری خواہش تھی۔ اس کے سب بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیں اور اس کے باپ شاہ زر کی بھی یہی کوشش تھی کہ بچوں کی وجہ سے سوہا کی تعلیم نہ چھوٹ جائے۔ اس نے اسکول سے چھٹیاں لے لیں۔ سوہا نے محلے کے سارے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا۔ وہ تعلیم کے ساتھ چھوٹے بہن بھائیوں کا خصوصی خیال رکھنے لگی۔ شاہ زر انتہائی غریب تھے۔ بس دو وقت کا گزارہ ہو رہا تھا۔ اس لیے کہ سفید پوشی کا بھرم تھا۔ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ سب اس میں خوش تھے۔ اللہ نے رزق دینے کا وعدہ تو کیا ہے، مگر خواہشات پوری کرنے کے لیے سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔

سوہا اب جرنلزم ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ جبکہ روبا میٹرک کر رہی تھی۔ وہ اپنا ماسٹر کمپلیٹ کرنے کے بعد الیکٹرانک میڈیا میں جانا چاہ رہی تھی۔ اس کا باپ شاہ زر معمولی سا سرکاری فارم ہاؤس میں ملازم تھا، وہ دو بجے تک گھر آجاتا تھا۔ اس نے زوبا کی پرورش ماں باپ بن کر کی تھی۔ وہ شام کو ایک دوسری جگہ بھی پرائیویٹ کام کرتے تھے۔ اور پھر رات دس بجے تک گھر آجاتے تھے۔ وہ اپنے گھر کے اخراجات پرائیویٹ سیلری سے پورے کر رہے تھے۔ وہ اپنی گورنمنٹ سیلری بینک اکاؤنٹ میں محفوظ کر رہے تھے۔ کیونکہ اس کو پتہ تھا کہ اس کی تین بیٹیاں بھی ہیں، جو عنقریب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی ہیں۔ زندگی بس گزر رہی تھی۔ جیسے دوسرے لوگوں کی گزرتی ہے۔

سوہا کا خواب تھا، اسی یونی میں پڑھنے کا، وہ خواب اب پورا ہو گیا تھا۔ جرنلزم ڈیپارٹمنٹ میں امیر لڑکیوں کی بہتات تھیں، مگر سوہا نے کبھی بھی خود کو ان سے کمپیئر نہیں کیا۔ کیونکہ اگر آپ دوسروں سے خود کو کمپیئر کرو گے تو آپ میں احساس کمتری جنم لے لے گی۔ اور تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مگر احساس کمتری ڈپریشن کا مرض بن جاتی ہے۔ اور ڈپریشن بہت خطرناک ہوتا ہے۔ وہ لڑکیاں سوہا کو اتنا پسند بھی نہیں کرتی تھیں، کیونکہ وہ لڑکیاں، روز پورا بیوٹی پارلر لٹا کر آجاتی تھیں، پھر بھی سوہا کے سادہ حسن کا مقابلہ نہ کر پاتیں، سوہا نے اپنی قابلیت سے بھی پروفیسرز کے دل میں خاص جگہ بنالی تھی۔ وہ ٹیلنٹ سے بھرپور تھی اور جہاں کسی میں ٹیلنٹ ہوتا ہے، وہاں دوسرے بلا وجہ کیوں جل بھن کر کباب بن جاتے ہیں۔ ایسا معاملہ دوسری امیر کبیر مما، ڈیڈیز لڑکیوں کا بھی تھا، وہ لڑکیاں ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑکوں کے پیچھے پھرا کرتی، مگر وہ سارے لڑکے سوہا سے متاثر نظر آتے تھے۔ یہاں بھی وہ سوہا سے مات کھا جاتی تھی۔ اس لیے ان لڑکیوں کی اس سے کبھی نہ بن سکی۔ سوہا کو بھی کچھ شوق نہ تھا، کہ وہ ان جیسی خود سر لڑکیوں سے دوستی کرے، اور ان کی منت سماجت کرے۔ وہ لڑکوں کو بھی اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی اور نہ کسی سے اپنا فیملی بیک گراؤنڈ کبھی ڈسکس کیا تھا۔ لڑکے، لڑکیاں روز نئی پارٹیاں کرتے تھے۔ مگر کبھی بھی سوہا ان

میں نہیں گئی۔ وہ اس چیز سے دور رہتی تھی۔ مگر پھر ایک دن وہ زین سے ملی، زین کی شخصیت نے اس پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ وہ اس سے مل کر خوش ہوئی تھی۔ اس کو لگا کہ اس کے دل نے کوئی دھڑکن سی مس کردی ہے۔ اس نے خود سے عہد کر رکھا تھا کہ کبھی محبت میں نہیں پڑے گی۔ اور نہ محبت میں اپنا وقت ضائع کرے گی۔ مگر زین کے معاملے میں وہ بے بس ہوگئی، اس نے اپنا عہد توڑ دیا۔ وہ اس سے ملنے لگی۔ اس کی دوست بن گئی۔ وہ بھی اس سے پہلی نظر والی محبت کرنے لگ گئی تھی۔ زین کو اس کا گانا اس کی لکھی شاعری اتنی پسند آگئی تھی، کہ وہ جب بھی اس سے ملتا وہ اسی کے بارے میں بات کرتا، سوہا ہمیشہ اس کے منہ سے منتظر رہتی کہ کب وہ اپنی دل کی بات بتائے گا، مگر زین نے ہمیشہ اس کو ایک اچھے دوست کی طرح ٹریٹ کیا، مگر جو کچھ سوہا اس کی آنکھوں میں دیکھتی تھی، وہ پیار کا پیغام اس کو الجھن میں ڈال دیتا تھا، وہ کبھی نہیں سمجھ سکی، کہ زین اصل میں چاہتا کیا ہے۔ وہ خود کو لاکھ بہلاوے دیتی، مگر کبھی بھی زین کے منہ سے ایسا کچھ نہ سن پائی۔ وہ ایک خوبصورت سا دن تھا، جب وہ اور زین یونی گراؤنڈ میں بیٹھے ہوئے تھے اور زین اس کی آواز کی تعریف کر رہا تھا۔

''سوہا.....!! تم نے اتنا اچھا گانا کس سے سیکھا ہے''؟ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کا پیغام نظر آرہا تھا۔

''زین.....!! یہ گاڈ گفٹ ہے، میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں، کہ لوگ کتنی محنت کرتے ہیں۔ مگر مجھ میں یہ ٹیلنٹ موجود ہے۔ یہ قدرتی صلاحیت ہے''۔ وہ آخر میں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

پھر بھی آپ نے اتنی اچھی گائیکی کی ہے کہ پڑوسی ملک کی نہا کاکڑ تو آپ کے سامنے پتے پانی بھرتی ہوئی نظر آئے''۔ زین نے ایک ابرو اٹھا کر مزے سے کہا۔

''کیا؟ کون؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ میں کسی نہا کو نہیں جانتی۔ اور نہ اس کا کوئی گانا سنا ہے''۔ سوہا نے زین کی طرف دیکھا۔

''ارے.....!! تم نہا کاکڑ کو نہیں جانتی، اس دور کی سب سے زیادہ ہٹ سنگر ہے۔ اس کی گانوں کی پاکستانی قوم دیوانی بنی ہوئی ہے''۔ زین نے اسے بتانا شروع کردیا۔

''سچی.....!! میں کسی نہا کو نہیں جانتی، میں آج کل گانے سنتی ہی نہیں ہوں۔ سچ بتاؤں، میں بالکل بھی کسی سنگر کو نہیں جانتی''۔ اس نے مزے سے بتایا۔

''کیا؟ تم مذاق کر رہی ہو''۔ زین کو حیرت ہوئی۔

''میں کیوں مذاق کروں گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ویسے آپ کی۔ کچھ زیادہ ہی فیوریٹ سنگر ہے۔ اس لیے آپ کو برا لگ رہا ہے''۔ سوہا نے آخر میں شرارت سے کہا۔

''نہیں، میری فیوریٹ تو نہیں ہے، مگر جہاں بھی جاؤں، اسی سنگر کے گانے بجنے لگتے ہیں۔ کیا تم نے یہ گانا سنا ہے''۔

''ملے ہو تم ہم کو بڑے نصیبوں سے''

''چرایا ہے تم کو قسمت کی لکیروں سے'' زین نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''نہیں.....!! بالکل بھی نہیں سنا، میں سنوں گی۔ تمہارا من پسند گانا ہے''۔ سوہا نے کتابیں سمیٹنا شروع کردیں۔

''اچھا، ابھی سن لو، تو میں ابھی موبائل سے پلے کردیتا ہوں''۔ زین نے جیب سے موبائل نکالا، اور نہا کاکڑ کا گایا ہوا گانا پلے کردیا: ''ملے ہو تم ہم کو بڑے نصیبوں سے۔ چرایا ہے تم کو قسمت کی لکیروں سے'' سوہا بہت غور سے سن رہی تھی۔ گانا سننے کے بعد سوہا نے کہا: ''واؤ اٹس ونڈرفل.....!! بہت اچھا گانا ہے۔ واقعی سنگر نے جادو سا کردیا ہے''۔ سوہا نے دل سے تعریف کی۔

''سوہا تمہارا ڈمپل، فلم اسٹار پریٹی زنٹا سے زیادہ گہرا اور خوبصورت ہے۔ تمہارے گال اس سے مزید خوبصورت لگتے ہیں''۔ سوہا اس کو حیرت سے دیکھنے لگی، کیونکہ وہ اس کی تعریف کر رہا تھا۔ مگر بیچ میں یہ فلمز اسٹارز کی بات لا رہا تھا۔ تو اسے عجیب لگ رہا تھا۔

''زین میں اس کو بھی نہیں جانتی، پتہ نہیں یہ کون ہے، تم کیوں مجھے انگریزوں سے ملا رہے ہو''۔ سوہا نے ساری کتابیں سمیٹ دی تھیں۔

''کیا تم اس کو بھی نہیں جانتی، یہ انگریز نہیں ہے، انڈیا کی بہت بڑی فلم اسٹار ہے، اس کے گال میں بھی ڈمپل پڑتا ہے۔ اور یہ ڈمپل گرل سے مشہور تھی، اس کو یونانی قدیم حسین عورت کا خطاب ملا تھا''۔ زین نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے کہا۔

''زین.....!! میں انڈیا جیسے دوغلے ملک کی فلمیں، اور گانے نہیں دیکھتی، اور اہم بات یہ ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔ ان سب خرافات کے لیے میرے پاس کوئی ٹائم نہیں ہے۔ وہ گانا جو میں نے پارٹی میں گایا تھا۔ میم کی وجہ سے گایا تھا۔ اس نے مجھے گنگناتے ہوئے سن لیا تھا۔ اس لیے ان کو میں ناراض نہیں کرسکتی تھی''۔ سوہا نے اس کو دیکھا۔ اب وہ سنجیدہ سی تھی۔ اس کے چہرے کا ڈمپل غائب تھا۔ زین اس سے ہمیشہ متاثر ہوا تھا۔ وہ جب بھی اس سے ملا تھا۔ اس نے اپنی بات چیت سے اس کو اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ زین کے اصرار پر ہی وہ دونوں اب کینٹین جارہے تھے۔ اب وہ ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ کینٹین میں سوہا کو وہ لڑکے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے، جو اس سے فرینڈ شپ کے خواہش مند تھے، اور زین کو وہ لڑکیاں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھیں، جو اس پر مرتی تھیں۔ مگر زین اور سوہا ان سب سے بے پرواہ اپنے لنچ میں بزی تھے۔

☆.....☆.....☆

ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ دونوں پہلے سے بھی قریب آئے تھے۔ زین نے اپنی ہر بات اس سے شیئر کر دی تھی، مگر سوہا تو جیسے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے اس نے کبھی بھی زین سے کوئی گھریلو مسئلہ شیئر نہیں کیا۔ دونوں نے اگر کوئی بات ایک دوسرے سے نہیں کی تھی، تو وہ صرف اظہار محبت تھا۔ وہ دونوں ابھی اسٹوڈنٹس تھے، پڑھ رہے تھے۔ اس لیے ابھی انتظار کر رہے تھے۔ زین پہلے اسٹڈی کمپلیٹ کرنا چاہتا تھا، پھر سوہا کو اپنانا چاہتا تھا۔ مگر دونوں کو دل ہی دل میں پتہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ سوہا کو پتہ چل چکا تھا کہ زین اس سے شدید محبت کرتا ہے، مگر وہ جان کر بھی انجان بنی رہی، اس نے بھی سب کچھ جیسے وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ زین محبت کرنے کے باوجود یہ جان پایا تھا کہ سوہا جان چکی ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اسی کو اپناؤں گا، مگر زین نے کچھ تردید نہیں کی۔ زین سوہا کو روز بس اسٹاپ سے پک اینڈ ڈراپ کرتا، کئی بار زین نے کوشش کی، کہ وہ اسے گھر چھوڑیں۔ مگر سوہا نے کبھی اس کو یہ موقع نہیں دیا۔ وہ اسی میں خوش تھی۔ زین کو اس کے غربت پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ جہاں پیار ہوتا ہے، وہاں ٹو اسٹیٹس کا فرق کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور جہاں یہ چیز دیکھی جاتی ہے۔ وہاں پیار نہیں صرف ،غرض، لالچ، دھوکہ اور مطلب ہوتا ہے۔ دو پیار کرنے والے کبھی امیری غریبی کے فرق کو نہیں مانتے، مگر ان کے آگے پیچھے جو لوگ ہوتے ہیں۔ وہ بہت اہم ہوتے ہیں۔ وہ اس فرق کو کبھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ لوگ سب سے زیادہ ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جو ان کی محبت کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اور ان کی انا اس محبت کو کھا جاتی ہے۔ زین پہلے سے زیادہ خوش باش رہنے لگا، اسے ہر چیز سے محبت ہوگئی۔ پہلے لاپرواہ سا تھا، اب تو یکسر بدل گیا۔ وہ گھر سے اکثر غیر حاضر رہنے لگا۔ جب کبھی گھر میں ہوتا تو سوہا کے خیالوں میں گم صم رہتا۔ پارٹیز میں اس نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ وہ دنیا کو بھلا بیٹھا تھا۔ وہ بے وجہ خوش، ہنسنے مسکرانے لگتا، کیونکہ کائنات کا سب سے خوبصورت جذبہ اس پر آشکار ہوا تھا۔ محبت جہاں کہیں بھی اپنا بیج بوتی ہے۔ وہاں وہ بیج بہت جلد کونپل بن ہی جاتا ہے۔ اور پھر بھینی بھینی خوشبو ہواؤں میں بکھیر جاتا ہے۔ زین کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس کی محبت کی خوشبو دوسروں تک پہنچ گئی تھی۔

وہ بہت جلد ابرار کی نظروں میں آگیا تھا۔

''زین.....!! بیٹا تو ایسا نہ تھا، کیا وجہ ہے اس کی زندگی یکسر بدل گئی ہے، کیا زین کو کسی سے محبت ہوگئی ہے۔ مجھے اس کی تبدیلی کے پیچھے محبت کا جذبہ ہی نظر آتا ہے۔ میں نے زین کو کتنا منع کیا تھا کہ سب کچھ کرنا، مگر محبت نہیں کرنا۔ کیا زین میرا حکم بھول گیا، کیا زین کو یونیورسٹی میں کسی سے محبت ہوگئی، کیوں کیا وہ کسی کی زلفوں کا اسیر بن گیا، کیا وہ میری ہر نصیحت بھلا بیٹھا، میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔ جس جگہ تم جارہے ہو۔ وہ پڑھنے کی جگہ ہے، محبت، عشق اور دل لگانے کی جگہ نہیں ہے۔ زین میری بات کیسے بھول گیا''۔ ابرار سوچ رہا تھا، وہ انتہائی پریشان ہوگیا تھا۔ اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے۔

''مجھے اب کچھ کرنا ہوگا، اس لڑکی تک پہنچنا ہوگا، جس نے زین کے دل پر قبضہ جمایا ہوا ہے''۔ ابرار ویلنگ چیئر پر جیسے جھول رہے تھے۔ وہ اس کمرے میں بالکل تنہا تھے۔ اس کو کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ وہ زین کے اطوار نوٹ کر چکے تھے۔ زین کے سب دوستوں کو اس سے شکایتیں ہونے لگی تھیں۔ وہ پہلے جیسا وقت اب دوستوں کو کہاں دیتا تھا۔ زین تو جیسے اپنی دنیا میں مست ہوگیا تھا۔ ابرار جیسے آدمی کو بروقت پتہ چل گیا تھا۔ اس نے بہت غور کیا تھا۔ وہ آخر اس نتیجے پر پہنچ ہی گیا۔

زین پہلے یونی جاتا تھا، پھر ایک جگہ اکیڈمی تھی، وہاں سے پھر کلب، پھر دوست، پھر شام کے وقت سوئمنگ، اب یونی شوق سے جاتا تھا۔ باقی ساری مصروفیات جیسے ترک کر دی تھیں۔ وہ موبائل پر زیادہ بزی رہنے لگا۔ ہر وقت قومی زبان میں بات کرتا۔ پہلے وہ زیادہ انگریزی میں بات چیت کرتا تھا۔ اب تو جیسے وہ انگلش بھول ہی چکا تھا۔ ابرار تو اس کی طرف سے تشویش میں مبتلا ہوگئے تھے۔ اہم وجہ بھی یہی تھی کہ وہ زین پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اس مہینے تو جیسے زین کی ساری زندگی ہی تبدیل ہو چکی تھی اور ابرار کو پتہ تھا کہ تبدیلی صرف اور صرف اس کی زندگی میں محبت ہی لاسکتی ہے۔ زین کو تو کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی۔ ابرار اور زرتاشہ نے اسے بے پناہ محبت دی تھی۔ مگر اب اسے برا لگ رہا تھا کہ زین کی محبت میں بنا اجازت کے یہ کون آگئی ہے۔ جو پوری طرح سے اس پر حاوی ہوگئی ہے۔ وہ قطعاً یہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ پھر ابرار نے ایک مشکل فیصلہ کرلیا۔ اور اس لڑکی کو دیکھنا چاہا، جس نے زین کی زندگی یکسر تبدیل کردی تھی۔ ابرار نے زین کی زندگی پر اب نظر رکھنی شروع کردی۔

☆.....☆.....☆

ابرار کے آفس میں ایک آدمی کام کرتا تھا، وہ اس کا ورکر تھا۔ اس کا نام میران تھا۔ میران ابرار احمد کا پہلے سے کافی احسان مند تھا۔ وہ ابرار کے لیے جان بھی دے سکتا تھا۔ کیونکہ میران انتہائی غریب آدمی تھا اور ابرار نے اس کی کئی بار مالی امداد کی تھی۔ یہ مالی مدد ابرار نے اس کی اس لیے کی تھی کہ بدلے میں اس کو اپنے کام لایا جاسکے۔ میران نے ابرار احمد سے درخواست کی تھی، اس کا ایک لائق بیٹا تھا۔ جو گریجویٹ تھا۔ وہ آگے پڑھنا چاہتا تھا۔ مگر میران اسے پڑھا نہیں سکتا تھا۔ اس کے گھریلو اخراجات اسے پڑھانے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ اس نے ابرار احمد سے نہایت عاجزانہ درخواست کی تھی کہ اس کے بیٹے کا یونیورسٹی کا خرچہ برداشت کرلیں، اگر بعد میں ابرار احمد چاہے تو اس کی تنخواہ سے کچھ ہر ماہ کاٹ بھی سکتا ہے تو میران کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ابرار احمد نے رحم دلی دکھا کر اس کے بیٹے کی یونیورسٹی کے سارے ڈیوز کلیئر کروادیے۔ اور اس سے دوبارہ پیسے بھی نہیں مانگے۔ ابھی وہی لڑکا زین کی یونی میں پڑھ رہا تھا۔ اس لڑکے کا نام راحم تھا۔ راحم ابرار کا بے حد مشکور تھا۔ وہ فائن آرٹس کا اسٹوڈنٹس تھا۔ ابرار نے اس کے باپ میران سے کہہ کر راحم کو کل اپنے آفس میں بلوایا تھا۔ آج وہ ابرار کے آفس میں موجود تھا۔ وہ لڑکا تذبذب کا شکار تھا۔ اس کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ابرار اس سے چاہتا کیا ہے؟ ابھی تو چند مہینے پہلے اس کی تعلیم شروع ہوگئی تھی۔ وہ گھبراہٹ کے مارے صحیح طرح سے سلام تک بھی نہ کرسکا تھا۔ اکثر غربت انسان

سے اس کا اعتماد بھی چھین لیتی ہے۔ ابرار اس کو سر سے پیر تک گھورے جا رہا تھا۔

''راحم.....!! نام ہے نہ تمہارا''؟ ابرار نے دونوں آنکھیں اس پر مرکوز کر دیں۔

''ہاں''.....!! راحم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے، بولو کیا کر پاؤ گے''۔ ابرار نے معنی خیزی سے کہا۔

''ہاں.....!! آپ حکم کریں، میں آپ کے لیے جان بھی دے دوں گا''۔ اس نے ابرار کی طرف دیکھا۔

''دیکھو لڑکے، تم میں ذرا سا بھی اعتماد ہو، تو تم کام بھی کر سکو گے۔ ابھی تم اوور اسمارٹ بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں جو کام تم سے کروا رہا ہوں۔ وہ بالکل بھی مشکل نہیں ہے''۔ ابرار نے اس کی طرف دیکھا۔

''سر.....!! آپ کام بتائیں میں کر لوں گا۔ آپ جو حکم کریں گے، وہ پورا ہوگا۔ میں پوری ایمانداری سے آپ کا کام کروں گا''۔ راحم نے اپنا اعتماد بحال کر لیا تھا۔

''اس کو جانتے ہو''؟ ابرار نے راحم کی طرف زین کی تصویر بڑھائی۔

''نہیں''.....!! راحم نے کافی دیر غور سے تصویر کو دیکھا۔

یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کا نام زین ہے۔ تم جس یونی میں پڑھ رہے ہو۔ اسی میں یہ بھی پڑھتا ہے۔ یہ بزنس پڑھ رہا ہے۔ مگر مین اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر نظر رکھنا شروع کر دو۔ اس کی ایک ایک منٹ کی خبر مجھے پہنچاؤ۔ تم اس کے اوپر نظر رکھو گے، اس کو فالو کرو گے کہ یہ کیا کرتا ہے، کہاں جاتا ہے؟ کس کس سے ملتا ہے؟ کیا تم یہ کام کر سکو گے''؟ ابرار نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ لڑکا راحم کچھ گھبرا رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر سوچا پھر جواب دیا۔

''سر.....!! کام تو میں کر سکوں گا، مگر ایک مسئلہ ہے''۔

''کون سا مسئلہ''؟ ابرار نے اپنی آواز قصداً بھاری کر دی۔

''سر.....!! ازین صاحب تو آپ کا بیٹا ہے، وہ تو گاڑی میں آتا جاتا ہے۔ میں پیدل آتا ہوں۔ یونی کے اندر تو پھر بھی میں اس پر نظر رکھ سکوں گا۔ مگر جب وہ گاڑی نکال کر لے جائے گا، پھر میں اس کے پیچھے نہیں جا سکوں گا''۔ راحم نے اپنی الجھن بتائی۔

''ہوں.....!! بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، کیا تم موٹر سائیکل چلا سکتے ہو''۔ ابرار نے معنی خیزی سے اس کی طرف دیکھا۔ اب وہ آنکھیں چھوٹی کر رہا تھا۔

''جی بالکل میں موٹر سائیکل چلا سکتا ہوں، پر میرے پاس نہیں ہے''۔ راحم نے ہچکچا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں، میں تمہیں اچھی کمپنی کا بائیک دلا دوں گا، اور میں تمہارے لیے ایک اچھا سا اسمارٹ فون بھی خرید کر دے دوں گا۔ تم نے رازداری سے زین کی تصویریں اور ویڈیوز بنانی ہوں گی۔ کیا تم یہ کام کر سکو گے''۔ اس نے راحم کو دیکھا۔

''ہاں سر کر لوں گا''۔ راحم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے، مگر کسی کو بھی اس بارے میں پتہ نہیں چلنا چاہیے، کیونکہ یہ معاملہ ہمارے درمیان ہوگا۔ ورنا پھر تمہارے لیے بالکل بھی اچھا نہیں ہوگا۔ میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں، تو اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ تم مجھے کام کے لگ رہے ہو۔ ورنہ یہ کام میں کسی پروفیشنل سے بھی کروا سکتا ہوں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ میں نے سوچا کہ تم غریب ہو۔ اگر تم کر پاؤ گے۔ تمہارا بھلا ہو جائے گا۔ موبائل اور بائیک تمہاری ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ میں تمہیں معاوضہ بھی دوں گا۔ اب بولو کیا تیار ہو''۔ پہلی بار ابرار نے اس کے ساتھ تفصیلی بات کی۔

''جی سر میں تیار ہوں''۔ راحم نے خوشی سے کہا۔

''اوکے ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ اپنے سیکریٹری کو بھیج رہا ہوں، وہ تمہارے لیے نیا موبائل اور نیو ماڈل ہنڈا بائیک خرید کر دلوا دے گا''۔ ابرار نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑ کر کہا۔ راحم نے سر اثبات میں ہلایا۔ اب راحم اس کے سیکریٹری کے ساتھ بہت بڑی سی گاڑی میں جا رہا تھا۔ وہ دونوں پہلے بازار گئے۔

اسماءالحسنی کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہوجایا کرتی ہیں

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو

جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو

شوہر یا بیوی کی اصلاح

اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا

گھریلو ناچاقی

کاروباری بندش

جنات کا سایہ

دیگر مسائل

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہوگیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید عالم شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

سید عالم شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ کلام الہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش زندگی کی کوئی خواہش ہے یا کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہوگی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجئے
ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین وحضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ ہو وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علم ہی کیا جس میں عمل نہ ہو، وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو

سیّد عالم شاہ
رام تلائی چوک جی ٹی روڈ گجرات
0300-6282386

وہاں اس کے لیے بہت خوبصورت سا پیارا اچھی کوالٹی والا موبائل فون خریدا، اس کا کیمرہ کافی دور تک زوم کیا جاسکتا تھا۔ پھر وہ بائیک خریدنے چلے گئے۔ اب راحم ایک بہت خوبصورت بائیک کا مالک بن گیا تھا۔ وہ تو ابرار کے آفس بہت پریشان حال گیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کافی ڈر رہا تھا کہ کہیں ابرار احمد اس سے وہ پیسے واپس تو نہیں مانگ رہا ہے، جو اس نے اس کو اس کی تعلیم کے لیے دیئے تھے۔ مگر اب وہ بائیک پر خوش باش سا گھر کی طرف جارہا تھا۔

☆.....☆.....☆

راحم نے زین کا بلاک ڈھونڈھ لیا۔ وہ اب زین کے پیچھے آنے جانے لگا، وہ پہلی بار اس کی جاسوسی کررہا تھا، اس کو لگا کہ وہ نہیں کرسکے گا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا، مگر پھر اس نے جاسوسی ناول پڑھنے شروع کردیئے، کچھ انگلش جاسوسی موویز بھی دیکھ لیں۔ اس سے اس میں اچھی خاصی خود اعتمادی پیدا ہوگئی، جاسوسی فلمیں دیکھنے سے اس کی حس بھی تیز ہوگئی۔ وہ وقت سے پہلے یونیورسٹی پہنچ جاتا اور پارکنگ میں بیٹھ جاتا، وہ اخبار خریدتا اور زین کی گاڑی کا انتظار کرتا اخبار وقت گزاری کے لیے پڑھتا تھا۔ ابرار نے خود اس کو زین کی اچھی خاصی معلومات فراہم کردی تھی۔ وہ زین کے بارے میں اچھا خاصا جان چکا تھا۔ اس کو زین کی کار کی معلومات بھی مل چکی تھی۔ اچانک زین کی خوبصورت گاڑی یونی کے گیٹ سے انٹر ہوئی۔ راحم نے اخبار کی اوٹ میں کار کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ راحم نے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھا۔ راحم نے کیپ پہن رکھا تھا، آنکھوں پر ریبین کے کلاسز لگائے تھے۔ اس نے بڑا کالا بیگ اپنے قریب رکھا ہوا تھا۔ وہ آسانی سے پہچانا نہیں جارہا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا اور زین کی گاڑی کی طرف کردیا۔ وہ اس طرح دکھا رہا تھا، جیسے وہ موبائل پر کچھ سرچ کررہا ہو۔ یا کوئی گیم آن لائن کھیل رہا ہو۔ زین کے ساتھ گاڑی کے فرنٹ سیٹ پر سوہا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے موبائل کا کیمرہ زوم کرکے دونوں پر فوکس کردیا۔ اب گاڑی پارکنگ میں کھڑی ہوگئی، وہ دونوں کی موبائل سے شارٹ ویڈیو کلپ بنارہا تھا۔ وہ دونوں اب کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ وہ اس ڈائریکشن میں کھڑا تھا کہ کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ سوہا نے خوبصورت سفید لباس کا فراک پہنا ہوا تھا۔ وہ اس میں پری لگ رہی تھی۔ زین بھی بے حد وجیہہ تھا، دونوں کی جوڑی غضب ڈھارہی تھی۔ جب وہ دونوں پارکنگ سے نکل گئے۔ تو راحم بھی ان دونوں کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ مناسب فاصلے سے ان کا پیچھا کررہا تھا۔ وہ دونوں کلاسز کے بجائے کینٹین کی طرف چلے گئے۔ راحم بھی ان کے قریب ایک ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ وہ اب ان کی تصویریں بنارہا تھا۔ اس کے پاس دونوں کی اچھی خاصی ویڈیو بن چکی تھیں۔ جس میں گاڑی سے لے کر پارکنگ آنے کی فوٹیج تھی۔ ان دونوں کو ذرا بھی شک نہیں گزرا کہ کوئی تیسرا ان کی حرکات کو قید کررہا ہے۔ وہ دونوں اب اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ چلے گئے۔ راحم اپنی جگہ بیٹھا اب وہ کچھ نہیں کررہا تھا۔

اگلے دن راحم نے سوہا کی فوٹیج بنوانی تھی، وہ دونوں پر برابر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ سوہا آج بھی زین کے ساتھ آئی تھی، آج وہ دونوں وائیٹ کلر کی کار میں آئے تھے۔ راحم نے آسانی سے یہ مرحلہ بھی سر کرلیا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں الگ ہوئے، راحم نے سوہا پر نظر رکھنی شروع کردی۔ وہ کافی فاصلے سے اس کے پیچھے پھر رہا تھا۔ سوہا زین کے علاوہ کسی سے بھی نہیں ملی۔ اس نے سوہا کی دن بھر کی ساری معمولات اچھی طرح سمجھ لی تھی۔ اس کے بعد چھٹی کے بعد اس نے زین اور سوہا کا پیچھا بھی کیا۔ جب سوہا اس کی گاڑی سے اتری، تو اس نے اس ویگن کا بھی پیچھا کیا۔ اور وہ سوہا کے گھر تک پہنچ گیا۔ اس کا گھر اچھا خاصا دور تھا۔ وہ کئی دنوں تک سوہا کی معمولات پر نظر رکھتا رہا، اس کو سوہا کبھی کسی دوسرے لڑکے سے ملتی دکھائی نہیں دی۔ راحم سمجھ گیا کہ زین اور سوہا ایک دوسرے میں انوالڈ ہے۔ اس کا موبائل ان دونوں کی تصویروں اور ویڈیوز سے بھر چکا تھا۔ راحم اب

بھی ان پر نظر رکھ رہا تھا، کیونکہ اسے مزید ثبوت اکٹھے کرنے تھے۔ راحم نے جب سے ان دونوں پر نظر رکھنی شروع کردی تھی، وہ اپنی ایک بھی کلاس اٹینڈ نہیں کرسکا تھا، مگر اس کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ بھی ذہین تھا، اور بعد میں پڑھ سکتا تھا۔ یا پھر کسی سے بھی نوٹس مانگ کر اپنا کام نکال سکتا تھا۔ وہ سارا دن یا تو سوہا کا انتظار کرتا رہتا یا پھر زین کے انتظار مین ہلکان ہوتا رہتا۔ اس کا یہی معمول بن چکا تھا۔

سوہا جیسے ہی اپنی کلاس سے فری ہو جاتی، وہ سیدھا زین کے ڈیپارٹمنٹ کے باہر پہنچ جاتی اور زین کا انتظار کرتی رہتی، راحم نے اس کے کئی انتظار کرنے والے موومنٹس بھی مہارت سے اپنے موبائل میں قید کر لیے تھے۔ راحم کے پاس ان دونوں کا اچھا خاصا مواد اکٹھا ہو چکا تھا۔ آج چھٹی کے بعد زین سوہا کو ریسٹورنٹ لے گیا، راحم بھی ہیلمٹ پہن کر ان کے پیچھے چلا آیا۔ سوہا اور زین ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ راحم ان سے کافی فاصلے پر ایک سائیڈ والے ٹیبل پر بیٹھا ہوا ان پر نظر رکھ رہا تھا۔ اس نے آج سوہا کے گھر تک پیچھا کرنا تھا۔ اور اس کے گھر والوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھی۔ اسے شروع میں یہ سب کرتے ہوئے کافی ڈر لگا تھا۔ مگر اب اسے اس سب میں بہت مزہ آرہا تھا۔ کافی دور بیٹھنے کے باوجود راحم اپنے موبائل کے کیمرے کو زوم کر کے ان کی فوٹیج بنوا رہا تھا۔ جب وہ دونوں ریسٹورنٹ سے نکلے، تو راحم بھی اٹھ کر ان کے ساتھ ہی نکل گیا۔ اس نے ان کی گاڑی کا پیچھا شروع کر دیا۔ سوہا مخصوص اسٹاپ پر اتر گئی، زین اسے آج گھر تک پہنچانا چاہتا تھا۔ مگر سوہا کسی کو بھی باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ یہ ایک مصروف چوک تھا۔ یہاں کوئی سوہا کا جاننے والا نہیں تھا۔ اس لیے وہ مطمئن تھی۔ اس نے رکشہ پکڑا، اور گھر کی طرف جانے لگی۔ راحم ان کے پیچھے جا رہا تھا۔ اس نے پہلے ہی سے سوہا کا گھر معلوم کر لیا تھا۔ وہ اس کی گلی تک آگیا۔ سوہا رکشے سے جیسے ہی اتری، راحم نے اس کی فوٹیج بنانی شروع کر دی۔ جیسے ہی گھر کے دروازے سے سوہا اندر ہوئی، راحم نے ویڈیو محفوظ کر لی۔

☆.....☆.....☆

وہ سوہا کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر کے بعد سوہا کے بھائی آشان نے دروازہ کھول لیا۔ وہ اسے دیکھ کر حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ راحم نے اسے بتایا کہ وہ سرکاری گزٹ آفیسر ہے، اور گھر والوں کی معلومات لینا چاہ رہا ہے۔ آشان نے فرفر اسے اپنے گھر کے افراد کی معلومات فراہم کر دی۔ اس نے وہ ساری معلومات پیڈ پر لکھی۔ وہ اب وہاں سے واپس جا رہا تھا۔ راحم نے یہ مشکل معرکہ جیسے آسانی سے سر کر لیا تھا۔ حالانکہ جاسوسی کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، جہاں کسی سے معمولی سی بھول چوک ہوئی وہی ساری محنت ملیامیٹ ہو کر رہ جاتی ہے۔ قریب رہ کر دوسروں کے قیمتی لمحات قید کرنا جادو کرنے کے برابر ہے۔ مگر کچھ بہادر نڈر لوگ جاسوسی ایسے عمدہ طریقے سے کر لیتے ہیں، دوسروں کو بالکل بھی کانوں کان خبر نہیں لگتی کہ اس کا پورا بائیو ڈیٹا کسی نے حاصل کر لیا ہے۔ راحم نو وارد تھا، اناڑی تھا، مگر اس نے اپنا کام بے حد اچھے طریقے سے کر لیا تھا۔ دو ہفتوں تک اس نے زین اور سوہا کے بارے میں سب کچھ جان لیا تھا۔ اور اب وہ ابرار احمد سے ملنے جا رہا تھا۔ اس نے ابرار احمد کو کال کی، اور اس سے ملنے کی بات کی، ابرار نے اسے اپنے ساحل سمندر کے قریب بنے بنگلے میں بلوایا تھا۔ یہ بنگلہ بالکل خالی رہتا تھا۔ ابرار اور زرتاشہ کبھی کبھار یہاں تفریح کے لیے آتے تھے۔

شام کا وقت تھا، ابرار کے سامنے لان میں راحم بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس وہی کالا بیگ تھا۔ اب وہ تفصیل سے ابرار احمد کو سب کچھ ثبوتوں سمیت بتا رہا تھا۔ اس نے ابرار کو وہ سب دے دیا۔ اب وہی موبائل ابرار کے ہاتھوں میں تھا، جس میں سوہا اور زین کی بے شمار ویڈیوز کلپس اور فوٹوز تھے۔ ابرار اب وہی غور سے دیکھ رہے تھے۔ راحم اسے سوہا کی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے

میں بتا رہے تھے۔ سب کچھ سننے کے بعد ابرار نے موبائل سے سم نکال کر راحم کی طرف بڑھادی، اب وہ موبائل راحم کو نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ اگر سب کچھ ڈیلیٹ کرنے کے باوجود راحم سارا ڈیٹا، ڈیٹا ریکور سے ریکور کر سکتا تھا۔ اور ابرار کوئی بھی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔

''راحم.....!! گڈ بھئی واقعی تم نے کمال کر دیا ہے، ویلڈن! آئی ایم امپریسڈ.....!! اب میں تمہیں اس موبائل کی جگہ دوسرا موبائل دے دوں گا''۔ ابرار نے موبائل اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ دیا۔ راحم کو اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں تھا۔

''تھینکس سر.....!! آپ میرے کام سے خوش ہو گئے ہیں۔ یہی میرے لیے کافی ہے''۔ راحم مسکرایا۔

''راحم.....!! یہ لو انعام! یہ وہ معاوضہ ہے، جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ یہ تمہاری محنت کا صلہ ہے''۔ ابرار نے خاکی رنگ کا لفافہ راحم کی طرف بڑھایا۔ راحم نے وہ فوراً لے لیا۔

''سر.....!! یہ چھوٹی سی نوٹ بک ہے، اس میں سوہا کے گھر کا ایڈریس موجود ہے۔ میں نے سوہا اور اس کے گھر والوں کا مکمل بائیو ڈیٹا اس میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ سوہا کی ڈیلی روٹین کی معمولات بھی اس میں درج ہے۔ اور جو کچھ گفتگو زین اور سوہا کے درمیان ہوئی ہے۔ وہ بھی اپنی طرف سے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہاں کہاں ملتے ہیں، کون سی جگہوں پر جاتے ہیں''۔ راحم نے مزے سے ابرار کو بتایا۔ ابرار نے وہ نوٹ بک فوراً لے لی۔

''تھینکس.....!! تم کل آفس آجانا، میرا سیکریٹری تمہیں نیا موبائل خرید کر دے گا''۔ ابرار نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑیں۔

''نہیں سر.....!! اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ راحم نے رسمی سا کہا۔

''او کے ٹھیک ہے۔ راحم آج سے ہم ایک دوسرے کو بالکل بھی نہیں جانتے اور ہاں اس بارے میں کسی سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ پھر تمہارے حق میں بالکل بھی اچھا نہیں ہوگا۔ تم بس یہ چند دن بالکل بھلا دو''۔ ابرار نے آخر میں الفاظ بہت سختی سے ادا کیے۔

''جی سر.....!! مجھے بالکل بھی یاد نہیں ہے۔ آپ اطمینان رکھیے گا۔ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ بلکہ میں تو آپ کو جانتا تک نہیں ہوں، اتفاق سے پانی مانگنے کے لیے آ گیا تھا''۔ راحم نے کہا۔ اس نے جاسوسی ناول میں یہ سب پڑھا تھا کہ کام کرنے والے کو آخر میں انجان بننا پڑتا ہے۔

''ڈیٹس گڈ.....!! اب تم جا سکتے ہو''۔ ابرار نے اٹھتے ہوئے کہا۔ راحم وہاں سے اٹھ کر نکل گیا۔ راحم کے جانے کے بعد ابرار احمد نے وہ ویڈیوز کلپس دیکھنے شروع کر دیے۔ وہ جوں جوں ویڈیوز دیکھ رہا تھا، اس کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ کیونکہ اس کو سوہا اگرچہ پسند آ گئی تھی، مگر اس کا اسٹیٹس ہرگز ایسا نہیں تھا کہ اس پر فخر کیا جا سکتا۔ وہ شہر کی تنگ و تاریک گلی میں ایک چھوٹے سے ڈربے نما مکان کے اندر رہتی تھی۔ جس گلی میں ابرار کی لمبی گاڑی تک اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس گھر سے تو ان کے نوکروں کا گھر بڑا اور اچھا تھا۔

''یہ فقیرنی میرے محل کا خواب دیکھ رہی ہے، صورت شہزادی جیسی ہونے سے کوئی شہزادی نہیں بن جاتی''۔ ابرار نے سوہا کے خوبرو چہرے کو دیکھ کر کہا۔

''اس لڑکی کو زین کی زندگی سے غائب کرنا پڑے گا، کیونکہ اگر یہ وقت سے پہلے غائب نہ ہوئی، تو زین اس فقیرنی کے لیے کوئی بھی اسٹینڈ لینے کو تیار ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ میرا بیٹا اس کی چاہت میں میرے خلاف اٹھ کر باغی بن جائے۔ اس لیے اب ایسا کھیل کھیلنا ہوگا، کہ سانپ بھی مر جائے، اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ میں اس کو ایسا گم کر دوں گا کہ زین اس کے دھول کو بھی نہ پا سکے گا''۔ ابرار کی آنکھوں سے جیسے آگ کے شرارے نکل رہے تھے۔ اس کے سر پر جیسے شیطان سوار ہو گیا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ سوہا کو غائب کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر شیطانی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ

کچھ دیر سوچنے کے بعد مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ بہت دور تک سوچ چکا تھا۔ بہت دور تک جہاں کسی کی سوچ بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوہا پوری تندہی سے پڑھ رہی تھی۔ اس کا ایگزیم قریب تھا، اس کی زندگی میں زین بھی موجود تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو دوست ہی سمجھتے تھے۔ مگر دوستی کے باوجود ایک دوسرے سے شدید محبت بھی کرتے تھے۔ مگر فی الحال ایک دوسرے سے اظہار محبت نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ کیونکہ دونوں اپنی اسٹڈی میں بزی تھے۔ سوہا گراؤنڈ میں جا رہی تھی، پیچھے سے زین نے ہاؤ کی آواز سے ایک دم اسے ڈرا دیا۔ اس کے ہاتھوں میں موجود فائل نیچے گر گئی۔ اس کے سارے اہم کاغذات ادھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ دونوں ایک ساتھ جھک کر کاغذات اٹھانے کے لیے جھک گئے۔ سوہا نے زین کو دیکھا، زین اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سوہا جلدی جلدی اپنے کاغذات اٹھانے لگی۔

''زین.....!! کیا اسٹڈی مکمل کرنے کے بعد مجھے جاب مل جائے گی''۔ سوہا نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم اسٹڈی کے بعد جاب کرنا چاہتی ہو''؟ زین کی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔

''ہاں.....!! میں جرنلزم فیلڈ میں کسی اچھی پوسٹ پر کام کرنا چاہتی ہوں، جہاں فیم بھی اچھا خاصا ہے اور پیسہ بھی، میرا ایک دوسرا خیال بھی ہے، میں چاہتی ہوں جاب کے علاوہ میں پلے بیک سنگنگ بھی کروں''۔ اس نے زین کو دیکھا۔ زین کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ دوسرا جا رہا تھا۔ اس کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، آج سوہا کو وہ کیا جواب دے، وہ تو اس سے محبت کرتا تھا، وہ اسے جاب کرنے نہیں دینا چاہ رہا تھا۔ زین ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ خود سیٹل ہو کے سوہا کا ہاتھ مانگ لینا چاہ رہا تھا، اس کی بس یہی خواہش تھی۔

''سوہا.....!! تم نوکری کیوں کرنا چاہ رہی ہو''؟ زین نے الٹا اس سے سوال کیا۔ سوہا کو اپنی فیملی کا احساس تھا، اپنی کم مائیگی، غربت، افلاس میں اس نے جو زندگی گزاری تھی۔ وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ ان کے لیے کچھ تو آسانی پیدا کرنا چاہ رہی تھی۔

''نوکری لوگ کیوں کرتے ہیں؟ اتنی اچھی تعلیم حاصل کی ہے، اسے کچھ تو اپنے ملک، اپنے فائدے کے کام میں لے آؤں''۔ سوہا نے آخر میں ہنس کر اسے دیکھا اس کے ڈمپل میں زین کا دل ابھر کر نکلا۔

''پھر ٹھیک ہے۔ اپنا یہ شوق بھی پورا کر لینا۔ اگر کوئی دوسرا مسئلہ ہو تو سوہا تم مجھے بتاؤ، میں حل کر دوں گا۔ کوئی فائی نینشل پرابلم ہو تو بتا دو۔ میں دل سے کہہ رہا ہوں''۔ زین نے ہنس کر کہا۔

''زین ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے شوق کی وجہ سے جاب کرنا چاہ رہی ہوں''۔ اس نے دوسری طرف دیکھ کر بتایا۔

''اچھا پھر ٹھیک ہے اور تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے''؟ زین نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔

''میری اسٹڈی بالکل اے ون جا رہی ہے۔ تم دیکھنا پورے ڈیپارٹمنٹ میں ہی فرسٹ آؤں گی۔ پورے ڈیپارٹمنٹ میں میرا نام سب سے اوپر ہو گا''۔ سوہا آج کچھ زیادہ ہی خوش لگ رہی تھی۔

''ہاں واقعی تم بہت ذہین ہو، یہ بات مجھے پہلے سے ہی معلوم ہے۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ۔ تم سنگر کیوں بننا چاہتی ہو''؟ زین نے دونوں آنکھیں اچھی خاصی چھوٹی کر دیں۔

''میری آواز اچھی ہے۔ میری آواز چھا جانے کی طاقت رکھتی ہے۔ سب ایسا ہی کہتے ہیں۔ ویسے تمہیں ایک بات بتاؤں''؟ اس نے معنی خیزی سے زین کی طرف دیکھا۔

''ہاں بتاؤ''.....!! زین کو لگا وہ شاید اس سے محبت کا اظہار کرنے والی ہے۔ وہ بہت خوش ہو رہا تھا۔

''زین.....!! تمہاری پرسنیلٹی بھی بہت غضب کی ہے، اور تمہارا چہرہ چھا جانے کی طاقت رکھتا ہے۔ تم

ایکٹر بن جانا، دیکھو چھا جاؤ گے۔ تمہیں اتنی شہرت ملے گی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اسٹڈی جیسے ہی مکمل کرلو۔ سب سے پہلے ایکٹنگ کے بارے میں کچھ سوچنا''۔ سوہا نے پتے کی بات کی، جسے سن کر زین زور، زور سے ہنسنے لگا۔

''سوہا.....!! کیا تم سنجیدہ ہو''؟ زین کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''ہاں زین میں سنجیدہ ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی سنجیدہ ہوجاؤ۔ اپنے بارے میں سوچو، میں سنگر تم ایکٹر، دیکھنا ہم دونوں کی دوستی مزید مضبوط ہوجائے گی''۔

''ابھی فی الحال تو مین نے دور، دور تک ایکٹر بننے کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہے''۔ زین نے مزے سے کہا۔

''تو اب سوچ لو ناں۔'' سوہا نے جھٹ سے جواب دے کر اسے سوچنے پر مجبور کردیا اور زین بھی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ دونوں کچھ دیر بات کرنے کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ ویسے بھی چھٹی کا وقت تھا۔ زین واقعی سوہا کی اسی بات میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں سوہا کی آواز گونج رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ابرار نے اپنا کھیل شروع کردیا تھا۔ سندھ کے اندر اس کے دو بڑے واقف کار تھے۔ ایک کا نام سانول تھا، وہ اونچے قد کاٹھ کا مالک تھا، اور پکے رنگت کا کالا آدمی تھا۔ صحت مند سڈول سا بندہ تھا۔ اس کا جسم کسی دیو کی طرح تھا۔ اور دوسرا نور البشر تھا۔ اس کو سب نوری کے نام سے جانتے تھے۔ وہ غلط کاموں کا ماہر تھا۔ یہ دونوں ہر قسم کے غلط کاموں میں ملوث تھے۔ اور ہر قسم کی بدمعاشی میں مبتلا تھے۔ دونوں سندھی لب و لہجے میں اچھی خاصی اردو بول لیتے تھے۔ ابرار نے پہلے بھی ان سے اچھا خاصا کام لیا تھا۔ ابرار احمد نے ان کو فون کرکے اپنے بنگلے پر بلوایا تھا۔ یہ بنگلہ عرصے سے خالی تھا اور ابرار اسے اپنے ذاتی کاموں کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ابرار کے سامنے کھڑے تھے۔ اور بہت باادب پن کا مظاہرہ کررہے تھے۔

''سائیں.....!! کیسے یاد آوری کی''؟ نوری نے پوچھا۔

''ارے.....!! بیوقوفاں.....!! سائیں کو کوئی کام ہوگا، تبھی تو ہمیں یاد کیا ہے''۔ سانول نے اسے ٹوکا۔

''جی بالکل.....!! مجھے تم دونوں سے نہایت اہم کام درپیش ہے''۔ ابرار نے گلہ کھنکھارا۔

''جی سائیں حکم''.....!! وہ دونوں بیک زبان ہوکر بولے۔ ابرار نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو اپنے سامنے بٹھادیا۔ اب وہ ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابرار دونوں کو کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔

''مجھے تم سے ایک لڑکی کو اغوا کروانا ہے''۔ ابرار کی بات سن کر دونوں خباثت سے مسکرائے۔

''صرف ایک لڑکی کا معاملہ نہیں ہے، اس کے پورے خاندان کو ایک نئی جگہ منتقل کرنا ہے۔ لڑکی جس گھر میں رہتی ہے، وہ اس کا ذاتی گھر ہے۔ ان کو اتنا مجبور کردینا ہے کہ وہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں۔'' ابرار نے دونوں کی طرف دیکھا۔

''ہم کام کردیں گے، آپ بے فکر رہیں''۔ سانول نے کہا۔

''کام اتنا آسان نہیں ہے، کیونکہ جس لڑکی اور اس کے خاندان کو شہر بدر کرنا ہے، وہ لڑکی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔ سب سے پہلے تو اس کا یونیورسٹی جانا بند کرنا ہوگا۔ آج کے بعد وہ یونیورسٹی نہ جاپائے۔ اور یہ کام تم دونوں کا ہے کہ کیسے اس کے گھر والوں کو شہر بدر کروگے''۔ ابرار نے دونوں کی طرف دیکھا۔

''سائیں...!! کام بہت بڑا ہے، مگر چنداں مشکل نہیں ہے۔ ہوجائے گا۔ لڑکی اور اس کے گھر والوں کی معلومات دے دیں''۔ سانول نے کہا۔

''لڑکی کا نام سوہا ہے۔ اس کا باپ معمولی سا سرکاری ملازم ہے۔ اس کی دو بہنیں اور دو چھوٹے بھائی

ہیں۔ گھر خالی کروا کر ان لوگوں کو کسی دور دراز کے گاؤں منتقل کر دینا ہے۔ اس سب میں کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ لڑکی اگر کسی طریقے سے زندہ ہونے کے باوجود بھی مُردوں میں شامل ہو جائے۔ تو کیا ہی اچھا ہوگا''۔ ابرار نے دونوں آنکھیں باہر نکال کر کہا۔

''سائیں.....!! لڑکی کی عزت اگر داغدار ہو جائے، وہ خود بخود ہی زندہ ہو کر مُردہ ہو جاتی ہے''۔ نوری نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔

''نہیں اس کی عزت پر آنچ نہیں آنی چاہیے۔ اس کو کومے میں پہنچانا ہے''۔ ابرار نے دونوں کو معنی خیزی سے دیکھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، وہ ابرار کی بات صحیح سے سمجھ نہ پائے تھے۔

''کومے میں .....!!'' ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''ہاں کومے میں، جو زندہ ہو کر بالکل مُردہ ہوتا ہے، وہ کومہ ہوتا ہے۔ تم دونوں نے لڑکی کو اغوا نہیں کروانا اسے کومے میں پہنچانا ہے''۔ ابرار نے کھل کر بات کی۔

''سائیں.....!! ہم سمجھ گئے ہیں۔ سب کچھ ہو جائے گا''۔

''مجھے بھی تم سے یہی امید تھی، تم دونوں مجھے انکار نہیں کرو گے۔ اس کام میں جتنا بھی پیسہ لگتا ہے میں دوں گا''۔

''جی سائیں آج سے ہم کام شروع کر رہے ہیں۔ بہت جلد آپ کو نتیجہ مل جائے گا''۔ نوری نے سانول کی طرف دیکھ کر کہا۔ سانول نے اس کے ساتھ اتفاق میں سر ہلایا۔ ابرار نے پرسکون سی سانس خارج کی۔ ابرار نے اپنی کوٹ کی جیب سے خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر سانول کی طرف بڑھا دیا۔ جسے ان دونوں نے قبول کر لیا۔ یہ خاکی رنگ کا لفافہ پیسوں سے بھرا ہوا تھا اور جانے سے پہلے ابرار نے ایک سفید رنگ کی فائل ان کی طرف بڑھائی۔ یہ فائل سوہا کے بارے میں تھی۔ وہ دونوں اب بنگلے سے باہر جا رہے تھے۔ ابرار نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سستی سی نکالی۔

☆.....☆.....☆

ابرار یہ سب کچھ اس لیے کروا رہا تھا۔ کیونکہ وہ ایک بااثر شخص تھا، بڑے لوگ ہمیشہ چھوٹے لوگوں کو کھا جاتے ہیں، جیسے عموماً بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو نگل لیتی ہیں۔ ابرار ایک بہت امیر ترین انسان تھا، اسے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ مگر وہ زین کی شادی کسی شہری خوبصورت لڑکی سے ہرگز کرانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے اس سب کے باوجود اس سے زیادہ کی ہوس تھی۔ وہ زین کی شادی اپنے مالی فائدے کے لیے صورت مین کیش کروانا چاہ رہا تھا۔ اس کی نظر ملک کی نامی گرامی سیاست پر اٹکی ہوئی تھی۔ ملک کے بہت بڑے سیاسی لیڈر کی اکلوتی بیٹی پر ابرار کی نظریں تھیں۔ وہ بھی اب بزنس کے علاوہ سیاست کا گندا کھیل کھیل کر اربوں کمانا چاہتا تھا۔ سیاست میں آنے سے پہلے ہی اس نے کسی ماہر شاطر سیاست دان کی طرح بساط بچھا دیا تھا۔ اب اسے کھیلنا تھا۔ اس نے مہارت سے سوہا کی زندگی میں جیسے سیاسی داؤ پیچ شروع کر دیے تھے۔ وہ بزنس میں ماہر تھا۔ اوچ نیچ سمجھ سکتا تھا۔ اپنے نفع نقصان میں جمع تفریق آسانی سے کر سکتا تھا۔ اسے زین کی سوہا سے شادی کر کے نقصان نہیں کرنا تھا۔ ماہ نور جبین وہ لڑکی تھی، جو ابرار کو سیاست کے سیٹ پر پہنچا سکتی تھی۔

اس کا دوست تھا جو ملک کا کامیاب سیاستدان تھا، اس کی اکلوتی بیٹی تھی۔ دولت، جاگیر، رتبے، نام، نسب کی مالک تھی۔ کبھی اس ملک، کبھی اُس ملک، اس کے دورے ہوتے۔ حسین و جمیل، جیسے موم کی گڑیا ہو۔ مگر اس کے بے شمار بوائے فرینڈز تھے۔ کبھی کسی کے ساتھ کبھی کسی کے ساتھ، وہ جیسے لباس کی طرح بوائے فرینڈ تبدیل کرتی رہی تھی۔ مگر شادی تو اسے کسی بڑے گھرانے میں کرنی تھی۔ ماہ نور جبین زین کو دل سے پسند کرتی تھی۔ اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ مگر وہ چاہتی تھی، اگر زین نہ صحیح تو زین جیسا ہی کوئی دوسرا صحیح۔ یا پھر اس سے بھی بہتر کا ارادہ رکھتی تھی۔ وہ بہت بے

باک لڑکی تھی۔

ماہ نور جبین، ہر وقت نک، سک سی تیار رہتی، وہ کسی باربی ڈول سے کم نہ تھی۔ مگر زین کو باربی ڈول جیسی لڑکیاں قطعاً پسند نہ تھیں۔ وہ اسے پلاسٹک کی لڑکی سمجھتا تھا۔ زین کی ماں زرتاشہ ماہ نور جبین کو پسند بھی بہت کرتی تھی۔ وہ جس سرکل میں موو کرتی تھی۔ ماہ نور جبین وہاں کے لیے پرفیکٹ میچ تھی۔ اس کا بھی کوئی غربت میں پلی، بھوک زدہ، افلاس کی ماری حسینہ کو بہو بنانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ زرتاشہ اور ابرار کا مشترکہ فیصلہ تھا، وہ ماہ نور جبین کو بہو بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ زرتاشہ نے ابرار کا فیصلہ دل پر نقش کرلیا تھا۔ مگر وہ کہتے ہیں ناں.....!! کہ بساط دل بھی عجیب شے ہے۔ زین کا دل تو سوہا کے پاس تھا۔ وہ کیسے ماہ نور جبین کا ہوسکتا تھا۔ سو پہلے وہ زرتاشہ کو ٹالتا رہا، مگر جب وہ زیادہ اس کے پیچھے پڑ گئی۔ تو اس نے زرتاشہ کو صاف ٹال دیا۔ زرتاشہ نے ابرار کو بتایا کہ زین کسی کو پسند کرتا ہے، مگر اس کا نام نہیں بتا رہا ہے۔ تب سے ابرار کی نیندیں اُڑی ہوئی تھیں، تبھی اس نے کافی سوچنے کے بعد زین کی جاسوسی کرنے کا فیصلہ شروع کردیا اور راحم کر ہائر کرلیا۔ راحم نے اپنا کام عمدہ طریقے سے کیا۔ اب ابرار سوہا کی زندگی میں زہر گھولنا چاہتا تھا۔ وہ سوہا سے زین شادی کر کے خسارہ کرنا نہیں چاہتا اور زین اگر ماہ نور جبین سے شادی کرلیتا تو ابرار کو سکون مل جاتا۔ اس کا سیاسی کیریئر بھی شروع ہوجاتا، یہاں جیسے ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی تھی۔ ابرار نے زین کی زندگی سے بالکل اسی طرح سوہا کو نکالنا چاہا۔ جیسے زین نے بلا اجازت سوہا کو اپنی زندگی میں شامل کیا تھا۔ اس کام کے لیے اس نے دو مجرم بندے ہائر کردیے تھے۔

☆.....☆.....☆

یہ خبر شاہ زر کے لیے سوہانِ روح تھی۔ اس کے دونوں بیٹے آشان اور کاشان اغوا ہوچکے تھے۔ شاہ زر کو اغوا کاروں نے فوراً اطلاع کردی تھی۔ اغوا کاروں نے بڑی ہی بے رحمی سے بتادیا تھا کہ اگر پولیس یا میڈیا کو انوالو کرنے کی کوشش کی، تو دوبارہ بالکل بھی فون نہیں کرینگے بلکہ ان ننھے فرشتوں کی لاشیں ملیں گی۔ شاہ زر بہت ڈر گئے تھے۔ وہ کوئی بھی خطرہ اُٹھانا نہیں چاہ رہے تھے۔ باپ نے صرف سوہا کو بتایا تھا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ شاہ زر نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا تھا۔ وہ کوئی بھی رسک نہیں چاہتا تھا۔ سوہا کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کی کہ پولیس کو بتاتے ہیں۔ مگر شاہ زر انتہائی ڈر گئے تھے۔ کیونکہ اغوا کاروں نے اس کو شام کو فون کرنے کو کہا تھا اور شام میں کافی وقت تھا۔ سوہا نے سوچا بھی تھا کہ زین سے اس بارے میں بات کرنی چاہیے۔ مگر شاہ زر کے منع کرنے پر اس نے زین سے کچھ رابطہ نہ کیا۔ شاہ زر نے سوہا کو رونے سے بھی منع کردیا تھا۔ کیونکہ وہ اگر روتی رہتی، تو یقیناً پڑوسیوں کو خبر ہوجاتی۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ اگر بات گھر سے نکلتی، تو پورے شہر میں پھیل جاتی۔ اور بات اسے گھر سے باہر نکالنی نہیں تھی۔

شاہ زر، زندگی میں پہلی بار اس قدر پریشان ہو گئے تھے۔ حالانکہ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ وہ بس بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ اس نے کام سے چھٹی کرلی تھی۔ سوہا نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دی تھی کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ مگر سب ٹھیک نہیں ہونے والا تھا۔ اگلا فون شاہ زر کو تین گھنٹے بعد ملا۔ یہ تین گھنٹے اس نے جیسے کانٹوں پر کھڑے ہوکر گزارے تھے۔

''ہیلو''.....!! شاہ زر نے بے چینی سے کہا۔

''خاموش''.....!! دوسری جانب سے ڈانٹ کر کہا گیا۔

''ہاں.....!! سن رہا ہوں''۔ شاہ زر بے بسی سے بولے۔ کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں، میں تو ایک غریب بندہ ہوں''۔ شاہ زر نے خود یہ خاموشی توڑ دی۔

''چپ...!! تمہیں خاموش رہنے کو کہا گیا ہے۔ اگر دوبارہ کچھ بھی بولے تو ہم کال نہیں کرینگے۔ تم نے

ہماری بات سُنی ہے اور صرف عمل کرنا ہے۔ بولنا ہمیں ہے''۔ شاہ زر کے کانوں میں بھاری آواز سنائی دی۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

''ہم تمہارے دونوں لڑکے آزاد کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے لیے ایک شرط ہے''۔ بات قصداً ادھوری چھوڑ دی گئی۔

''کک۔۔۔ کک۔۔۔ کیسی شرط، میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں''۔ شاہ زر ہکلا گیا۔

''تم لوگ یہ شہر چھوڑ کر کسی دور دراز کے گاؤں چلے جاؤ۔ تمہارے پاس آج رات تک کا ٹائم ہے۔ سامان پیک کرنا شروع کر دو''۔ شاہ زر سمجھ ہی نہیں سکا کہ اغوا کار کیسا مطالبہ کر رہے ہیں۔

''مگر....!! میں کیسے ایک دم سے یہاں سے کہیں چلا جاؤں''؟ شاہ زر حیرت سے پوچھ بیٹھا۔

''یہ سوچنا تمہارا کام ہے، ہمارا نہیں''۔ ایک بار پھر سے اس کے کان میں آواز آئی۔

''یہاں سے میں کیسے جا سکتا ہوں؟ میرا سب کچھ یہاں ہے''۔ شاہ زر گھبرا کر وضاحت دینے لگا۔

''ہم جو کہہ رہے ہیں، وہ کرو، یہ سب تمہارا درد سر ہے۔ ہمارا نہیں، گھر کو تالا لگاؤ، اپنا سارا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے کسی ایسی جگہ دفع ہو جاؤ۔ جہاں تمہیں کوئی جانتا پہچانتا نہیں ہو''۔

''مگر کیوں؟ کوئی وجہ تو بتاؤ''؟ شاہ زر کو اس وقت اغوا کار کے مطالبے پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ اس کو پاگل سمجھ رہے تھے۔

''جو کہا گیا ہے، وہ کرو۔ ورنہ تمہارے بیٹے کل کسی کچرا کنڈی میں پڑے ہوں گے اور وہ بھی مُردہ''.....!! شاہ زر کو ایک بار پھر دھمکایا۔

''میں جا رہا ہوں، مگر خدا کے لیے میرے بچوں کو کچھ مت کرنا وہ معصوم ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے کیا وجہ ہے؟ اگر تم لوگ بتا دیتے، تو دل کو تسلی تو رہتی کہ میں اپنا شہر کیوں چھوڑ کر ہجرت کر رہا ہوں''۔

''وجہ یہ ہے، سنو.....!!! وڈے سائیں کو تمہاری بڑی لڑکی سوہا پسند آ گئی ہے، یہ نہ ہو کہ وہ تمہاری لڑکی کو اغوا کروا دے۔ اگر تم یہ شہر چھوڑ کر آج رات تک چلے جاؤ گے۔ تو یہ ہمارا تم سے وعدہ ہے کہ ہم تمہارے دونوں لڑکے خود تم تک پہنچا دیں گے۔ ہمارے بندے تم لوگوں پر مستقل نظر رکھ رہے ہیں۔ ہم سامان لے جانے کے لیے گاڑی بھجوا رہے ہیں۔ تم لوگ اس میں سارا سامان ڈال دو اور گاڑی والے کے ساتھ چلے جاؤ۔ جہاں تم کہو گے، وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ ہمارا سائیں تمہاری بیٹی کی چاہ کر رہا ہے۔ مگر کچھ لوگ ہیں جو اُسے سائیں سے بچانا چاہ رہے ہیں۔ ہم تمہارے بھلے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ تمہارے پاس رات کے وقت ٹرک پہنچ جائے گا۔ ابھی سے سامان اُٹھانا شروع کر دو''۔ شاہ زر نے بیٹیوں سے سامان پیک کرنے کو کہا۔ سوہا نے کافی بار پوچھا۔ مگر شاہ زر نے کچھ نہ بتایا۔ وہ اپنے دونوں بیٹوں کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا تھا اور پھر معاملہ اس کی بیٹی کا تھا۔ یہ وڈیرے، سائیں، لوگ بہت ظالم ہوتے ہیں۔ سوہا کے بارے میں سن کر جیسے اس کے پیروں سے زمین نکل گئی تھی۔ اسے بھی لگنے لگا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، ان کے بھلے ہی کے لیے ہی کہہ رہے ہیں اور باتیں بہت ہی خوفناک کر رہے تھے۔ اگر سوہا اغوا ہو گئی۔ تو اس کی عزت گھر بیٹھے ہی نیلام ہو جاتی۔ باقی بیٹیوں کا مستقبل تاریک اور ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جاتا۔ اس کے آنکھوں کے آگے ایک اندھیرا سا چھا رہا تھا۔ مگر ابھی یہ ہوش کھونے کا وقت نہیں تھا۔ وہ باپ تھے اس کے کندھے ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بہت تیز تھے بہت تیزی سے کام کرنا چاہ رہے تھے۔ اس کے کان سے ابھی بھی فون لگا ہوا تھا۔

''یہ لو اپنے بیٹے سے بات کر لو''۔ شاہ زر کے کان میں آواز آئی۔

''ابو''.....!! موبائل میں آشان کی آواز سنائی دی۔

''آشان تم ٹھیک تو ہو نا اور کاشان کیسا ہے''؟ شاہ زر تڑپ کر بول پڑے۔

''ابو.....!! میں ٹھیک ٹھاک ہوں، ان لوگوں

نے کاشان کو کہیں دوسری جگہ رکھا ہوا ہے۔ مجھے نہیں پتہ وہ کیسا ہے''؟ آشان کی آواز میں کاشان کے لیے تشویش پائی جاتی تھی۔

''بس.....!! تم نے اپنے بیٹے سے بات کر لی۔ اب آشان سے تب بات ہو سکے گی۔ جب تم ہماری بات مان لوگے''۔ موبائل میں کسی کی گھمبیری آواز ابھری۔

''ہاں۔۔۔ میں آپ کی بات ماننے کے لیے تیار ہوں، میں یہ شہر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ مگر میرے بچوں کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ہم آج رات کو ہی نکل جائیں گے۔ مگر خدا کے لیے تم میرے بچوں کو کچھ نقصان نہ پہنچانا۔ ہم بس ضروری ساز و سامان لیں گے اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے، اس شہر سے تم لوگ نکل جاؤ، تمہارے بچے خیر سے پہنچ جائیں گے''۔ دوسری طرف سے شاہ زر کے کانوں میں اسی کی آواز آئی۔

''ہاں۔۔۔!! تمہاری بہت مہربانی ہوگی۔ ہم جا رہے ہیں۔'' شاہ زر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''جتنی جلدی ہو سکے، چلے جاؤ۔ ہمارا وڈا سائیں، ملک سے کل واپس آ رہا ہے۔ اگر اس کو خبر ہوگئی۔ تو تمہاری بیٹی سوہا کی بالکل بھی خیر نہیں۔ یقیناً تم سمجھ دار ہو۔ سمجھ گئے ہوں گے''۔

☆.....☆.....☆

سانپ کا کاٹا تو رسی سے بھی ڈرتا ہے۔ وہ تو آشان اور کاشان کے اغوا سے اتنے ڈر گئے تھے۔ اب سوہا کا نام آ رہا تھا۔ تو وہ تھر تھر کانپ اٹھا۔ سوہا میں تو اس کی جان تھی۔ پتہ نہیں یہ کون سائیں تھا۔ جو اس کے خاندان کا دشمن بن گیا تھا اور سارا کھیل ہی عجیب تھا، سوہا کو بچانے کی خاطر اس سائیں کے آدمیوں نے اس کے بچوں کو اغوا کر لیا تھا۔ اور اب مطالبہ کر رہے تھے کہ کسی نا معلوم مقام پر چلے جائیں۔ شاہ زر کے کان کے ساتھ موبائل لگا ہوا تھا۔ اس نے وہ جیب میں رکھ دیا۔ اس نے سوہا، روہا کو بلا کر سامان سمیٹنے کے لیے کہہ دیا۔ شاہ زر کے پیروں میں جیسے پہیے لگ گئے تھے۔ اس نے فیصل آباد کے ایک دور دراز کے گاؤں میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اس کے وہاں ایک رشتے کی بہن زرینہ بیاہی گئی تھی۔ وہ زمیندارنی تھی۔ اچھی خاصی زمین کی مالکن تھی۔ اس نے اس مشکل وقت میں وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بڑوں کا تعلق بھی فیصل آباد سے تھا۔ اس نے اپنا بچپن وہی گزارا تھا۔ ان کا آبائی گھر وہیں تھا۔ وہاں اس کا ایک دس مرلے کا گھر بھی تھا۔ اس گھر کو عرصے سے تالا لگا ہوا تھا۔ اس کی وہ بہن اس گھر کی کبھی کبھار دیکھ بھال کر لیتی تھی۔ مگر ان لوگوں کا وہاں اتنا آنا جانا نہیں تھا۔ اس لیے کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی تھی۔ اس نے وہ گھر کبھی نہیں بیچا تھا۔ زرینہ بہن نے کتنی بار اس کو فون پر بتایا تھا کہ گاؤں والے گھر خریدنا چاہ رہے ہیں۔ اب شاہ زر کو اپنا فیصلہ بہت اچھا لگا تھا۔ زرینہ بہن کچھ مہینے بعد گھر کو کھول کر صفائی ستھرائی کرا لیا کرتی تھی۔ گھر کچی مٹی کا بنا تھا، اس کی چھت لکڑی کی تھی۔ مگر اپنا تھا۔ اپنا گھر تحفظ کا احساس دلاتا ہے۔ بے گھر نہیں ہونا پڑتا۔ زرینہ اس کی چچا زاد بہن تھی۔ جب اس کی شادی ہوگئی اور اسے کراچی میں نوکری مل گئی، تو اس نے فیصل آباد کو جیسے خیر باد کہہ دیا۔ اس کا باپ تو عرصہ ہوا فوت ہو چکا تھا۔ اب ماں بھی نہیں رہی تھی۔ تو اس نے کراچی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر یہاں کراچی میں کسی جاننے والے نے اس کی شادی زینت بیگم سے کرا دی اور یوں وہ رفتہ رفتہ شہر میں رچ بس گیا۔ اب وہ واپس اپنے گاؤں آ رہا تھا۔ کافی کچھ بدل چکا تھا۔ جیسے وہ خود بہت بدل چکا تھا۔

کئی سالوں کے بعد شاہ زر کو وہی اپنا گھر جائے پناہ لگا تھا۔ سوہا اور روہا سامان پیک کر رہی تھیں۔ زوہا سب کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے سارا سامان پیک ہوتا گیا۔ اچانک گلی میں ٹرک کی آواز آئی۔ شاہ زر گھر سے باہر نکلا۔ وہ کوئی انجان آدمی تھا۔ جو شاہ زر کا منتظر تھا۔ رات کے اس وقت گلی میں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ شاہ زر نے ٹرک والے کی مدد سے سامان اٹھانا شروع کر دیا۔ اب سامان ٹرک میں منتقل ہو رہا تھا۔ شاہ زر نے زینت بیگم کی جیولری بھی بچا کر رکھی تھی۔ اس

نے وہ بھی نکالی اور ایک گھنٹے میں سارا سامان ٹرک میں ڈالا جاچکا تھا۔ محلے والوں نے ایک دم جانے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے ٹال دی۔ کہا کہ چند مہینوں بعد واپس آجائیں گے اور یوں وہ اس شہر سے ہمیشہ کے لیے نکل آئے۔ شاہ زر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے بچیوں کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے تھے۔ سوہا بہت زیادہ رو رہی تھی۔ روہا کے بدن میں جیسے لہو خشک ہوگیا تھا۔

☆.....☆.....☆

جیسے ہی ان کا ٹرک شہر سے نکلا۔ اس کا پیچھا شروع ہوا، نوری اور سانول کے شیطانی منصوبے نے سارا کام آسان کردیا تھا۔ نوری فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ سانول ڈرائیونگ کررہا تھا۔ ان دونوں نے کئی غیر قانونی کام کامیابی سے کئے تھے۔ وہ دونوں کافی فاصلے سے ٹرک کا پیچھا کررہے تھے۔ وہ شاہ زر کو گم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پیچھے سیٹ پر دونوں بھائیوں کو بے ہوش کرا کر لٹا دیا تھا۔ اس پر ایک چھوٹا سا کمبل ڈال دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سو رہے ہوں۔ بہت احتیاط سے یہ کام ہورہا تھا۔ وہ گاڑی بھی آہستہ چلا رہے تھے۔

ساری رات گاڑی چلتی رہی۔ ڈرائیور ٹرک تیز چلا رہا تھا۔ شاہ زر سمجھ ہی نہ سکا کہ کوئی ان کا پیچھا کررہا ہے۔ وہ ڈرائیور ان کا ہی آدمی تھا۔

اب وہ لوگ فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں موجود تھے۔ شاہ زر نے زرینہ کو فون کرکے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ جہاں ٹرک رکا، وہاں سانول نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ شاہ زر کو کچھ علم نہ ہو سکا کہ کوئی اس کے پیچھے یہاں تک چلا آیا ہے۔

ڈرائیور نے اس کا سامان اتارا۔ اس نے بچیوں کو زرینہ کے گھر بھیج دیا۔ اور خود کچھ لوگوں کی مدد سے سامان اٹھا کر گھر کے اندر لے جانا شروع کردیا۔ سوہا اس سب سے بے حد پریشان ہوگئی تھی۔ مگر سارے سامان میں اس کا موبائل ادھر اُدھر ہوگیا تھا۔ وہ اب زین کو بتانا چاہ رہی تھی۔ مگر اب بتانے کا کیا فائدہ۔۔۔!! وہ تو میلوں دور آگئی تھی۔ اس نے اپنا موبائل کافی ڈھونڈا۔ مگر اسے اپنے بیگ میں نہیں ملا۔ اب وہ زرینہ کے گھر تھی۔ زرینہ نے ان کو رات کے اس وقت کمرے میں بھیج دیا تھا۔ کیونکہ وہ اسے اس وقت مزید پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ بھی رات کی جاگی ہوئی تھی۔ پریشانی سے لیٹتے ہی سو گئی۔ زرینہ، آشان اور کاشان کو نہ دیکھ کر خود الجھن کی شکار ہوگئی تھی۔ مگر شاہ زر سامان کے پاس کھڑے تھے۔ اس لیے اسے لگا کہ شاہ زر کے ساتھ ہوں گے۔ اس کو خود سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس وقت کیا پوچھے۔ رسمی جملے تو خوب چلے تھے۔ چائے پلانے کے بعد اس نے بچیوں کو کمرے میں بھیج دیا تھا۔ شاہ زر کچھ دیر میں آنے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

سامان جیسے ہی سیٹ ہوا، شاہ زر گھر کے اندر چلے گئے۔ اسے بے چینی سے اغوا کاروں کے فون کال کا انتظار تھا۔ شاہ زر کو ایک پل کہیں چین نہیں مل رہا تھا۔ وہ آنگن میں پریشانی سے کھڑا تھا، اس کی نظریں موبائل اسکرین پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا۔ وہی پرائیویٹ نمبر لکھا نظر آرہا تھا۔

اس کے دونوں بیٹے ابھی تک ان کے قبضے میں تھے۔ ''ہیلو''.....!! اس نے پہلی ہی بیل پر کال پک کرلی تھی۔

''ہیلو''.....!! دوسری طرف سے گھمبیر آواز سنائی۔ شاہ زر کچھ نہ بولا۔ اس کی سانسوں پر جیسے بن آئی تھی۔

تم نے ہمارا کہا مان کر عقل مندی کا ثبوت دے دیا ہے۔ تمہارے دونوں بچے اس وقت تمہارے بہت قریب ہیں۔ تم گاؤں کی پکی سڑک تک آجاؤ۔ وہاں پر تمہیں تمہارے بیٹے مل جائیں گے''۔ رابطہ منقطع ہوگیا۔ شاہ زر ہیلو، ہیلو کرتا رہ گیا، مگر اس کو موبائل کی ٹو کی آواز سنائی دیتی رہی۔ شاہ زر گھر سے پاگلوں کی طرح نکلا اور ڈورتا ہوا پکی سڑک تک جانے لگا۔ اس کی سانس جیسے پھول رہی تھی۔ وہ جیسے ہی پکی سڑک پر پہنچا۔ وہاں اس کے دونوں بچے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر کمبل ڈالا گیا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی ہیڈ لائٹ روشن تھی۔ مگر گاڑی کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔ شاہ زر کو دیکھتے ہی

گاڑی والے چلے گئے اور شاہ زر کو کچھ اندازہ نہ ہوسکا، کہ وہ کون تھے؟ شاہ زر بچوں کے قریب بیٹھا اور ان دونوں کو چومتا چلا گیا۔ وہ جیسے بے اختیار ہوگیا تھا۔ وہاں ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ شاہ زر نے لپک کر وہ اٹھایا۔ اس پر کچھ لکھا تھا۔ اب وہاں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ وہ گاڑی چلی گئی تھی۔ شاہ زر کو لگا، واقعی وہ لوگ اس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ شاہ زر نے دونوں بچوں کو اٹھایا۔ اور اسے گھر لے جانے لگا۔ اس نے وہ تہہ کیا ہوا کاغذ جیب میں رکھا۔ وہ بڑی مصیبتوں سے گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے آشان اور کاشان کو پلنگ پر لٹا دیا۔ اور خود وہ کاغذ جیب سے نکال کر پڑھنے لگا۔

''تم اپنے گھر والوں کے سارے موبائل سم ابھی سے بند کردو۔ ہم نہیں چاہتے کہ دوبارہ تم یا تمہاری بیٹی کا موبائل نمبر آن ہوجائے۔ ٹھیک ایک گھنٹے بعد ہم دوبارہ کال کریں گے، ہمیں تمہارے سارے نمبر بند ملنے چاہئیں، دوبارہ یہ نمبر کبھی غلطی سے بھی آن نہ کریں۔ ہمارا سائیں آنے کے بعد تمہاری بیٹی کو تلاش کرے گا۔ تم لوگ کبھی دوبارہ شہر کا رخ غلطی سے بھی نہ کرنا''۔ کاغذ پر جو کچھ لکھا تھا۔ شاہ زر کو اب وہی کرنا تھا۔ وہ حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور سم نکال کر منہ میں ڈال کر خراب کردی۔ اس نے سوہا کے موبائل سے بھی سم نکالی اور اس کو بھی خراب کردیا۔ سوہا کا موبائل اسے سامان میں ملا تھا۔ اس نے وہ موبائل بھی کہیں پھینک دیا۔

''میں دوبارہ کبھی بھی شہر نہیں جاؤں گا۔ اور نہ اپنے بچوں کو کبھی دوبارہ شہر کا رخ کرنے دوں گا''۔ شاہ زر نے دونوں بیٹوں کے پاس لیٹ کر کہا۔

اچانک آشان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، باپ نے اسے دیکھا، اور چومنے لگا۔

''بیٹا .....!! تمہیں ان لوگوں نے کچھ کہا تو نہیں''؟

''نہیں .....!! ان لوگوں نے میرا خیال رکھا تھا، وہ کہہ رہے تھے۔ وہ لوگ آپ کے دوست ہیں''۔ آشان نے معصومیت سے بتایا۔

''ہاں...!! بیٹا ان لوگوں نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ اب ہم یہاں رہیں گے۔ تم یہ بات کسی کو بھی مت بتانا''۔

''جی ابو نہیں بتاؤں گا''۔ آشان نے کہا۔ وہ دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے، کچھ ہی دیر میں کاشان کو بھی ہوش آگیا۔ باپ نے اسے بھی سمجھا دیا۔ وہ بہت سمجھدار بچے تھے۔ فوراً سمجھ گئے۔ اس نے بھی باپ سے وعدہ کرلیا کہ وہ کسی کو کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ تب جیسے شاہ زر کی جان میں جان آئی۔ شاہ زر نے پہلے ہی موبائل سے سم نکال کر دانتوں سے توڑ ڈالی تھی۔ اب اسے کچھ فکر نہ تھی۔ وہ چھت کو کافی دیر تک گھورتا رہا۔ اس نے کچھ آگے کا سوچنا تھا۔ جیسے وہ اس وقت پریشان تھا۔ اس گاؤں میں اسے اپنا مستقبل سوالیہ نشان نظر آرہا تھا۔ صبح تک سوہا، روہا اور زوہا آچکی تھی۔ ان کے ساتھ زرمینہ چچی بھی تھی۔ وہ تشویش کا شکار تھی۔ مگر جب آشان اور کاشان کو دیکھ لیا، تو اس کی تشویش جاتی رہی۔ اب وہ گھر کے سامان سیٹ کر رہے تھے۔ سارے بچے یہاں آکے بے حد پریشان تھے۔ مگر باپ نے سب کو کچھ بھی بتانے سے منع کردیا تھا۔ بچوں کا گاؤں میں بالکل بھی دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے وقت گزرنے لگا۔ شاہ زر نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ یہاں آکے رچ بس گیا تھا۔ اس کو اپنا گھر اپنا دفتر سب کچھ یاد آتا تھا۔ مگر وہ اب کبھی بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ ایسی نوکری کا کیا کرتا، جو اس کے بچوں کو کھا جائے۔ اسے ڈر لگتا تھا۔ مگر اس نے بہت سوچا پر یہ گتھی سلجھ نہ پائی۔ وقت کا پہیہ گھومنا شروع ہوگیا تھا۔ سیکنڈ، منٹس میں تبدیل ہوکر گھنٹوں کا سلسلہ طے کرگئے۔ گھنٹے دنوں میں تبدیل ہوتے گئے اور کچھ مہینے گزر گئے۔ سوہا اور زین جدا ہوگئے۔ سوہا جلتے گلاب میں کیسے مقید ہوگئی۔ اس راز کو جاننے کے لیے پڑھتے رہیے جلتے گلاب۔۔۔!! کیا زین اپنے باپ کو روک سکے گا؟ یا ابرار کے گرگے جلتے گلاب کو سمندر برد کرکے سوہا کو ماردیں گے۔۔۔!!

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ۔۔۔!!)

جنات کا سایہ

حسیب ساحل۔کوٹ خیرا جھنگ

گھر میں سوئی ہوئی لڑکی کی اچانک آنکھ کھل گئی تو دیکھا کہ ایک ڈرائونی شکل عورت اس کے سینے پر موجود ہے تو لڑکی کی فلک شگاف چیخ سن کر گھر والے اٹھے تو.....

آسیبی دنیا کی.....ایک عجیب وغریب دل دہلاتی خوف.....طاری کرتی.....کہانی

''**اسلم** بھائی! کدھر تھے آپ؟ کب سے آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں؟ اور آپ ہیں کہ چھپ کر رسالہ پڑھ رہے ہیں۔'' ندا کی بات سن کر اسلم نے اپنی بہن ندا کو گھورا اور غصے سے پوچھا۔ ''کیا آفت آن پڑی ہے کیوں آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے؟''

''بھائی! آج میں اور میری سہیلی کرن ندی پر جارہی ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی میرے ساتھ چلیں کیونکہ ہمیں اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔'' ندا نے بھائی سے کہا۔

''لیکن آج تم ندی پر کیا کرنے جارہی ہو۔ ابا جی نے تو روکا تھا باہر جانے سے پھر کیوں جارہی ہو۔'' اسلم نے پوچھا۔

''بھائی! وہ ہم نے کل ندی کے کنارے جو برگد کا درخت ہے نا اس کی شاخ کے ساتھ جھولا

باندھا تھا۔ وہی جھولنے جانا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ آئیں نا، ہمیں اکیلے میں ڈر لگتا ہے۔'' بہن نے پیار سے جواب دیا۔

''ارے پاگل لڑکی! تمہیں کس نے لیا تھا برگد کے درخت پر جھولا باندھنے کے لئے تمہیں پتہ نہیں کہ پرانے درختوں پر جنات کا سایہ ہوتا ہے۔'' اسلم نے غصے سے کہا۔

''بھائی آپ بھی ناں پڑھے لکھے ہو کر ایسی باتیں کرتے ہیں، بھائی ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ بس لوگوں کی اپنی گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔'' ندا نے بھائی کو سمجھایا۔

''ندا! تم کیوں پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ ارے جنات کا ذکر تو قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔'' اسلم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا بھائی اب چھوڑیں نا اور چلیں کیونکہ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ بے چاری کرن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' ندا نے پیار سے کہا۔

''خیر چلو! تم دونوں کسی نئی مصیبت میں نہ ڈالنا'' اسلم نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

خوشحال پور گاؤں اپنی مثال آپ تھا سرسبز لہلہاتے کھیت گاؤں کو اور بھی خوبصورتی بخشتے تھے۔ پورے گاؤں میں صرف ایک مڈل اسکول تھا جس میں گاؤں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ گاؤں میں تقریباً 300 گھر تھے جو کہ مٹی سے بنے ہوئے تھے۔ گاؤں سے باہر ایک ندی تھی جس کے کنارے کنارے درختوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ گاؤں کے زیادہ تر لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اس لئے صبح سویرے اپنے اپنے گھروں سے کھیتوں میں کام کے لئے نکل جاتے تھے۔ کچھ نوجوان محنت مزدوری کے لئے شہر نکل جاتے۔ اس لئے گاؤں میں اکا دکا ہی لڑکے بچے جاتے تھے۔ اس لئے لڑکیاں بھی بغیر کسی رکاوٹ کے ایک دوسرے کے گھر آ جا سکتی تھیں۔

گاؤں میں امن و خوشحالی کا بسیرا تھا۔

اسی گاؤں میں اسلم کا خاندان بھی رہتا تھا۔ اسلم شہر میں سرکاری نوکری کرتا تھا ان دنوں وہ چھٹیوں پر آیا ہوا تھا اور اس کے گھر والے چاہتے تھے کہ اس مرتبہ اس کی شادی کر دیں اس کے لئے وہ لڑکی ڈھونڈ رہے تھے اور آج اسلم اپنی بہن ندا اور اس کی دوست کرن کے ساتھ ندی پہ آیا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

اسلم ندی کنارے پتھر پر بیٹھ کر اپنا پسندیدہ رسالہ ''ڈرڈائجسٹ'' پڑھ رہا تھا۔ اور لڑکیاں جھولا جھول رہی تھیں۔ اور اسلم کی نگاہیں بار بار بھٹک کر کرن کے سراپے پر پڑ رہی تھیں۔ کرن بہت ہی خوب صورت اور خوب سیرت لڑکی تھی۔ گول مٹول سفید چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، باریک یاقوتی ہونٹ، سیدھی ناک، دراز قد، متناسب سراپا، کمر تک آتے گھرے ناگن جیسے بال اس کی شخصیت کو چار چاند لگا رہے تھے۔ ایک آوارہ لٹ ہر وقت اس کے چہرے کا طواف کرتی رہتی تھی۔

اسلم بچپن سے ہی کرن کو پسند کرتا تھا اور کرن بھی اس سے ناواقف نہیں تھی لیکن وہ جان بوجھ کر انجان بنی رہتی تھی۔ اسلم بس موقع کی تلاش میں تھا کہ کب وہ اسے اکیلی ملے اور وہ اپنا حال دل بیان کر دے۔

اسلم انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اسے کڑک کی زوردار آواز سنائی دی اور ساتھ ہی کرن کی خوف میں ڈوبی ہوئی فلک شگاف چیخ سنائی دی تو اسلم نے جلدی سے اس کی طرف دیکھا تو اس کا دل دہل گیا۔ دراصل بات یہ تھی کہ جس شاخ پر کرن اور ندا نے جھولا باندھا تھا۔ وہ شاخ ٹوٹ گئی تھی اور کرن زمین پر آڑی ترچھی گری پڑی تھی۔

اسلم بھاگ کر ادھر گیا پھر کرن کو اٹھا کر سیدھا کیا اور ندا اس کے پاؤں کو دبانے لگی جہاں اسے چوٹ لگی تھی۔

ابھی وہ اسی عمل میں مصروف تھے کہ اسلم پر کسی مائع کے قطرے گرے اوپر سے تو اسلم نے غور سے دیکھا تو وہ خون تھا۔

اسلم حیران و پریشان خون کو خوف سے دیکھنے لگا کہ پھر اچانک اسے بلی سے مشابہ ایک کرخت غراہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں لڑکیاں ڈر گئیں۔

اسلم نے اوپر دیکھا تو اسے برگد کے جھنڈ میں دو چمکتی ہوئی انگارہ آنکھیں نظر آئیں۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے پتہ چلا کہ وہ ایک قوی الجثہ سیاہ بلی جو کہ ان کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسلم نے دیکھا کہ خون اسی بلی کے منہ سے آرہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ابھی ابھی کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ اسلم نے جلدی سے لڑکیوں کو ساتھ لیا اور گھر کی جانب چل پڑا۔

گھر پہنچ کر تینوں نے منہ ہاتھ دھوئے اور کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اسلم نے کرن کو تسلی دی اور اس کے پاؤں پر پٹی باندھی اور سمجھایا کہ گھر جا کر بتانا نہیں ورنہ خالہ ڈانٹ دیں گی اور ندا کرن کو گھر چھوڑنے چلی گئی اور اسلم ظہر کی نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆.....☆.....☆

رات کے تقریباً بارہ بجے تھے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ خوف ناک سناٹا کے ساتھ ساتھ پورے گاؤں پر موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

اتنے میں ندی کے کنارے موجود برگد کا درخت جو کہ بہت پرانا اور گھنا تھا۔ اس سے ایک سایہ نکلا۔ جس کا قد تقریباً 7 فٹ کے قریب تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ لیکن آج آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس لئے گھپ اندھیرا تھا۔

اچانک چاند بادلوں کی اوٹ سے نکلا اور پورا گاؤں روشنی میں نہا گیا۔ چاند کی روشنی جب اس خوفناک سائے پر پڑی تو اس نے خوشی سے ایک چیخ ماری، جس سے ندی پر موجود دیگر درختوں کے اوپر بیٹھے پرندے سہم گئے۔

پھر وہ سایہ چلتا ہوا گاؤں میں پہنچ گیا۔ اچانک گلی میں اسے ایک کتے نے جالیا۔ کتا زور زور سے بھونکنے لگا تو اس سائے نے اچانک اپنے ہاتھ بڑھائے اور کتے کو پکڑ لیا۔ اس نے کتے کی دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ کتے کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کام سے فارغ ہو کے وہ سایہ کرن کے گھر کی طرف جانے لگا۔ کرن کے گھر کے سامنے پہنچ کر وہ اوپر کو اچھلا اور گھر کے صحن میں کود گیا۔

وہ سایہ ایک عورت کا تھا جس کے لمبے سانپوں جیسے بال کمر تک آرہے تھے۔ اس کے سامنے والے دونوں دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے۔ آنکھوں کی جگہ بس دو گڑھے تھے، جس سے تیز چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس کی شکل دیکھ کر کسی کمزور انسان کا دل یقیناً بند ہو سکتا تھا۔

جب وہ گھر میں داخل ہو گئی تو اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور کرن کی چارپائی کی طرف بڑھی۔

اچانک کرن کو اپنے سینے پر دباؤ محسوس ہوا تو اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ ایک کریہہ شکل عورت اس کے سینے پر چڑھی ہوئی ہے۔ اس کی انگارہ آنکھیں تھیں، اس نے ایک خوفناک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

گھر والے اس کی چیخ سن کر بھاگ کر اس کے پاس آئے لیکن تب تک وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

کرن کی ماں بھاگی ہوئی اسلم کے گھر آئی اور سارا ماجرا اسلم کو سنایا۔ اسلم جلدی سے ان کے گھر آیا اور اس نے پانی کے چھینٹے کرن کے منہ پر مارے جس سے اسے ہوش آ گیا۔ اسلم نے اس کے گھر والوں کو سمجھایا کہ اب اسے آرام کرنے دیا جائے اور صبح اس سے سارا معاملہ پوچھیں گے۔ سارے گھر والے اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ لیکن کرن کی ماں ساری رات کرن کے سرہانے بیٹھی رہی۔

☆.....☆.....☆

صبح فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اسلم کرن کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کے گھر کے سامنے پہنچ کر اسے حیرت ہوئی کہ کرن کے گھر کے سامنے لوگوں کا رش لگا ہوا تھا۔ اور لوگ طرح طرح کی باتیں کررہے تھے۔ اسلم جلدی سے گھر میں داخل ہوا تو اس نے ایک ہیبت ناک منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ کرن کو رسیوں سے باندھا گیا ہے اور وہ خونخوار آواز نکالتے ہوئے خود کو چھڑانے کی کوشش کررہی ہے۔ اسلم جلدی سے کرن کی ماں کے پاس گیا اور پوچھا کہ ''یہ کیا مسئلہ ہے۔'' تو اس کی ماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا۔ ''میری بچی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ اس پر جن کا سایہ ہوگیا ہے۔''

یہ سن کر اسلم دھک سے رہ گیا کہ جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا اسلم نے غور سے کرن کو دیکھا تو اسے دھچکا لگا۔ کرن کی آنکھیں سرخ انگارہ ہورہی تھیں۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ گلے سے بلی سے مشابہہ آوازیں نکال رہی تھیں۔

اسلم سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ کسی اللہ والے بزرگ سے مدد لینی چاہئے۔ اسے کسی نے بتایا کہ دوسرے گاؤں میں ایک بہت پہنچے بزرگ ہیں جو کہ فی سبیل اللہ کام کرتے ہیں۔

اسلم اور کرن کا بھائی جمال جلدی سے دوسرے گاؤں کی جانب روانہ ہوگئے۔ اور جب وہ دوسرے گاؤں پہنچے تو ظہر کی اذان آرہی تھی۔ انہوں نے مسجد میں ظہر کی نماز ادا کی اور بزرگ سے ملے۔ بزرگ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اسلم نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔ جسے بزرگ نے غور سے سنا۔ تھوڑی دیر بعد بزرگ انہیں اپنے عملیات کے کمرے میں لے آئے۔ بزرگ نے انہیں چٹائی پر بٹھایا اور خود جائے نماز پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کرکے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے رہے اور جیسے انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ان کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ ''یہ سب کیا دھرا اس بدروح کا ہے جو کہ اس درخت پر قبضہ آور تھی۔ ان لڑکیوں نے اس کے آرام میں خلل ڈالا اور وہ ان کی دشمن ہوگئی۔ ایک لڑکی کو تو وہ شکار بنا گئی لیکن دوسری لڑکی کے گلے میں تعویذ تھا اس لئے وہ بچ گئی۔ اب ہمیں جلدی سے وہاں جانا چاہئے تاکہ میں اپنا کام کرسکوں۔''

وہ دونوں بزرگ کو لے کر گھر پہنچے اور بزرگ نے لڑکی کو کمرے میں بند کردیا اور گھر والوں سے کہہ دیا کہ جب تک میں نہ کہوں دروازہ مت کھولنا اور خود بھی کمرے میں رہ گئے۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے قرآنی آیات پڑھتے ہوئے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی چھوٹی انگلی پکڑلی اور مزید زور زور سے قرآنی آیات پڑھنے لگے۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ لڑکی چیخنے چلانے لگی لیکن بزرگ نے اس کی انگلی نہ چھوڑی تو وہ منت سماجت کرنے لگی کہ ''آئندہ میں انہیں تنگ نہیں کروں گی۔''

پھر بزرگ نے اس سے وعدہ لے کر اس کی انگلی چھوڑ دی تو کرن کی ناک اور کان سے کالا کالا دھواں نکلنا شروع ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد دھواں ایک خوفناک عورت کا روپ دھار گیا اور پھر غائب ہوگیا۔

کرن بے ہوش ہوگئی تھی۔ بزرگ نے کہا کہ ''اب اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اور آئندہ اسے برگد کے درخت کے قریب بھی نہ جانے دیا جائے۔'' پھر بزرگ نے ایک تعویذ دیا کہ ''کرن کے گلے میں ڈال دیں اور یہ تعویذ اس کے گلے سے اترنا نہیں چاہئے۔''

تھوڑے دنوں میں کرن تندرست ہوگئی اور پھر اس کی اسلم کے ساتھ شادی ہوگئی اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

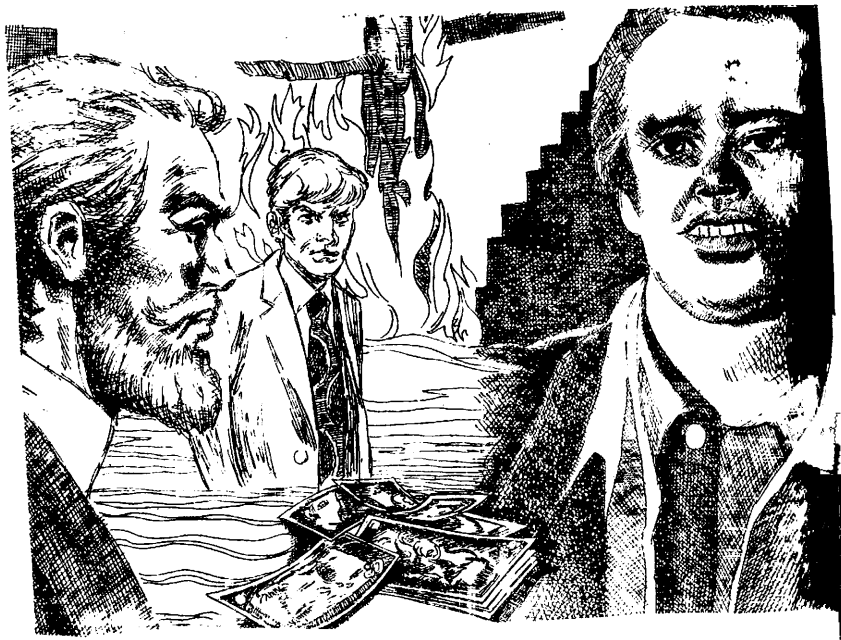

قاتل لکھاری

سلمان بشیر۔ بہاولنگر

نوجوان کے بے ہوش ہوتے ہی گوتم کی لاش پر ایک شیطانی ہنسی پھیل گئی اور لاش نے بے ہوش پڑے نوجوان کو اپنی گرفت میں دبوچ لیا کہ پھر دیکھتے ہی دیکھتے جو منظر سامنے آیا ......

ہارر کہانیوں میں سرتاج کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردے گی

"نن۔۔ نن۔۔نہیں۔۔ایسا نہیں ہوسکتا۔یہ کسی طور بھی حقیقت نہیں ہوسکتی۔بھبھ،بھبھ، بھلا ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔۔نن،نن،نہیں ! یہ سچ نہیں فقط میرا وہم ہے۔مم،مم میرا ڈر ہے۔"

رام چندر نارائن اپنے خیالات کی ہکلاتے نفی کررہا تھا۔

حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل کر چوڑی ہوگئی تھیں۔ڈر اس کی نس نس میں سما کر گھر کرچکا تھا۔دسمبر کی یخ بستہ سردی بھی اس کے پورے بدن پر آئے پسینے کو منجمد کرنے سے انکاری تھی۔

اسے اچانک سے اپنے گردونواح میں عجیب سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔۔ڈر مزید اسکو ڈرانے لگا۔رفتہ رفتہ ان آوازوں میں تیزی آتی گئی۔

رام نے ڈرتے ہوئے آواز کی سمت کان لگائے۔

آواز نہیں پڑ رہی تھی۔

کچھ ثانیے تک وہ گومگو کی کیفیت کا شکار رہا۔ جب اسے دوبارہ کوئی بھی آواز سنائی نہیں دی تو وہ اپنے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے اپنا جوتا ڈھونڈنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ وہ ننگے پاؤں ہی دیوار پہ نصب بجلی کے بورڈ کی طرف بڑھا، مگر کسی چیز سے ٹکرا کر نیچے فرش پر دھڑام سے گر پڑا۔

درد کی شدید ٹیس اٹھی اور وہ اپنے سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔

پورے سر میں درد پھیل کر شدت اختیار کر گیا تھا۔

رام نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پہ درد والی جگہ پہ ہاتھ پھیرا تو اس کی انگلیاں کسی گیلی مگر چپچپی چیز سے تر ہو گئیں۔

اچانک باہر زور سے بادل گرجے اور ساتھ ہی ساتھ بجلی چمکی۔ بجلی چمکنے کی بدولت کمرے میں ایک لمحے کے لیے تیز روشنی پھیل کر ختم ہو گئی۔

مگر وہ ایک لمحہ ہی رام چندر کو اس جیتی جاگتی دنیا سے بے خبر کر دینے کے لیے کافی تھا۔

بے ہوش ہونے سے قبل اس نے اپنے سامنے فرش پر گوتم کی لاش کو خون میں لت پت پڑا دیکھا تھا۔

وہی گوتم جس کی چتا کو شام سے پہلے رام چندر نے اپنی آنکھوں کے سامنے جل کر راکھ ہوتے دیکھا تھا۔ اپنے کمرے میں گوتم کی لاش کو دیکھ کر حیرت و ڈر کی وجہ سے رام چندر بے ہوش ہو کر گوتم کی لاش کے اوپر گر گیا۔

اس کے بے ہوش ہوتے ہی گوتم کی لاش کے چہرے پر ایک شیطانی ہنسی پھیل گئی اور لاش نے بے ہوش پڑے رام چندر کو اپنی گرفت میں دبوچ لیا۔۔!

☆.....☆.....☆

"ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ماحول پہ گھنیرا سکوت و سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گاؤں کی بل کھاتی کچی سڑک رات تھی۔ گاؤں کا کچا چوک، جس کے درمیانی حصے میں ایک بڑا سا برگد کا پیڑ تھا، بالکل سنسان و ویران تھا۔ کبھی کبھار ایک لمحے کے لیے جب ہوا چلتی تو برگد کے پیڑ کی شاخیں اور ان شاخوں کا زیور سبز و زرد پتے آپس میں سرگوشیاں کرتے محسوس ہوتے۔ پورا گاؤں کسی ویران قبرستان کی مانند مردہ سا اور بہت ڈراؤنا لگ رہا تھا۔

ایسے میں ایک دو مرلے کے مکان کے چھوٹے سے کمرے میں ایک دیا روشنی پھیلا کر ماحول کو مزید پراسرار بنانے پر تلا ہوا تھا۔ کمرے کا اندرونِ خانہ بہت عجیب تھا۔

کمرے کی دیواروں پر سیاہ پینٹ کیا ہوا تھا۔ وہاں ایک پرانا سا بیڈ بھی موجود تھا جس پر میلی کچیلی چادر بچھی ہوئی تھی۔ ایک میز اور اس میز کے سامنے ایک کرسی پڑی تھی۔ میز پر کچھ پرانی بوسیدہ سی کتابوں کا راج قائم تھا۔ کچھ میلے سے سفید کاغذ جو اپنا رنگ و روپ تبدیل کر کے زردی مائل ہو چکے تھے، اسی میز پر پڑے تھے۔ بیڈ کے بالکل ساتھ نیچے زمین پر ایک کچا گھڑا ٹھنڈے پانی سے آدھا بھرا ہوا تھا۔ گھڑے کے اوپر ایک مٹی کا پیالہ پڑا تھا۔

گاؤں کی بجلی زیادہ تر بند ہی رہتی تھی اسی لیے گھروں میں دیے ہی جلا کر اندھیرے کو دور بھگایا جاتا تھا۔

بیڈ کے نیچے سیاہ رنگ کا بابائے آدم کے زمانے کا ایک صندوق بھی تھا۔ جس کے اندر کچھ کپڑے لپیٹ کر رکھے ہوئے تھے۔ کپڑوں کی تہہ کے نیچے کچھ ایسی چیزیں بھی تھیں جو گھر کے مالک کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھیں۔

گھر کے صحن میں ایک پیپل کا پیڑ تھا۔ جس کے پتے صحن میں جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا کے دوش پر ایک دوسرے کو لاد تے ہوئے اِدھر اُدھر کسی بنجارے کی طرح بھٹکتے نظر آتے تھے۔

اس گھر کا مالک اپنے اسی اکلوتے پراسرار کمرے

میں کرسی پر بیٹھا ہوا کسی ضعیف کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے اس کتاب کے ساتھ ایک قاری کا تعلق بنائے ہوئے تھا۔ دراصل وہ جو جاننا چاہتا تھا جو کرنا چاہتا تھا وہ ابھی تک ممکن نہیں ہو پایا تھا۔۔

کئی مہینے مزید اس کتاب کا مطالعہ اور کچھ تجربے کرنے کے بعد وہ مایوس ہو گیا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ دراصل وہ سب کرنے والا ہے جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

آخر ایسا کیا تھا اس کتاب میں؟

ایسا کیا تھا جو وہ کرنا چاہتا تھا، حاصل کرنا چاہتا تھا؟

جب اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ زندگی بھر کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تو اس نے تنگ آ کر اس کتاب کو بیڈ کے نیچے پھینک دیا۔۔

☆.....☆.....☆

اگلی رات اس نے بیڈ کے نیچے سے کتاب کو اٹھایا اور دوبارہ کرسی پر براجمان ہو کر کتاب کو بغور دیکھنے لگا۔۔۔

سیاہ جلد والی وہ کتاب ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔

کتاب کا کوئی عنوان نہیں تھا۔ بس سیاہ جلد والی وہ بھاری بھرکم کتاب آدھی لکھی ہوئی تھی۔

جس نے بھی وہ کتاب لکھی تھی اس کی کی لکھائی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی جو اس کی لکھائی کی تعریفیں کی جائے۔

ہر صفحے پر تین چار لائنوں کے کچھ منتر درج تھے۔

ہر منتر کو ایک خاص نمبر دیا گیا تھا۔

جیسے پہلے صفحے پر لکھے منتر کو "چوالیس" نمبر دیا گیا تھا۔ دوسرے صفحے پر کندہ منتر کو دو سو ساٹھ۔۔ اسی طرح ہر منتر کو مختلف نمبر دے کر اس کی پہچان ظاہر کی گئی تھی۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان نمبروں کا کیا مقصد ہے۔۔ ہر منتر کو بہت عجیب اور مختلف نمبر دے کر کیا ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔۔

آدھی سے زیادہ کتاب صاف تھی۔۔

اس رات اس شخص کے ذہن میں نہ جانے کیا آیا کہ وہ پن لے کر اس کتاب پر لکھنے بیٹھ گیا۔۔

ساری رات وہ کتاب پر کچھ لکھتا رہا۔۔ دراصل وہ کتاب پر کچھ کہانیاں لکھ رہا تھا۔ ایسی کہانیاں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایسی کہانیاں جو فقط اس کے خیالات پر مبنی تھیں۔۔

وہ پانچ کہانیاں لکھ چکا تھا۔۔ ہر کہانی کے اختتام سے اگلا صفحہ وہ خالی چھوڑ دیتا تھا۔

لیکن ایک خاص بات تھی جس سے لاعلم تھا۔

وہ خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر کہانی لکھنے سے پہلے کہانی کے عنوان کی جگہ اس کتاب پہ لکھے منتروں میں سے ایک منتر لکھ دیتا تھا۔۔ منتر لکھنے کے بعد وہ اپنے ذہن میں پنپتے خیالات کو ان زردی مائل صفحات پر اتار دیتا۔۔

پانچ کہانیاں لکھ کر وہ لکھنا بند کر چکا تھا۔ کیونکہ کتاب کے صفحات ختم ہو چکے تھے۔۔

پھر وہ وہیں کرسی پر ڈھے سا گیا اور ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ ہو گیا۔۔۔

☆.....☆.....☆

وہ کتاب اسے ایک کھنڈر سے ملی تھی۔ اس کھنڈر کے بارے میں لوگوں کا کہنا تھا کہ وہاں بھوت پریت بستے ہیں۔ مگر وہ ایک دلیر لڑکا تھا۔ ان باتوں سے اس کے ذہن و دل میں رتی بھر بھی ڈر نہیں آیا۔۔ ایک دن وہ اسی کھنڈر میں تھا جب اسے وہ کتاب ایک پتھر کے نیچے دبی ہوئی نظر آئی۔ وہ جلدی سے کتاب کی جانب لپکا اور کتاب کو اٹھا کر دیکھنے لگا۔۔

کتاب کا کوئی عنوان نہیں تھا۔ جب اس نے وہ کتاب کھول کر دیکھی تو حیران رہ گیا۔ کیونکہ وہ وہی کتاب تھی جس کے بارے میں لوگوں کی مختلف رائے تھیں۔

کوئی کہتا تھا کہ اس کتاب میں دولت مند بننے کے راز پوشیدہ ہیں۔

کسی کا گمان تھا کہ اس کتاب کے ذریعے مرے ہوئے لوگوں سے باتیں کی جا سکتی ہیں۔

کئی ایسے لوگ بھی تھے جو یہ مانتے تھے کہ اس کتاب کے ذریعے جن بھوت قید کیے جاسکتے ہیں۔

خیر جتنے منہ اتنی باتیں۔۔

مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کتاب کا راز کیا ہے۔

بس لوگ اتنا جانتے تھے کہ انہیں انکے پرکھوں نے اس کتاب کے بارے میں بتایا تھا مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کتاب کہاں غائب ہوگئی تھی۔۔

رام چندر کو جب وہ کتاب ملی تو اس کی پہچان اس "سیاہ جلد" نے کی جس کے بارے میں اس نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا۔دوسری پہچان یہ تھی کہ وہ کتاب کسی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی۔

دونوں نشانیوں کو پاکر رام چندر بہت خوش ہوا تھا۔

اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے دنیا جہان کی سب سے قیمتی شے پالی ہو۔۔۔

گھر آ کر اس نے کتاب کا مطالعہ شروع کردیا۔۔

اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ اسے وہ کتاب مل گئی ہے۔لیکن وہ اپنے گاؤں کے سب سے بزرگ انسان سے ہر روز معلومات اکٹھی کرنے ضرور جاتا تھا۔

وہ بس یہ جاننا چاہتا تھا کہ کتاب پر لکھے منتروں کو کس جگہ اور کس حالت میں پڑھنے ہیں۔۔تاکہ مطلوبہ فوائد حاصل کیے جاسکیں۔کیونکہ کتاب پر کہیں بھی یہ نہیں لکھا تھا کہ یہ منتر اس خاص مقصد کے لیے ہے یا اسے کس طرح پڑھنا ہے۔

وہ بس اپنے بزرگوں سے معلومات اکٹھی کر کے ان منتروں کو پڑھنا چاہتا تھا۔۔

رام چندر نے کئی سال تک اس کتاب کا مطالعہ کیا اور کئی سال وہ اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے ہوئے منتروں کے جاپ کر رہا تھا۔مگر اسے کوئی فائدہ یا کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔۔

اس رات بھی اس نے تنگ آ کر کتاب کو بیڈ کے نیچے پھینک دیا تھا پھر اگلی رات اس کتاب پر پانچ کہانیاں لکھ دی تھیں۔۔۔

مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کیا کر دیا تھا۔

رام چندر اسی کمرے میں سویا ہوا تھا جب اسے کتاب کے صفحوں کی تیز تیز پھڑ پھڑانے کی آواز سے جاگ آ گئی۔

وہ آنکھیں ملتا ہوا بیڈ پر بیٹھا ہوا اس کتاب کو دیکھ رہا تھا جسکے صفحے یوں تیز رفتاری سے رخ بدل رہے تھے جیسے کمرے میں کوئی طوفان آیا ہو۔مگر طوفان تو دور کی بات ہوا کا ذرا بھی نہیں تھا وہاں۔۔۔کمرے کا دروازہ بھی بند تھا۔اور پنکھا سردی کی وجہ سے پچھلے تین مہینوں سے بند پڑا ہوا تھا۔

کتاب کے صفحے خود بخود پلٹتے گئے اور ایک جگہ آ کر رک گئے۔۔

اس نے غور کیا تو اس کی لکھی کہانیوں کے بعد چھوڑے ہوئے خالی صفحے پر اسے کچھ ہندسے دکھائی دیے۔

سیاہ حروف اور بولڈ سائز میں "ساٹھ" لکھا ہوا تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ حروف کبھی سرخ رنگ کے ہو جاتے تو کبھی سیاہ۔۔پھر اچانک کتاب کے صفحے دوبارہ خود بخود حرکت میں آئے اور اچانک کتاب یوں بند ہو گئی جیسے کبھی کھولی ہی نہ گئی ہو۔۔

رام چندر نے کتاب کو دوبارہ کھولا اور ساری کتاب کھنگال ڈالی مگر وہ "ساٹھ" کا سرخ و سیاہ ہندسہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔اس کو پہلی بار ڈر کا شدید احساس ہوا تھا۔اسکا دماغ اور شریر سن ہو چکا تھا۔

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔کبھی اسے ایسا لگتا جیسے وہ سب خواب تھا۔مگر اسکا یہ احساس بھی اسکو مطمئن نہیں کر پا رہا تھا۔

جب وہ اس سارے مسئلے پر غور کرتے کرتے تھک گیا تو بستر پر ڈھے گیا۔

وہ اپنی زندگی بدلنے چلا تھا مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی کل سے بیچ میں بدل جائے گی۔

کل کا سورج اس کی زندگی میں کیا نیا روپ لے کر آنے والا تھا وہ اس سے بے خبر تھا۔۔

کمرے میں جلتا دیا اچانک سے بجھ گیا اور رام
ندر جو کہ نیند میں تھا یہ بھی جان نہیں پایا کہ کوئی اس پر
ت شیطانی ہنسی ہنسا تھا۔۔!!

☆.....☆.....☆

" گوتم سارا دن جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کے
عد گھر واپس لوٹ رہا تھا۔ آسمان پہ ہلکے سیاہ بادلوں نے
یرا تنگ کر رکھا تھا۔۔ ہوا بھی تھوڑی تیز اور ٹھنڈی تھی
ہ کہ سردی کے موسم میں گوتم کے جسم کو خنجر کی طرح
نے پرتلی ہوئی تھی۔۔
جنگل گھنا اور وشال تھا۔۔ اور اوپر سے شام کے
ہرے ہوتے سائے جنگل کو مزید خوفناک بنا رہے
تھے۔

گوتم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جلد از جلد جنگل سے
نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔ تبھی اچانک جنگل میں یوں
ھیرا چھا گیا جیسے کوئی سیاہ چادر ہو۔ جیسے کوئی سیاہ
ت۔ جیسے کوئی گہرا اندھیر کنواں۔۔
گوتم کے پاؤں چلتے چلتے اچانک سے رک
۔۔

اس گہرے اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی
یں دے رہا تھا۔۔ گوتم کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا۔ اسکا
ڈر کی کیفیت میں ڈوب کر تیز رفتاری سے دھڑک رہا
۔۔

دل کا ڈر دماغ کے ڈر سے کہیں زیادہ طاقتور اور
ید ہوتا ہے۔ کیونکہ دل میں جو ڈر ایک بار گھر بنا لیتا
پھر وہ آسانی سے وہاں سے نقل مکانی نہیں
تا۔۔ جبکہ دماغ کا ڈر مصروفیات میں قید ہو کر کچھ
ت کے لیے انسان سے دور چلا جاتا ہے۔۔
گوتم نہ آگے بڑھ سکتا تھا نا پیچھے۔۔ کیونکہ ہر
ف ایسا اندھیرا تھا کہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔
تبھی گوتم کو اپنے اردگرد سرگوشیاں سنائی دینے
گیں۔۔ گوتم ڈر کے مارے بھیگی بلی بن گیا۔ سرگوشیاں
ید قریب ہوتی گئیں۔۔ اور پھر گوتم کو ایسے لگا جیسے اس
تم کو اسکا نام لے کر مخاطب کیا گیا ہے۔۔

" کک۔ کک۔۔ کون ہے؟"
گوتم نے اپنے چاروں طرف گھومتے ہوئے
ہکلاتے ہوئے آواز دی۔ جو کہ شاید اس کے حلق سے
باہر ہی نہیں نکلی تھی۔
پھر دفعتاً گوتم کو کسی نے اس کے سر کے بالوں
سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔۔
گوتم کا سر زمین پر کسی لکڑی سے ٹکرایا تھا جس کی
وجہ سے اس کے سر میں شدید درد ہوا تھا۔
گوتم اس وقت شدید درد میں مبتلا ہونے کے
باوجود ڈرا ہوا تھا۔ وہ زمین پر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہا
تھا۔ وہ وہاں سے دوڑنا چاہتا تھا مگر اندھا کیا جانے کہ
جانا کدھر ہے۔۔
" گوتم۔۔۔ گوتم۔۔۔ گوتم۔۔۔"
گوتم کو پھر سے اسکا نام سنائی دیا۔ مگر اس بار
بہت واضح اور تیز سنائی دیا تھا۔۔ کسی نے تین بار کسی
گیت کی لے میں اسکا نام پکارا تھا۔۔
''کک،، کک،، کون ہو تم۔ کیوں مجھے تنگ کر
رہی ہو۔؟''
گوتم نے ہمت کر کے اس ان دیکھی لڑکی سے
پھر سے سوال کیا جو اس کے لیے معراج بنی ہوئی تھی۔
"میں کون ہوں؟ ہاہاہاہا۔۔ یہی پوچھا ناں تم
نے؟"
"ہاں یہی پوچھا ہے۔۔ بتاؤ کون ہو تم۔۔ اور
میرے پیچھے کیوں پڑی ہو۔۔ کیا بگاڑا ہے میں نے
تمہارا؟"
گوتم نے ڈر کو خود سے دور بھگاتے ہوئے یکے
بعد دیگرے کئی سوال کر ڈالے۔
"میں کون ہوں؟
میں موت ہوں تمہاری۔۔۔'' اچانک سے وہ
غصے سے بھری محسوس ہوئی۔۔ اس کی آواز میں بادلوں
جیسی گرج تھی۔'' میں وہ ہوں جس کے گھر کو ابھی تم
کاٹ کر آ رہے ہو۔۔ میں وہ ہوں جس کے بچوں کا سر تم
نے اپنی کلہاڑی سے کاٹ ڈالا۔۔۔ میں وہ ہوں جس

کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تم نے مار ڈالا۔
وہ غصے سے دھاڑے جارہی تھی۔۔
پھر جنگل میں ایسی روشنی پھیلی جیسے کئی دیے ایک ساتھ روشن کردیے گئے ہوں۔۔۔
گوتم ابھی تک زمین پر پڑا ہوا تھا۔۔۔روشنی دیکھتے ہی گوتم جلدی سے اٹھا اور بھاگنے لگا۔۔روشنیاں گوتم کے تعاقب میں تھیں۔۔کبھی وہ روشنیاں ختم ہو جاتیں تو کبھی پھر سے روشن ہو جاتیں۔۔۔گوتم کو اس وقت بس جنگل سے نکلنے کی پڑی تھی۔۔مگر وہ کیا جانتا تھا کہ وہ زندگی کی طرف نہیں بلکہ موت کی طرف بھاگ رہا ہے۔۔
جنگل ختم ہونے ہی والا تھا۔۔اور وہ روشنیاں ابھی تک گوتم پہ مسکراتی ہوئی اسکا پیچھا کر رہی تھیں۔۔جب جنگل کا آخری کونہ آیا تو وہ روشنیاں اچانک سے گوتم کے آگے آگئیں۔اور گوتم ایک دم سے وہیں ساکت ہوگیا۔۔
پھر گوتم نے وہ دیکھا جو شاید اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔۔
روشنیاں ختم ہوگئیں اور انکے ختم ہوتے ہی گوتم کے سامنے ایک بڑا سا وجود لہرانے لگا۔۔
اسے دیکھتے ہی گوتم کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔۔
گہری سیاہ رنگت والی، کسی بڑے سے درخت کے سائز کی وہ عورت سچ مچ موت کے فرشتے کی طرح تھی۔اس کے بال اتنے گھنے اور لمبے تھے کہ زمین سے لگ رہے تھے۔گوتم نے غور کیا تو وہ بال نہیں بلکہ سانپ تھے۔جو آہستہ آہستہ گوتم کی جانب بڑھ رہے تھے۔ڈر اور خوف کے مارے گوتم کے پاؤں من من کے بھاری ہو چکے تھے۔اس کے منہ سے رال نہیں بلکہ خون ٹپک رہا تھا۔آنکھیں بہت بڑی۔ناک کی لمبائی منہ سے آگے تک بڑھی ہوئی تھی۔۔اس کے دونوں پاؤں الٹے اور تلوار کی مانند ناخن تھے۔وہ گوتم کو ڈرا ہوا دیکھ کر زور زور سے ہنسنے لگی۔۔
"تم نے میرے بچوں کو مار کر اچھا نہیں کیا۔۔میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔۔تمہیں کبھی چین نہیں آنے دونگی۔۔۔"
"میں نے جان بوجھ کر تمہیں بچوں کو نہیں مارا۔۔اگر مجھے پتہ ہوتا کہ جہاں تمہارا بسیرا ہے تو میں زندگی بھر جگہ کا رخ نہیں کرتا۔میں تو کھیتی باڑی کرتا ہوں۔آج پتہ نہیں کیسے اس جنگل میں آ گیا مجھے خود نہیں پتہ۔۔"
گوتم صفائیاں دینے لگا۔موت کے ڈر سے وہ رو رہا تھا۔
"میں جانتی ہوں تم خود نہیں آئے بلکہ تمہیں یہاں بھیجا گیا ہے۔۔"
"کیا؟" گوتم مزید حیرت زدہ ہوگیا۔
"ہاں۔۔تمہیں کسی اور نے یہاں بھیجا ہے۔۔مگر میری طاقتیں بھی مجھے یہ نہیں بتا رہیں کہ وہ کون شخص ہے۔جو میرے بچوں کو قتل کروانا چاہتا تھا۔اور اس نے ایسا کیا بھی۔۔"
"میں بھی تو وہی کہہ رہا ہوں کہ میں خود نہیں جانتا کہ میں یہاں کیسے آیا۔۔دیکھو اب تو مجھے چھوڑ دو۔۔مجھے گھر جانے دو۔میں آج کے بعد یہاں کبھی نہیں آؤنگا۔۔"
"نہیں۔۔میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتی۔۔کیونکہ مجھے تم کو مارنے کا حکم ملا ہے۔"
"کک۔کک۔کیا؟ کس نے تمہیں مجھے مارنے کا حکم دیا ہے؟"
"اس نے۔۔"
اس چڑیل نے اپنی ہتھیلی کو آگے کیا تو ہتھیلی آگ کی طرح دہک رہی تھی۔وہاں ہلکی ہلکی سرخ و سیاہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔جس پر "ساٹھ" لکھا ہوا تھا۔۔
یہ میرا حاکم ہے۔یہی مجھے حکم دیتا ہے۔یہی میری پہچان بھی ہے۔میرے حاکم نے مجھے تم کو مارنے کا حکم دیا ہے اسی لیے تمہاری موت طے ہے۔۔
چڑیل کے اس انکشاف نے گوتم کو چاروں

ساتے چت کر دیا۔۔وہ بے یارومددگار کھڑا خود کو کوس رہا تھا کہ وہ آج کیوں جنگل میں آیا تھا۔۔کاش اسے پہلے علم ہوتا تو وہ زندگی بھر اس طرف کا رخ نہیں کرتا۔۔مگر افسوس۔۔صد افسوس۔۔

ساری کشتیاں جل چکی تھیں۔۔

چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں۔۔

اچانک اس چڑیل کے سانپوں کی مانند بالوں نے برق رفتاری سے گوتم کے سارے وجود کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔۔۔وہ سانپ گوتم کے جسم سے لپٹے ہوئے اسے ڈسے جا رہے تھے۔۔کوئی سانپ کان میں گھس رہا تھا کوئی ناک میں تو کوئی منہ کے راستے پیٹ میں گھستا چلا جا رہا تھا۔۔

گوتم کی آنکھوں کے ڈیلے ڈر کی شدت کے باعث آنکھوں سے باہر نکل آئے تھے۔۔

جس جگہ آنکھوں کے ڈیلے تھے اب وہاں گہرے سیاہ سوراخ تھے جن سے سرخ و سیاہ خون بہہ کر گوتم کے پورے وجود کو رنگتا جا رہا تھا۔۔

گوتم کے جسم پر جگہ جگہ سانپوں کے کاٹنے کے نشان تھے۔۔

گوتم کب کا مر چکا تھا۔۔ایسی موت جو اس نے کبھی سپنے میں بھی نہیں سوچی تھی۔۔

ایسی موت جو برسوں تک یاد رکھی جانے والی تھی۔

ایسی موت جو کوئی بھی پانا نہیں چاہتا تھا۔۔

گوتم کے جسم سے جگہ جگہ سفید جھاگ کی مانند مادہ نکل کر بہہ رہا تھا۔۔

موت اپنا کام کر چکی تھی۔

گوتم کو مکتی مل چکی تھی۔۔مگر وہ مکتی فقط دنیا والوں کی نظروں میں تھی۔۔اسے ابھی تک نروان حاصل نہیں ہوا تھا۔۔

جونی چکر بھی ابھی نہیں مل سکتا تھا اسے۔۔کیونکہ ابھی اس کی آتما کو اس دنیا سے رہائی نہیں ملی تھی۔۔۔

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت-/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفٰے

دعا بک کارنر نئی بلڈ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

کچھ وقت کے بعد گاؤں کے چوراہے پر پڑی گوتم کی لاش کو دیکھ کر لوگ ڈر سے کانپنے لگے۔۔

جو بھی گوتم کو دیکھتا، اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتا۔۔ایسی دردناک موت آج تک کسی نے بھی نہیں دیکھی تھی۔۔۔

رات کے گہرے اندھیرے میں جب بجلی بند تھی تو پورا گاؤں ہاتھوں میں لالٹین پکڑے گاؤں کے چوراہے ہر موجود گوتم کی لاش کے گرد گھیرا بنائے کھڑا تھا۔۔

بستی والوں کا شور سن کر رام چندر بھی اپنے گھر سے نکل کر وہاں آ گیا۔گوتم پر نظر پڑتے ہی رام چندر خوف میں لپٹا کانپنے لگا۔۔

اگلی شام کو گوتم کی چتا کو اگنی دے دی گئی۔۔رام چندر اگنی دیتے سمے وہیں پر موجود تھا۔۔اس کے رگ و پے میں خوف وڈر نے حصار بنایا ہوا تھا۔۔

رام کو گوتم کی موت دیکھی دیکھی سی معلوم ہو رہی تھی۔اسے رہ رہ کر یہ چیز بے چین کر رہی تھی کہ اس نے ایسا منظر پہلے بھی کہیں دیکھا ہے مگر دماغ پر زور دینے کے باوجود اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے وہ منظر کہاں دیکھا ہے۔۔۔

رام رات کو گھر میں بیٹھا تھا۔۔۔اس کا ذہن ابھی تک گوتم کی لاش پر ہی اٹکا ہوا تھا۔۔۔دفعتاً اس کے ذہن میں کچھ گردش کرنے لگا۔۔۔کچھ ہندسے بار بار اس کے ذہن پر دستک دے کر اسے کچھ بتانے کی کوشش کر رہے تھے۔۔۔

پھر اسکا دل ایک دم سے جیسے بند ہو گیا۔۔۔آنکھیں حیرت و پریشانی سے چوڑی ہو گئیں۔۔۔

اس نے جلدی سے وہی کتاب نکالی۔۔۔کتاب کھول کر اس نے "ساٹھ "نمبر والا منتر دیکھا۔۔۔اسے کل یہی نمبر تو نظر آیا تھا مگر ساٹھ نمبر والا منتر پڑھنے کے باوجود وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔۔۔بہت دیر تک وہ اس منتر کو دیکھتا رہا۔۔۔مختلف نظریوں سے اس منتر کا مشاہدہ کرتا رہا مگر کچھ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔۔۔

جب وہ تنگ آ گیا تو کتاب بند کرنے لگا۔۔۔کتاب بند کرتے وقت اچانک اس کا ہاتھ رک گیا۔۔۔

رام کے سامنے اسی کتاب پر لکھی ہوئی اس کی ایک کہانی آ گئی۔۔کہانی کے عنوان کی جگہ ایک منتر درج تھا۔۔۔رام کو خیال آیا کہ یہ تو وہی ساٹھ نمبر والا منتر ہے۔۔

لیکن وہ پھر اس سوچ میں ڈوب گیا کہ اس منتر کا کیا چکر ہے۔۔۔اور یہ ساٹھ نمبر کا ہندسہ۔۔۔

اسے پھر خیال آیا کہ گزشتہ شب جب کتاب کے اوراق خود حرکت کر رہے تھے تو ایک جگہ آ کر رک گئے تھے۔۔۔وہاں "ساٹھ" کا ہندسہ جگمگا رہا تھا۔۔لیکن ان سب کے باوجود وہ یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ منتر کا اور اس ہندسے کا کیا چکر ہے۔

اسے کیوں وہ ہندسہ گزشتہ شب نظر آیا تھا؟

پھر ایک خیال آنے کے بعد وہ مزید ڈر گیا۔۔

اس نے اپنی لکھی وہی ساٹھ نمبر کے منتر والی کہانی پڑھنی شروع کر دی۔

جوں جوں وہ کہانی پڑھتا جا رہا تھا توں توں رام پہ دہشت و خوف بسیرا کرتا جا رہا تھا۔

کیوں کہ رام نے جانے انجانے میں ایسا کچھ لکھ دیا تھا جو اب حقیقت میں ہو چکا تھا۔۔

ساٹھ نمبر والے منتر کی کہانی کا واحد کردار گوتم ہوتا ہے۔جو ایک دن یونہی جنگل میں لکڑیاں کاٹنے جاتا ہے۔راستے میں اسے شام ہو جاتی ہے۔اور گھر واپس لوٹتے سمے جنگل میں ایک چڑیل سے اسکا سامنا ہو جاتا ہے۔اور پھر وہی چڑیل اسکو مار ڈالتی ہے۔۔

اس کی کہانی کے کردار کی موت اور حقیقت میں اس کے گاؤں والے گوتم کی موت بالکل ایک جیسی تھی۔۔۔جیسے کہانی کے کردار کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں ویسے ہی اس کے گاؤں کے گوتم کی بھی آنکھیں

ا ہر نکل آئی تھیں۔۔آسان لفظوں میں یہ کہ اس کہانی نے کردار نے کہانی میں جو بھی عمل کیا تھا یا اس کے ساتھ جو بھی معاملہ پیش آیا تھا ویسا ہی حقیقت میں پیش آیا تھا۔۔گاؤں کے لڑکے گوتم کے ساتھ۔۔۔

رام اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا۔۔۔

وہ بہت ڈر رہا تھا۔۔۔

اچانک رام کو اپنے اردگرد بہت سی آوازیں سنائی دینے لگیں۔۔ڈر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔۔کمرے میں اندھیرا ہونے کے باعث اسے کچھ دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔وہ بجلی کا بٹن آن کرنے کی خاطر اٹھا کہ اچانک کسی چیز سے ٹکرا کر نیچے زمین پر زور سے گرا۔درد کی ایک شدید لہر کا احساس ہوا۔۔اچانک بجلی زور سے چمکی تو اسے کمرے میں فرش پر گوتم کی لاش نظر آئی۔وہ مزید ڈر گیا۔تبھی ڈر و خوف کی وجہ سے رام بیہوش ہو گیا۔۔اس کے بیہوش ہوتے ہی گوتم کی لاش قہقہے لگاتی ہوئی رام کے ساکت وجود پر جھک جاتی ہے۔گوتم کی لاش رام کو غصے سے دیکھتی ہے اور اچانک غائب ہو جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

رام بہت ڈرا ہوا تھا۔کل رات والے واقعے نے اسکو کچھ ایسا اپنے حصار میں جکڑا تھا کہ وہ ابھی تک خود کو اسی قید میں محسوس کر رہا تھا۔۔

وہ میز کے سامنے بیٹھا تھا جب وہی منتروں والی کتاب خود بخود حرکت میں آتی ہے۔

کل والا عمل پھٹ سے دوہرایا گیا۔صفحات ان دیکھی طاقت کے زیر اثر گردش کرتے رہے اور ایک خالی صفحے پر آ کر رک گئے۔

وہ رام کی اس کتاب پر لکھی چوتھی کہانی کا وہ صفحہ تھا وہ بالکل خالی تھا۔بالکل صاف تھا۔

پھر سے اس صفحے پر کچھ ہندسے دکھائی دینے لگے۔سرخ و سیاہ روشنائی میں قید۔۔۔

"ایک سو دس"۔۔ہاں بالکل یہی ہندسہ درج تھا وہاں۔۔

رام چندر حیرت و خوف سے پھر سر تھام کر بیٹھ گیا۔پھر جلدی سے "ایک سو دس" نمبر والے منتر کی کہانی نکال کر پڑھنے بیٹھ گیا۔۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ کہانی پڑھ کر یہ جان لے گا کہ اب کس کا قتل ہونے والا ہے۔ساری کہانی پڑھنے اور غور و فکر کرنے کے بعد بھی اسے اپنے گاؤں میں کہانی والا کردار نہ مل سکا۔۔

اس نے باقاعدہ گاؤں کے سب سے بزرگ انسان سے بھی اس نام کے شخص کو جاننا چاہا مگر وہاں سے بھی کامیابی نہ ملی۔

آخر اب کون ہو سکتا ہے؟

کون موت کے گھاٹ اترنے والا تھا؟

رہ رہ کر اسے خود پر افسوس اور غصہ آئے جا رہا تھا کہ کیوں اس نے وہ منتروں والی کتاب اٹھائی تھی اگر اٹھا بھی لی تھی تو اس سے آگے کیوں پڑھا تھا۔کیوں اس نے لوگوں کی موت کی کہانی تحریر کی تھی؟

☆.....☆.....☆

اگلی صبح اخبار میں ایک درمیانی عمر کے شخص کی خوفناک تصویر لگی تھی۔صحافیوں کے مطابق اس انسان کا قتل کسی پاگل بوڑھے نے کیا تھا۔۔کیوں کے لاش کے نزدیک انہیں ایک لوہے کی لاٹھی ملی تھی جس پر خون لگا ہوا تھا۔۔

مگر صرف رام ہی جانتا تھا قتل کسی پاگل بوڑھے نے نہیں بلکہ اس شخص کی بیوی نے کیا تھا۔۔اور اس کی بیوی یقینی طور پر اب گھر میں کہرام مچائے مگرمچھ کے آنسو بہائے جا رہی ہو گی۔اور کچھ دن بعد اپنے پریمی سے بیاہ کرنے والی ہو گی۔۔

اس رات بھی کمرے میں اندھیرا تھا۔بارش بھی ہو رہی تھی اور رام چندر ڈرا ڈرا سا بیٹھا ہوا تھا۔۔جب اسے اپنے سامنے کل رات قتل ہونے والے "پریتم" کی لاش نظر آئی۔وہ سمٹ کر بستر پر بیٹھ گیا۔۔۔

پریتم کی لاش کے ساتھ اب گوتم کی لاش بھی خونی نگاہوں سے رام چندر کو دیکھ رہی تھی۔

رام کی زندگی صرف وفقط ڈر میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔۔ پریتم اور گوتم کی لاشیں اسے خوابوں میں بھی ڈرانے لگیں تھیں۔ ہر وقت اسے یہ احساس شدت سے ہوتا کہ کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہے کوئی اسکا پیچھا کر رہا ہے۔۔ رام کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس مصیبت سے باہر نکلے۔

اس رات بھی وہ بہت خوف کی حالت میں میز کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک خیال نے اسے بہت بے چین اور پرسکون کر دیا۔۔

اس نے جلدی سے وہ منتروں والی کتاب اٹھائی۔

رام کا مقصد اس کتاب کے تمام صفحات کو پھاڑ کر جلا دینے کا تھا۔ اس نے جلدی جلدی بقیہ تین کہانیوں کے صفحات کتاب سے پھاڑنے چاہے مگر یہ کیا۔۔ کتاب کے صفحات تو جیسے لوہے کے ہو گئے تھے۔ وہ انکو پھاڑ تو کیا فولڈ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ ناکام ہی رہا۔

دن یہ دن گزرتے چلے گئے اور یکے بعد دیگرے دو اور قتل ہو گئے۔۔ بالکل ویسے ہی جیسے رام نے کتاب میں لکھا تھا۔۔ وہی کردار۔۔ وہی ہتھیار۔۔ وہی کرب ناک موت۔۔

جیسے ہی کوئی قتل ہوتا اس شخص کی لاش رام کا جینا دوبھر کرنے کے لیے اس کے خوابوں خیالوں اور حتی کہ اس کے گھر تک آ جاتی۔۔

گوتم، پریتم، نارائن، روی یہ وہ چار لوگ تھے جو رام کی کہانیوں کے کردار تھے۔ یہ وہ چار بے قصور لوگ تھے جن کی موت کا فرمان رام نے لکھا تھا۔ یہ وہ چار لوگ تھے جو رام کی زندگی ختم کرنے کے درپے تھے۔۔

رام ڈر و خوف سے مکمل طور پر پاگل ہو گیا تھا۔۔

اب ایک کہانی باقی بچی تھی۔ مطلب ایک قتل اور۔۔۔ اور کرب ناک موت۔۔۔ ایک اور زندگی کا خاتمہ۔۔

مگر جب رام نے منتروں والی کتاب پہ اپنی لکھی وہ آخری کہانی پڑھی تو اسکا پورا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ خون جسم میں جیسے جم گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں بھی ساکت و جامد ہو گئے۔۔

کون جانتا تھا کہ اگلی موت کس کی ہونے والی تھی۔۔ پوری بستی اپنے اپنے بستروں میں دبکی ہوئی تھی۔۔ مگر رام کو ایک پل بھی چین کا میسر نہیں تھا۔۔

☆.....☆.....☆

وہ جنوری کی آخری شام تھی۔ شام سے پہلے تک موسم بالکل ٹھیک تھا۔ مگر شام کے سائے گہرے ہوتے ہی بادلوں سے آسمان کی چھاتی بھر گئی۔ کچھ سمے کے بعد ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔۔ رام اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا، کمرے کے دروازے کو کھولے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے چینی تھی۔ کہیں کہیں تفکر اور ڈر بھی تھا۔

بارش نے رفتار پکڑ لی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف جل تھل کر دیا۔ آسمان سے بار بار بجلی کے چمکنے کی بھی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے ہی بجلی چمکنے کی آواز آتی، رام ایک دم سے ڈر کر خود میں سمٹ جاتا۔۔

رام کی نظریں اپنے گھر کے سامنے والی دیوار پر تھیں جہاں جامن کا بڑا سا درخت لگا ہوا تھا۔۔

دفعتاً ایک مرتبہ پھر سے بجلی چمکی۔ بجلی کی آواز سے رام کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔ تبھی رام کو اپنے سامنے لہراتے ہوئے چار عکس دکھائی دیے۔

چاروں آہستہ آہستہ رام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ رام میں اتنی ہمت بھی نہیں بچی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے ہل سکے۔ وہ چاروں جب رام کے پاس آ پہنچے تو انکے عکس واضح ہو گئے۔۔ ایک مکمل جسمانی روپ دھارے ہوئے وہ بہت خوفناک دکھائی دے رہے تھے۔

ان میں سے ایک گوتم تھا جس کی موت جنگل میں بسنے والی چڑیل کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

دوسرا پریتم، جس کو اس کی اپنی ہی بیوی نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

تیسرا نارائن تھا جس کی موت سوتے وقت ایک وشال سانپ کے کاٹنے سے ہوئی تھی۔ اور وہ سانپ نہ

جانے کس دیس کا تھا کہ اس کے زہر کی وجہ سے نارائن کا سارا جسم پانی بن کر بہہ گیا تھا۔اب رام کے سامنے صرف نارائن کا ہڈیوں سے بھرا ڈھانچہ تھا۔

چوتھا شخص روی تھا جس کی موت سمندر میں ڈوبنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔جب اس کی لاش سمندر سے باہر نکالی گئی تو وہ پانی کی وجہ سے پھول کر بہت بھاری ہوگئی تھی۔اب رام کے سامنے روی کا بھاری بھرکم وجود تھا جو کسی بھی طور روی نہیں لگ رہا تھا مگر وہ تھا روی ہی۔۔

رام کے گھر میں اچانک بہت گھنیرا اندھیرا چھا گیا۔وہ اندھیرا ان لاشوں کی طاقت سے ہوا تھا۔

رام کا پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔سخت سردی کے موسم میں بھی وہ پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔

پھر ان چاروں نے خوفناک قہقہے لگانے شروع کر دیے۔انکی آواز اتنی تیز تھی کہ رام کے کانوں میں شدید درد ہونے لگا۔رام اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ چاروں اچانک غائب ہو گئے۔رام نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آئے۔رام دوسری طرف مڑا ہی تھا کہ اچانک وہ پھر سے اس کے سامنے ظاہر ہوگئے۔رام اچانک ڈر سے پیچھے کی جانب ہٹا نیچے گر گیا۔میز کا ایک کونا رام کے سر میں جا لگا اور وہاں سے خون بہنے لگا۔

گوتم کی لاش جلدی سے آگے بڑھی اور رام کے سامنے اسکا خون چاٹنے لگی۔گوتم کے منہ پر اور ہاتھوں پر رام کا خون لگا ہوا تھا جسے دیکھ کر اور گوتم کی خوفناک ہنسی دیکھ کر رام کو قے آ گئی۔۔۔

رام نے منہ سے خون تھوکا تھا جو گوتم اور نارائن کا ڈھانچہ چاٹ رہے تھے۔۔رام کو پھر خون کی قے آئی۔

نارائن کا ڈھانچہ مکمل طور پر خون سے تر ہو گیا تھا۔۔

پھر پریتم آگے بڑھا۔۔اس نے رام کو اس کے سر کے بالوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا ایسے جیسے وہ کوئی بہت ہلکی چیز ہو۔۔رام کے سر کے بال اس کی جلد اکھڑ کر پریتم کے ہاتھوں میں رہ گئے۔۔۔رام کو اپنے سر میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔۔اس کے بالوں سے عاری سر میں چھوٹے چھوٹے سوئیوں کی مانند سوراخ ہو گئے جن سے خون کی ہلکی ہلکی پھوار ارد گرد گر رہی تھی اور وہ چاروں رام کے خون سے اپنا منہ رنگتے چلے جا رہے تھے۔۔

پریتم کے بعد پانی سے بھرے غبارے کی مانند ادھر ادھر ڈالتا ہوا روی آگے بڑھا اور رام کو اس کے پاؤں سے پکڑ کر کمرے سے باہر پھینکتا ہوا خود بھی باہر آ گیا۔بارش ابھی تک جاری تھی۔۔رام کی چیخیں اب پورے گاؤں میں سنائی دے رہی تھیں مگر وہ چیخیں سوائے رام اور ان چاروں لاشوں کے کوئی بھی نہیں سن سکتا تھا۔۔

روی نے پھر رام کو ایک ٹانگ سے پکڑا اور زور سے گھر کے خارجی دروازے کی طرف پھینک دیا۔رام دروازے میں اتنے زور سے لگا کہ دروازہ اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور رام دروازے کے باہر جا گرا۔۔رام کے جسم پر لپٹے ہوئے کپڑے خون سے بھر گئے تھے۔۔

چاروں رام کو گاؤں کے چوراہے پر لے آئے۔۔

رام کو نیچے زمین پر پٹخ کر وہ اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔۔

اب ان چاروں کے چہروں پر غصہ تھا۔شدید غصہ۔آنکھیں خون رنگ ہو گئی تھیں۔انکے چہرے اتنے خوفناک ہو گئے تھے کہ انکو جو بھی دیکھ لیتا فوراً وہیں جان کی بازی ہار جاتا۔۔

"کیا قصور تھا ہمارا۔۔کیوں ہماری موت کو لکھا تم نے۔۔کیوں ایسی موت دی جو سوچنے والے کو ساری زندگی پاگل بنائے رکھے۔۔؟"

گوتم نے غصے سے رام سے سوال کیا۔

رام کے پاس سوائے آہوں اور درد کے کچھ نہ بچا تھا۔۔وہ تو خود نہیں جانتا تھا کہ اس کے نادانی کیا رنگ لے آئے گی۔۔

"میں نے تم کو نہیں مارا۔۔مجھے معاف کر دو۔تمہیں بھگوان کا واسطہ ہے۔۔مجھے معاف کر دو۔۔"

رام نے انکے سامنے روتے ہوئے اپنے ہاتھ جوڑ لیے۔

"معافی ہی تو نہیں مل سکتی تمہیں۔۔تم نے ہمیں جو موت دی ہے وہ ہمارا حق نہیں تھی۔۔لیکن ان تمہیں جو موت ہم دیں گے وہ تمہارا ضرور حق ہے۔"

پریتم نے خوفناک منہ بناتے ہوئے دہشت سے کہا۔

"دیکھو جو بھی ہوا وہ سب غلطی سے ہوا تھا۔میں نہیں جانتا تھا کہ جو میں لکھ رہا ہوں وہ سب حقیقت میں بھی پیش آ سکتا ہے۔۔مجھے معاف کر دو۔معاف کر دو مجھے۔۔"

رام تواتر سے ہاتھ جوڑے معافی کی بھیک مانگ رہا تھا۔مگر اکثر طلب کی تکمیل نہیں ہوتی۔آج بھی وہی سب کچھ ہو رہا تھا۔۔

"تم نے ہمارا موت نامہ تو لکھ لیا۔لیکن انجانے میں تم نے اپنی موت بھی خود اپنے ہاتھوں سے لکھ دی ہے۔۔اب ہم تمہارے ساتھ پورا انصاف کریں گے جیسا انصاف تم نے ہمارے ساتھ کیا تھا۔۔"

نارائن نے اتنا کہتے ہی اپنے ڈھانچے میں ڈھلے ہاتھ کی انگلیوں کو رام کی ران میں ٹھونس دیا۔۔درد و تکلیف کی بھرپور لہر رام کے انگ انگ میں اٹھی۔اس کی چیخیں ہر سو گونج رہی تھیں مگر کوئی بھی انکو سننے والا نہیں تھا۔۔

پھر روی آگے بڑھا اور اپنے بھاری بھرکم وجود کو زور سے رام کی بائیں ٹانگ پر گرایا۔۔رام کی اس ٹانگ کی تمام ہڈیاں چیخ سے ٹوٹ گئی۔درد کی وجہ سے رام کی آنکھوں سے بھی خون بہنے لگا۔۔اس کی ناک سے بھی خون بہتا ہوا اس کے منہ پر پھیل چکا تھا۔۔

گوتم نے رام کے دائیں بازو کو پکڑ لیا اور پریتم نے رام کے بائیں بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور ایک ساتھ دونوں نے زور کا جھٹکا دیا۔رام کے دونوں بازو اس کے دھڑ سے جدا ہو گئے۔۔

رام کو جو درد مل رہا تھا وہ درد دراصل انجانے میں اس نے خود ہی اپنی قسمت میں لکھا تھا۔۔اب اس درد سے بچاؤ کی ایک صورت تھی اور وہ صورت صرف موت تھی۔۔

ایک ٹانگ ٹوٹنے اور دونوں بازو دھڑ سے الگ ہونے کے باوجود رام مرا نہیں تھا نہ ہی بے ہوش ہوا تھا۔شاید اسے اپنی موت کا منظر آخری سانس تک دیکھنا تھا۔۔وہ اپنی موت کا کھیل دیکھنے سے منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔۔

رام گاؤں کے چوراہے پر گیلی زمین پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔اس کے جسم کے ہر ایک حصے سے خون بہہ رہا تھا۔۔وہ خود اس وقت موت کی دعا کر رہا تھا۔۔تکلیف حد سے تجاوز کر چکی تھی۔۔شاید درد کا آخری مقام بھی طے کر لیا تھا رام نے۔۔

پھر چاروں لاشیں ایک ساتھ رام کی جانب بڑھیں۔گوتم اور روی نے رام کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور ایک جھٹکا دے کر دھڑ سے الگ کر دیں۔۔۔عین اسی سے رام کی موت واقع ہو گئی۔۔۔

انہوں نے رام کے جسم کے ہر ایک حصے کو وہیں درخت پر لٹکا دیا۔۔۔اور اس کے سر کو وہیں چوراہے پر رکھ دیا۔۔۔اور اچانک وہ لاشیں جو دراصل شیطانی آتمائیں تھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہاں سے غائب ہو گئیں۔۔۔

اس منتروں والی کتاب پہ رام کی لکھی ہوئی کہانیاں رام کے مرتے ہی خود بخود صاف ہو گئیں۔کتاب کے صفحات پہلے کی طرح کورے ہو گئے بالکل ایسے جیسے اس پر کبھی کچھ لکھا ہی نہیں گیا تھا۔۔۔

وہ چاروں آتمائیں تو رام کی موت کے ساتھ ہی مکتی پا گئی تھیں مگر رام کی آتما کو مکتی نہیں ملی تھی۔۔۔

رام کی آتما اب بھی اس کے گھر میں بھٹکتی رہتی ہے۔۔اسے مکتی صرف ایک صورت میں مل سکتی ہے کہ رام کے جیسا ہی کوئی شخص آئے اور اس کتاب کو بنا پڑھے جلا دے۔۔۔

مگر ایسا کب ہو سکتا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔۔!!!

پہاڑی چڑیل

شہباز احمد۔ جھانزا ایبٹ آباد

اچانک چڑیل کی آنکھوں سے رنگ برنگی روشنیاں نکلنے لگیں تو ایک نوجوان آندھی کی طرح اس کے سامنے نمودار ہوا پھر چشم زدن میں چڑیل کے پورے جسم میں آگ لگ گئی تو.....

ایک چڑیل کی دیدہ دلیری... اور شر انگیزی جو کہ پڑھنے والوں کو خوفزدہ کر دے گی

وہ سڑک اس پہاڑ سے تقریباً 6 سو میٹر نیچے ایک خوبصورت وادی میں تھی کہ اچانک جس پر ایک شاندار کار آ کر رکی یہ کار سلیم نامی ایک 32 سالہ نوجوان کی تھی، جو شہر سے گاؤں سیر کرنے آیا تھا، لیکن گاؤں سے کچھ دور اس کی گاڑی میں کچھ خرابی پیدا ہوئی اور گاڑی کا انجن اچانک بند ہو گیا، وہ گاڑی سے اتر کر نیچے آیا۔ ابھی اسے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اس کے عقب میں پھیلے ایک بڑے سے پہاڑ کی چوٹی پر ایک سایہ نمودار ہوا اس سائے نے چھ سو میٹر بلندی سے نیچے چھلانگ لگا دی اور کچھ ہی سیکنڈ میں وہ سایہ نوجوان کی کار کے قریب تھا۔ سلیم کو گاڑی سے اترنے کے کچھ دیر بعد اپنے پیچھے دھپ کی آواز سے کچھ گرنے کی آواز سنائی دی اور پھر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک بوڑھی عورت دکھائی دی لیکن اس کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا اور اس

کی آنکھیں نہایت پراسرار تھیں۔

سلیم نے اس بوڑھی عورت کو دیکھ کر جھرجھری لی۔ پھر اس سے پہلے کہ سلیم کچھ کہتا اس عورت نے سلیم کی گردن دبوچ لی اور سلیم ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح چیخنے چلانے لگا، کچھ ہی دیر میں وہاں سلیم کی لاش پڑی تھی۔

پھر اس عورت نے سلیم کی طرف ہاتھ جھٹکے تو وہاں نہ سلیم تھا اور نہ ہی وہ عورت۔ پھر اس پہاڑ کی چوٹی پر وہ عورت نمودار ہوئی۔ چوٹی سے کچھ نیچے بہت ہی خطرناک ڈھلوان تھی وہاں ایک عام آدمی نہیں چل سکتا تھا مگر حیرت انگیز طور پر وہ بوڑھی عورت وہاں پر ایسے چل رہی تھی جیسے وہ ہموار زمین پر چل رہی ہو۔ وہ عورت ڈھلوان پر بہت تیزی سے نیچے کی طرف چل رہی تھی۔ اگر ایک عام انسان اسے ایسے چلتا دیکھ لیتا تو وہ خوف سے چیخ تو ضرور مارتا اور کمزور اعصاب کا آدمی بے ہوش ہوجاتا، اب وہ عورت اس پہاڑ کے کنارے سے کچھ فاصلے پر تھی کہ ایک غار کا دہانہ نظر آیا، اس غار کا دہانہ نیم دائرے کی شکل میں تھا لیکن اتنا بڑا ضرور تھا کہ ایک آدمی اس میں داخل ہوسکتا۔ وہ بوڑھی عورت اس غار میں داخل ہوگئی، یہ غار شیطان کی آنت کی طرح لمبا تھا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد غار اندر سے وسیع ہونا شروع ہوگیا آخر کار وہ عورت ایک کمرے میں پہنچ گئی۔

کمرے میں روشنی تھی مگر کہیں بھی روشنی کا ذریعہ نظر نہیں آرہا تھا۔ دفعتاً اس بوڑھی عورت نے زمین کی طرف ہاتھ جھٹکے تو وہاں سلیم کی لاش ظاہر ہوئی۔ جسے دیکھ کر پہلے تو بوڑھی عورت پراسرار طریقے سے مسکرائی اور پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔ پھر اس نے سلیم کی لاش کی طرف پھونک ماری تو اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلنے لگے اور سلیم کی لاش پر پڑنے لگے، کچھ ہی دیر میں وہاں سلیم کی لاش کا سارا گوشت غائب ہوچکا تھا۔ صرف اس کے سر چہرے اور گردن پر گوشت باقی تھا۔ جس سے اس کا چہرہ پہچانا جاسکتا تھا جبکہ باقی تمام جگہ پر سیاہ ہڈیاں باقی تھیں۔

☆.....☆.....☆

سلیم کے دو بھائی اور چار بہنیں تھیں وہ بہن، بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس کی شادی کو نو برس ہوچکے تھے۔ اس کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا اور وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا اس کے بہن بھائیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں، اس کے سب سے چھوٹے بھائی کی ابھی ابھی شادی ہوئی تھی۔ سلیم ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ سلیم کے ماں اور باپ دو سال قبل ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال کرگئے تھے۔ وہ تینوں بھائی اب بھی ایک ساتھ رہتے تھے۔ سلیم کے گاؤں جانے کے دو دن بعد جب صبح سلیم کی بیوی انیلہ جاگی تو اس نے مڑ کر اپنے بیڈ پر اپنے چھوٹے بیٹے کو دیکھا جو اس کے دائیں طرف سو رہا تھا پھر اس کا ہاتھ کسی کے چہرے سے ٹکرایا تو اس نے مڑ کر دیکھا تو سلیم تھا۔ انیلہ نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر اسے دوبارہ دیکھا۔ پھر اس نے سوچا کہ سلیم تین دن کا کہہ کر گئے تھے پھر یہ یہاں کیسے! انہیں تو کل واپس آنا تھا شاید وہ آج رات واپس آگئے ہوں۔ لیکن انہوں نے کسی کو فون کرکے بتایا کیوں نہیں کہ میں واپس آرہا ہوں اور رات کو تو میں نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگائی تھی پھر یہ اندر آکر کیسے سوگئے۔

پھر انیلہ نے سوچا کہ سلیم کو جگا کر صحیح صورتحال معلوم کرتی ہوں، اس نے دیوار پر لگی گھڑی میں ٹائم دیکھا تو صبح کے پونے آٹھ بج رہے تھے۔ انیلہ نے سلیم کو کندھے سے پکڑ کر ہلا کر جگانا چاہا مگر خلاف توقع سلیم کا کندھا بستر کے اوپر نہ اس کے ہاتھ میں نہ آسکا تو وہ چونکی اور پھر بستر ہٹا دیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں گوشت سے بھرپور کندھے کے بجائے جلی ہوئی ہڈیاں تھیں، اس نے گھبرا کر سلیم کے سارے بدن سے بستر اُتار دیا لیکن اگلا منظر دیکھ کر اس کی چیخ پورے گھر میں پھیل گئی۔

سارے گھر والے اس کمرے کی طرف بھاگے لیکن دروازہ اندر سے بند تھا سب نے دروازہ پیٹنا شروع کردیا مگر وہ نہ کھلا تو پھر انہوں نے دروازہ توڑ دیا مگر اگلا منظر دیکھ کر ان کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی وہاں بیڈ پر سلیم، انیلہ اور ان کا چھوٹا بیٹا پڑا تھا۔ مگر

اس حالت میں کہ جسم کے بدن سے سارا گوشت غائب تھا صرف سر، منہ اور گردن پر گوشت تھا اور ہر جگہ جلی ہوئی سیاہ ہڈیاں موجود تھیں جبکہ انیلہ فرش پر بے ہوش پڑی تھی اور اس کا چھوٹا بیٹا سو رہا تھا۔

صبح دس بجے سے پہلے پہلے سارے محلے والوں کو حالت کا پتہ چل چکا تھا اس کے گھر پر لوگوں کا جم غفیر تھا جو کوئی بھی لاش دیکھتا حیرت اور خوف کے مارے دنگ رہ جاتا۔ سلیم کی لاش کو غسل دے کر جنازہ پڑھا کر دفنا دیا گیا۔ مگر لوگ اور سلیم کے گھر والے حیران تھے کہ سلیم تو گھر سے سیر کے لئے گیا تھا اور واپس بھی نہیں آیا تھا، اس کی کار لالو پور گاؤں جو کہ خوبصورت پہاڑیوں سے تین طرف سے گھیرا ہوا تھا اس سے کچھ فاصلے پر ملی تھی۔ وہ اسی گاؤں کا بتا کر گیا تھا۔ کسی نے کہا کہ آسیبی چکر ہے تو کسی نے کہا کہ کسی سنگدل قاتل نے اس کے گھر والوں کو ڈرانے کے لئے ایسا کیا ہے غرض جتنے منہ اتنی باتیں، پولیس نے بھی رسمی کارروائی کر کے نامعلوم شخص کے نام پرچہ کاٹ دیا۔ لیکن حقیقت کسی کو نہ پتہ چل سکی کہ سلیم کے ساتھ کیا ہوا۔

☆.....☆.....☆

حمزہ اس وقت اپنے گھر کی چھت پر کھیل رہا تھا کہ اسے اپنے گھر کے شمال مشرق میں پھیلے ہوئے تقریباً چھ سو میٹر اونچے پہاڑ کی چوٹی پر خوفناک قہقہے سنائی دیئے۔ اس نے ان آوازوں کو اپنا وہم گردانا اور دوبارہ کھیل کود میں مصروف ہو گیا مگر کچھ دیر بعد اسے پھر وہی آوازیں سنائی دیں تو خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے وہ بھاگ کر کہ چھت سے نیچے اترا اور صحن میں بیٹھی اپنی ماں سے بولا۔ ''امی و۔ وہ۔ دیکھیں باہر کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟''

''کہاں اور کیسی ہیں آوازیں۔'' اس کی ماں نے پوچھا اور اٹھ کر اندر چلی گئی۔ مگر حمزہ سخت خوف زدہ ہو چکا تھا اس نے مڑ کر اس پہاڑ کی طرف دیکھا تو اس کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ اب اس پہاڑ کی ڈھلوان پر اسے ایک سایہ دکھائی دیا لیکن اس سائے کے خدوخال واضح نہ ہو سکے۔

حمزہ دس سال کا ہو چکا تھا اور اسے جہاں تک یاد تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں اس ڈھلوان پر کسی کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی وہاں کبھی کسی بکری یا کسی جنگلی جانور کو۔

حمزہ اسی وقت اپنے بستر میں جا گھسا اور شام کو اپنی ماں کے ڈانٹنے کے باوجود بستر سے نیچے نہ اترا اور جب رات کے کھانے کا وقت ہوا تو اس کی ماں نے اسے جا کر بستر پر دیکھا تو اسے سخت بخار تھا۔ حمزہ کی ماں سخت پریشان ہوئی کہ دن کو تو یہ بالکل ٹھیک تھا اب اسے کیسے بخار ہو گیا اور دوسری پریشانی کہ حمزہ کے ابو گاؤں سے باہر شہر میں کام کرتے تھے اگر وہ ہوتے تو کچھ نہ کچھ کرتے خیر حمزہ کی ماں نے حمزہ کو پکارا۔ ''اٹھو حمزہ بیٹے رات ہو گئی ہے رات کا کھانا کھا لو نہیں تو بخار اور زیادہ ہو جائے گا۔''

مگر حمزہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس کی ماں نے جا کر دیکھا تو وہ سو رہا تھا پھر اس کی ماں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود بھی گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹا کر سو گئی۔

صبح کو جب وہ جاگی تو اسے سب سے پہلے حمزہ کا خیال آیا اس نے حمزہ کی چارپائی پر جا کر اسے دیکھا تو وہ وہاں اپنی چارپائی پر نہ تھا اس نے باہر صحن، باتھ روم، کچن اور دوسرے کمروں کے علاوہ ہر جگہ دیکھ لیا تھا پھر اس نے اڑوس پڑوس سے پتہ کیا تو حمزہ کا کہیں بھی پتہ نہ چل سکا۔ حمزہ کی ماں بہت پریشان تھی، اس کے ابو بھی شہر سے واپس آ گئے تو گاؤں والوں نے حمزہ کو سب جگہ ڈھونڈا مگر وہ کہیں نہ ملا۔

دوسرے روز اسی گاؤں میں ایک اور بچہ اسی طرح غائب ہوا۔ دوسرے دن صبح حمزہ اپنی چارپائی پر مردہ ملا وہ بھی اس حالت میں کہ اس کے جسم سے سارا گوشت غائب تھا، صرف منہ، سر اور گردن کے علاوہ باقی سب جگہ جلی ہوئی سیاہ ہڈیاں باقی تھیں۔

حمزہ کے ماں باپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ

پڑے، حمزہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا۔ پھر اس گاؤں سے یکے بعد دیگرے سات بچے اسی طرح غائب ہوئے اور دوسری صبح اس طرح ان کی لاش اپنے بستر پر پائی گئی۔ اس طرح کے واقعات پر گاؤں میں ماتم برپا ہوگیا۔ سب سے پہلے حمزہ اور پھر چھ بچے اور ان کی عمریں دس سال یا دس سال سے کم تھیں ان کا رات کو اپنے گھر سے غائب ہونا، پھر دوسری صبح ان کا اپنے بستر پر اس طرح مردہ پایا جانا۔

گاؤں والوں کو ان پراسرار واقعات کی کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ پولیس بھی موجود تھی۔ گاؤں کے اکثر لوگ اس کو جن بھوت کا چکر قرار دے رہے تھے۔ چھوٹے بچے ڈرے ہوئے تھے۔ کچھ لوگوں کو اس گاؤں کے شمال مشرق میں چھ سو میٹر بلند پہاڑ کی چوٹی سے کچھ پراسرار آوازیں آئیں مگر لوگوں نے اسے اپنا وہم قرار دیا۔

گاؤں والے اکٹھے تھے، ہر کسی نے رائے دی کہ یہ سب بھوت پریت کا چکر ہے مگر پولیس نے ان کی ایک نہ سنی اور مختلف جگہ پر پولیس جوانوں کے پہرے لگا دیئے۔ اس دن ایسا کچھ نہیں ہوا لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

اگلے دن کچھ لوگوں کو سہ پہر کے وقت اسی پہاڑ کی چوٹی سے خوفناک نسوانی قہقہے سنائی دیئے۔ لوگوں نے یہ بات ایک دوسرے کو بتائی اور پھر پولیس کو بھی بتادی پولیس افسر نے ان کی بات سن کر کہا کہ ''ہم نے اس پہاڑ کی طرف بھی کئی جوانوں کا ایک گروپ پہرے پر متعین کیا تھا مگر انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن میں پھر بھی ان سے جا کر پوچھتا ہوں۔'' پھر پولیس افسر اور گاؤں والے ان جوانوں کے پاس گئے مگر اگلا منظر دیکھ کر ان کے ہوش وحواس گم ہوگئے۔ ان دونوں میں سے ایک جوان کا حال پہلے بچوں اور سلیم جیسا ہو چکا تھا جبکہ اس کے کچھ ہی فاصلے پر ایک خوفناک شکل عورت کھڑی تھی جو وہاں موجود دوسرے جوان نوید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پھر پولیس انسپکٹر خان محمد نے نوید سے پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' تو نوید نے بتایا۔ ''یہ عورت چڑیل ہے اس نے امجد کا یہ حال کیا ہے۔'' نوید نے دوسرے جوان امجد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

پھر انسپکٹر نے اپنا پستول نکال کر چڑیل کی طرف کیا اور فائرنگ شروع کردی۔ دوسرے پولیس والوں نے بھی اپنی اپنی رائفلیں اور پستول اس چڑیل کی طرف کئے اور فائرنگ شروع کردی مگر گولیوں کا اس چڑیل پر کوئی اثر نہ ہوا جہاں گولیاں لگتیں وہاں سے چنگاریاں نکلتیں۔ گولیاں لگنے کے باوجود بھی اس نے ادھر ادھر نہیں دیکھا بلکہ وہ صرف نوید ہی کی طرف دیکھتی رہی۔ گولیوں کا اس کے جسم پر کوئی اثر نہ ہوا حتیٰ کہ سب کے سب پولیس والوں نے اپنی رائفلوں اور پستولوں کی ساری کی ساری گولیاں اس چڑیل کا نشانہ لے کر چلادیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اور بدستور نوید ہی کی طرف دیکھتی رہی یہ منظر دیکھ کر وہاں موجود لوگ اور پولیس والے سب کے سب حیرت وخوف کے مارے اپنی جگہ بت بن گئے۔

پھر اس چڑیل نے سر اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا تو کئی لوگوں کے لئے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہوگیا۔ اس کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے دہکتے ہوئے انگارے۔ اس کے چہرے کا رنگ کالا تھا۔ گاؤں والے خوف کی وجہ سے گاؤں کی طرف بھاگے لیکن انسپکٹر خان محمد اور دو پولیس جوان کھڑے رہے۔ پھر وہ چڑیل ان کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور تھوڑی دیر بعد زور زور سے ہنسنے لگی اتنی دیر میں انسپکٹر خان اپنا پستول دوبارہ لوڈ کر چکا تھا۔ اس نے جیسے ہی اس چڑیل کی طرف گولی چلانی چاہی اس نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں انسپکٹر کی طرف کردیں تو اس کی انگلیوں سے سفید رنگ کی شعاعیں نکلیں اور انسپکٹر کے سینے سے ٹکرائیں۔ انسپکٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سینے میں کسی نے زہر آلود خنجر گھونپ دیئے ہوں وہ درد کی شدت سے زمین پر گر گیا اور بے ہوش ہوگیا۔

اتنے میں نوید نے زور سے پکارا۔ ''انسپکٹر

صاحب۔'' اس کی آواز سن کر اس چڑیل نے اسے ایسے اچانک مڑ کر دیکھا جیسے اسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ نوید دوڑ کر انسپکٹر کے پاس پہنچا۔ اتنی دیر میں دوسرے دو جوان بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گئے۔ اسی لمحے انسپکٹر خان ہوش میں آچکا تھا۔

اس خوفناک صورت بلا کی نظریں بدستور نوید ہی کی طرف تھیں پھر اس نے اتنی تیز اور خوفناک چیخ ماری کہ پورے کا پورا ماحول کانپ اٹھا۔ پھر اس چڑیل کی آنکھوں سے خون کی طرح گاڑھا مادہ نکلنے لگا اور وہ زمین پر گر گئی۔

انسپکٹر خان اور دیگر پولیس جوان یہ منظر دم سادھے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ناقابل یقین منظر دیکھا انہوں نے دیکھا کہ ان سے کچھ فاصلے پر جو پہاڑ ہے اس کی چھ سو میٹر بلند چوٹی پر آپس میں بڑے بڑے دیو ہیکل پتھر ٹکرا رہے ہیں پھر جہاں سے پتھر ٹکرانے کی آواز آرہی تھی وہاں سے سات آٹھ رنگ کی روشنیاں ایک پٹی کی صورت میں اوپر پہلے آسمان کی طرف بلند ہوئیں پھر نیچے کی طرف پھر ان سب روشنیوں پر لال رنگ کی دھند چھا گئی اور پھر وہ سرخ دھند کی بڑی اور گول پٹی زمین پر جہاں وہ چڑیل بے سدھ پڑی تھی وہاں آئی اور وہاں سے چنگاریاں نکلنے لگیں تھوڑی دیر بعد وہاں نہ تو چڑیل تھی اور نہ ہی وہ روشنیاں۔

انسپکٹر سمیت سپاہی کو لگا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں مگر یہ خواب نہیں حقیقت تھا۔

خوف اور حیرت سے ان کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے ہلے اور بے ہوش لوگوں کے پاس گئے اور انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان لوگوں میں سے باقی سب تو ہوش میں آگئے مگر دو لوگ ہوش میں نہ آئے۔ بہت کوشش کی گئی مگر انہیں ہوش نہ آیا پھر ان کے جسم اکڑنے لگے تو پتہ چلا کہ وہ مر چکے تھے۔ ان کی لاشیں پولیس شہر کے اسپتال لے گئی۔ ان کا پوسٹ مارٹم کرایا گیا۔

پوسٹ مارٹم رپورٹ میں بتایا گیا کہ ان کے دل پھٹنے کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی ہے۔

اس کے بعد گاؤں میں بیس اکیس دن تک کوئی پراسرار واقعہ یا موت نہیں ہوئی، لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔

پولیس نے کہا لگتا ہے کہ وہ چڑیل کسی اور علاقے میں چلی گئی ہے پولیس اس گاؤں سے چلی گئی تھی۔ پھر نو دس دن اور اسی طرح گزر گئے۔

ایک دن گاؤں میں ایک بہت بڑے اور پہنچے ہوئے بزرگ کسی کی دعوت پر آئے۔ یہ بہت نیک اور باعمل بزرگ تھے ان کے قابو میں جنوں کا ایک پورا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ بھی بزرگ کی بہت عزت کرتے تھے اور اپنے اکثر معاملات میں ان سے مشورہ وغیرہ لیا کرتے تھے۔ یہ بزرگ جن کا نام اسحاق شاہ تھا وہ عمرے پر گئے ہوئے تھے۔ جب وہ واپس آئے تو ان کے ایک خاص مرید عرفان نے اس گاؤں میں آنے والی اس مصیبت کے بارے میں بتایا اور وہ بزرگ عرفان کی دعوت پر گاؤں آئے تھے۔ 2 گھنٹے بعد جب مریدین کا سیلاب تھما تو اسحاق شاہ نے اس بارے میں عرفان سے تفصیلی بات کی۔

عرفان نے شروع سے آخر تک کی ساری بات بزرگ کے گوش گزار کردی، جسے سنتے ہوئے شاہ اسحاق صاحب کے چہرے کا رنگ سرخ ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک خاص جن جو کہ بہت ہی طاقت ور تھا اس کو مکمل حالات اور چڑیل کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ رات بھر عرفان علی کے گھر ہی شاہ صاحب رہے اور صبح ہوتے ہی شاہ صاحب نے سارے گاؤں والوں کو جمع ہونے کا کہا۔ پھر وہ خود بھی ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھے رہے۔ پھر گاؤں کے چوہدری خالق صاحب بھی وہاں پہنچ گئے اور پھر انہوں نے بڑے احترام سے شاہ صاحب سے مصافحہ کیا اور ان کی ساتھ والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔ نوجوان آپس میں کھسر پسر کر رہے تھے۔ اس لئے کہ شاہ صاحب نے اس سے پہلے کبھی بھی ایسے لوگوں کو جمع نہیں کیا تھا۔ پھر شاہ

صاحب نے بولنا شروع کیا۔

''آپ لوگوں پر پچھلے دنوں جو مصیبت آئی تھی وہ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ تو شروع ہوئی ہے اگر اس کو وقت پر روکا نہ گیا تو گاؤں کے سب سے پہلے بچے اس بلا کے شکار ہوں گے اور اس کے بعد نوجوان پھر عورتیں اور آخر میں بوڑھے افراد لقمہ اجل بن جائیں گے۔

ہمیں اس بلا کو روکنا ہی ہوگا اسے ختم کرنا ہوگا اس نیک مقصد کے لئے آپ لوگ میرا ساتھ دے سکتے ہیں تو بتائیں۔''

سب لوگوں نے بیک وقت کہا ''ہم آپ کا ساتھ ضرور دیں گے۔''

اسی وقت ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا کہ ''لیکن ہم اسے ماریں گے کیسے، جبکہ اس پر تمام ہتھیار بے اثر ہیں۔''

یہ سن کر شاہ صاحب نے کہا کہ ''اس کا مجھے بھی نہیں پتہ لیکن میں آج ہی معلوم کرلوں گا، اب تم لوگ جاؤ اور عصر کی نماز کے بعد پھر یہاں آجانا پھر بتاؤں گا۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔

اور عرفان کے گھر جا کر شاہ صاحب نے کچھ دیر آرام کیا پھر کھانا کھایا اتنی دیر میں ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ شاہ صاحب نے ظہر کی نماز اس گاؤں کی مسجد میں پڑھی۔ نماز پڑھ کر وہ جلد ہی عرفان کے گھر آ گئے اور آرام کا کہہ کر کمرے میں چلے گئے۔ پھر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد شاہ صاحب نے اپنے خاص جن کو حاضر کیا اور اس بلا کو مارنے کا طریقہ دریافت کیا۔ تو وہ جن شاہ صاحب کو اس بلا کو مارنے کا طریقہ بتانے لگا جسے سنتے ہوئے شاہ صاحب کے چہرے کا رنگ سرخ ہو چکا تھا۔ پھر عصر کی نماز کے بعد سارے لوگ جمع ہوئے تو شاہ صاحب نے بولنا شروع کیا تو سارے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''اس بلا کو فنا کرنے کا طریقہ تو میں نے معلوم کرلیا ہے لیکن وہ بے بہت مشکل، اگر تم لوگ خصوصاً جوانوں نے ہمت کی تو ہم اسے مارنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن اس کو ایسے لوگ مار سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہ درڈرتے ہوں اور وہ طاقتور بھی ہوں، لیکن اس کے لئے ہم اس کا خود اس پہاڑ سے نکلنے کا انتظار نہیں کر سکتے بلکہ ہمیں اس کو پہاڑ سے نکالنے کے لئے ایک سات آٹھ سالہ خوبصورت بچی کی جان جوکھم میں ڈالنی ہوگی، ہم اس بچی کو اس پہاڑ کے قریب لے جائیں گے اور اس کو کسی بھی طرح آمادہ کریں گے کہ وہ زور زور سے چیخ و پکار کرتے ہوئے روئے، کیونکہ اس بچی کی رونے کی آواز سن کر وہ پہاڑ سے باہر آئے گی، اس وقت تم لوگ اسے قابو کرلینا اور مضبوط زنجیروں سے باندھ دینا لیکن خیال رہے اس سے ڈرنا بالکل بھی نہیں اور اس وقت آیت الکرسی اور قرآن مجید کی کوئی بھی سورت پڑھتے رہنا وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی پھر میں اس کی تمام طاقتیں مفلوج کردوں گا۔

پھر ہمیں چاند کی چودھویں تاریخ کا انتظار کرنے پڑے گا۔ چاند کی چودھویں کو جب چاند رات کے بارہ بجے اپنے جوبن پر ہوگا تو وہ چاند کی طرف غور سے دیکھے گی پھر چاند کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے رنگ برنگی روشنیاں نکلیں گی اور وہ روشنیاں بہت ہی کم وقت کے لئے اس کی آنکھوں سے نکلیں گی ان روشنیوں کے نکلنے کے دوران ہی ہمیں اس کے دونوں سینگوں کو کاٹنا ہوگا اگر اس دوران وہ کٹ گئے تو وہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گی اگر وہ روشنیاں ختم ہو گئیں اور سینگ نہ کٹے تو وہ سینگ کاٹنے کی کوشش کرنے والا موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔ اور پھر ہمیں اگلے چاند کی چودہ تاریخ کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

پھر گاؤں کے نوجوانوں نے تیاری مکمل کر کے پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔ بچی نے رونا شروع کیا تو چار پانچ منٹ بعد اس چڑیل نے اوپر سے چھلانگ لگائی اور اس بچی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتی اس کے سامنے شاہ صاحب اور

دوسرے لوگ آ گئے، سارے لوگ دوڑ کر چڑیل کے پاس پہنچے اور اس کے گرد فوراً حصار کھینچا اور پھر زنجیریں ڈال کر اس کو جکڑ دیا۔

شاہ صاحب اور دوسرے تمام لوگوں کو دیکھ کر اس چڑیل کی آنکھوں سے خون کی طرح گاڑھا گاڑھا مادہ نکلنے لگا پھر شاہ صاحب نے دم کیا ہوا پانی بوتل سے نکال کر اس پر ڈال دیا، پانی پڑتے ہی اس نے زوردار چیخ ماری۔

پھر اس پہاڑ کے اوپر سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی بڑے بڑے پتھر آپس میں ٹکرا رہا ہو، جہاں سے پتھر ٹکرانے کی آوازیں آرہی تھیں وہاں سے چھ سات رنگ کی روشنیوں کی پٹی آسمان کی طرف بلند ہوئی پھر ان سب پر سرخ رنگ کی پٹی چھا گئی پھر وہ زمین پر جہاں وہ چڑیل زنجیروں میں جکڑی کھڑی تھی وہاں آئی مگر اس چڑیل کے سر سے اوپر ہی وہ سرخ رنگ کی گول پٹی رک گئی اور وہاں سے واپس پہاڑ پر چلی گئی۔

وہ چڑیل زنجیروں میں جکڑی ہوئی ماہی بے آب تھی۔

شاہ صاحب نے لوگوں سے کہا کہ ''اب یہ بے بس و مجبور ہے۔ پھر بھی آپ لوگ احتیاط کرنا کہ اس کے قریب کوئی بھی نہ جائے اب میں جارہا ہوں اور چاند کی چودھویں کو آؤں گا۔ پھر شاہ صاحب گاؤں سے باہر اپنی رہائش گاہ میں چلے گئے۔

وقت گزرتا رہا پھر چاند کی چودھویں بھی آ گئی۔

شاہ صاحب شام کے وقت آ گئے اور رات میں شاہ صاحب گاؤں کے لوگوں کے ساتھ کھیت میں موجود تھے، لوگ انتظار کر رہے تھے کہ کب چڑیل کی آنکھوں سے روشنیاں نکلتی ہیں۔

شاہ صاحب اور دو آدمی اس بلا کے قریب کھڑے تھے جبکہ ایک نے ہاتھ میں تیز دھار کلہاڑا پکڑا ہوا تھا جو چاند کی چاندنی میں چمک رہا تھا پھر تقریباً تیس، پینتیس منٹ بعد اس کی آنکھوں سے رنگ برنگی روشنیاں نکلنے لگیں تو ہاتھ میں پکڑا کلہاڑے کا بھرپور وار اس کے ایک سینگ پر کیا، کلہاڑا سینگ پر لگا ضرور مگر سینگ کٹا نہیں کیونکہ کلہاڑا صحیح جگہ پر نہیں لگا تھا پھر نوجوان نے دوسرا وار کیا تو اس کا ایک سینگ کٹ کر زمین پر گر گیا مگر دوسرا سینگ ابھی باقی تھا تو نوجوان نے اس کو کاٹنے کے لئے جیسے ہی کلہاڑا فضا میں بلند کیا تو روشنیاں نکلنا بند ہو گئیں اور اس کا کلہاڑا فضا میں ہی رہ گیا جیسے کسی نے اسے پکڑ لیا ہو پھر کچھ ہی دیر بعد وہی کلہاڑا نیچے آیا اور اس آدمی کے سینے کو چیرتے ہوئے اس کی پشت سے نکلا۔

شاہ صاحب اور دوسرے لوگ اس کے پاس آئے لیکن وہ اس جہان فانی سے اگلے جہان کوچ کر چکا تھا۔

اگلے دن اس کے جنازہ و تدفین سے فارغ ہو کر شاہ صاحب اس بلا کے پاس گئے اور اس کے کٹے ہوئے سینگ کو دیکھا جو لوہے کی طرح سخت تھا۔

دوسرے روز پھر وہی سماں تھا۔ شاہ صاحب اور گاؤں کے بہت سارے لوگ اس چڑیل کے پاس کھڑے تھے اب وہ اس سے ذرا برابر بھی خوف زدہ نہیں تھے اس مرتبہ کلہاڑا ارشاد کے پاس تھا جیسے جیسے وقت گزرتا لوگوں کی بے چینی بڑھتی جارہی تھی آخر کار رات کے پونے بارہ بجے اس کی آنکھوں سے پھر رنگ برنگی روشنیاں نکلنے لگیں تو ارشاد نے کلہاڑے کے ایک وار سے ہی اس کا دوسرا سینگ بھی کاٹ کر الگ کر دیا۔

دوسرے سینگ کے کٹتے ہی اس چڑیل کے جسم کو آگ لگ گئی، آگ کے بجھنے کے بعد وہاں گارے کی طرح سیاہ گاڑھا مادہ رہ گیا تھا، جس سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی۔ خیر آٹھ دس دن بعد وہ گاڑھا مادہ اور بدبو بھی ختم ہو گئی۔ اب اس چڑیل کا نام و نشان نہ تھا۔ گاؤں والوں نے سکھ کا سانس لیا، اور شاہ صاحب بہ حکم الٰہی کہیں اور چلے گئے تھے۔

انوکھا عشق

مونا شہزاد۔ کیلگری کینیڈا

خوبرو حسینہ سامنے بغور دیکھ رہی تھی کیونکہ سامنے ایک بلا کھڑی تھی کہ اچانک حسینہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا لاکٹ بلا کے ہاتھ سے مس کیا تو آگ کے شعلے نکلے اور.....

کیا یہ حقیقت ہے کہ اندیکھی مخلوق بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہے، سبق آموز کہانی

نور العین نے کنگھا کر کے اپنے سیاہ لمبے بالوں کو کھلا چھوڑا اور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ وہ حسب معمول بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے مڑ کر دیکھا اماں کی آنکھ آج جلد لگ گئی تھی، ان کے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔ اماں کے جلد سو جانے کا مطلب اس کی آزادی ہوتا تھا۔ اس نے آج پھر سجنے سنورنے کا ارادہ کیا۔ وہ برانڈیڈ کپڑوں، زیورات اور میک اپ کی دلدارہ تھی۔ اس کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ اس کی اماں جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ انھوں نے اس کی خاطر دوسری شادی نہیں کی تھی۔ بلکہ لوگوں کے کپڑے سی سی کر اس کا اور اپنا پیٹ پالتی رہی تھیں۔ جب سے وہ جوان ہوئی تھی اس کی فرمائشیں پوری کرتے کرتے اماں ہانپنے لگ گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسے زرتار خواب سجے تھے کہ اماں ان سے اکثر خوفزدہ ہو جاتی تھیں۔ اس کے نزدیک امیر ہونا زندگی کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے اپنے نصیبوں کو کوستی رہتی تھی کہ اللہ تعالی نے اسے ایک غریب گھر میں پیدا کیا۔ اماں اکثر اس کی ناشکر گزاری کی عادت سے برافروختہ ہو کر اسے برا بھلا سنا دیتی تھیں۔ مگر وہ بھی ڈھیٹ تھی۔ اسے دونوں کانوں کا موثر استعمال خوب آتا تھا۔

آج بھی اماں کو سوتے دیکھ کر اس نے پلان بنا لیا تھا کہ آج اسے ایشوریا رائے کی طرح تیار ہونا تھا۔ اماں کی نیند اس وقت اسے نعمت محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اماں کے جاگتے ہوئے اس کا سجنا سنورنا ناممکن تھا۔ انھیں کنواری لڑکیوں کا بال کھولنا، سجنا سنورنا، مٹکنا، ادائیں دکھانا سب سخت ناپسند تھا۔ اس نے اماں کی الماری سے ان کا سرخ شادی کا مکیش سے بھرا جوڑا نکالا اور پہن لیا۔ پھر اس نے چپکے سے جیولری باکس میں سے اماں کی جوانی کی پائلیں نکالیں اور اپنے گورے گورے پیروں میں باندھ لیں۔ اس نے چوڑیوں کے اسٹینڈ سے سرخ اور سبز چوڑیاں نکالیں اور انھیں کلائی بھر پہن لیا۔ اس نے پھر ڈرتے ڈرتے سرخ لپ اسٹک بھی ہونٹوں پر لگالی۔ آخر میں اماں کا عطر بھی ڈھیر سارا خود پر چھڑک لیا۔ اپنا جلیاں گرا تا عکس دیکھ کر وہ خود ہی دل ہی دل میں اترا اٹھی۔ اس نے ہولے سے آئینے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''بول رے بول آئینے!
کیا مجھ سے حسین نازنین کبھی تو نے دیکھی ہے؟''

آئینے کی خاموشی پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس

پڑی۔اس نے اپنی طرف سے ایشور یارائے کی طرح کا پوز بنایا اور ہاتھ سے ایک ادا سے آئینے کی جانب اشارہ کیا اور ہولے سے بولی:

''دھت! بدھو! ہوگیا نہ دم بخود۔

میرا روپ ہے پی ایسا کجرارا۔''

وہ ایک ادا سے لہراتی مٹکتی ہوئی باہر چلی آئی۔ اس کی سیاہ طویل زلفوں میں اب تک پانی کے قطرے جھلملا رہے تھے۔اس نے عمر کی بیسویں سیڑھی پر قدم ہی رکھا تھا۔حال ہی میں بی اے پاس کیا تھا اور آج کل گھر داری کے امور سیکھنے میں مصروف تھی۔اس کا فارغ وقت رسالے پڑھتے اور فلمیں دیکھ کر گزرتا تھا۔انھی کا نتیجہ تھا کہ وہ جاگتی آنکھوں سے بھی خواب دیکھنے لگی تھی۔اسے یقین تھا کہ جلد ہی کوئی شہزادہ اسے بیاہ کر دور دیس لے جائے گا اور وہ اور اس کا شہزادہ ہمیشہ محبت کی پینگ جھولتے رہیں گے۔اس کی آنے والی خوش رنگ زندگی میں بیوہ ماں کی موجودگی کا سایہ تک نہیں تھا۔اس نے دل ہی دل میں ارادہ کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی اماں سے ملنے آیا کرے گی۔ وہ جلد از جلد اماں کے ساتھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔اس کے بہکتے قدم اور رنگ ڈھنگ دیکھتے ہوئے اماں اس کے رشتے ڈھونڈنے میں مصروف ہوگئی تھیں،اس نے اماں سے صاف صاف کہا تھا کہ اس کے لئے کسی امیر لڑکے کا رشتہ دیکھیں۔اماں نے اسے ہزار ہا بار کہا کہ ایک امیر و کبیر لڑکا ہم سے رشتہ کیوں جوڑے گا؟

اس پر نورالعین نے اٹھلا کر کہا تھا۔

''اماں! میرا رنگ روپ کیا کسی دولت سے کم ہے۔کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔''

مگر ابھی تک اسے اپنا من پسند رشتہ نہیں مل سکا تھا۔

نورالعین عمر کے اس حصے میں تھی جہاں آنکھیں خود بخود خواب بننے میں مصروف ہوجاتی تھیں۔ہر آہٹ پر کسی کے آنے کا گمان ہوتا تھا۔ ہر خوبصورت چہرہ، مہربان مسکراہٹ ایک الفت کا سامان بن جاتی تھی۔ کچھ اس کی خود غرضی بھی اسے خوابوں کی دنیا میں مدہوش رکھتی تھی۔وہ رات کے اس پہر بھی اپنے سہانے خیالوں میں ڈوبی لہکتی ہوئی چلی جارہی تھی۔اس کی پائل ہلکی سی آواز سے چھن چھن کررہی تھی۔وہ خود ہی اس کی صدا سن کر مسکرا رہی تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتے ہوئے چھت پر چلی آئی۔چھت پر مدھر ہوا کے جھونکے اس کو گدگدا سے گئے۔ ماہ مارچ کا آغاز تھا۔موسم بہت

معتدل تھا۔ آسمان پر پورا چاند جگمگا رہا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی کہکشاں ایک عجب نظارہ پیش کررہی تھی۔ اس نے آسمان کو دیکھ کر اپنے ستاروں بھرے آنچل کو اپنے سر پر پھیلا لیا۔ وہ آنکھیں بند کر کے گول گول گھومنے لگی اور کہنے لگی:

''بول رے آسمان! تیرا ستاروں سے بھرا دامن زیادہ دلفریب ہے یا جھلملاتے ستاروں سے بھری میری چنری۔''

اچانک کسی مردانہ آواز نے اس کے کان میں سرگوشی کی:

''تمہاری چنری۔''

وہ سہم سی گئی اس نے فٹ آنکھیں کھولیں۔ وہ چھت پر اکیلی ہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ خالہ شنو کا گھر جس کی چھت ان کی چھت سے ملی ہوئی تھی وہ ان کی وفات کے بعد سے کئی سالوں سے بند تھا، جب کہ خالہ رضیہ دوسری جانب کی پڑوسن اکیلی رہتی تھیں ان کے بیٹے اور میاں بیرون ملک مقیم تھے۔ اس نے بیقراری سے ہر طرف نظر دوڑائی مگر نصف شب کے اس پہر کوئی بھی اسے کسی چھت پر نظر نہیں آیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی کی پرشوق نگاہوں کے گھیرے میں تھی مگر درحقیقت اس کے اردگرد کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ اس نے کپکپاتے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا:

''ک،ک،کو، کون ہے؟''

مگر چاروں طرف صرف ہوا کی سرسراہٹ ہی سنائی دی۔ اس کی آواز کی بازگشت ہی واپس اسے سنائی دی۔ کھلی چھت پر آواز کی بازگشت پیدا ہونا ایک عجیب بات تھی۔ وہ خوفزدہ سی ہو کر سیڑھیاں اترنے لگی۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی بھاری قدموں سے اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ خوف کے مارے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ مڑ کر پھٹی پھٹی آواز میں بولی:

''کون ہے؟''

پتا نہیں کہاں سے ایک شرارتی ہوا کا جھونکا اس کے بال بکھیر گیا مگر اسے ایسے لگا جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے اس کے بال بکھرائے تھے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر اردگرد دیکھا اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر گئی۔ وہ تیزی سے اماں کے کمرے کی طرف لپکی مگر اچانک کسی نے اس کی کلائی زور سے پکڑ لی اور اپنی جانب اسے کھینچا۔ گرفت یقیناً مردانہ تھی، وہ کسی کے چوڑے چکلے سینے سے ٹکرا گئی۔ اس کے منہ سے خوف کے مارے چیخ نکل گئی اور وہ تیورا کر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

اس کو جب دوبارہ ہوش آیا تو دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔ اماں اس کے سرہانے فکرمند بیٹھی تھیں۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو اسے کمزوری سے چکر سا آ گیا اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ، پیر مسہری سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ کمزور آواز میں بولی:

''اماں! مجھے درد ہو رہا ہے۔ رسیاں کھولو۔''

اماں نے بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھا اور دیوانہ وار اسے چومنے لگیں۔ وہ بار بار کہتی جاتی تھیں۔

''اللہ تیرا شکر ہے۔ میری بچی صحیح ہو گئی۔''

وہ ناسمجھی سے انھیں تک رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اماں کے حواس بجا ہوئے تو انھوں نے اسے بتایا:

''بٹیا! جمعرات کی آدھی رات کو تم میری شادی کا جوڑا پہنے دلہن کی مانند سجی سنوری نجانے باہر کیا کررہی تھی؟

کسی ہوائی چیز سے ڈر کر تم صحن میں بے ہوش ہو گئی تھی پھر تین دن تم بخار سے پھنکتی رہی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں بار بار گھر سے نکلنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ میرے روکنے پر تم نے مشتعل ہو کر مجھ پر حملہ کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ تم کسی ہوائی چیز کے زیر اثر تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم خود کو یا مجھے نقصان پہنچاؤ اس لئے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑا۔''

اس نے حیرت سے اماں کی جانب دیکھا۔ اماں نے اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھی تو انھوں نے اسے اپنی گردن، ہاتھ اور جسم پر پڑے چوٹوں کے نشانات دکھائے۔

اماں کی چوٹیں دیکھ کر وہ سسک پڑی اور روتے ہوئے اماں سے معافی مانگنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اماں نے بیوہ ہونے کے بعد صرف اس کی خاطر دوسری شادی نہیں کی تھی۔ اماں نے اس کے لمبے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا:

''بٹیا! میں نے چند قرآنی آیات لکھ کر انھیں اپنے لاکٹ میں ڈال کر تمھارے گلے میں ڈالا ہے۔ اسے بٹیا تم نے اتارنا نہیں ہے۔''

نورالعین نے نا سمجھی سے سر ہلا دیا۔

زندگی دوبارہ اپنی روٹین پر چل پڑی۔ اماں نور العین کو نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کی یاد دہانی کرواتی رہتیں۔ وہ شاذ و نادر ہی نماز پڑھتی۔ وہ زیادہ تر وقت ڈائجسٹ پڑھنے میں صرف کرتی، ہر نئی فلم کو دیکھتی، خود کو ڈائجسٹوں اور فلموں کی ہیروئن تصور کرتے ہوئے گھنٹوں گانوں پر کمرہ بند کر کے رقص کرتی۔ غرض انھی مصروفیات میں یوں ہی دن بسر ہو رہے تھے۔

گرمیوں کی ایک شام اماں کے کہنے پر نورالعین کپڑے چھت سے اتارنے گئی تو اسے احساس ہوا کہ شنو خالہ کے گھر کچھ لوگ شفٹ ہو چکے تھے۔ اسے چھت پر ایک گہری سیاہ آنکھوں والا گبرو جوان نظر آیا۔ اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا، اسے احساس ہوا کہ وہ بھی پرشوق نظروں سے اسے تک رہا تھا۔ اس نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب جانا چاہا تو وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا:

''یہ جامن ابھی میں نے اتارے ہیں۔ بہت میٹھے اور رس بھرے ہیں۔ ہماری ضرورت سے زائد ہیں۔ یہ آپ لے لیجئے۔''

نورالعین اس کے قریب جھجکتے ہوئے گئی۔ اجنبی کی مسکراہٹ بھی بہت کشش انگیز تھی۔ اس کا سارا چہرہ اس مسکراہٹ کے باعث دلفریب لگ رہا تھا۔ اس کے گالوں پر پڑتے ڈمپل انتہائی جاذب نگاہ لگ رہے تھے۔ نورالعین نے جیسے ہی ہاتھ آگے بڑھایا، اجنبی کچھ ٹھٹھک سا گیا۔ اس کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ اس نے اسٹیل کی پلیٹ مشترکہ دیوار پر رکھ دی۔ نورالعین نے جھجکتے ہوئے پلیٹ اٹھالی۔ اجنبی گہری آواز میں بولا:

''فی الوقت میں اکیلا ہی اس گھر میں شفٹ ہوا ہوں۔ کچھ دنوں تک میرے گھر والے بھی آجائیں گے۔''

نورالعین بے اختیار ہی مسکرا کر بولی:

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور بتایئے گا۔ آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

اجنبی کی نگاہیں اس کے گلے میں پہنے ہوئے خاندانی لاکٹ پر مرکوز تھیں۔ یہ لاکٹ سونے کی ایک لمبی چین تھی جس کے اندر کتاب کی شکل کا پینڈنٹ لگا ہوا تھا۔ پینڈنٹ پر بہت خوبصورت قیمتی جڑاؤ پتھروں کا کام اور نقاشی ہوئی تھی۔ اس کا کلپ دبانے سے وہ کھل جاتا تھا۔ اماں نے اس کے اندر ہی قرآن پاک کی چند آیات (سورہ جن اور معوذتین) لکھ کر رکھ دی تھیں۔ نورالعین نے اس پر انگلی رکھتے ہوئے شرماتے ہوئے کہا:

''آپ کو لگتا ہے کہ ہمارا لاکٹ بہت پسند آیا ہے ہماری اماں کا خاندانی لاکٹ ہے۔ نسلوں سے یہ ہمارے گھرانے میں چلا آرہا ہے۔''

اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

''جی مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔ میں جوہری ہوں اس لئے نوادرات کی پہچان بخوبی رکھتا ہوں۔''

نورالعین کا دل دھڑک اٹھا۔ یعنی اجنبی یہ حیثیت بھی تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اسے وجیہہ اور امیر شخص کا ساتھ نصیب ہو۔ اجنبی بہت سنجیدگی سے بولا:

''میرا نام اساطیر ہے۔ ہم نے ذاتی کوٹھی ڈیفنس میں خریدی ہے۔ قبضہ کچھ ماہ بعد ملنا ہے اس لئے یہ گھر بھی بطور سرمایہ کاری خرید لیا ہے۔''

نورالعین نے جامنوں سے بھری پلیٹ اٹھائی، کپڑے دوسرے ہاتھ میں تھامے اور مسکراتی ہوئی نیچے اتر آئی۔ اس کا دل کیا کہ اماں کو اساطیر کی آمد کے بارے میں بتائے مگر یہ سوچ کر چپ ہوگئی کہ اگر اماں کو پتا چل گیا کہ وہ تنہا رہتا ہے تو اس کا چھت پر جانا بند

ہوجائے گا۔ یہ اسے کسی صورت منظور نہیں تھا۔ اماں اس کے ہاتھ میں جامن دیکھتے ہوئے بولی:

''بٹیا! خالی مکانوں میں نہیں جاتے۔ وہاں جن اور دیگر ہوائی چیزیں مقیم ہونے لگتی ہیں۔ تو مغرب کے وقت درختوں کے گرد منڈلاتی پھر رہی ہے۔ عقل کر بچی۔''

نورالعین نے جامن دھو کر کھاتے ہوئے ٹھنک کر کہا:

''اماں! جن اور ہوائی چیزیں اتنی فارغ نہیں ہیں کہ خالہ شنو کے کھنڈر گھر کو رہائش کے لیے چنیں۔ آخر کار جنوں کا بھی کوئی معیار ہوتا ہے۔''

اماں بڑبڑاتی ہوئی وضو کرنے چل پڑیں، انھوں نے اسے بھی نماز پڑھنے کے لیے کہا مگر نورالعین نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا فون اٹھایا اور فلم دیکھنے بیٹھ گئی۔

رات کو اماں طبیعت کی خرابی کے باعث جلد سوگئیں اور اس کی تو جیسے مراد بر آئی۔ وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ اس نے اپنی الماری سے گوٹے والی زرد رنگ کی پشواز اور چوڑی دار پائجامہ نکالا اور سجنے سنورنے میں مصروف ہوگئی۔ وہ کچھ ماہ پہلے پیش آئے واقعے کو بھیانک خواب سمجھ کر بھول چکی تھی۔ وہ تیار ہو کر پائل پہنے سج سج کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ہولے ہولے گنگنانے لگی:

''سجنا ہے مجھے سجناں کے لئے۔۔۔۔''

چھت پر پہنچ کر اس نے آسمان کی طرف نظر دوڑائی۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا، چاند چاندی کی تھالی کے مانند آسمان کے وسط میں ٹکا ہوا تھا۔ سمندر سے آنے والی ہوا اس کی کھلی زلفوں سے اٹکھیلیاں کرنے میں مصروف تھی۔ وہ بھی آنکھیں بند کیے جذب میں گنگنانے میں مصروف تھی۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے پرشوق نگاہوں سے تک رہا تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا مگر اسے فوری طور پر کوئی نظر نہیں آیا۔ اس نے سر جھٹکا اور چھت پر پڑے موتیئے کے گملوں سے پھول اتارنے میں مصروف ہوگئی۔ اماں نے بیشمار پھول دار پودے گملوں میں لگا کر چھت پر رکھے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے باعث فضا مہک رہی تھی۔

رات کی رانی کی میٹھی خوشبو سب خوشبوؤں پر حاوی تھی۔ وہ پھول اتارتے اتارتے خالہ شنو کی چھت کی دیوار کے قریب پہنچی۔

اچانک اسے اندھیرے میں دو چمکتی آنکھیں اپنے انتہائی نزدیک نظر آئی وہ انتہائی خوفزدہ ہوگئی مگر پھر اسے احساس ہوا کہ درمیانی دیوار پر سیاہ کپڑوں میں ملبوس اساطیر بیٹھا اسے پرشوق نگاہوں سے تک رہا تھا۔ عجب بات یہ تھی کہ اس وقت اس کی آنکھیں سبز محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے دو دیئے جل رہے تھے۔ گھبراہٹ میں نورالعین کے دوپٹے میں جمع شدہ سارے موتیئے کے پھول گر گئے۔ کچھ پھول اساطیر کے بالوں میں ٹک گئے۔ اساطیر اسے مخمور نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ نور کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ بے اختیار ہی بولی:

''آپ! ڈرا دیا آپ نے مجھے۔۔۔۔۔
اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو؟''

اساطیر بھاری آواز میں بولا:

''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ میں تو پہلے سے یہاں بیٹھا تھا۔ آپ بعد میں آئی ہیں۔ ویسے کس کے قتل کے ارادے ہیں؟''

اس نے اس کے سجے سنورے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ ان کی چھت پر کود آیا تھا اور زمین پر گرے پھول سمیٹنے لگا۔ نور کو اچانک ڈر سا محسوس ہوا و رات کے اس پہر ایک اجنبی نوجوان لڑکے کے سامنے سجی دھجی اکیلی موجود تھی۔ مگر اساطیر اس کے خوف سے بے نیاز پھول اکٹھے کرنے میں مصروف تھا پھر اس نے اچانک تمام پھول اس کے اوپر نچھاور کر دیئے۔ زیادہ تر پھول اس کی دراز زلفوں میں اٹک گئے۔ نور بے اختیار ہی شرم سے چھوئی موئی بن گئی۔ اساطیر ایک جذب کے عالم میں اس کی طرف بڑھا مگر پھر نجانے

کیوں تھم سا گیا۔

نور شرماتے ہوئے بولی:

''میں نیچے چلتی ہوں۔ کہیں اماں اٹھ نہ جائیں۔''

اساطیر نے ہلکے سے سر ہلایا اور اپنے گھر کی چھت کی طرف کود کر چلا گیا۔ نور العین گنگناتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے اتر آئی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اساطیر اس پر مرمٹ چکا تھا۔ وہ اپنی آنکھوں میں خوبصورت خواب سجائے سو گئی۔

علی الصبح اس کی آنکھ اماں کی آواز سے کھلی۔ دور مولوی صاحب نماز فجر کے لئے اذان دے رہے تھے۔ مگر گزشتی رات کے لیٹ نائٹ ایڈونچر کے باعث اس سے اٹھا ہی نہیں گیا۔ وہ اوں، آں کرتی کروٹ بدل کر پھر سو گئی۔ دن چڑھے جب وہ سو کر اٹھی تو اماں کا موڈ بہت خراب تھا۔ مگر اس نے اپنے روایتی پیار محبت سے انھیں منا لیا۔ اس کو دوپہر میں اماں کے قیلولے کے وقت میں جیسے ہی مہلت ملی وہ سیڑھیاں پھلانگتی بلا جھجک چھت پر آ پہنچی۔ اس نے بیقراری سے شنو خالہ کی چھت پر جھانکا مگر اسے وہ دشمن جان کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کے دل میں نجانے کیا آیا وہ جست لگا کر شنو خالہ کی چھت پر کود گئی۔ دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ اسے بہت حیرت ہوئی گھر کا صحن ہنوز بہت گندا تھا۔ جا بجا درختوں کے پتوں کے ڈھیر، ہڈیاں اور گوبر پڑا ہوا تھا۔ ایک عجب سی سڑاند گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسے یاد آیا کہ اماں اکثر کہتی تھیں کہ جنوں کی خوراک ہڈیاں اور گوبر ہوتا ہے۔ اسے خود بخود ہی اپنی احمقانہ سوچ پر ہنسی آ گئی۔ منہ کھول کر ہنسنے کے باعث بدبو اس کے ناک میں بس سی گئی۔ اس نے ناگواری سے بے اختیار ہی دوپٹے کو ناک پر رکھ لیا اور بڑبڑائی:

''توبہ توبہ کتنے گندے ہیں آپ اساطیر!''

یہ کہنے کی دیر تھی کہ ایک پلا ہوا بلا دیوار پر چلتے ہوئے اس کے سامنے آ پہنچا۔ اس کی آنکھیں سبز دیوں کی مانند دمک رہی تھیں۔ اس کو بے اختیار ہی اساطیر کی آنکھیں یاد آ گئی۔ وہ ناک پر دوپٹہ رکھے صحن سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ ایک لمحے کے لئے چکرا سی گئی۔ وہ کمرہ کسی طور خالہ شنو کے پرانے گھر کا کمرہ نہیں تھا۔ وہ کمرہ نہایت ہی آراستہ تھا۔ بھاری آبنوس کی لکڑی کا منقش فرنیچر، معطر فضا، جا بجا جلتے شمع دان۔ کمرے میں بھاری پردے کھینچے ہوئے تھے۔ کسی کمرے سے کسی مغنیہ کے گانے کی سریلی آواز آ رہی تھی۔ نور العین سحر زدہ سی ہو کر کمرے کا دروازہ کھولا اور جھجکتے ہوئے باہر نکلی۔ اس کے سامنے ایک طویل راہداری موجود تھی۔ اس نے بے یقینی سے ارد گرد دیکھا۔ پانچ مرلے کے پرانے گھر کا نقشہ اس وقت بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ اسے لگا جیسے خالہ شنو کا گھر ایکڑوں کے رقبے پر محیط ہو گیا تھا۔ اس کا ماتھا پسینے سے بھر سا گیا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ کسی جادو نگری میں آ گئی تھی۔ اسے اپنی کل ہی پڑھی ہوئی کتاب ''لیلیٰ کا خواب نگر'' یاد آ گئی۔

اچانک ایک کمرے سے ایک حسین لڑکی برآمد ہوئی۔ اس نے جامنی رنگ کا غرارہ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کے زیورات بہت ہی قیمتی اور جڑاؤ تھے۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور بے تکلفی سے بولی:

''ارے نور تم کب آئی؟''

اس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور ہکلاتے ہوئے بولی:

''ت، ت، تم کون ہو؟ یہ کون سی جگہ ہے؟''

لڑکی مترنم قہقہہ لگا کر ہنس پڑی اور بولی:

''بھئی کیوں اتنا ڈر رہی ہو؟ میں اساطیر کی بہن لافین ہوں۔ کل ہی اماں، میں اور دیگر بہن بھائی ادھر شفٹ ہوئے ہیں۔ اساطیر کو دل دیتے ہوئے تم نے ایک منٹ نہیں سوچا تھا۔ اب میرے سامنے بن رہی ہو۔''

نور العین شرم سے سرخ ہو گئی۔ وہ لجا کر بولی:

''آپا! میں چلتی ہوں۔''

لافین اس کے آگے ایک دم کھڑی ہو گئی مگر پھر

اس کی نگاہ اس کے گلے میں پڑے جڑاو لاکٹ پر پڑی۔ اس کا رنگ متغیر سا ہوگیا۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی:

''ا،ات، اتنی جلدی کیوں ہے؟

چلو میں تمھیں اپنا کمرہ دکھاتی ہوں۔

میرے کپڑے اور زیورات ابھی ابھی الماریوں میں لگائے ہیں۔''

نور العین ہمیشہ سے کپڑوں اور زیورات کی دلدارہ تھی۔ اس کی چھٹی حس نے اسے روکنا چاہا مگر وہ تمام خیالات جھٹک کر لافین کے ساتھ چل پڑی۔ لافین کا کمرہ بہت بڑا اور خوبصورت تھا۔ کمرے میں گولڈن رنگ کا فرنیچر تھا۔ مدہم روشنی کے گولڈن لیمپ جل رہے تھے۔ کمرے میں جابجا کینڈلز جل رہی تھیں۔ نور العین ہر چیز کو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہی تھی۔ اسے پتا چل چکا تھا کہ اساطیر کا خاندان بہت امیر و کبیر تھا۔ لافین نے اپنے کپڑے اسے دکھانے شروع کیے۔ ہر کپڑا دوسرے کپڑے سے بہتر تھا۔ زری، زربفت، گوٹے، بنارسی، سلمہ ستاروں والے کپڑے نت نئے ڈیزائنز کے سلے ہوئے تھے۔ لافین نے نور العین کی حسرت محسوس کی تو مسکرا کر بولی:

''نور! ان میں سے کوئی بھی جوڑا تم تحفے کے طور پر قبول کرو۔ چلو میں تمھیں تیار کرتی ہوں۔''

وہ تو جیسے موقعے کے انتظار میں تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کے بنارسی شرارے کا انتخاب کیا اور فٹافٹ کمرے کے کونے میں پڑے divider کے پیچھے کپڑے بدلنے لگی۔ کپڑے اسے صحیح فٹ آئے۔ گولڈن چولی، کالے بنارسی غرارے، کالے اور گولڈن دوپٹے میں اس کا رنگ روپ نکھر آیا تھا۔ وہ دیوار گیر آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر شرما اٹھی۔ لافین نے اس کے آگے اپنے جیولری باکسز کھول دیئے۔ وہ جیولری باکسز خوبصورت منقش جڑاو سونے کے زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا تو من ہی مچل اٹھا۔ اس نے فٹافٹ جھمکے کانوں میں پہن لئے، دو تین انگوٹھیاں اپنی مخروطی انگلیوں میں پہن لیں اس نے آئینے میں دیکھا وہ ازحد حسین لگ رہی تھی۔ اتنے میں لافین جڑاو ہار اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا:

''یہ لاکٹ اتار کر سنگھار میز پر رکھ دو اور یہ جڑاو ہار پہن لو۔''

نور العین کی نگاہیں تو زیورات کی چمک سے خیرہ ہو چکی تھیں۔ اس نے ایک منٹ نہیں لگایا اور لاکٹ گردن سے اتار کر سنگھار میز پر رکھ دیا اور فٹافٹ جڑاو ہار پہن لیا۔ لافین نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے چہرے پر میک اپ شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ اپنا عکس دیکھ کر مبہوت ہوگئی۔ وہ واقعی ایک دلہن لگ رہی تھی۔ اس کا ہوشربا حسن پریوں کو بھی مات دے رہا تھا۔ وہ سحر زدہ سی اپنے آپ کو آئینے میں تکتی رہ گئی۔

کافی دیر بعد جب اسے ہوش آیا کہ وہ دیوانہ وار خود کو ہی تک رہی ہے تو وہ جھینپ سی گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے گھر سے آئے بہت دیر ہو چکی تھی اور اماں کے جاگ جانے کی صورت میں اس کی شامت پکی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھی مگر دروازہ کس کر بند تھا۔ اس کی ہزار کوششوں کے باوجود وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ اس نے کمرے میں نظر دوڑائی لافین کا دور دور تک کوئی نام نشان نہیں تھا۔ وہ گھبراتے ہوئے بولی:

''لافین! لافین! مذاق مت کرو۔ باہر آجاؤ! مجھے جانا ہے۔''

مگر اس کی آواز کمرے میں ہی گونج کر رہ گئی۔

یکدم کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے بہت نزدیک کھڑا سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے اردگرد سلفر کی شدید بدبو پھیل گئی، خوف کے مارے اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی:

''کون ہے؟''

اچانک کسی نے موم بتی جلائی۔ اس نے دیکھا اس کے بہت نزدیک اساطیر کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں

سبز دیوں کی مانند دمک رہی تھیں۔ وہ کنفیوز سی ہو کر بولی:

''اساطیر! آپ کب آئے؟

وہ آپ کی بہن لافین کہاں گئی؟''

اساطیر کی آنکھوں میں کچھ عجب سا تاثر تھا جس نے اسے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں خواہش کا جہان آباد تھا، اس کے انداز کچھ اور کہانی بیان کر رہے تھے۔۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے مزید قریب آیا، اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ پیچھے ہٹنے لگی، پیچھے ہٹتے ہٹتے وہ ڈریسنگ ٹیبل سے جا ٹکرائی۔ اب مزید پیچھے ہٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔

نورالعین کی سانسیں اٹکنے لگیں، اساویر کے تیور اچھے ہرگز نہیں تھے۔ اس نے اسے دبوچ کر اپنے گلے سے لگا لیا۔ نورالعین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اساطیر کے تیور اسے دہلا رہے تھے۔ اس کا انداز بہت جارحانہ سا تھا۔ وہ اس کو بھینچتے ہوئے بولا:

'کتنے مہینوں سے میں تمھاری چاہ میں تڑپ رہا تھا۔ تم چھت پر سج دھج کر خوشبو لگا کر مجھے ہی بلانے جاتی تھی نا!''

نورالعین کی سانسیں اٹکنے سی لگیں۔ اس نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کرنے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا:

''کیا مطلب ہے؟''

اساطیر دیوانہ وار قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا:

''مارچ کی وہ سہانی رات بھول گئی۔ جب ستاروں بھری اوڑھنی اوڑھے تم چھت پر خرمستیاں کر رہی تھی۔ میں تمھیں دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا۔ اتنا حسن! اتنی بے باکی! میں نے اسی لمحے تمھیں اپنا بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں نے تو اسی رات تمھیں حاصل کر لینا تھا اگر تم میری گرفت میں آ کر بے ہوش نہ ہو گئی ہوتی۔ پھر تمھاری اماں نے موقع پر آ کر میرا پلان خراب کر دیا تھا۔ تمھاری اماں نے فوراً آیات قرآنی پڑھنی شروع کر دی تھیں۔ مجھے مجبوراً وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ میں تمھیں وہاں بے آبرو نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کوشش کی کہ تمھیں گھر سے کسی طور باہر لے آوں۔ مگر تمھاری اماں نے تمھیں میری دسترس سے دور کر دیا تھا۔ آج اتنے ماہ بعد مجھے موقع ملا ہے تو تمھیں کیسے جانے دوں؟

اب تم اسی گھر میں ہمیشہ رہو گی میرے ساتھ۔''

نورالعین کی آنکھیں برس اٹھیں وہ آنسوں بھری آواز میں بولی:

''تم کون ہو؟

تم مجھے ڈرا رہے ہو۔ مجھ سے مذاق کر رہے ہو نا؟

مجھے جانے دو۔ پلیز!''

اساطیر نے جواباً ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اچانک بلے کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔

نورالعین کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں۔ اس کا سانس اس کے سینے میں اٹکنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور سانس ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اساطیر مسکراتا ہوا اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا:

''تم نے پوچھا تھا کہ میں کون ہوں؟

میں ایک جن ہوں۔ اب تم میری قید میں ہو۔ میں تم پر فدا ہو گیا ہوں۔ اس لئے اب تمھارا پیچھا میں چھوڑنے والا نہیں ہوں۔''

نورالعین کو زندگی میں پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ اماں اسے کتنی عقل کی باتیں سمجھاتی تھیں۔ مگر وہ انھیں ہمیشہ قدامت پسند کہہ کر ان کا مذاق اڑاتی تھی۔ اماں ہمیشہ کہتی تھیں:

''بٹیا! مغرب کے بعد ہوائی چیزیں اور دوسری اللہ کی مخلوق آزاد ہو جاتی ہیں۔ ایسے میں بسم اللہ کہہ کر گھر کے دروازے بند کر دینے چاہئیے۔ مجبوری کے علاوہ گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔''

مگر وہ ہمیشہ ان کی باتوں کو سنی ان سنی کر دیتی تھی۔

اساطیر اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے بولا:

''تم مذہبی تو ہرگز نہیں ہو۔ صرف مسلمان گھرانے میں پیدا ہونا تو کوئی کمال نہیں ہے۔ تم پیدائشی مسلمان ہو مگر تمھیں تو اپنے مذہب کی سمجھ بوجھ ہی نہیں ہے۔ نماز، قرآن سے تم دور بھاگتی ہو۔ فلموں کی شوقین تم ہو۔ رقص کرنے میں تمھیں مہارت حاصل ہے۔ تمھارا جھکاؤ تو ہندوؤں کی ثقافت کی جانب ہے۔ تمھارے کمرے سے تلاوت کی آواز آتی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھ رہی ہوتی تم۔ میں نے تو جب سنا تمھارے کمرے سے بھجن کی ہی آواز آتی سنی۔

یاد ہے نا! ہر ہندی فلم کا آغاز بھجن سے ہی ہوتا ہے۔''

نورالعین آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے تک رہی تھی۔ اس کی سب باتیں درست تھیں۔ اسے دل ہی دل میں شرمندگی سی ہونے لگی۔ کیونکہ وہ نام کی ہی مسلمان تھی۔ اس کی حالت سے اساطیر نے محظوظ ہوتے ہوئے قہقہہ لگایا اور بولا:

''میں تو خود بت پرست ہوں۔ تو میں نے اسی جانب متوجہ ہونا تھا جہاں سے مجھے مسلسل بلاوا آ رہا تھا۔

مجھے اتنا عرصہ روکنے والی واحد ایک ہی چیز تھی۔ وہ لاکٹ جو تمھارے گلے میں ہوتا تھا۔ مجھ جیسے شیطان جن کو وہی روک لیتا تھا۔ آج اس جڑاؤ قیمتی ہار کی بدولت وہ بھی اتر گیا۔''

وہ یہ کہتے ہوئے۔ شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ اس وقت اس کے چہرے کے نقوش بگڑنے لگے۔ نورالعین نے خوف کے مارے آنکھیں میچتے ہوئے دیوانہ وار ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ اس کے ہاتھ اس کا اتارا ہوا لاکٹ آ گیا۔ اس نے وہ لاکٹ پھرتی سے اپنے گلے میں ڈال لیا۔ پھر اس نے معوذتین کا ورد شروع کر دیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی۔ اساطیر چاہتے ہوئے بھی اسے پکڑ نہیں پا رہا تھا۔ نورالعین نے اپنا لاکٹ اس کے ہاتھ سے مس کر دیا۔ لاکٹ سے مس ہوتے ہی اس کے جسم کو آگ لگ گئی۔ وہ تکلیف سے چیخا۔

نورالعین نے موقع غنیمت جانا اور بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ سامنے سے اچانک لافین بھاگتی ہوئی آئی اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ نورالعین نے اس کے ہاتھ پر بھی لاکٹ مس کر دیا، وہ بھی چیختی ہوئی گر گئی اور شعلوں میں گھر گئی۔ دیکھتے دیکھتے پورے گھر نے آگ پکڑ لی۔

نورالعین شعلوں سے لڑتی باہر آئی اور بھاگتے ہوئے چھت پر جا پہنچی۔ اس نے اپنی چھت پر چھلانگ لگائی اور بھاگتے ہوئے سیڑھیاں طے کر کے نیچے پہنچ گئی۔ اس کی ٹانگیں بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ اس نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی اور سن رہ گئی۔ اس نے وہی عام سا نیلے رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ جو بھی ہوا تھا وہ فقط نظر بندی کا کمال تھا۔

اس نے فوراً وضو کیا اور سجدہ شکر بجا لائی۔ اسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی دولت صرف ایمان کی دولت تھی۔ اسے یہ بھی پتا چل چکا تھا کہ اندھی خواہشات اور بے جا نمود و نمائش ہمیشہ انسان کو ذلت و رسوائی کے گڑھے میں ہی دھکیلنے کا باعث بنتی تھیں۔ اس نے ڈرتے ڈرتے خالہ شنو کے گھر جھانکا۔ گھر میں آگ لگنے کے کوئی آثار دور دور تک موجود نہیں تھے۔ صحن میں ہڈیاں یا گوبر کے ڈھیر بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے بے یقینی سے اپنی آنکھیں ملیں۔ وہ دبے پاؤں چلتی کمرے میں گئی اور اماں کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس نے سوچا:

''پتا نہیں آج کا بیتا واقعہ سچا تھا یا میرے تخیل کا کمال تھا؟

مگر مجھے اساویہ کا طعنہ تا عمر یاد رہے گا۔ میں اب انشاءاللہ باعمل مسلمان بنوں گی۔ کیونکہ یہی میری حقیقی پہچان ہے۔''

اس نے اماں کے ہاتھوں کو دھیرے سے چوما اور دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

دخل در معقولات

محمد رضوان قیوم-راولپنڈی

نوجوان جب گھری نیند سوگیا تو اچانک وہ خوابوں کی وادی میں چلاگیا تو اس نے دیکھا کہ وہ خوفناک ڈرائونی مخلوق اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور جب وہ ڈکرائی تو.....

ایک ماورائی مخلوق کی دیدہ دلیری اس نے لوگوں کو حیران و پریشان کر کے رکھ دیا تھا

قارئین میں چونکہ سچی آپ بیتیاں لکھنے کا شوقین ہوں، منفرد موضوع اور اچھوتے انداز کی کہانیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں۔ بعض دفعہ مجھے ایسی مافوق الفطرت ماورائی طاقت سے لبریز کہانی مل جاتی ہے۔ جسے سن کر اور لکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور میں اس حقیقت کو سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے..... دل و دماغ نہ قابل حد تک بھی یہ سوچتا ہے کہ راوی کی اس کتھا پر یقین کیا جائے کہ نہیں لیکن جب راوی بڑی قسم کھا کر وثوق سے اس کی حقیقت کا یقین دلاتا ہے۔ تو ایک لمحہ کو یقین کرنا پڑتا ہے۔

یہ آپ بیتی جو میں قارئین کی دلچسپی کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مجھے اتفاق سے یہ شخص ایک ادبی نشست میں ملا تھا۔ یہ بذات خود اپنی ایک بھیانک کہانی کی زد میں

آ گیا ہے۔ چونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں ادبی تقاضوں کے تحت کہانی کے کرداروں، مقامات کے نام تبدیل کردوں گا۔ لہٰذا میں نے اس زیر مطالعہ کہانی میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا ہے۔ اس کتھا کے تمام کرداروں اور مقامات کے نام فرضی ہیں۔ لیکن کہانی جس طرح راوی نے مجھے سنائی وہ سو فیصد سچی ہے۔ میں نے کہانی سنانے والے کا نام جان بوجھ کر نہیں لکھا اور نہ ہی شہر کا۔ کہانی کا آغاز راوی نے یوں کیا۔

میں کسی زمانہ میں اپنے شہر کے اوسط درجے کے اخبار میں بچوں کی کہانیاں، مراسلات تحریر کیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں کسی بھی مضمون یا کسی بھی مسودے کو خطاطی کے ذریعے پرچہ میں پیسٹ کیا کرتے تھے۔ یعنی آج کے جدید دور کے مطابق کمپیوٹر کمپوزنگ نہ ہوا کرتی تھی۔ میں جس اخبار میں لکھا کرتا تھا۔ وہاں کے مالک میری تحریریں من وعن شائع کردیتے تھے۔ لیکن وہ مجھے تاکید کرتے تھے۔

اپنی تحریر کو اپنے سامنے رشید بابو جن کی عمر اس وقت میرے خیال میں کم از کم 70 سے 80 سال کے درمیان تو لازمی تھی۔ لیکن رشید بابو کی صحت گزرتی عمر کے باوجود بڑی قابل رشک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کی نگاہ بھی بغیر چشمے کے بہت قابل رشک تھی۔

ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا اپنی کہانی جس کا نام 'یہ ہی زندگی ہے' تھا وہ خطاطی کے مراحل سے گزر رہا تھا اور ساتھ ساتھ میں اس کی پروف ریڈنگ بھی کررہا تھا کہ اسی دوران ان کا ایک ہم عمر دوست آیا۔ میں نے اسے ادب سے سلام کیا۔ اس نے وعلیکم السلام کہہ کر مجھے دیکھا ان دیکھا کردیا تو یونہی میرے دل میں خیال آیا کہ رشید بابو کے اس دوست کی صحت بھی بڑی قابل رشک ہے اور یہ رشید بابو کی طرح صحت مند بھی ہیں۔ یہ ماجرہ کیا ہے.....؟

اور دلچسپ بات اس درمیان یہ ہورہی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے باتیں نہیں کررہے تھے۔ بس دونوں خاموشی سے آمنے سامنے بیٹھے رہے۔

میں رشید بابو سے باتیں کررہا تھا۔ لیکن میرے دل میں ہزاروں وسوسے مچل رہے تھے۔

بالآخر میں نے ان کے سکوت کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

''معاف کیجیے گا ایسا تو نہیں کہ میری یہ کہانی جو میں خطاطی کروا رہا ہوں اس نے آپ کے درمیان کوئی ضروری کام کے ہونے کے لئے رخنا تو نہیں ڈال دیا ہے؟''

''نہیں نہیں آپ اپنا کام مکمل کروالیں۔ میں تھوڑی دیر بعد آجاؤں گا۔''

رشید کے دوست نے کہا۔ ''میں نے دل طور پر محسوس کیا کہ..... میں دونوں دوستوں کے درمیان دیوار بنا ہوا ہوں۔ لہٰذا مجھے اخلاقاً چاہیے کہ میں اپنا کام کل پر چھوڑ دوں۔'' میں نے رشید سے اپنی کہانی کی خطاطی لکھوانا چھوڑ دی۔ ''تم بہت فرمانبردار بچے ہو۔'' مہمان بزرگ نے کہا۔

''نہیں یہ میرا فرض تھا۔'' چند باتیں ہوئیں تو میں نے اپنی حس تجسس کا عالم میں ان سے سوال پوچھا۔ ''آیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ دوستوں میں ماشاء اللہ عمر، صحت، تندرستی کے لحاظ سے بڑی ہم آہنگی ہے۔''

میرے سوال پر وہ بزرگ یکدم خاموش ہوگئے لیکن رشید بابو نے مجھے کہا۔ ''اچھا تمہارے سوال کا جواب بعد میں دیں گے۔ پہلے تم ایسا کرو کہ سامنے راجہ کے ہوٹل سے ہاف سیٹ چائے لے کر آؤ اور پھر مجھے کچھ پیسے دیئے، نیز یہ بھی کہا کہ ''فلاں سگریٹ کا آدھا پیکٹ بھی لے آنا۔''

میں نے ان کے حکم کی تفصیل کی پہلے راجہ کے ہوٹل سے چائے کی کیتلی بنوائی پھر سگریٹ کا پیکٹ لیا۔

میں جب رشید بابو کے پاس پہنچا تو وہاں میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں صرف رشید بابو موجود تھے لیکن وہ بزرگوار موجود نہ تھے میں نے اچنبھے کے عالم میں ان سے پوچھا رشید بابو ''بزرگ کہاں گئے؟''

اس پر انہوں نے شدید غصے اور اپنی انگلیوں پر

دانت گاڑتے ہوئے کہا۔ ''دل تو کرتا ہے تیرے منہ پر تھپڑ ماروں۔''

''بھلا کیوں؟ اور میں نے کیا قصور کردیا بزرگو۔'' میں نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا تو انہوں نے پھر غصے سے کہا۔ ''یہ چائے تو خود ہی پی لے اور یہ سگریٹ کی ڈبیہ تو اپنے ہاتھوں میں ہی مسل دے۔''

میں نے کہا۔ ''مجھے معاف کردیں میں نے شاید ان سے یہ سوال کرکے غلطی کی ہے کہ آپ کی عمر چستی کی ہم آہنگی کا کیا راز ہے؟''

''اب کیا فائدہ؟ چھوڑو۔'' انہوں نے مجھے قدرے ٹھنڈے ہوکر کہا۔

''مجھے معاف کردیں۔'' میں نے ان سے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے کہا تو وہ کچھ شانت ہوئے اور میرے ہاتھ سے چائے کی کیتلی لی اور کہا۔ ''چھوٹے تم چائے ڈالو۔''

میں نے چائے ان کی خدمت میں پیش کی۔ دوسری پیالی کے لئے انہوں نے کہا۔ ''تم اس میں چائے ڈالو لیکن تم اسے پیئو گے۔ میں اور بس تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔''

''آپ کی فلسفیانہ باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔'' میں نے تجسس کے عالم میں ان سے پھر پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ''بیٹا تم ابھی اس قابل نہیں ہوئے ہو کہ تم اس فلسفہ کو سمجھ سکو۔ تم بس یہ بادشاہوں، پریوں کے جھوٹے سچے قصے لکھو، انہوں نے مجھے طنزیہ طور پر کہا۔ ''اچھا بیٹا تم اب جاؤ۔''

''میرے سوال کا جواب کب ملے گا۔'' میں نے ان سے پھر پوچھا۔

''تمہیں اگر اتنے ہی اپنے سوال کے جواب کی چاہ ہے تو تم ایسا کرو کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر آنا اور تمہارے اندر اٹھتے سوال کا جواب ضرور دوں گا۔'' انہوں نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت گیارہ بجے ہیں تم ایسا کرو پورے 4 بجے ادھر آنا۔ میں یہاں اکیلا بیٹھا کچھ ضروری مسودے کی خطاطی کروں گا۔ بس خدا کے لئے تم ابھی جاؤ اور وہاں اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔'' انہوں نے مجھے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

میں نے اٹھتے وقت ان سے پھر معافی مانگتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو مجھے معاف کردیں۔''

''اچھا کوئی بات نہیں۔ تم فی الحال جاؤ۔'' انہوں نے مجھے اس طرح کہا جیسے وہ بہت گھبرائے ہوئے ہوں۔

ابھی گیارہ بج رہے تھے جمعہ کی نماز میں کچھ وقت باقی تھا۔ یعنی 3 سے 4 گھنٹے، بہرحال اس وقت کو میں نے بڑی مشکل سے گزارا۔ یعنی زندگی میں پہلی بار میں نے جمعہ کی نماز بڑے سکون سے پڑھی۔ اور پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد بھی کچھ وقت باقی تھا۔ جیب میں روپے پیسے بھی نہ تھے۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ چلو ایسا کرتا ہوں کہ مذکورہ اخبار کے دفتر کے نیچے ٹہل کر اپنا وقت گزار دوں۔ میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ وقت بہت مشکل سے گزرنے لگا۔

میں مذکورہ اخبار کے دفتر کے سامنے کھڑا ہوا تھا کہ اچانک میرے سامنے سے رشید بابو کے دوست سیڑھیاں چڑھتے ہوئے نظر آئے۔

خیر میں انہیں دیکھ کر نفسیاتی طور پر ڈر گیا۔ ادھر وقت بھی تقریباً 4 بجے کے لگ بھگ ہو رہا تھا۔ اب میری ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ میں رشید بابو کے پاس اپنے سوال کے جواب کے لئے جاؤں یا نہ جاؤں، کہاں تو مجھے رشید بابو کے پاس جانے کی اتنی جلدی تھی لیکن اب ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ اس وقت میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ کوئی نہ کوئی ضرور ماورائی مسئلہ ہے۔ میں وہاں باہر بھوکا پیاسا کھڑا اس کشمکش و پیچ میں تھا کہ آیا اوپر جاؤں یا نہیں، پھر میرا ایک قدم آگے بڑھا اور دوسرا پیچھے۔

بہرحال میں نے ہمت کو یکجا کیا اور اوپر چڑھ کر رشید بابو کے کمرے میں گیا۔ ان کا کمرہ خطاطی کے لئے علیحدہ تھا جو کہ چھوٹا سا کیبن نما تھا۔ رشید بابو اکیلے بیٹھے ہوئے خطاطی میں مصروف عمل تھے۔ میں ان کے قریب پہنچا تو ایک بار پھر یہ منظر دیکھ کر میرا دل دہل گیا کہ میز پر

دو تازہ چائے کے خالی کپ پڑے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ رشید بابو نے کسی کو بھیج کر چائے منگوائی ہوگی، لیکن وہ تو اکیلے تھے اور دوسرا شخص غائب تھا جو کہ میری نگاہ کے سامنے اوپر گیا تھا اور اسے میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔

میری آمد کو محسوس کرتے ہوئے رشید بابو میری طرف دیکھے بغیر اپنے کام میں مگن تھے مجھ سے بولے۔

''تو بڑا تجسس والا معلوم ہوتا ہے۔ چل یہ اچھی بات ہے کہ ایک اچھا کہانی نویس بننے کے لئے ایک کھوجی ذہن کا ہونا ضروری ہے اور یہ خوبی تجھ میں ہے۔''

''رشید بابو وہ بابا جی کہاں گئے اور یہ چائے کے دو کپ ہیں اور آپ آپ کا.....؟'' میں نے پوچھا تو رشید بابو نے اپنا سر اٹھایا اور بولے۔ ''یہ تیرے سوال کے جواب کا ایک حصہ ہے۔''

''حصہ ہے۔'' میرے منہ سے نکلا تو انہوں نے مجھے اپنے سامنے بیٹھا کر کہا۔ ''اس کیتلی میں ابھی تھوڑی سی چائے باقی ہے۔ تب کپ میں ڈال کر پی لے۔''

''میں نے زہر مار کر کیتلی سے نکلی ہوئی تھوڑی مقدار پر مشتمل ٹھنڈی چائے پی لی۔

رشید بابو خاموشی سے اپنی خطاطی کے کام میں مصروف عمل تھے۔ وہ میری طرف بالکل توجہ نہیں دے رہے تھے۔ میں خاموشی کا سکوت توڑتے ہوئے بولا۔

''میں اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے پچھلے 5 گھنٹے سے بے چین ہوں اور آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ میرے سوال کا جواب ضرور دیں گے۔''

''اچھا تجھے بہت اشتیاق ہے تو سن..... جس پراسرار شخص کو تو نے دیکھا تھا۔ وہ دراصل ایک عام انسان نہیں بلکہ انسان کے روپ میں ایک جن ہے۔''

گھبرائے ہوئے میرے منہ سے نکلا۔ ''کیا کہا آپ نے جن ہے؟''

''ہاں جن ہے لیکن تو پریشان نہ ہو۔ تیری معلومات کے لئے تجھے یہ بتادوں کہ وہ صرف اور صرف میرا دوست ہے۔''

''لیکن وہ اب کہاں گیا.....؟ میں نے پوچھا کیونکہ میں نے بذات خود اپنی آنکھوں سے اسے اس دفتر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ غائب ہوگیا تھا۔

میری بات سن کر رشید بابو مجھ سے بولے۔

''وہ اس وقت بھی یہاں موجود تھا اور اس وقت بھی یہاں موجود ہے۔''

''رشید بابو آپ بہت پراسرار شخص ہیں۔ آپ وہ باتیں کرتے ہیں جو کہ بالکل بھی میرے پلے نہیں پڑ رہی ہیں۔ آپ کو میں کبھی بھی سمجھ نہیں پاؤں گا۔''

''میری اب ہر چیز تیری سمجھ سے باہر ہوگی۔'' انہوں نے بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔

''آپ میری تسلی کے لئے یہ تو ثابت کردیں کہ وہ واقعی یہاں موجود ہے کہ نہیں۔''

''''تو بڑا ڈھیٹ ہے اچھا ذرا کھڑا ہو۔'' تو میں کھڑا ہوگیا۔

اتنے میں رشید بابو کسی اندیکھی مخلوق سے مخاطب ہوئے۔ ''ذرا اپنا کرشمہ دکھاؤ۔'' رشید بابو کا یہ کہنا تھا کہ میرا بازو کسی نادیدہ وجود نے پکڑا اور اسے بائیں جانب آہستہ آہستہ موڑنا شروع کردیا۔ درد کی ٹیسیں اٹھیں تو میرے منہ سے آہ کی آواز نکلی۔ ''ہائے میں مرگیا۔ ہائے میں مرگیا۔''

''مروا دوں تجھے؟'' رشید بابو بولے۔

''نہیں نہیں رشید بابو مجھ سے مزید درد برداشت نہیں ہورہا۔ اس سے کہیں کہ میرا بازو چھوڑ دے۔''

''اچھا جا عیش کر یار اسے چھوڑ دے۔''

تو فوراً میں بولا۔ ''اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔'' مجھے کچھ راحت محسوس ہونے لگی۔

اچھا یہ بات تو نے اگر کسی کو بتائی تو تجھے بڑی سزا ملے گی۔ میں تجھے یہ اپنا راز نہ بتاتا۔ لیکن تو نے بہرحال یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے تو مجھے مجبوراً یہ راز تجھ کو بتانا پڑا۔''

خیر میری مذکورہ اخبار میں کہانیاں گاہے بگاہے چھپتی رہیں۔ میرا حوصلہ بڑھا تو میں نے مزید لکھنا

شروع کردیا۔ رشید بابو سے میرے تعلقات دن بدن اچھے اور آگے کی جانب بڑھنے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہوں نے ایک دن مجھے اپنی زندگی کا بڑا اذیت انگیز واقعہ بتایا۔ جس کو سن کر میرے دل نے کہا۔ ''میں ان کے منہ پر تھپڑ ماردوں۔''

ہوا یوں کہ میں نے ایک دن باتوں باتوں میں ان سے پوچھا۔ ''آپ اس پراسرار مخلوق یعنی جن سے کیوں دوستی کو گانٹھے ہوئے ہیں اور بقول آپ کے کہ اس سے کچھ حاصل کررہے ہیں۔ وہ کیا ہے......؟''

اس پر انہوں نے مجھے بڑے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔ ''میں درحقیقت بوڑھا ہوگیا ہوں۔ لیکن میرے اندر اب بھی جوانی کی آگ بھڑک رہی ہے۔ وہ ابھی تلک کافور نہیں ہوئی ہے۔ ارے پاگل اب تجھ سے کیا چھپانا وہ اس دفتر کے سامنے ہاشی خان ہے ناں چائے والا۔''

''ہاں ہاں میں اسے جانتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ میں نے درحقیقت ایک دفعہ اس کی بیٹی کو دیکھا تھا۔ وہ بہت خوبصورت ہے۔ وہ میرے دل کو بھا گئی۔ بس میں نے اپنے اس جن یار کو کہا۔ ''اسے میرے قابو میں کردے اور ابھی چند روز رہ گئے ہیں پھر وہ میرے قابو میں ہوگی۔''

رشید بابو کا یہ گھناؤنا چہرہ جب میرے سامنے آیا تو میرے دل نے کہا۔ ''میں اسے لعن طعن کروں۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ مصلحتاً خاموش رہا اور نیز انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا۔ ''اس کی بیٹی (اللہ معاف کرے) مجھے انکل کہتی ہے اور اس کی عمر بمشکل 20 سے 22 سال کے قریب ہیں۔''

یہ سن کر رشید بابو کی ذات سے نفرت ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ یہ بوڑھا معاشرے کا کتنا بھیانک کردار ہے۔ یہ تو زندہ درگور ہونے کے قابل ہے۔

اس کے بعد میں نے اس اخبار میں لکھنا چھوڑ دیا۔ اس کی بڑی وجہ وہ رشید بابو تھا جو کہ اپنے گھناؤنے عزائم کو پروان چڑھانا چاہتا تھا۔ میرا دل و دماغ جب

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

کولیسٹرول اور علاج

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، کولیسٹرول کی حقیقت، کولیسٹرول اور ہماری خوراک، کن غذاؤں سے کولیسٹرول بڑھتا ہے، کولیسٹرول کس طرح کم کریں، مچھلی، میٹھی اشیاء، زیادہ نمک نہ کھائیں، کولیسٹرول اور دل کے امراض، دل میں درد، ہارٹ اٹیک کی ایک اہم وجہ، احتیاطی تدابیر، ہومیو پیتھی کی دوائیں، دل کے امراض کی وجوہات، موٹاپا، مچھلیوں میں کولیسٹرول کے فوائد، مچھلی اور دودھ، مناسب ماحول، کولیسٹرول کا ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، کولیسٹرول کا طبی علاج، چربی سے پرہیز کیجئے، کھانے پینے کی اشیاء سے کولیسٹرول کم کیجئے، اور بہت کچھ پڑھئے کولیسٹرول کے بارے میں کہ کس طرح کولیسٹرول سے محفوظ رہا جائے، اور کون کون سی ورزشوں سے کولیسٹرول کو کم کیا جاسکتا ہے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر نشی محلہ گلی نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

اس کی جانب جاتا تھا تو میرا وجود غصے سے کھولتا تھا۔

میں نے فیصلہ کیا کہ میں کسی نہ کسی طریقے سے باشی خان کو بتادوں کہ رشید بابو اس کی بیٹی کے حصول کے لیے کسی جن کی خدمات حاصل کررہا ہے۔ لیکن ایسا کرنا میرے لئے کسی پل صراط سے کم نہ تھا۔ میں اگر ہمت کرکے باشی خان کو بتا بھی دیتا تو میری بات کا اول تو کسی نے یقین ہی نہیں کرنا تھا بلکہ رشید بابو کا جن ساتھی میری کھال اکھیڑ دیتا اور دنیا والے مجھے پاگل تصور کرتے۔

ایک دن میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی وہ یہ کہ میں باشی خان کو اپنے دوست کی ہینڈ رائٹنگ میں یہ واقعہ لکھ کر کسی کے ذریعہ بھیجوں کہ تیری خوبصورت بیٹی کے پیچھے کوئی بدنگاہ اور گھناؤنے عزائم رکھنے والا پڑ گیا ہے۔ تو اس کا سدباب کرے یعنی وہ کچھ حفظ ماتقدم کی راہ اپنالے۔

اس خط میں رشید بابو یا کسی کا نام نہیں لکھا۔ لہٰذا میں نے اپنے ایک قریبی دوست کو اعتماد میں لے کر باشی خان کو خفیہ خط لکھوا بھیجا۔ اس میں بھیجنے والے کا نام نہ لکھا اور اپنے علاقے سے نہیں بلکہ ایک دوسرے ڈاک خانے سے پوسٹ کیا۔

ایک دن میں اس اخبار کے دفتر کے قریب سے گزرا تو وہاں مجھے معلوم ہوا کہ اخبار بند ہو چکا ہے۔ سامنے راجہ چائے والے سے ایسے ہی پوچھا۔ ''رشید بابو کہاں گیا ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ ''وہ تو بہت پہلے ہی اس اخبار کے دفتر کو خیر باد کہہ کر نجانے کہاں چلے گئے تھے۔''

اور میں دلی طور پر مطمئن ہوگیا کہ چلو رشید بابو دفع ہوگیا اور اس طرح اس کا رجحان باشی خان کی بیٹی کی جانب سے ہٹ گیا۔

ایک رات میں اپنے بستر پر لیٹ گیا تو اپنی آنکھوں کے سامنے غنودگی کا غلبہ پایا۔ میں گہری نیند سوگیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رشید بابو کے پاس اس کے چھوٹے سے کیبن میں بیٹھا ہوا ہوں اور وہ مجھے غضبناک غصے سے کہہ رہا ہے کہ ''تو نے میرا راز مقصد باشی خان کو خط لکھ کر خاموش کردیا۔ اس کی لڑکی تو مجھے نہیں ملی لیکن یاد رکھ تجھے اس کی بڑی بھیانک سزا دوں گا کہ تو یاد رکھے گا۔''

اور فوراً خوف سے میری آنکھ کھل گئی۔ خیر وقت گزرتا رہا اور تقریباً 15 سال بعد میں سب کچھ بھول گیا۔ باشی خان اور اس اخبار کا مالک سب مرگئے۔ اس وقت میری عمر تقریباً 33 سال ہوگی۔ میری بھی شادی ہوگئی۔ میری ایک بچی بھی پیدا ہوئی۔

ایک دن میں حسب معمول اپنے بستر پر گہری نیند سو رہا تھا کہ میرے خواب میں رشید بابو آیا بالکل اس طرح جیسا کہ کبھی میں نے اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنے دوست بوڑھے جن کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اور سر جھکائے میرا مسودہ خطاطی کرتے ہوئے بڑے شیطانی انداز میں مجھ سے کہہ رہا۔ ''اب تیری سزا کے شروع ہونے کا وقت آگیا ہے۔''

میں اس سے پوچھنے لگا۔ ''رشید بابو کیسی سزا.....؟'' تو وہ ہنسا اور ساتھ ہی وہ شیطان جن اس کی ہنسی میں اپنی ہنسی شامل کرکے کہنے لگا۔ ''تو نے باشی خان کی بیٹی کو تو ہم سے بچالیا لیکن.....''

اس کی یہ باتیں خواب میں جاری تھیں کہ میری شور سے آنکھ کھل گئی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ کر دیکھا کہ میری اماں بہنیں میرے قریب روتے، چلاتے ہوئے مجھ سے کہہ رہی ہیں۔ ''میری بیوی میری بیٹی کو روتے دھاڑتے چھوڑ کر اپنے کسی آشنا کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔'' اس کے بعد میری بیوی کو بہت تلاش کیا گیا۔ لیکن آج تک اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ وہ کسی آشنا کے ساتھ کس دنیا میں بھاگ کر گئی ہے۔

اور میرا دل کہتا ہے کہ ایسا ہونے میں یقیناً رشید بابو کا ہاتھ ہے۔ اس نے ایسا اپنے جن ساتھی سے کرایا ہے۔ اس واقعہ کے بعد کبھی میں نے خواب میں رشید بابو یا اس کے جن ساتھی کو نہیں دیکھا۔

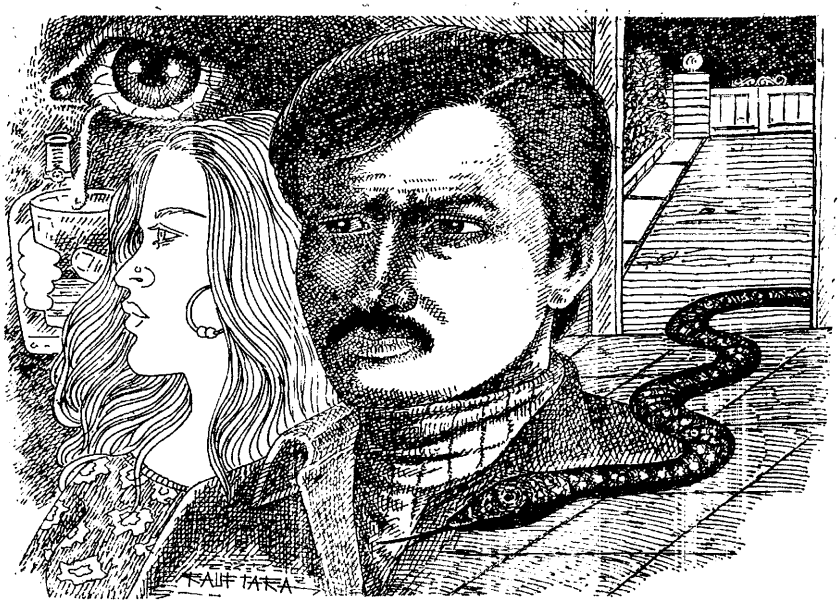

ناگ ناگن

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

نوجوان کے سامنے ناگن کھڑی نوجوان کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی اور پھر پلک جھپکتے ہی وہ اپنی جگہ سے اُڑی اور نوجوان کو ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کردیا۔

ایک غضبناک ناگن کی دیدہ دلیری.....اس نے پورے گاؤں کو.....دہلا کر رکھ دیا تھا

اس ویران حویلی کے تہہ خانے میں عجیب منظر تھا بند تہہ خانے میں جانے کہاں سے دودھیا رنگ کی روشنی پھوٹ رہی تھی اور ناگوں کا جوڑا اپنے پھن پھیلائے ایک دوسرے سے جوبن اور نشہ جیسی حالت میں لپٹ رہے تھے۔ اس پوری حویلی میں اور خاص طور پر باقی تہہ خانوں میں بھی اندھیرا پھیلا تھا لیکن اس تہہ خانہ میں حیران کن منظر تھا اگر کوئی دیکھ لیتا تو شاک رہ جاتا۔

اور اس حویلی کے باہر کچھ آدمی ہیوی مشینری لئے کھڑے تھے جسے کہ یقیناً وہ اس پرانی حویلی کو اکھاڑنے کا کام لینا چاہتے تھے ان آدمیوں میں ایک تھری پیس سوٹ والا آدمی بھی تھا جس کے ساتھ ہی ایک آدمی ہاتھوں میں رجسٹر اٹھائے کھڑا اس سے باتیں کررہا تھا، کچھ دیر وہ آپس میں بحث کرتے رہے اور پھر تھری پیس سوٹ والے نے اس حویلی کی طرف دیکھتے ہوئے

سر کو ہاں میں ہلایا تو رجسٹر والے آدمی کے چہرہ پر ایک ایسی مسکراہٹ کھیلنے لگی جیسے کہ اس نے کوئی مشکل مرحلہ جیت لیا ہو۔ وہ جلدی سے مشینری کے پاس پہنچا جہاں اس کے آپریٹرز کھڑے تھے اور انہیں حویلی کی طرف اشارے کر کے سمجھانے لگا۔

☆.....☆.....☆

ناگ ناگن اپنے آپ میں مگن خوب مستی میں تھے کہ اچانک حویلی گڑبڑاہٹ کی آوازوں سے ہلنے لگی تہہ خانہ کے چھت پر حویلی کا اوپری ملبہ گرنے لگا جس کی زوردار آوازوں نے انہیں ہوش دلایا وہ بہت مشکل سے ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور اوپر تہہ خانہ کی چھت کی طرف دیکھنے لگے وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے تہہ خانے کے کونے میں چلے گئے اور پھر کچھ دیر بعد تہہ خانہ کی چھت بھی گرنے لگی دونوں ہی ایک دوسرے کو بھول کر ادھر ادھر کونے کھدروں میں چھپنے لگے۔ بلڈوزر حویلی کو ملیامیٹ کر رہا تھا اور ایکسیویٹر ملبہ اٹھا کر ٹرالر میں ڈال رہی تھی۔

اسی ملبہ میں ناگن بھی ٹرالر میں چلی گئی ناگ جو کہ حویلی کے اکھاڑ پچھاڑ سے بدحواس ہو کر پہلے تو کونے کھدروں میں چھپنے کی کوشش کرتا رہا چونکہ اس پوری حویلی کو گرایا جا رہا تھا اس لئے اسے کہیں جائے پناہ نہ ملی تو وہ ادھر سے نکل کر ساتھ ہی رہائشی کالونی میں گھستا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

فیضان اور قاسم دونوں فرسٹ کزن تھے دونوں ہی ایک فیکٹری میں ملازم تھے جمعہ کا دن تھا اسی لئے انہیں جلدی چھٹی ہوگئی وہ دونوں جمعہ کی نماز ادا کر کے ساتھ ہی اپنے گھر کی طرف مارچ کر رہے تھے۔ ان کے گھر ایک رہائشی کالونی میں ایک گلی میں تھے دونوں کالونی میں باتیں کرتے داخل ہوئے تو ان کی نظر اس پرانی حویلی کے کچرے کی طرف گئی کیونکہ حویلی کو گرا دیا گیا تھا اور اب ملبہ اٹھایا جا رہا تھا۔ فیضان..... یہ کیا ہونے جا رہا ہے۔'' قاسم نے تجسس سے پوچھا۔

''کیا بتاؤں یار معظم صاحب کی خواہش تھی کہ اس حویلی کی جگہ بچوں کا ایک اسکول بن جائے تاکہ ہمارے اور اس کالونی میں رہنے والے باقی بچے جو کہ بسوں اور ویگنوں کے دھکے کھا کر دور کے اسکولوں میں جاتے ہیں ان کے لئے آسانی ہو جائے لیکن.....'' فیضان نے آخر میں افسوس سے کہا۔ ''لیکن کیا۔'' قاسم نے جلدی سے پوچھا۔

''معظم صاحب کا بیٹا اس حویلی کو گرا کر یہاں کوئی پلازہ بنانا چاہتا ہے۔''

''او.....'' قاسم کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔ دونوں ہی افسردہ ہو کر ایک دوسرے کو سلام کر کے اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

فیضان جب گھر میں داخل ہوا تو اس کے تینوں بچے سامنے ہی صحن میں کرکٹ کھیل رہے تھے اسے دیکھتے ہی تینوں ''ابو..... ابو'' کی گردان کرتے اس کی طرف بھاگے فیضان نے بچوں کے بل بیٹھ کر تینوں کو اپنے بازوؤں کے گھیر میں لے لیا۔ ''ہاں جی..... جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔''

''جی ابو دادا جی کے ساتھ پڑھ کر آئے ہیں موسم اچھا تھا اسی لئے کھیلنے لگ گئے۔'' اس کے بڑے بیٹے احسان جس کی عمر بارہ سال تھی نے جواب دیا۔

''اوکے..... پہلے کھانا کھاتے ہیں اور پھر مل کر کھیلیں گے۔'' فیضان نے مسکراتے ہوئے تینوں سے کہا۔

''لیکن ابو کھانے میں ابھی دیر ہے امی تیار کر رہی ہیں۔'' اس کی بیٹی جو کہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی تھی نے تتلاتے ہوئے کہا اس کی بات سن کر سب ہنسنے لگے۔

''اچھا جی تم لوگ کھیلو میں اندر سے ہو کر آتا ہوں۔''

فیضان پہلے ابو کے پاس گیا جو کہ کمرہ میں بیٹھے تسبیح کر رہے تھے اور پھر ادھر سے کچن کی صورت حال دیکھ کر بچوں کے پاس صحن میں چلا آیا اور خود سے ہی پھولوں کی کیاری کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ''میں بھی کھیل میں ہوں۔'' اس نے تالی بجا کر کہا احسان بیٹنگ کر رہا تھا اس سے چھوٹے ریحان نے ایک شارٹ لگائی گیند دیوار سے لگ کر کیاری میں پھولوں کے پیچھے غائب ہو گیا میمونہ بھاگتی ہوئی گیند اٹھانے کے لئے لپکی کہ

اچانک ایک زوردار پھنکار سنائی دی۔

جسے سنتے ہی فیضان جو کہ اس کیاری سے کچھ ہی فاصلہ پر کھڑا تھا اچھل پڑا۔ اس نے میمونہ کو اٹھایا اور پیچھے لے آیا تینوں بچے سہم گئے، ابو کے اشارے پر تینوں ہی برآمدہ میں بھاگ گئے۔ فیضان کے چہرہ پر تشویش تھی کیونکہ اس کے ذہن میں اس پھنکار نے ہلچل مچادی۔

تین سال پہلے وہ اپنے چھوٹے بھائی ناصر کے ساتھ گھر کی طرف آرہا تھا کہ اس پرانی حویلی کے پاس سے گزرتے ہوئے ان دونوں کو ایسی ہی پھنکار سنائی دی تھی اور حویلی کے ساتھ اُگی گندی جڑی بوٹیوں میں سے ایک بڑا سا ناگ اچانک نکلا تو فیضان نے جلدی سے دیوار کے ساتھ پڑی ایک اینٹ اٹھائی لیکن اتنی دیر میں سانپ ناصر کو ڈس کر غائب ہو چکا تھا دیوار میں بنے ایک سوراخ میں داخل ہوتے دیکھ کر فیضان نے اینٹ ماری جو کہ ناگ کی دُم پر زور سے لگی تو وہ تلملایا کیونکہ دم کا سرا کٹ گیا لیکن ناگ سوراخ میں داخل ہوگیا اینٹ لڑھکتے ہوئے سوراخ کے اوپر آ گئی۔

فیضان نے اس وقت ادھر سے توجہ ہٹا کر اپنے بھائی ناصر کو دیکھا جو کہ زمین پر پڑا مچل رہا تھا اس کا جسم نیلا ہوگیا تھا اور اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

ناصر بچ نہ سکا تھا اس ناگ کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ نہ ملا۔

آج تین سال بعد پھر فیضان نے وہی پھنکار سنی تھی اس نے ایک وکٹ اکھاڑ کر دائیں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑلی۔ ''آج تو بچ کر نہیں جاسکتا۔'' غصہ میں اس کے منہ سے نکلا اور وہ وکٹ کی نوک سے پھولوں کو ہٹا کر دیکھنے لگا۔

اچانک ایک کیاری سے پھنکار کی آواز سنائی دی، ایک بڑا سا ناگ پھن پھیلائے اچھل کر فیضان پر حملہ آور ہوا، فیضان نے وکٹ زور سے گھمائی جو کہ ناگ کو لپیٹ میں لے کر ایک طرف پلاٹ میں پھینک دیا اسی وقت قاسم گھر میں داخل ہوا جو کہ ان کے ساتھ کھانا کھانے کی نیت سے آیا تھا اس نے بھی ناگ کو دیکھ کر ایک وکٹ پکڑلی۔ ''قاسم یہ وہی ناگ ہے جس نے ناصر کو ڈسا تھا۔''

فیضان نے اس ناگ کو پہچان لیا ناگ ان سے کچھ ہی فاصلہ پہ دم کے سہارے پلاٹ میں کھڑا ہونے لگا۔

بچوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں ناگ پھنکارنے لگا اس کی پھنکار کی آوازیں ایسی تھیں جیسے کہ کوئی اتھرا بیل ناک سے شوشو کی آواز نکالتا ہے وہ پھن پھیلائے ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

بچوں کی چیخوں اور سانپ کی پھنکار سن کر فیضان کے والد اندر سے باہر نکلے انہوں نے جب اتنے بڑے ناگ کو یوں اپنے بیٹے اور بھتیجے کے سامنے دشمن بنے کھڑے دیکھا تو وہ پریشان ہوگئے، انہوں نے برآمدہ میں ادھر ادھر دیکھا تو ان کی نظر جالی دار کپڑے پر پڑی، انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اس کپڑے کو دیوار کے ساتھ لگی ہک میں سے نکالا اور محتاط لیکن تیز قدموں سے فیضان اور قاسم کی طرف بڑھے۔ ''جب میں آواز دوں تو اس پر پل پڑنا۔'' انہوں نے چلتے چلتے فیضان اور قاسم سے کہا اور پھر ان کے نزدیک پہنچتے ہی انہوں نے منہ سے ایک سیٹی جیسی آواز نکالی اور جالی دار کپڑہ سانپ کی طرف پوری قوت سے پھینکا۔

سانپ نے اس سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے ہوا میں اچھل کر اس کپڑے کو ڈنک مارنے کی کوشش کی ادھر اس نے کپڑے میں منہ ڈالا ادھر فیضان کے ابو کے منہ سے نکلا۔ ''مارو''

فیضان اور قاسم کو ایک جھٹکا لگا اور وہ سانپ پہ چڑھ دوڑے، فیضان نے پوری قوت سے وکٹ سے ناگ کے سر کو نشانہ بنایا قاسم نے بھی اس کی تقلید کی ناگ بل کھا کر رہ گیا اس کے دانت کپڑے کے جالی دار خانوں میں اٹک گئے تھے ناگ کے منہ سے شوں شوں'' کی خطرناک آوازیں نکل رہی تھیں، لیکن فیضان اور قاسم اسے اس وقت تک مارتے رہے جب تک وہ مر نہ گیا۔

ناگ کپڑے کے اندر لوٹ پوٹ ہوگیا تھا۔ فیضان کے ابو ان دونوں کے پاس آ گئے۔ ''اس کی آنکھوں کو خوب مسخ کرو۔''

کہتے ہیں کہ ناگ کی آنکھوں میں اسے مارنے والے کا عکس رہ جاتا ہے اور اس کی ناگن اس عکس کے ذریعے اس مارنے والے تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے اپنے ناگ کو مارنے کا انتقام لیتی ہے۔''

یہ بات سن کر فیضان کانپ کر رہ گیا جبکہ قاسم نے اس بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔ ''اچھا..... تایا ابو پھر تو اس کی آنکھوں میں غور سے جھانکنا چاہیے۔'' یہ کہتے ہی اس نے ناگ کو ٹوکٹ سے ہلایا تو وہ ہلکا سا سر اٹھا کر رہ گیا قاسم نے اس کے سر کے سامنے اپنا چہرہ لہرایا۔ ''خوب غور سے دیکھ لے مجھے.....'' بدمعاشوں کی طرح قہقہہ اس کے منہ سے نکلا اس بات سے اس کے تایا کچھ ناراض ہوئے۔ ''تایا جی مذاق کر رہا تھا۔'' قاسم نے ان کا موڈ دیکھتے ہوئے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ''بیٹا بڑوں کی باتوں کو سمجھنے کی عادت ڈالو..... اب اس سانپ کو اٹھاؤ اور ویرانہ میں جا کر گڑھا کھود کر دبا دو۔''

قاسم نے شرمندہ ہو کر اس سانپ کو اسی جالی دار کپڑے میں لپیٹا اور وکٹوں کی مدد سے اس کو اٹھا کر ویرانے میں لے جا کر پرانی حویلی میں ہی ایک جگہ گڑھا کھود کر دبا دیا۔

فیضان کے والد اب بھی مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے دوسرے دن قاسم اور فیضان کو اپنے ساتھ لیا اور تھوڑے دور ایک کچی بستی میں بسنے والے بزرگ مبارک شاہ کے پاس لے گئے انہوں نے پوری بات سنی۔

''میر جان صاحب..... اس طرح کی باتیں تو ہم نے بھی سن رکھی ہیں لیکن یہ بات کنفرم نہیں پھر بھی ہم تعویذ لکھ دیتے ہیں دونوں صاحبزادوں کے گلے میں ان تعویذوں کو ڈال دیں ساتھ میں پانی دم کر دیتے ہیں، آپ لوگوں نے اس سانپ کو کہاں دفنایا ہے۔'' شاہ صاحب نے بات کرتے کرتے پوچھا۔

''جی اس پرانی حویلی کے پاس جسے گرایا جا رہا ہے۔'' قاسم نے ادب سے جواب دیا۔ ''تو بس اس جگہ پر دم کیا ہوا پانی ڈال دینا..... اور احتیاط کرنی ہے کہ یہ تعویذ آپ دونوں کے جسم سے علیحدہ نہ ہوں۔'' شاہ صاحب نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

فیضان کے والد میر جان صاحب نے شاہ صاحب سے اجازت لی اور وہ تینوں وہاں سے اٹھ آئے فیضان اندر سے خوب ڈرا ہوا تھا لیکن قاسم پر تو جیسے اس بات کا اثر تک نہ تھا۔ ''میں تھک گیا ہوں تم لوگ ابھی جاؤ اور اس جگہ اس پانی کو مکمل ڈال دو۔ دیکھنا کوئی جگہ خالی نہ رہے۔'' فیضان کے والد نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا چونکہ وہ بستی تک پیدل ہی گئے تھے اسی لئے میر جان صاحب بڑی عمر کے ہونے کی وجہ سے تھک گئے تھے قاسم اور فیضان ان کے گھر تک چھوڑ کر اس جگہ جا پہنچے جہاں اس ناگ کے مردہ جسم کو دفنایا گیا تھا۔

رات ہو گئی تھی انہیں وہ جگہ تلاش کرنے میں دشواری تو ہوئی لیکن جگہ مل گئی پانی جو کہ بوتل میں تھا اس زمین پر خوب چھڑکاؤ کر دیا گیا۔ ''فیضان تم کیا کہتے ہو کہ واقعی یہ ناگن کا انتقام لینے والی بات حقیقت ہو گی۔''

''دیکھو یار جب اتنے لوگ کہہ رہے ہیں تو کچھ تو ہے۔'' وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے وہاں سے گھر کی طرف چل دیئے۔ ایک درخت کے موٹے سے تنے کے پیچھے انہیں کوئی چھپ کر دیکھ رہا تھا لیکن وہ دونوں بے خبر اس کے پاس سے گزرتے چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

حویلی کا کچرا دور ایک میدان میں پھینک رہے تھے وہاں بھی معظم صاحب کا چھوٹا بیٹا کھڑا انہیں گائیڈ کر رہا تھا لگتا تھا کہ اس میدان میں بھی کوئی پلازہ وغیرہ بنانے کا پروگرام تھا اس پھینکے گئے کچرے کے اوپر ایک بلڈوزر اس کو زمین پر ہموار کر رہا تھا۔

ناگن اس کچرے اور بلڈوزر سے بچتی بچاتی ایک سمت تیزی سے گھاس اور درختوں وغیرہ کے اندر سے ہوتی ہوئی اس پرانی حویلی کی سمت تیزی سے رینگ رہی تھی آخر وہ ایک لمبے سفر کے بعد اس متروک حویلی کی جگہ تک پہنچ گئی اور ایک کیکر کے درخت میں چھپ کر اس خالی جگہ کو گھور رہی تھی، اچانک وہ ہوا میں کچھ سونگھنے لگی۔ سر کو گھماتے ہوئے اس نے نظریں کالونی کی

طرف فکس کردیں اور پھر سر کو زمین پر رکھ کر کالونی کی طرف بڑھنے لگی وہ تھوڑا سا رینگنے کے بعد سر اٹھا کر ہوا میں کچھ سونگھ بھی لیتی تھی اور پھر وہ یوں رینگتے ہوئے فیضان کے گھر میں داخل ہوگئی اچانک وہ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے اس کیاری تک پہنچی جہاں سے ناگ نے فیضان پر حملہ کیا تھا، تو وہاں سے سونگھتے ہوئے پلاٹ میں اس جگہ پہنچی جہاں ناگ کو مارا گیا تھا، اس کا پھن غصہ سے چوڑا ہوگیا اور اس کے منہ سے بہت خطرناک سسکاریاں نکلنے لگیں وہ اس گھاس پہ لوٹ پوٹ ہونے لگی جس گھاس پر اس کے ناگ کا خون لگا تھا۔

اچانک وہ گھر کے گیٹ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگی وہاں سے نکل کر وہ اس جگہ کے قریب پہنچ گئی جہاں ناگ کو مارنے کے بعد زمین میں دفنایا گیا تھا لیکن اس جگہ سے کچھ فاصلہ پر وہ رک گئی جیسے کہ تذبذب میں پڑ گئی ہو اس نے ہوا میں سر اٹھا کے سونگھنا شروع کردیا اور پھر آہستہ آہستہ وہ بائیں طرف جہاں حویلی کی ایک ادھڑی ہوئی دیوار تھی رینگنے لگی دیوار کے ساتھ ہی ناگ کا مردہ خون آلود جسم پڑا تھا، ناگن اس سے لپٹ لپٹ گئی اور سر سے اس کو زور زور سے ہلانے لگی۔ شاید اسے اٹھانے کی کوشش کررہی تھی۔

بڑا حیران کن اور خطرناک منظر تھا۔

☆.....☆.....☆

فیضان صبح کام پر جانے کے لئے گھر سے نکلنے ہی والا تھا کہ اسے قاسم کی بیوی کی کال آگئی۔ ''فیضان بھائی جلدی پہنچیں قاسم کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔'' روتے ہوئے اس کے منہ سے آواز بمشکل نکل رہی تھی فیضان کا دل دھک سے رہ گیا اس کا ذہن اسی ناگ کی ناگن کی طرف چلا گیا۔ جسے ان دونوں نے مل کر مارا تھا لیکن یہ وقت سوچنے کا نہ تھا وہ دوڑتے ہوئے اس کے گھر پہنچا قاسم کی بیوی نے ایمبولینس منگوالی تھی قاسم کو اسپتال لے جایا گیا لیکن وہ بچ نہ سکا اس کے گھر کہرام مچ گیا اور فیضان کے دل میں کہرام مچا ہوا تھا غسل دیئے ہوئے اس نے قاسم کے دونوں بازو دیکھے اسے تعویذ نظر نہ آیا۔

بہن ہی سوگوار ماحول میں قاسم کا جنازہ اٹھایا گیا۔

فیضان جنازہ پڑھتے ہوئے اس کے بعد دفن کرتے ہوئے بھی خاصا اداس اور پریشان رہا شام کو وہ اپنے والد صاحب کے ساتھ دوبارہ مبارک شاہ صاحب کے پاس چلے گئے وہ یہ چاہتا تھا کہ شاہ صاحب اسے پھر سے پانی دم کردیں اور تعویذ بھی اس کے گھر والوں کے لیے بنادیں، ساتھ ہی قاسم کے باقی گھر والوں کے لئے تاکہ اس کی اور قاسم کی فیملی اس ناگن سے محفوظ ہوسکیں۔

شاہ صاحب نے اسے تعویذ بنا کر دیئے ساتھ ہی پانی پر دم کردیا جو کہ دونوں گھروں کے چاروں طرف چھڑکنا تھا اس کے باوجود بھی فیضان خوب ڈرا ہوا تھا۔ شام کی نماز ادا کرکے وہ گھر سے باہر نکلا تو اس کے بچے گیٹ سے کچھ فاصلہ پر ڈرے سہمے اسے نظر آئے وہ بھاگ کر ان کے پاس گیا۔

''کیا ہوگیا میرے بچوں یوں ڈر کر کیوں یہاں اٹک گئے ہو'' اس نے تینوں کو اپنے ساتھ لپٹالیا۔

''ابو وہ دیکھیں..... اسی طرح کا سانپ جیسا اس دن آپ نے مارا تھا۔'' اس کے بچوں نے گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا فیضان نے جلدی سے ادھر دیکھا اس کا دماغ جیسے سن ہونے لگا کھلے ہوئے گیٹ سے سامنے پھولوں کے اندر سے جھانکتی ناگن اسے صاف نظر آرہی تھی اسے چکر آنے لگے اپنے بچوں کو ساتھ لپٹا کر بہت مشکل سے وہ اندر آیا اس کی بیوی اور والد کو بھی ناگن کے بارے میں خبر مل چکی تھی وہ سب ایک کمرے میں بیٹھے اداس ایک دوسرے کی طرف دیکھے جارہے تھے، فیضان سوچ رہا تھا کہ یہ تو اچھا ہوا کہ اس نے دم کیا ہوا پانی گھر کے چاروں طرف اچھی طرح چھڑک دیا تھا۔

''مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آرہی کہ اگر یہ بات سچ ہے کہ ناگ کی آنکھوں میں عکس دیکھ کر ناگن بدلہ لینے پر تلی ہوئی ہے لیکن اس نے ناگ کو کیسے دیکھا

وہ تو تم لوگوں نے زمین میں دبا دیا تھا ناں۔'' فیضان ان کی بات سن کر چونک اٹھا اس کے ذہن میں یہ بھی بات اب آئی تھی اس نے باپ سے اجازت لی اور اس ویرانے کی طرف ڈرتے ڈرتے چل دیا جہاں انہوں نے ناگ کا مردہ جسم دفنایا تھا وہ پورا راستہ ڈرتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھتا رہا ہلکی سی کھٹک بھی ہوتی تو وہ اچھل جاتا اس کا دل دھڑکنا بھول جاتا۔

جب وہ اس ویرانے کے پاس پہنچا تو وہ جگہ دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہونے لگا کیونکہ گڑھا کسی نے دوبارہ کھود کر ناگ کا جسم نکال لیا تھا، اسے اب یقین آ گیا تھا کہ ناگ ناگن کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ سچی ہیں اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

رات چاندنی تھی اسے محسوس ہوا جیسے کہ اس کے عین پیچھے کوئی گھات لگائے کھڑا ہے وہ آہستہ آہستہ پلٹنے لگا۔

اسی وقت شور کی آواز سے اس کے سر سے کوئی چیز ٹکرائی اور وہ الٹ کر پیچھے جا گرا اسے سر میں تکلیف کا احساس ہوا وہ اپنی جان بچانے کے لئے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دو آدمیوں نے اسے بری طرح سے جکڑ کر رسیوں کی مدد سے باندھ دیا کسی نے بڑی بے دردی سے اس کے کندھے سے تعویذ کھینچ لیا اس نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ کر سکا۔

''اسے جلدی سے اس اونچی جگہ پر لٹا دو ناگن یہیں کہیں ہے۔''

ایک آدمی نے اس کو پکڑے دونوں آدمیوں سے کہا۔

فیضان سر اٹھا کر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا چاند کی روشنی اس کے چہرہ پر پڑ رہی تھی اسی لئے فیضان نے اسے پہچان لیا وہ آدمی مبارک شاہ بابا کا خادم تھا فیضان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا تھا۔

فیضان کو ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے دونوں آدمی ایک ٹیلہ تک لے گئے۔ اور اس کے اوپر لٹا کر دونوں طرف لکڑی کے کھونٹے گاڑ کر اس کی رسیاں باندھ دیں تاکہ وہ لڑھکتے ہوئے ٹیلہ سے گر نہ جائے۔

''تم سوچ رہے ہو گے کہ میں نے یہ سب کیوں کیا تمہارے ساتھ۔''

فیضان نے بمشکل ہاں کہا۔ ''مجھے بس وہ ناگن چاہیے..... آیا تو میں اس علاقہ میں جوڑے کے لئے تھا لیکن ناگ کو تم لوگوں نے مار دیا میں نے تمہاری باتوں کا یقین نہ کیا کیونکہ یہ ناگ اور ناگن اتنی آسانی سے مرنے والے نہ تھے میں نے اس رات تم دونوں کا پیچھا کیا اور مجھے یہ دیکھ کر بہت ہی دکھ ہوا کہ وہ ناگ واقعی تم لوگوں کے ہاتھوں مر چکا تھا اب میں اس ناگن کو پکڑنے کے بارے میں سوچنے لگا اسی لئے اس ناگ کے مردہ جسم کو میں نے باہر ہی سامنے رہنے دیا جس کی وجہ سے تمہارا کزن مرا، بس مجھے پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو گئی ورنہ ناگن میرے قبضہ میں ہوتی اور تمہارا کزن بھی زندہ ہوتا پر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے لیکن آج.....

آج میں اسے پکڑ کر رہوں گا وہ اسی علاقہ میں ہے اور تم سے اپنے ناگ کا بدلہ لینے ضرور آئے گی۔''

جتنی دیر وہ فیضان سے باتیں کرتا رہا اس کے آدمی درختوں کے درمیان رسیاں باندھتے رہے فیضان کے اندر اس کی باتیں سن کر سنسنی سی پھیل گئی اور پھر جب اس رسیوں کی مدد سے ان لوگوں نے فیضان کے عین اوپر ایک جال باندھا تو اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا وہ اب ان کا مقصد سمجھا تھا۔

تعویذ اس کے بازو سے اتار لیا گیا تھا ناگن اب جب فیضان کی بو سونگھتے ہوئے اسے ڈسنے آتی تو وہ لوگ اس پر جال کو گرا دیتے۔

فیضان کو اندیشہ ہونے لگا کہ اگر جال ڈالنے سے پہلے ناگن نے اسے ڈس لیا تو پھر کیا ہو گا لیکن پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اگر وہ ناگن سے بچ گیا تو یہ لوگ اسے کہیں مار نہ دیں، اسے اپنی موت یقینی نظر آنے لگی وہ گڑگڑا کر اللہ سے نجات کے لئے دعا کرنے لگا۔

اچانک ان آدمیوں کے درختوں پر غائب ہوتے ہی فیضان کو پھنکار کی آواز سنائی دی وہ ڈر

سے کاٹنے لگا، پہلی پھنکار سر کے پیچھے سے تھی پھر ٹانگوں کی طرف سے دائیں بائیں، ناگن اس کے گرد چکر لگا رہی تھی، شاید اسے بھی خطرے کا احساس تھا لیکن وہ اپنے ناگ کا بدلہ لینے کے لئے بے چین بھی لگ رہی تھی۔

اس کی پھنکاریں سن کر فیضان کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

پھر اچانک ہی اسے اپنے قریب ناگن کی سنسناہٹ سنائی دینے لگی وہ زور لگا کر اپنی رسیاں کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ بہت ہی مضبوطی سے بندھی تھی ناگن کے رینگنے کی سرسراتی آواز عین اس کے سر کے اوپر آرکی، ناگن نے بہت صبر کیا اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ فیضان کو ڈستی جال اس کے اوپر آ گرا۔

ناگن اس کے اندر پھنس کر رہ گئی۔

فیضان نے شکر ادا کیا کہ ایک دشمن سے تو جان چھٹی، اب دوسرا کیا کرتا ہے اس کا پتہ نہیں ناگن اس کے سر کے پیچھے ہی پھوں پھوں کر رہی تھی لیکن جال کے اندر سے اس کا نکلنا ناممکن تھا بالکل تاریک خانوں والا جال تھا ان آدمیوں نے درختوں سے چھلانگیں لگائیں اور ناگن کو جال سمیت لپیٹ لیا، اس کے بعد وہ فیضان کے اوپر آ کھڑے ہوئے۔ ''یاروں اس نے ہمیں ناگن تو پکڑوا دی لیکن ناگ کو مار کر اس نے جو نقصان کیا ہے اس کی اسے کچھ تو سزا ملنی چاہئے ناں'' شاہ صاحب کے خادم نے فیضان کو ایک ٹھڈا مارتے ہوئے کہا۔

فیضان کے منہ سے ''اُو'' کی درد بھری آواز نکلی اب اس کے ساتھ دوسرے بھی فیضان کو مارنے کے لئے شامل ہو چکے تھے۔

ناگن کو انہوں نے ایک پٹاری میں بند کر دیا تھا وہ ان میں سے ایک نے اٹھائی ہوئی تھی اس نے جوش میں آ کر فیضان کو پورے زور سے لات مارنے کی کوشش کی تو اس کا پیر رپٹ گیا اور وہ سر کے بل حویلی کے اکٹھے ہوئے کچرے پر گرا اس کے ہاتھ سے پٹاری چھوٹ کر گری اور اس کا ڈھکن کھل گیا۔

ناگن ایک پھنکار کے ساتھ باہر نکلی اور اس آدمی کے ماتھے پہ ڈس لیا تو اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔

ناگن کی پھنکار اور اس آدمی کی چیخ نے فیضان کو مارنے والے دونوں آدمیوں کی سٹی گم کر دی۔ انہوں نے پلٹ کر ادھر دیکھا ان کے عین سامنے ناگن اپنی دم پر کھڑی انہیں گھور رہی تھی وہ دونوں بھاگنے کے لئے پر تولنے لگے لیکن ایک کو ناگن نے چھاپ لیا اور اس کے جسم کے گرد اپنے آپ کو لپٹا کر بل دینے لگی۔

اس آدمی کی فلک شگاف چیخیں ماحول کو لرزانے لگیں۔

شاہ صاحب کا خادم بھاگ اٹھا۔ اور ٹھیک اسی وقت فیضان کے والد اس کو آوازیں دیتے وہاں آ پہنچے انہوں نے جب وہاں کی صورت حال دیکھی تو پریشان ہو گئے لیکن بدحواس نہ ہوئے انہوں نے ہاتھ میں پکڑی بوتل جس میں کہ دم کیا ہوا پانی تھا، بوتل کا ڈھکن کھولا اور اللہ کا نام لے کر اس آدمی کو جکڑے ناگن پر جلدی جلدی ڈالنے لگے۔

لیکن ان کا پانی ناگن کے اوپر پڑنے سے پہلے ہی اس نے جکڑے ہوئے آدمی کو بری طرح سے ڈس لیا، اس کے ڈسنے کے بعد دم کیا ہوا پانی اسے شرابور کر گیا۔ ناگن بری طرح سے پھنکارنے لگی۔

فیضان کے والد اس کے اوپر پانی ڈالتے رہے۔

ناگن نے اس آدمی کو چھوڑ دیا اور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کو آگ لگ گئی۔

ناگن کی سسکاریاں اور پھنکاریں، فیضان اور اس کے والد کے اعصاب کو جھنجھوڑ رہی تھیں، آخر وہ جل کر خاکستر ہو گئی، تو باپ بیٹے دونوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی گھر کی طرف قدم بڑھانے لگے۔

موت کی سرگوشی

مظہر الحق علوی

قسط نمبر 5

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور روح کو دہلا دینے والی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن کرکے رکھ دے گی صدیوں بعد ہارر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے تحفۂ خاص

ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

وہ آگے کی طرف، میری طرف جھک گیا اور بڑے دلربا انداز اور اخلاق سے، جس سے میں بخوبی واقف تھا، اپنی ہیٹ اٹھا کر بولا۔

''دخل اندازی کی معافی چاہتا ہوں سگنور۔ لیکن.....''

''فرمایئے۔'' میں نے رکھائی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں فابیو رومانی کو اچھی طرح سے جانتا تھا اتنی اچھی طرح سے کہ پورے نیپلز میں کوئی نہ جانتا ہوگا۔ چنانچہ اگر آپ ان کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ تو میں حاضر ہوں یقین کیجئے آپ کی خدمت کرکے مجھے مسرت ہوگی۔''

ہائے! وہی نغمہ ریز، شیریں آواز جسے سننے کے لئے میں۔ ''مرنے سے پہلے'' بے قرار رہتا تھا، جو میرے دل میں خوشی کی لہریں پیدا کردیتی تھیں اور میرا جی چاہتا تھا کہ وہ بولتا رہے اور میں سنتا ہوں۔ لیکن اس دفعہ اسی آواز نے میرے دل میں غم وغصہ کا ایسا طوفان اٹھادیا کہ میری زبان گنگ ہوگئی اور چند سیکنڈ تک میں بول ہی نہ سکا۔ خوش قسمتی سے میری یہ حالت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور اس کے سلام کے جواب میں خود اپنی ہیٹ اتار کر اپنی بنائی ہوئی کرخت آواز میں اکھڑ لہجے میں کہا۔

''اگر آپ مرحوم کے کسی رشتے دار سے میری ملاقات کرادیں تو بڑی مہربانی ہوگی یہ آپ کی..... فابیو کے والد میرے لئے سگے بھائی سے بڑھ کر تھے۔ اکثر اوقات دوستی بڑھ کر عزیز داری بن جاتی ہے۔ اوہ! میں نے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔ یہ لیجئے۔''

میں نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔ اس نے اخلاق سے جھک کر اسے قبول کیا اور اس پر چھپا ہوا نام پڑھا تو..... وہ ذرا چونکا..... حیرت اور خوشی سے اور پھر اس نے اس نظر سے میری طرف دیکھا جس میں حیرت بھی تھی اور احترام بھی۔

''کونٹ سیزرا ولادیہ!'' وہ بولا۔ ''میں اپنی خوش بختی پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ اخباروں میں آپ کی آمد کی خبریں چھپی تھیں۔ یہاں وہ ہنسا۔ ''اور ہمیں کئی لوگوں کے ذریعہ یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ شہر میں آپ کا کیسا شاندار استقبال کیا گیا تھا اور کونٹ! مجھے واقعی افسوس ہے کہ کئی برسوں کے بعد آپ یہاں تشریف لائے تو آتے ہی آپ کو ایسی بری خبر سننے کو ملی۔ خدا کرے کہ غم کے اس ایک بادل کے

KHURRAM

علاوہ آپ پر کسی دوسرے غم کا سایہ نہ پڑے۔ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں کونٹ سیزر اولاویہ۔"

اور اس نے اس بے تکلفی سے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا جو اس کی خصوصیت تھی۔

اور مجھے پھریری آ گئی۔ ایک سرد کپکپی سی میرے رگ وریشے میں دوڑ گئی توبہ۔ توبہ۔ خدایا! یہ ہاتھ میں اپنے ہاتھ میں لے لوں گا لے سکتا ہوں؟ لینا ہی پڑے گا اگر مجھے اپنا پارٹ ٹھیک سے ادا کرنا ہے تو۔ ورنہ..... اگر میں نے اس سے مصافحہ نہ کیا تو اسے میری یہ حرکت عجیب معلوم ہوگی۔ بلکہ وہ مجھے بدتمیز بداخلاق یا مغرور یقین کرے گا۔ نہیں۔ ایک ذرا سی لغزش سارا کھیل بگاڑ سکتی تھی۔ ایک، صرف ایک غلط چال اور میں بازی ہار سکتا تھا۔

اپنے ہونٹوں پر جبری مسکراہٹ لا کر میں نے ذرا ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ میں دستانے پہنے ہوئے تھا۔ تاہم جب اس نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو میں نے یوں محسوس کیا جیسے اس کا ہاتھ ہاتھ نہ تھا بلکہ دہکتی ہوئی آہنی سلاخ تھی جو میرے پورے ہاتھ کو داغ رہی تھی۔ اس ہاتھ کے لمس سے مجھے ایسی سخت اور شدید روحانی اور دماغی اذیت پہنچ رہی تھی کہ میں خدا کی قسم مارے تکلیف کے چیخ اٹھا ہوتا۔

لیکن میں نے برداشت کیا اور اذیت کا یہ لمحہ گزر گیا۔ آزمائش ختم ہوئی میں امتحان میں کامیاب ہوا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب کے بعد سے میں اس شخص سے ایسی ہی بے تعلقی سے مصافحہ کر سکوں گا۔ جس طرح کہ دوسرے کسی بھی آدمی سے کرتا ہوں۔ حالانکہ پہلی دفعہ ہی اس سے مصافحہ کرنے کے عمل نے مجھے ایسی سخت آزمائش اور دماغی اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔

جیدو نے میرے چہرے پر کے جذبات میں تغیر نہ دیکھا کیونکہ وہ تو اس نئی پہچان سے بہت خوش تھا۔ اب وہ ویٹر کی طرف گھوم گیا جو قریب ہی کھڑا ہم دو۔ "اجنبیوں" کی رسم تعارف کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کافی لاؤ، گارکن اور دو چار گلوریا بھی۔" اس نے آرڈر دیا اور پھر میری طرف گھوم کر پوچھا۔

"کونٹ! آپ کو ایک آدھ گلوریا پر تو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟ نہیں؟ واہ۔ عمدہ۔ اور یہ ہے میرا کارڈ۔" اور اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔

"جیدو فیراری! ایک آرٹسٹ ہوں یوں ہی سا اور ہر آرٹسٹ کی طرح غریب ہوں۔ تو کونٹ! ہم اپنی اس ملاقات کی خوشی میں ایک دوسرے کی صحت کا جام پیتے ہیں۔" میں اس کے سامنے ذرا سا جھک گیا۔ ویٹر آرڈر کی تعمیل میں چلا گیا اور جیدو کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"آپ تمباکو نوشی سے تو شغل فرماتے ہی ہوں گے۔" وہ بشاشت سے بولا۔ "اجازت ہو تو ایک سگار پیش کروں۔ میں عموماً منتخب اور عمدہ سگار ہی رکھتا ہوں۔ شوق فرمایئے۔"

اور اس نے اپنی جیب سے چاندی کا سگار کیس نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ چاندی کا یہ سگار کیس یوں چمک رہا تھا کہ نظر خیرہ ہوئی تھی اس پر نہایت ہی خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے..... منبت کاری کا بہترین نمونہ اور..... اس پر میرے اپنے دستخط بھی کندہ تھے۔

بے شک یہ میرا سگار کیس تھا۔

میں نے اس میں سے ایک سگار نکالا تو ایک عجیب طرح کی سنسنی محسوس کی۔ جس دن میرا انتقال ہوا تھا اس کے بعد اب پہلی دفعہ میں یہ سگار کیس دیکھ رہا تھا۔

"بہت عمدہ..... نوادرات میں سے ہے یہ تو۔" میں نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ "بہت عمدہ اور بہت قیمتی تحفہ ہے یا موروثی ہے؟"

"یہ میرے مرحوم دوست کونٹ فابیو کی یادگار ہے۔"

اس نے جواب دیا اور پھر ایک لمبا کش لے کر سگار کے دھوئیں کی کلی کر دی۔

"جو پادری، فابیو کے مرنے کے وقت اس کے پاس رہا تھا یہ کیس اس پادری کو مرحوم کی جیب سے ملا تھا۔

چنانچہ یہ کیس اور دوسری چند چیزیں جو اس وقت اس نے پہن رکھی تھیں اس کی بیوی کو دے دی گئیں لاکر اور.....''

''اور اس کی بیوی نے یہ کیس تمہیں اپنے پیارے دوست کی یادگار کے طور پر دے دیا۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے کہا۔

''بالکل۔ واہ! کیا صحیح اندازہ لگایا ہے آپ نے بہت اچھے۔'' اور اس نے سگریٹ کیس واپس لے لیا جو میں نے مسکرا کر اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''یہ کونتیس رومانی جوان ہیں؟'' میں نے دل پر ایک چوٹ برداشت کر کے پوچھا۔

''ارے بالکل جوان، جناب اور موسم گرما کی صبح کی طرح خوب صورت۔'' جیدو نے بڑے جوش سے کہا۔ ''میں تو سمجھتا ہوں کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک سورج کی روشنی کبھی ایسی حسینہ پر نہ پڑی ہوگی۔ آپ بوڑھے ہیں۔ کونٹ اگر جوان ہوتے تو میں اس کے مسحور کن حسن کے معاملے میں خاموش ہی رہتا لیکن آپ کے سفید بال مجھے آپ پر بھروسا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ اب آپ رقیب بننے کے قابل ہی نہیں رہے۔''

''جی!!!''

''کونٹ!'' وہ اپنی دھن میں کہتا چلا گیا۔ ''ہر چند کہ فابیو میرا گہرا دوست اور بہت اچھا آدمی تھا لیکن اس عورت کے قابل کبھی نہیں تھا جس سے اس نے شادی کی تھی۔''

''اچھا!'' میں نے بڑے سکون سے کہا۔ حالانکہ یہ الفاظ میرے سینے پر خنجر کی طرح اتر گئے تھے۔ ''خیر میں نے تو فابیو کو اس وقت دیکھا تھا، جب وہ بچہ ہی تھا۔ اس وقت وہ مجھے بے حد پیارا، ضرورت سے زیادہ سنجیدہ اور بھولا معلوم ہوا تھا۔ لیکن میرا اندازہ تھا کہ وہ بڑا ہو کر ایک اچھا اور ہوشیار آدمی بنے گا۔ اس کے والد کا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ وقتاً فوقتاً مجھے خبر ملتی رہتی تھی کہ اس کا باپ جوز بردست دولت چھوڑ گیا ہے اس کو فابیو کس طرح استعمال کر رہا ہے سنا تھا کہ بڑی بڑی رقمیں خیرات کے طور پر دیتا تھا؟ اور وہ کتابوں کا رسیا تھا، سادگی پسند تھا اور ہر حال میں خوش رہتا تھا۔ کم سے کم مجھ سے تو بیان کرنے والوں نے یہی کہا تھا۔

''بالکل بالکل ایسا ہی تھا۔'' جیدو نے قدرے بے چینی سے جواب دیا۔ ''میں کہتا ہوں کہ نیپلز جیسے بدچلن شہر میں وہ سب سے زیادہ نیک چلن آدمی تھا۔ شریف بلند اخلاق، فلسفی راضی بہ رضا رہنے والا خوش باش مطمئن اور۔ سب سے بڑھ کر..... بیوقوف۔ چغد۔''

اور میرا غصہ خطرناک حد تک بڑھ گیا تھا لیکن میں نے اسے دبا دیا اور یہ یاد کر کے کہ اس ناٹک میں مجھے کیا اور کیسا کردار ادا کرنا ہے۔ میں نے ایک قہقہہ لگایا۔

''بہت اچھے بھئی بہت اچھے۔'' میں نے کہا۔ ''بہت عمدہ اور پرجوش نوجوان ہو تم۔ جوانوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ اور تمہیں شریف اور اخلاق کی توپ کی قسم کے آدمی پسند نہیں۔ عمدہ بہت عمدہ۔ بھئی میں متفق ہوں آپ سے۔ آج کل بلند اخلاق شریف اور نیک سیرت آدمی اور بیوقوف میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور یہ میرا تجربہ ہے کہ جو جتنا نیک ہوگا اتنا ہی بڑا چغد ہوگا۔ یہ لو۔ ہماری کافی آ گئی اور گلوری بھی میں خوشی اور خلوص سے آپ کا جام صحت پی رہا ہوں سگنور فیراری..... تو آج سے دوست بن گئے ہم؟''

میرے یوں اچانک قہقہہ لگا کر ہنسنے اور پھر ایسی بے تکلفی پر وہ ذرا دیر کے لئے چونکا ضرور لیکن پھر..... وہ خود بھی ہنسا اور جب ویٹر کافی کا گینک لے کر آ گیا تو صورت حال گو اور بھی بشاش بنانے کے لئے جیدو نے کسی انطونیتہ کے حسن کے متعلق ایک لطیفہ سنایا اور بتایا کہ یہ ویٹر اس عورت پر عاشق تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ویٹر نے جیدو کی بات کا برا نہ منایا اور میری اور جیدو کی طرف سے مزید۔ ''ٹپ'' قبول کر کے دوسرے گاہکوں کے آرڈر بجالانے کے لئے چلا گیا۔

ویٹر کے آنے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے دوبارہ جوڑتے ہوئے کہا۔

''اور اس بیچارے بیوقوف رومانی کی موت کیسے واقع ہوئی؟ فوری؟''

''حیرت انگیز حد تک فوری۔'' جیدو نے جواب دیا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جہاں تارے یکے بعد دیگرے روشن ہو چلے تھے۔

''تمام بیانات اور آثار سے بھی یہی معلوم ہوا کہ ماہ اگست کی اک غیر معمولی طور پر گرم صبح کو وہ سویرے ہی بیدار ہو کر تفریح کو نکل گیا اور اپنی ہی دھن میں ویلا کی حدود سے باہر نکل گیا اور وہاں سے ایک میوہ فروش لڑکا ملا جو وبا سے مر رہا تھا۔ ظاہر ہے ہمارے رحم دل انسان دوست اور خدا ترس ہیرو نے رک کر اس میوہ فروش لڑکے سے باتیں کیں، تسلی دی اور ڈاکٹر کی تلاش میں وبا زدہ شہر میں دوڑ گیا۔ ڈاکٹر تو نہ ملا البتہ ایک پادری مل گیا اور اس پادری کو بیمار لڑکے کے پاس لئے جا رہا تھا (تب تک وہ لڑکا مر چکا تھا) کہ خود وہ طاعون کی لپیٹ میں آ گیا۔ اسے اٹھا کر ایک ذلیل اور سستے سرائے میں لایا گیا۔ جہاں وہ پانچ گھنٹوں میں مر گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے چیخ چیخ کر کہا کہ زندہ یا مردہ اسے اس کے گھر نہ لے جایا جائے کم سے کم عقلمندی کا کام کیا مرتے مرتے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ متعدی بیماری اس کی بیوی اور بچے کو لگ جائے۔''

''یہ بچہ لڑکا ہے یا لڑکی؟'' میں نے جیسے یونہی پوچھا۔

''لڑکی ہی ہے..... ابھی بچی ہے..... اپنے باپ پر گئی ہے ایسی ہی تھس اور احمق ہے۔''

بیچاری میری اسٹیلا۔

میرے جسم کی ایک رگ غصے کی شدت سے جھنجھنا رہی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جو اس بچی کو گود میں کھلاتا اور پیار کرتا تھا۔ جس کا ذکر آج وہ ایسی نفرت اور حقارت سے کر رہا تھا۔ یہ کم بخت جانتا تھا کہ اسٹیلا بے باپ کی اور یتیم تھی اور یہ بھی وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں بھی اب اس کی طرف سے بے پرواہ ہو گئی تھی اور مجھے صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا کہ بہت جلد گھر میں اکیلی اور بے سہارا رہ جائے گی۔ کوئی اس کا دوست نہ ہوگا، کوئی اس کا ہمدرد نہ ہوگا اور کوئی اس کی خبر گیری کرنے والا نہ ہوگا اس کی ماں بھی نہیں کہ اسے اپنی عیاشیوں سے فرصت ہی نہ ہوگی۔

اس خیال سے ہی میرے دل سے خون ٹپکنے لگا اور وہ آنسو بن کر آنکھوں کی طرف چلا لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالا، میں خاموش رہا، چند ثانیوں تک میں بے تعلقی سے کاگنیک کی چسکیاں لیتا رہا اور پھر میں نے پوچھا۔

''فابیو کی تجہیز و تکفین کیسے کی گئی؟ آپ کی باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔''

''اسی پادری نے انتظام کیا تھا۔ اس کے کفن دفن کا اور میں سمجھتا ہوں کہ آخری رسومات بھی اسی نے ادا کی تھیں۔ بہر حال پورے احترام اور غالباً ساری دعاؤں کے ساتھ اس کے خاندانی مقبرے میں رکھ دیا گیا۔ اس کے جنازے میں، میں خود بھی شریک تھا۔''

''آپ موجود تھے..... آپ۔ آپ.....'' اور میری آواز لرز کر ڈوب گئی اور یہ میری کمزوری تھی۔

جیدو نے حیرت سے بھنویں اچکا کر میری طرف دیکھا۔

''بے شک موجود تھا لیکن اس پر آپ کو حیرت کیوں ہوئی؟ لیکن شاید آپ سمجھے نہیں۔ بات یہ ہے کہ میں فابیو کا گہرا دوست تھا، اتنا گہرا کہ کبھی کسی کا حقیقی بھائی بھی نہ رہا ہوگا۔ چنانچہ اب یہ فطری بلکہ ضروری تھا کہ میں اس کے جنازے کے ساتھ اس کی آخری آرام گاہ تک جاتا۔''

اس عرصے میں میں سنبھل چکا تھا۔

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' میں بڑبڑایا۔ ''بات یہ ہے کہ اکثر و بیشتر باتیں مجھے اعصابی ہیجان میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ آپ جانئے عمر کا تقاضا ہے اور پھر میں سمجھ رہا تھا کہ اس متعدی وبا کا خوف بھی آپ پر طاری ہوگا اس لئے آپ.....''

''مجھ پر!'' جیدو نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''میں اپنی عمر میں کبھی بیمار نہیں ہوا اور کبھی کسی وبا سے نہیں ڈرا۔ البتہ میں سمجھتا ہوں کہ فابیو کے جنازے میں شریک ہو کر

میں نے ایک خطرہ مول لیا تھا لیکن مجھے کچھ نہ ہوا اور وہ پادری دوسرے ہی دن اپنے پیدا کرنے والے کے پاس پہنچ گیا۔''

''دہشت انگیز!'' میں نے کہا۔ ''نہایت ہی دہشت انگیز۔ کیا واقعی آپ کے دل میں کبھی کوئی خوف پیدا نہیں ہوا۔ میرا مطلب ہے اپنی جان کا کہ.....''

وہ پھر ہنسا۔

''بالکل بھی نہیں اور اس کا سبب میرا یقین ہے.....''

''کیسا یقین؟''

''یہ یقین کہ میں کسی مرض میں مبتلا ہو کر نہ مروں گا۔''

''اس یقین کی وجہ؟''

میرے سوال پر اس کے چہرے پر سنجیدگی کا ایک بادل سا آ گیا۔ اس نے ایک دم بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایک پیشین گوئی جو میرے پیدا ہونے کے وقت کی گئی تھی میں نہیں جانتا کہ وہ صحیح ہے یا غلط۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس پیشین گوئی کی ہی وجہ سے میں کسی بیماری کسی وبا سے نہیں ڈرتا۔''

''اچھا!'' میں نے بے حد دلچسپی سے کہا کیونکہ میرے لئے یہ ایک نئی اور خصوصی خبر تھی۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ پیشن گوئی کیا ہے؟''

''کیوں نہیں۔ پیشین گوئی یون ہے کہ میں اپنے ایک جانے پہچانے دوست کے ہاتھوں تشدد سے مارا جاؤں گا اور بڑی سخت اور عبرت انگیز ہوگی میری موت.....''

''اچھا!'' میں نے بیک وقت حیرت اور خوش دلی سے کہا..... ''اور آپ کو یقین ہے اس پیشین گوئی پر؟''

''ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہی یہ پیشین گوئی مجھے بکواس معلوم ہوئی تھی اور اب تو بالکل ہی بکواس لگتی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اس لئے کہ میرا صرف ایک ہی دوست تھا اور یہ کہ اب اور کوئی دوست نہ ہوگا اور میرا وہ اکلوتا دوست مر چکا ہے اور اسے دفن کر دیا گیا ہے۔''

''فابیو رومانی؟''

''ہاں وہی اور مُردے واپس نہیں آتے۔'' اور اس نے ایک ہلکی سی ٹھنڈی سانس لی اور میں نے اپنا سر اٹھالیا اور نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

میں کالا چشمہ پہنے ہوئے تھا جس نے میری آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔ چنانچہ جیدو میری اس متلاشی نظر کو نہ پہچان سکا اور نہ دیکھ سکا جو اس کے دل کو چور معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اور میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر سچ مچ کی اداسی اور غم کا ہلکا سا بادل چھا گیا اور اس کی آنکھیں بھی اداس اور متفکر ہو گئیں۔

''تو اس کی حماقتوں کے باوجود آپ اسے چاہتے تھے کیوں؟'' میں نے کہا۔

''چاہتا تھا! نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ یوں کہئے کہ..... ذرا پسند کرتا تھا اس نے میری کئی ایک تصویریں خرید لیں۔ اور آپ جانئے ایک مفلس مصور ایسے آدمی کو پسند کرتا ہی ہے اور ایک حد تک اس کا احترام بھی کرتا ہے جو اس کی بنائی ہوئی تصویریں خریدتا ہے۔ بے شک میں اسے بہت پسند کرتا تھا۔ جب تک اس کی شادی نہ ہوئی تھی۔ اور جب اس نے شادی کر لی.....''

''ہا۔ آ۔ تو اس کی بیوی آپ دونوں کے درمیان آ گئی؟'' میں نے پوچھا۔

''جیدو ذرا سرخ ہو گیا اور پھر کاگینک کا جام ہونٹوں سے لگا کر خالی کر گیا۔

''ہاں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔ ''وہ ہمارے درمیان آ گئی۔ شادی کے بعد آدمی پہلے جیسا نہیں رہتا لیکن ہم بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اب آپ پسند فرمائیں تو ذرا ٹہل لیا جائے؟''

صاف ظاہر تھا کہ اب وہ موضوع بدلنا چاہتا تھا۔

میں یوں آہستہ آہستہ اٹھا جیسے بڑھاپے کی وجہ سے

میرے جوڑوں میں درد ہو۔ کھڑے ہو کر میں نے وقت دیکھنے کے لئے جیب سے گھڑی نکالی بے حد خوب صورت گھڑی تھی سونے کی۔ جس کے ہندسوں کی جگہ ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

نو بج چکے تھے۔

''ٹہلنے جانے کا تو اب وقت نہیں رہا۔ میں نے کہا۔ ''لیکن آپ چاہیں تو میرے ساتھ میرے ہوٹل تک چل سکتے ہیں۔ میں جلدی ہی سو جاتا ہوں کیونکہ یہ رات کی روشنیاں میری آنکھوں کو تکلیف دیتی ہیں۔ دراصل میں آنکھوں کے ایک پرانے مرض میں مبتلا ہوں۔ اسی لئے رات دن یہ کالا چشمہ لگائے رہتا ہوں۔'' اور یہاں میں نے اپنی عینک کو ہاتھ سے چھوا۔

''راستے میں اور بھی باتیں ہوں گی۔ آپ مجھے اپنی بنائی ہوئی تصویریں دکھانا پسند کریں گے؟ چند تصویریں خرید کر میں آپ کی سرپرستی کر سکا تو مجھے مسرت ہوگی۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' اس نے خوش ہو کر جواب دیا۔ ''میں کیا اور میری تصویریں کیا۔ تاہم اگر آپ کو ایک بھی پسند آ گئی تو نہ صرف میری خوش بختی ہوگی بلکہ میں اس پر فخر کروں گا عمر بھر۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مجھے کسی کی سرپرستی کا ایسا لالچ نہیں رہا جیسے کہ پہلے تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ چھ ایک مہینے بعد میں اپنا یہ شوق ترک کر دینے والا تھا۔''

''اچھا! تو کیا کوئی خزانہ ملنے والا ہے آپ کو؟'' میں نے بے تعلقی سے پوچھا۔

''خزانہ تو نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''لیکن ایک دولت مند سے شادی کرنے والا ہوں۔ اور آپ جانئے یہ خزانہ ملنے کے برابر ہی ہے۔ ہے نا؟''

''بالکل۔ چنانچہ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے۔'' میں نے بے پروا اور بیزار لہجے میں کہا۔

لیکن میرا دل غصے کی شدت سے بہت بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ کیونکہ جیدو کا مطلب میں نے اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا۔ چھ مہینے بعد وہ میری بیوی سے شادی کرنے والا تھا۔ ایک شوہر کے مرنے کے بعد اور دوسری شادی کرنے کے درمیان کم سے کم چھ مہینے کا عرصہ تو اخلاقاً اور مذہباً ہونا ہی چاہئے۔ ویسے جوان مرگ شوہر کی موت کا سوگ ایک برس منانا چاہئے اور منایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی عورت دوسرا شوہر قبول کرتی ہے۔ اور چھ مہینے کا وقفہ سماجی نقطہ نظر سے نامعقول سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ صرف چھ۔ یہاں تو صرف چھ مہینے کا ہی وقفہ تھا لیکن اس عرصہ میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ وہ باتیں جو خواب و خیال میں نہ ہوں، وہ واقعات جو خلاف توقع ہوں۔ احتیاط سے ترتیب دی ہوئی نپی اور تلی ہوئی رفتہ رفتہ شدت اختیار کرتی ہوئی اذیت، آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا عذاب اور فوری اور زبردست سزا۔

انہی خیالات میں غرق میں جیدو کے ساتھ خاموشی سے چلتا رہا، پورا چاند آسمان میں روشن تھا اور اس کی چاندنی میں رپتیلے ساحل پر لڑکیاں اپنے عاشقوں کے ساتھ رقص کر رہی تھیں اور ایک طرف بیٹھے ان کے ساتھی بنسری اور منڈولن بجا بجا کر تال دے رہے تھے۔ کہیں دور سے کسی ماہی گیر کے گانے کی آواز خلیج کے پانیوں پر تیرتی ہوئی آ رہی تھی۔ یہ محنت کشوں کا بے حد اثر انگیز لوک گیت تھا۔ چنانچہ شام خوب صورتی، سکون سے بھری ہوئی تھی۔ بے حد حسین شام۔

لیکن میری انگلیاں کانپ رہی تھیں کیونکہ میں انہیں اس جھوٹے اور دغاباز کے حلق میں پہنچنے سے روک رہا تھا جو ایسی بے پروائی خود اعتمادی، خود یقینی اور ٹھنڈے پتے سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میرے ہاتھ کی مٹھیاں کھل رہی تھیں اور بند ہو رہی تھیں اور میری رگوں میں خون سنسنا رہا تھا۔ خدایا! اگر یہ مردود جانتا ہوتا اگر حقیقت اس پر واضح ہو گئی ہوتی تو کیا اس کے ہونٹوں پر یہ مسکراہٹ ہوتی؟ اس کا انداز ایسا آزاد اور دلیرانہ ہوتا؟

میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور وہ کوئی دھن گنگنا رہا تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ..... جبلی طور پر میری نظریں اپنے چہرے پر محسوس کر کے وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گیا اور پوچھا۔

''کونٹ! آپ نے دور دراز کے سفر کئے ہوں

گے اور ایک دنیا دیکھی ہوگی، کیوں؟''

''سچ کہا۔''

''اور کون سے ملک کی عورتیں آپ کو حسین ترین معلوم ہوئیں؟''

''معاف کرنا نوجوان!'' میں نے قدرے سرد مہری سے جواب دیا۔

''زندگی کے کاروبار نے مجھے جنس مخالف کی صحبت سے تقریباً پوری طرح دور رکھا ہے میں نے اپنی عمر دولت اکٹھا کرنے کے لئے ہی وقف کردی تھی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ دولت ہی ہر چیز کی کنجی ہے۔ حتیٰ کہ عورت کی محبت بھی اسی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے اور اس کے دل میں اسی کے سہارے اترا جاسکتا ہے اور اگر میں چاہتا تو کسی بھی عورت کی محبت اور خود عورت کو حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن مجھے اس سے دلچسپی رہی ہی نہیں، چنانچہ میں جانتا ہی نہیں کہ دلکش چہرہ کیسا ہوتا ہے اور سپاٹ چہرہ کیسا۔ عورت کبھی میرے لئے پرکشش رہی ہی نہیں اور اب اس عمر میں جبکہ میری تمام عادتیں پختہ ہوچکی ہیں میں جنس مخالف کے سلسلے میں اپنی رائے اور فطرت ظاہر ہے کہ نہیں بدل سکتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرے خیالات آپ کو دقیانوسی معلوم ہوں گے اور آپ مجھ سے اتفاق نہ کریں گے۔''

جیدو ہنسا۔

''آپ نے مجھے فابیو کی یاد دلادی۔'' وہ بولا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''شادی سے پہلے وہ ایسی باتیں کیا کرتا تھا۔'' جیدو نے کہا۔

''حالانکہ وہ جوان تھا اور اسے ایسے تجربات بھی نہ ہوئے تھے جنہوں نے آپ کو ایسا خشک مزاج اور قنوطی بنادیا ہے۔ کونٹ لیکن شادی کرتے ہی اس کے خیالات ایک دم سے بدل گئے اور اس میں تعجب کی کوئی بات ہے بھی نہیں۔''

''تو بہت خوب صورت ہے اس کی بیوی؟'' میں نے پوچھا۔

''بے انتہا خوب صورت لیکن تم خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔''

''جی! میں!''

''بے شک۔ آخر آپ اس کے مرحوم خسر کے دوست ہیں۔ چنانچہ آپ اس سے ملنے ضرور جائیں گے۔''

''نہیں تو میں کیوں جانے لگا؟''

''جانا تو چاہئے۔''

''اس سے ملنے کی میری کوئی خواہش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایک غمزدہ بیوی کسی سے ملاقات کرنا پسند بھی نہیں کرتی۔ نہیں بھئی۔ میں اس کے سوگ میں مخل ہونا نہیں چاہتا۔''

ایسی مکمل بے پروائی اور سراسر بے تعلقی کا مظاہرہ میرا بہترین اور کامیاب ترین قدم تھا جو اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ میں بظاہر جتنا کونتیس رومانی سے ملنے سے کتراتا تھا اتنا زیادہ جیدو مجھے متعارف (مجھے خود اپنی بیوی سے ملانے کے لئے) کرانے کے لئے بے تاب تھا اور وہ خود ہی بڑے جوش و خروش سے اپنی تباہی کی تیاری کرنے میں مصروف ہوگیا اور میں اندر ہی اندر مسکرانے لگا۔

''ارے نہیں۔ کونٹ! آپ کو اس سے ملنا ہی چاہئے۔'' اس نے بڑی گرم جوشی سے اصرار کیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ بطور مہمان خصوصی آپ کا استقبال کرے گی۔ آپ کی عمر اور اس کے مرحوم خاندان سے آپ کے دیرینہ مراسم کے پیش نظر وہ آپ کا حد سے زیادہ احترام کرے گی۔ اس کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ اس کے علاوہ اتنی زیادہ غمزدہ بھی نہیں ہے.....''

''اور وہ ایک دم سے خاموش ہوگیا۔ ہم لوگ میرے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

''غمزدہ نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

جیدو ہنسا۔ اس کی یہ ہنسی مصنوعی اور جبری تھی۔

''ہاں صاحب! نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''میں سمجھا نہیں۔ میرا مطلب ہے ایسا کیسے

ہوسکتا ہے؟''

''دیکھئے وہ جوان ہے اور شوخ ہے اور الہڑ ہے۔اس کی جوانی اور حسن اپنے پورے شباب پر ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ اس عالم میں آپ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ زیادہ دنوں تک آنسو بہاتی رہے گی۔ خصوصاً اس آدمی کے لئے جس سے اس نے کبھی محبت کی ہی نہیں۔''

میں ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

''فرصت سے ہوں تو آیئے۔'' میرے کمرے میں چلئے۔'' میں نے اسے مدعو کیا اور ساتھ ہی ہاتھ ہلا کر ہوٹل میں چلنے کا اشارہ کیا۔''رخصت ہونے سے پہلے ایک آدھ جام ہوجائے..... ہاں تو آپ نے کہا وہ اس سے محبت نہ کرتی تھی۔''

میری دوستانہ دعوت اور میرے اخلاق سے اس کی ہمت بندھی اور وہ پہلے سے زیادہ کھل کر اور بے تکلف بن کر بات کرنے لگا۔ بلکہ جب ہم ہوٹل کی گزر گاہ طے کررہے تھے تو اس نے اپنا ہاتھ میرے بازو میں ڈال کر بے حد رازدارانہ انداز میں کہا۔

''آپ محبت کی کہتے ہیں اسے تو فابیو کی پرواہ بھی نہ تھی۔ آپ ہی بتایئے کونٹ وہ عورت اس آدمی سے کیسے محبت کرسکتی ہے جس کے ساتھ اس کی شادی اس کے باپ نے دولت کی خاطر جبراً کردی ہو؟ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے مرحوم دوست کو اپنی بیوی کے بے پناہ حسن کا احساس تھا ہی نہیں۔ وہ تو پتھر کی طرح ٹھنڈا تھا اور کتابوں کے مطالعہ میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کے دل میں اپنے شوہر کے لئے کوئی محبت وغیرہ نہ تھی اور آپ جانئے یہ تو قدرتی بات ہے۔''

اس عرصے میں ہم میرے کمرے کے سامنے پہنچ چکے تھے میں نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ جیدو پھٹی پھٹی آنکھوں سے کمرے کی قیمتی سجاوٹ اور بے حد آرام دہ فرنیچر کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس کی آخری بات کے جواب میں میں نے سرد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میرے عزیز فیراری! جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں عورتوں سے تو قطعی ناواقف ہوں عورتوں کو میں نے ہمیشہ بلی کے کھلنڈر بچوں کی طرح ہی سمجھا ہے کہ جب آپ انہیں سہلاتے ہیں صحیح طریقے سے تو وہ ''خرخر'' کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی دم پر آپ پاؤں رکھ دیتے ہیں تو وہ چیخنے اور ناخن مارنے لگتے ہیں۔ یہ لیجئے۔ یہ مائے پولیسو شراب ہے آزمایئے۔ اسے شاید آپ کے ذوق کی ہو۔''

اس نے جام قبول کرکے ہونٹوں سے لگالیا اور ایک مبصر اور پرکھنے کے سے انداز میں ایک چسکی لی۔

''بہت عمدہ۔'' میں نے آہستہ آہستہ چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''یہاں تو آپ ایک شہزادے کی سی شان اور ٹھاٹھ سے رہ رہے ہیں۔ کونٹ۔ رشک آتا ہے مجھے آپ پر۔''

''حالانکہ نہ آنا چاہئے سگنور فیراری۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے پاس دولت ہے تو کیا؟ آپ کے پاس جوانی ہے، تندرستی ہے اور..... جیسا کہ آپ نے اشاروں کنایوں میں بتایا ہے محبت حاصل ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ ان چیزوں کے سامنے دولت کوئی چیز نہیں۔ بہرحال جوانی اور تندرستی اس دنیا میں بڑی نعمت ہیں۔ رہی محبت تو اس پر مجھے یقین نہیں جہاں تک میرا سوال ہے تو میرا تو یہ ہے کہ جناب کہ میں ایک آرام پسند آدمی ہوں اور آرام و آسائش کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہوں۔ میں بڑی اور بہت سی آزمائشوں سے گزرا ہوں اور آرام و آسائش کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہوں اور اب اپنے ڈھنگ سے آرام کررہا ہوں۔''

''اور بہت شاندار اور عقلمند ڈھنگ ہے۔'' جیدو نے کہا اور اس آرام کی گدے دار پشت سے سر ٹکا دیا۔ جس میں وہ بیٹھ گیا تھا۔

''کونٹ! ایک بات کہوں؟'' وہ بولا۔

''فرمایئے۔''

''اب جبکہ میں اطمینان اور غور سے آپ کی طرف دیکھ رہا ہوں تو یقین سے کہتا ہوں کہ جوانی میں آپ خوبرو رہے ہوں گے۔ آپ کے چہرے کے نقوش بڑے ہی دل آویز ہیں۔''

اور میں کمرے میں سہم جھک گیا۔

''اس تعریف کا شکریہ سگنور فیراری۔'' میں نے کہا۔ ''یہ تو بہرحال سچ ہے کہ میں بدصورت نہیں رہا۔ لیکن آدمی کی قبول صورتی اس کی جسمانی طاقت کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور جناب میں اب بھی خاصا طاقتور ہوں۔''

''بے شک۔ بے شک۔ اس نے سر ہلا کر مجھ سے اتفاق کیا۔

''وہ اب بھی مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اور کچھ بے چین بھی تھا۔

''آپ اسے عجیب اتفاق کہیں گے کونٹ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کا قد وقامت جسم کی ساخت پھر صورت بھی حیرت انگیز حد تک میرے دوست فابیو رومانی سے ملتی جلتی ہے۔''

میں نے اپنے لئے تھوڑی سی شراب اور انڈیلی میرا ہاتھ ذرا بھی نہ کانپ رہا تھا۔

''اچھا'' میں نے کہا۔ ''مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے دیکھ کر آپ کو اپنے دوست کی یاد آ گئی بشرطیکہ اس کی یاد آپ کے لئے ناخوشگوار نہ ہو۔ لیکن تمام بلند قامت آدمی جہاں تک ڈیل ڈول کا سوال ہے ایک سے ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اعضاء سے درست ہوں۔''

جیدو کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اب بھی مجھے غور سے دیکھ رہا تھا اور میں اس کی اس تنقیدی نظر کے جواب میں بے دھڑک اور براہ راست اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آخر کار وہ سنبھلا مسکرایا، اپنا جام خالی کیا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''امید ہے کہ آپ کونٹس رومانی سے آپ کا ذکر کرنے کی مجھے اجازت دیں گے۔'' اس نے بڑے تپاک سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ بڑی خوشی سے آپ کو خوش آمدید کہیں گی۔ بشرطیکہ آپ ان سے ملنا چاہیں۔''

میں نے بظاہر قدرے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بے چینی سے ہاتھ ہلایا۔

''سچ تو یہ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے عورتوں سے بات کرنا پسند ہی نہیں۔ ان کی کم عقلی اور لن ترانیاں مجھے بیزار کر دیتی ہیں۔ لیکن آپ کا مجھ سے ایسا دوستانہ رہا ہے کہ میں آپ کے ذریعے کونٹس کو ایک پیغام بھجوانا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ میرا پیغامبر بننے پر۔ مجھے واقعی افسوس ہے کہ میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ اس لئے کہ شاید چند دنوں تک آپ کو ان سے ملاقات کا موقع نہ ملے گا۔ ہے نا؟''

جیدو کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور پھر قدرے کوشش کے بعد بولا۔

''اس کے برعکس میں آج ہی شام کو کونٹس سے ملنے والا ہوں اور یقین کیجئے کہ آپ کا پیغام اور سلام پہنچا کر مجھے دلی مسرت حاصل ہو گی۔''

''ارے نہیں، میں کوئی سلام وغیرہ نہیں کہلوا رہا۔'' میں نے بڑے سکون سے کہا اور دیکھا کہ وہ حد سے زیادہ مرعوب ہو رہا تھا۔ ''یہ صرف ایک پیغام ہے جس کی وجہ سے آپ سمجھ جائیں گے کہ میں اس نوجوان کونٹ سے کیوں ملنا چاہتا تھا جواب اس دنیا میں نہیں رہا جب میرا دور شباب تھا تب فابیو کے والد مرحوم کونٹ رومانی نے مجھ پر بڑے احسان کئے تھے۔ ان کی مہربانیوں کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ ہمیشہ سے میں ان کے احسانوں کا کوئی مناسب بدلا چکانا چاہتا تھا۔ میرے پاس چند بے بہا جواہرات ہیں خود میں نے انہیں جمع کیا ہے اور اپنے مرحوم دوست کے بیٹے کے لئے بچا رکھا ہے کہ ان کے والد مرحوم نے جو مہربانیاں مجھ پر کی تھیں ان کا کچھ بدلہ چکا سکوں۔ لیکن نوجوان کونٹ کی فوری موت نے مجھے اپنی یہ خواہش پوری کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ لیکن یہ جواہرات میرے لئے چونکہ بالکل بیکار ہیں اس لئے میں انہیں

کونٹس رومانی کو دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ انہیں قبول کریں۔ اگر ان کے شوہر زندہ ہوتے تو ظاہر ہے کہ یہ بیش قیمت جواہرات انہی کے ہوتے۔ چنانچہ اب بھی انہی کے ہوں گے سگنور فیراری اگر آپ یہ بات کونٹس کو بتا دیں اور ان کا ارادہ معلوم کر کے مجھے آگاہ کر دیں تو یہ آپ کا بڑا کرم ہوگا۔''

''کرم کیسا کونٹ، بلکہ مجھے تو آپ کے حکم کی تعمیل کر کے خوشی ہوگی۔'' جیدو نے بڑے خلوص سے کہا اور رخصت ہونے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''مجھے واقعی فکر ہے کہ میں ایک ایسا دل خوش کن پیغام لے کر جا رہا ہوں۔ خوبصورت عورتیں جواہرات پر جان دیتی ہیں اور اس میں ان کا قصور بھی کیا ہے؟ خوبصورت اور چمک دار آنکھیں اور جواہرات ایک دوسرے سے خوب میل کھاتے ہیں آریوادرسی سگنور کونٹ۔ امید ہے کہ ہم اکثر ملتے رہیں گے۔''

''بالکل۔ بالکل۔'' میں نے جواب دیا۔

اس نے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور میں نے اس کے اس رخصتی مصافحہ کا جواب قدرے سرد مہری سے دیا جس کو میں نے اب اپنی عادت بنا لیا تھا۔

اور یوں ہم ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

اور میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں سے اسے تھرکتے قدموں سے ہوٹل کی سیڑھیاں اتر کر سڑک پر جاتے دیکھتا رہا۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ میں نے دل ہی دل میں اس پر کیسی لعنت بھیجی کتنا کوسا اور کتنی گالیاں دیں۔ اس کی بے تکلفی اور خوش مزاجی نے میرے دل میں اس کے خلاف کس قدر شدید نفرت پیدا کر دی۔

اس کی ایک ایک حرکت ایک ایک بات حتیٰ کہ اس کے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر چلنے کا انداز بھی اس کی خود اعتمادی اور اس کے اس پختہ یقین کا پتہ دے رہا تھا کہ نہایت درخشاں مستقبل اس کا منتظر تھا۔ چھ صرف چھ مہینے اسے انتظار کرنا تھا فابیو کی بے وقت موت کے سوگ کا زمانہ ختم ہو جائے گا اور اس خوب صورت بیوہ سے شادی کر کے وہ بے انتہا دولت کا مالک بن جائے گا اس کی خوش مزاجی اور باتوں سے ثابت تھا کہ اس کا اسے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوا۔

سڑک عبور کرنے کے بعد وہ چلتے چلتے ٹھہر گیا۔ گھوم کر پیچھے دیکھا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہونے اور انہیں اپنے ماتھے اور بالوں پر محسوس کرنے کے لئے اس نے اپنی ہیٹ اتار لی۔ چاندنی اب مکمل طور سے اس کے چہرے پر بکھر گئی اور اس کے چہرے کے خوب صورت نقوش اجاگر ہو گئے۔ حقیقت میں بے حد دلکش پروفائل تھا۔ اس کا جیدو واقعی مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

ہاں میں محسور سا کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا اور یہ اس شکاری کا سنگدلانہ سحر تھا جو قریب کھڑے ہوئے بے خبر بارہ سنگھے کے حلق پر چھرا پھیرنے والا ہو۔ وہ اب میرے قبضے میں تھا۔ اس نے قصداً اپنے آپ کو اس جال میں لا ڈالا تھا جو میں نے اسی کے لئے بچھایا تھا اب وہ میرے رحم و کرم پر تھا۔ جس کے دل میں ذرا برابر بھی رحم و کرم نہ تھا۔ اس نے ایسا کچھ نہ کیا تھا کہ کوئی ایسی بات نہ کہی تھی جو مجھے اپنے ارادے سے باز رکھ سکتا یا کم سے کم متزلزل کر سکتی۔ اگر اس نے میرے لئے اپنے دوست اور سرپرست فابیو رومانی کی یاد میں ایک بھی نرم لفظ کہا ہوتا غم کا ذرا بھی اظہار کیا ہوتا، اس کے مرنے پر یونہی اداس اور غمزدہ ہوتا تو میں قدرے ہچکچا جاتا۔ شش و پنج میں پڑ جاتا شاید اپنے انتقام کے نقشے میں تھوڑی سی تبدیلی کر دیتا کہ جیدو کی سزا نینا کی سزا کے مقابلے میں کم اذیت ناک ہوتی کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان دونوں میں بڑی گنہگار میری بیوی ہی تھی اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی تو دنیا کی کوئی بھی ممنوعہ محبت اس کی عزت کو چھو تک نہ سکتی تھی لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا تھا اسی نے جیدو کو شہ دی تھی۔ آدم کو بھی تو اکسانے والی ہوا ہی تھی چنانچہ میرے لئے اپنے مرحوم دوست کے لئے جیدو نے ذرا بھی ہمدردی غم یا اداسی کا اظہار کیا ہوتا تو اس کی غداری

کے باوجود پلڑا اس کے حق میں قدرے جھک جاتا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ زیادہ قصوروار میری بیوی تھی کم سے کم میں جیدو کو اذیت نہ دیتا۔ لیکن اس کی طرف سے ایسا کوئی اشارہ نہ ہوا کوئی لفظ نہ کہا گیا چنانچہ اب ہچکچانے اور رحم کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور اس کی مجھے خوشی تھی کہ خود جیدو نے میرا ارادہ اور بھی مضبوط اور اذیت ناک سزا کا نقشہ اور بھی گہرا اور مکمل کر دیا تھا۔

میں کھڑکی میں کھڑا یہ سب سوچ رہا تھا اور سڑک پر ننگے سر کھڑے ہوئے جیدو کو دیکھ رہا تھا جو مجھ سے رخصت ہو کر اپنے آپ سے مطمئن اور خوش جا رہا تھا لیکن کہاں؟ کس کے پاس؟ بلاشبہ میری بیوی کے پاس۔

ہاں اس کا مجھے یقین تھا کہ وہ اسی کے پاس جا رہا تھا۔ اس کی بیوگی کے آنسو پونچھنے اس کے غمزدہ دل کو تسلی دینے آخر وہ ایک ہمدرد اور نیک نہاد انسان تھا۔ جیدو میرا دوست نینا میری بیوی کا محض ہمدرد۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔

وہ آگے بڑھ گیا وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا میں کھڑکی میں اس وقت تک کھڑا رہا جب تک کہ وہ نظر آتا رہا۔

اور پھر میں کھڑکی کے سامنے۔..... میں آج کے کام سے مطمئن تھا۔

میرا انتقام شروع ہو چکا تھا اور ابتداء شاندار اور اطمینان بخش ہوئی تھی۔

دوسرے دن صبح سویرے میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا کہ جیدو آ گیا اور بے وقت آنے اور میرے ناشتے میں مخل ہونے کی معذرت کرتے ہوئے ایک دم سے کہا۔

''لیکن کونٹس رومانی نے ایسا نادر حکم صادر کیا کہ مجھے ماننا ہی پڑا۔ آپ جانئے ہم مرد آخر عورتوں کے غلام ہی ہیں۔''

☆.....☆.....☆

''سارے مرد نہیں۔'' میں نے کٹیلے لہجے میں کہا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''چند اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ مثلاً میں خود۔ کافی لیں گے آپ؟''

''جی نہیں۔ شکریہ میں ناشتہ کر کے آیا ہوں۔ اپ ہاتھ نہ روکیے۔ میرا تو چھوٹا سا کام ہے جو ابھی ہوا جاتا ہے۔ کونٹس رومانی نے میرے ذریعہ کہلوایا ہے۔''

''تو گزشتہ رات آپ ملے تھے ان سے؟'' میں نے ایک دم سے اس کی بات کاٹ دی۔ وہ ذرا سرخ ہو گیا۔

''جی نہیں۔ جی ہاں۔ میرا مطلب ہے صرف چند منٹوں کے لئے۔ آپ کا پیغام میں نے انہیں پہنچا دیا۔ انہوں نے آپ کا بہت بہت شکریہ ادا کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ آپ کے جواہرات کا عطیہ اس وقت تک قبول نہیں کر سکیں۔ جب تک کہ آپ ان سے ملاقات کر کے ان کی عزت افزائی نہیں کرتے چونکہ ابھی وہ اپنے شوہر کے سوگ میں ہیں۔ اس لئے عام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتیں۔ لیکن آپ ان کے مرحوم شوہر کے خاندان کے پرانے دوست ہیں۔ اس لئے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا۔''

میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کمر میں سے ذرا جھک گیا۔

''یہ تو میری بڑی عزت افزائی ہے۔'' میں نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''پہلے کبھی مجھے گرمجوشی سے اور ایسے لبھا لینے والے انداز میں مدعو نہیں کیا گیا لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں کونٹس کی دعوت قبول نہیں کر سکتا، کم سے کم فی الحال نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خاتون کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا کر آپ مناسب و موزوں الفاظ میں، اس طرح کہ انہیں برا معلوم نہ ہوا۔ میری طرف سے معذرت طلب کر لینا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ یہ کام بہ حسن و خوبی انجام دیں گے۔ کیونکہ آپ بہر حال گفتار کے غازی ہیں۔''

میں نے دیکھا کہ وہ بیک وقت حیرت زدہ بھی تھا اور پریشان بھی۔ ''واقعی آپ سنجیدہ ہیں کونٹ؟'' اس نے قدرے نخوت کے انداز میں کہا۔ ''کیا واقعی آپ کونٹس سے ملاقات نہ کریں گے۔ آپ ٹھکرا رہے ہیں ان کی درخواست؟''

میں مسکرایا۔

''میرے عزیز سگنور فیراری! بات یہ ہے کہ میں

شروع سے آپ اپنی مرضی کا مالک رہا ہوں اور ہر کام اپنے طور پر ہی کرنے کا عادی ہوں۔ اور اب میں جنس مخالف کی خاطر اپنی یہ عادت نہیں بدل سکتا، چاہے وہ خاتون حسن کی دیوی ہی کیوں نہ ہو۔ نیپلز میں مجھے چند ایسے اہم کام ہیں جو میری فوری توجہ چاہتے ہیں ان سے پہلے فرصت حاصل کرلوں پھر تبدیلی اور دل بہلاوے کی غرض سے ایک آدھ بیکار اور فضول سے کام بھی کرلوں گا۔ فی الحال تو میں جنس مخالف کی صحبت میں بیٹھنے کے قابل نہیں۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ اس وقت تو میں ایک بوڑھا، اکھڑ اور گنوار مسافر ہوں جسے ذرا بھی مجلسی علم نہیں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں جلد ہی درباری آداب اور مجلسی اخلاق سیکھ کر اپنے آپ کو کونٹس کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل بنالوں گا اور جب بھی وقت ملے گا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں گا۔ اس عرصے میں، مجھے یقین ہے کہ آپ میری طرف سے بے حد دل پذیر انداز میں ان سے میرے نہ آنے کی معذرت کرلیں گے۔''

جیدو کے چہرے پر کی ناراضگی اور تعجب مسکراہٹ میں تبدیل ہوگئی اور پھر وہ ہنسا۔

''خدا کی قسم!'' اس نے بے حد بشاشت سے کہا۔ ''آپ بے حد عجیب آدمی ہیں کونٹ۔''

''مگنور فیراری، قطع کلامی کی معافی چاہتا ہوں۔ لیکن آپ ہمیں کونٹ کے بجائے کونتے کہہ کر مخاطب کریں تو مہربانی ہوگی۔ کیونکہ میں رئیس ابن الرئیس یعنی خاندانی کونٹ نہیں ہوں۔''

''جی بالکل۔ تو میں کہہ رہا تھا کونتے کہ آپ حد سے زیادہ قنوطی ہیں اور میں یہ یقین کرنے پر مجبور ہوں کہ آپ کو حقیقت میں عورتوں سے سخت نفرت ہے۔''

''ارے نہیں۔ نفرت جیسی زوردار چیز میرے پاس نہیں ہے۔'' میں ناشتے کے اختتام پر بے حد رس بھرے شفتالو کے چھلکے اتارتے ہوئے ٹھنڈے پن سے بولا۔ ''نفرت تو بڑا سخت و شدید جذبہ ہے اور نفرت پیدا کرنے کے لئے پہلے محبت کرنا ضروری ہے۔ نہیں صاحب! میرے نزدیک عورتیں قابل نفرت نہیں ہیں، صاحب! میرے نزدیک عورتیں قابل نفرت نہیں ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں ان سے بے تعلق رہا ہوں۔ میرے نزدیک تو وہ ایک ایسا بوجھ ہیں جو ہم مردوں پر خواہ مخواہ لاد دیا گیا ہو۔ نازک خوب صورت اور نفیس بوجھ۔ دیکھنے میں تو بہت ہلکا پھلکا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں بے حد بوجھل اور روح تک کو کچل دینے والا ہوتا ہے۔''

''اس کے باوجود زیادہ تر مرد اس بوجھ کو خوشی سے قبول کرلیتے ہیں۔'' جیدو فیراری نے مسکرا کر کہا۔

اور میں نے غور اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

''بات صرف اتنی ہے کہ انسان کو اپنے نفس اور جذبات پر قابو حاصل نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ بڑی حریصانہ عجلت میں ہر اس مسرت کی طرف جھپٹ پڑے ہیں جو ان کی زندگی کی راہ میں یا ان کے سامنے آجاتی ہے۔ مدرسے جاتے ہوئے اس بچے کی طرح جو راستے میں پڑے ہوئے پکے پھل پر جھپٹ پڑتا ہے۔ یوں یہ لوگ حیوانی جبلت کے تحت عورت کے حسن کو جھپٹ لیتے ہیں اور جب اسے حاصل کرلیتے ہیں، اس سے لطف اندوز ہولیتے ہیں تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے؟ یہ ہے اس کی مثال.....'' اور میں نے اس شفتالو کی، جو میں کھا چکا تھا جیدو کی آنکھوں کے سامنے اچھالی۔ ''پھل میں نے کھالیا۔ اب کیا رہ گیا؟ یہ گٹھلی جس کا گودا بے حد کڑوا ہے۔''

جیدو نے اپنے شانے اچکائے۔

''مجھے آپ سے اتفاق نہیں ہے کونتے۔'' وہ بولا۔ ''تاہم میں آپ سے بحث نہ کروں گا۔ آپ کا نکتہ نظر ہوسکتا ہے کہ صحیح ہو، میرا مطلب ہے آپ کے لئے۔ لیکن جب آدمی جوان ہو، اس کے سامنے زندگی عیش و عشرت کے لامتناہی میدان کی طرح پھیلی ہوئی ہو اور عورت کی مسکراہٹیں اور پیار پھولوں کو چومتی ہوئی موسم سرما کی دھوپ کی طرح ہو۔ تو پھر کونتے آپ بھی اسی طرح محسوس کرتے جس طرح میں کررہا ہوں۔

آپ نے جو کچھ کہا اس کے باوجود آپ کی زندگی میں ایک ایسا وقت ضرور آیا ہوگا جب آپ نے کبھی کسی سے پیار کیا ہوگا۔''

''ہاں بھئی۔ یہ آتش بھی کبھی جوان تھا۔'' میں نے بے پروائی سے ہنس کر کہا۔ ''اور ہم نے بھی دل دیا تھا کسی کو لیکن جس کو خیالات میں بسایا تھا وہ فرشتہ ثابت ہوئی۔ میں اس کے قابل نہ تھا۔ کم سے کم مجھ سے تو یہی کہا گیا۔ بہرحال مجھے اس کی پاک دامنی اور خود اپنی نااہلی کا ایسا پختہ یقین ہوگیا کہ..... میں نے..... اسے چھوڑ دیا۔''

''جیدو نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

''اسے چھوڑ دینے کی یہ تو بڑی عجیب وجہ ہے۔'' وہ بولا۔

''بے حد عجیب..... بے حد نرالی..... لیکن میرے لئے کافی ہے۔ خیر چھوڑو اس ذکر کو۔ آؤ ہم کسی دوسرے دلچسپ موضوع پر باتیں کریں۔ مثلاً تمہاری بنائی ہوئی تصویریں۔ تو کب دکھا رہے ہیں آپ مجھے اپنی مصوری کے شاہکار؟''

''جب بھی آپ کہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''حالانکہ وہ کسی قابل نہیں ہیں۔ پچھلے ایک عرصے سے میں نے کوئی کام کیا ہی نہیں اور جو کچھ ہے وہ آپ جیسے باذوق صاحب کی دید کے قابل ہے ہی نہیں۔''

''اب یہ آپ کی خاکساری ہے۔'' میں نے رسمی اخلاق سے کہا۔

''آپ اجازت دیں تو میں آج سہ پہر کو ہی آپ کے اسٹوڈیو میں آجاؤں۔ سہ پہر کے تین اور چار بجے کے درمیان مجھے چند منٹوں کی فرصت ہے، بشرطیکہ یہ وقت آپ کے لئے مناسب ہو۔''

''بے حد مناسب وقت ہے۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔ ''لیکن مجھے خوف ہے کہ آپ کو سخت مایوسی ہوگی، میں کوئی فنکار نہیں ہوں۔''

میں مسکرایا یہ تو میں اچھی طرح سے جانتا تھا کہ وہ قطعی فنکار اور مصور نہ تھا تاہم اس کے اس اعلان پر میں نے کوئی تبصرہ نہ کیا اور موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''اب رہا ان جواہرات کا معاملہ جو کونٹس رومانی کے لئے ہیں.....''

کیا حکم ہے ان کے متعلق؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''.....آپ انہیں دیکھنا پسند کریں گے؟''

''ضرور۔ ضرور۔ اس نے اپنی بے پناہ مسرت اور اشتیاق چھپانے کی ناکام کوشش کی۔ ''میں سمجھتا ہوں بے مثال ہوں گے۔''

''شاید۔'' مین نے جواب دیا۔

میں اٹھ کر کمرے کے اس کونے میں گیا جہاں خانے دار ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ اس کا ایک خانہ کھول کر میں نے زیور بکس نکالا۔ یہ بکس شاہ بلوط کی لکڑی کا چوکور، خوب صورت اور منقش تھا جو میں نے پالیر مو میں خصوصیت سے بنوایا تھا۔

اس زیور بکس میں یاقوت اور ہیرے کا ایک گلوبند تھا۔ اسی سے میچ کرتے ہوئے بر اسلیٹ تھے۔ بالوں کی پنین تھی اور فیروزے کی ایک انگوٹھی تھی۔ سونے کی ایک جڑاؤ صلیب بے حد خوبصورت اور نازک جس میں لعل چمک رہے تھے اور موتیوں کا وہ پینڈنٹ یعنی اوزار بھی تھا جو مجھے مقبرے میں سب سے پہلے ملا تھا۔ اس آویزے کو چھوڑ کر دوسرے سارے جواہرات میں نے اپنی زیرنگرانی پالیر مو کے ایک مشہور و ماہر جوہری کے یہاں نئے سرے سے گھڑائے تھے۔

اور یہ چکا چوند پیدا کرنے والے کھلونے جیدو ایک ایک کر کے زیور بکس میں سے نکال کر دیکھ رہا تھا۔ اور ہر دفعہ اس کے منہ سے حیرت اور تعریف کے کلمات بے اختیار نکل جاتے تھے۔

''غضب ہے۔'' وہ کہتا۔

''قیامت ہے۔'' اس کے منہ سے سسکی نکل جاتی۔

''لاجواب۔'' وہ سر ہلاتا۔

''بے مثال۔'' وہ جھوم جاتا۔

اور میں اندر ہی اندر مسکرا رہا تھا اور پھر میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ارے یہ تو بے حد معمولی چیزیں ہیں۔ تاہم شاید خواتین کے ذوق کی ہیں۔ اور پھر ان کی ایک خاص قیمت بھی ہے۔ اگر آپ انہیں میری طرف سے کونٹس رومانی کی خدمت میں پیش کردیں تو یہ آپ کا مجھ پر احسان ہوگا۔ آپ ان سے کہئے کہ وہ یہ جواہرات ہماری ہونے والی ملاقات کی تمہید کے طور پر قبول کرلیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ انہیں یہ چیزیں قبول کرنے پر رضامند کرلیں گے جو حقیقت میں انہی کی ہوتیں۔ اگر ان کے شوہر زندہ ہوتے۔ بہرحال یہ انہی کی ملکیت ہے اور جو خود انہی کی چیز ہے اسے لینے سے وہ یقین ہے کہ انکار نہ کریں گی۔

جیدو شش و پنج میں پڑ گیا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

''لیکن آپ ان سے ملنے تو آئیں گے نا؟'' وہ بڑی امید لگائے ہوئے ہیں کہ آپ آئیں گے بلکہ بڑی خوشی ہوگی انہیں۔''

میں مسکرایا۔

''آپ کی بڑی آرزو ہے کہ میں ان سے ملاقات کروں۔ میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟''

''میرے خیال میں۔'' اس نے فوراً جواب دیا۔ ''ایسے بے بہا اور شاندار تحفے کے عوض اگر آپ نے کونٹس کو شکریہ ادا کرنے کا موقع نہ دیا تو بڑی بے چینی محسوس کریں گی بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ اس کے بغیر وہ یہ تحفہ قبول نہ کریں گی۔''

میں مسکرایا۔

''آپ خود بے چین نہ ہوں سگنور۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ جی بھر کر میرا شکریہ ادا کرسکیں گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ چند دنوں بعد خاتون کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ آپ نے کہا ہے کہ آپ مجھے لے جائیں گے اور میرا تعارف کرائیں گے۔ آپ کی یہ پیش کش میں قبول کرتا ہوں۔''

جیدو خوش ہوگیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر دیر تک اسے ہلاتا رہا۔

''اس صورت میں میں بڑی خوشی سے یہ جواہرات کونٹس کے پاس لے جاؤں گا۔'' اس نے کہا اور کونٹ! اگر آپ اسے مبالغہ نہ سمجھیں تو میں کہوں گا کہ ان خوبصورت جواہرات کے قابل کونٹس کے علاوہ دنیا میں آپ کو کوئی دوسری حسینہ نہ ملے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کا حسن بے مثال ہے اور انہی پر یہ بے مثال جواہرات سج سکتے ہیں۔''

''بے شک۔ بے شک۔ آپ کہتے ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔'' میں نے خشک مزاجی سے کہا۔ ''آپ جایئے میں نہ تو حسن کے بارے میں کچھ جانتا ہوں اور نہ ہی نزاکت وغیرہ کے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ان معاملات میں میں سراسر کورا ہوں۔ اور اب میرے اچھے دوست، اگر میں آپ سے درخواست کروں کہ اب مجھے تنہائی کی ضرورت ہے تو یقین ہے آپ نہ تو برا منائیں گے اور نہ ہی مجھے بداخلاق سمجھیں گے۔ سہ پہر کے تین اور چار بجے کے درمیان میں آپ کے اسٹوڈیو میں پہنچ جاؤں گا۔''

وہ جانے کے لئے فوراً اٹھا۔ زیور بکس میں نے اس چرمی تھیلی میں رکھ دیا۔ جو میں نے خاص اسی کے لئے بنوائی تھی۔ میں نے اسے مقفل کرکے اور باندھ کے جیدو کو دے دیا اور ساتھ میں اس کی کنجیاں بھی اس کے سپرد کردیں اور مارے احسان مندی کے وہ بچھ بچھ گیا۔ اور شکر ادا کرنے میں اس حد تک بڑھ گیا کہ تقریباً خوشامدی بن گیا اور اب اس کے کمزور کردار میں ایک اور کمزوری کا انکشاف ہوا۔ اس کی یہ کمزوری پچھلے دنوں میں بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ پچھلی زندگی میں جب میں اس کا دوست تھا تو مجھے نظر نہ آئی تھی۔ ایک ذرا سی حوصلہ افزائی سے چاپلوس بنا دیتی تھی۔ امیر کے سامنے کھڑے رہ کر دم ہلانے والا کتا دولت مند کا غلام تھا وہ۔ ''جی حضوری'' اور ہر خدمت کے لئے حتیٰ کہ حکم پا کر گندی نالی میں بھی لوٹنے کے لئے تیار۔ اور ہماری دوستی کے زمانے میں میں نے اسے اتنا کم ظرف نہ سمجھا

تھا۔ بلکہ اس کے متعلق ایسا خیال بھی نہ کرسکتا تھا۔ اس زمانے میں تو میں نے اسے ان تمام کمزوریوں سے اپنے گرے ہوئے کردار سے اور ایسی ذلیل فطرت سے بلند و بالا سمجھا تھا بلکہ اس زمانے میں تو میں نے اسے مخلص، صاف دل، جان نثار، بے غرض انسان یقین کیا تھا۔ جو ریاکاری سے کوسوں دور تھا جو مکاری خودغرضی اور خوشامد کے نام تک سے واقف نہ تھا اور یوں ہم ان لوگوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز اور ہمارے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور پھر جب حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے، فریب کھل جاتا ہے، اصلیت پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے تو پھر؟ آپ ہی بتایئے اس بھرم کا ٹوٹنا بھرم قائم رہنے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے یا نہیں؟ حقیقت ظاہر ہوجانے پر آپ کے دل کو سخت صدمہ اور اذیت پہنچتی ہے یا نہیں؟

میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔

میرے سابقہ دوست نے اس صبح مجھ سے رخصتی مصافحہ کیا تو میرے دل کو واقعی صدمہ تھا اور روح اذیت میں مبتلا تھی۔ خدا کی قسم! اس کے متعلق میں اپنا پچھلا یقین یا یوں کہئے کہ بھرم۔ واپس لانے کے لئے میں سب کچھ دے ڈالنے کے لئے تیار تھا اس وقت میں نے آگے بڑھ کر اس کے لئے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور اسے پکڑے کھڑا رہا جبکہ جیدو زیور کا بکس جو میری بیوی کے لئے تھا۔ بغل میں دبائے اپنے آپ سے مطمئن اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا اور میں نے اسے خدا حافظ کہا۔

اور جب تم مجھے تریسترام اور بادشاہ مارک کی کہانی یاد آگئی۔ یہ شخص جیدو تریسترام کی طرح جڑاؤ گلوبند اس عورت کے گلے میں پہنائے گا جو کہانی کی عورت سوالات کی طرح ہی حسین اور بے وفا ہے اور کیا میں بادشاہ مارک کی طرح ہوں جس سے بے وفائی کی گئی؟ کیا تھا انگریز مصنف لاریت کی اس کہانی کا انجام؟ یوں لکھا ہے اس نے۔

''..... مارک کا انتقام۔'' بادشاہ نے کہا اور درانتی سے اس کا سر حلق تک پھاڑ دیا۔

ایسے غدار کے لئے بے حد آسان اور فوری موت۔ اس کا رنش بادشاہ کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے اس دھوکے باز کو تڑپا کر مارتا۔ لیکن وہ شاید اذیت کے ایسے طریقے جانتا نہ تھا۔

لیکن میں جانتا تھا۔

اور جیدو کے چلے جانے کے بعد میں کوئی ایک گھنٹے تک تنہا بیٹھا اپنے انہی منصوبوں پر غور کرتا رہا۔

بہت سے کام کرنے تھے مجھے۔

سب سے پہلے تو مجھے اپنے آپ کو نیپلز کی اہم شخصیت بنانا تھا۔ چنانچہ میں نے کئی خط لکھے اور اپنے کارڈ بھی اس مشہور اور رئیس گھرانوں اور خاندانوں کو روانہ کئے جو میرے اس کام میں معاون ہوسکتے تھے۔ جو میرے پیش نظر تھا۔ یہ گویا اس کی تمہیدی کارروائی تھی۔ اسی دن میں نے اپنے لئے ایک خاص خدمت گار بھی رکھ لیا۔ بے حد خاموش طبع اور ہوشیار۔ اس کا نام ونسانزو فلاما تھا۔ اور وہ تسکان کا باشندہ تھا۔ وہ حیت انگیز حد تک سدھا ہوا اور قابل تعریف حد تک تربیت یافتہ ملازم تھا۔ ایسا ہی جیسا کہ ایک مثالی خادم خاص ہوتا ہے۔ وہ کبھی کوئی سوال نہ پوچھتا تھا، گپ شپ لڑانے کا عادی نہ تھا گھر اور آقا کے راز کو راز رکھتا اور میرا ہر حکم بجا لانے کے لئے ہر دم مستعد رہتا تھا۔ کبھی کسی کی اولاد بھی ایسی فرمانبردار نہ رہی ہوگی جیسا کہ ونسانزو فلاما تھا۔ مطلب یہ کہ اپنے طور پر وہ ایک خاندانی اور شریف آدمی تھا اور اس کا اخلاق اکثر نام نہاد شرفا سے بلند تھا۔

وہ بلا پس وپیش فوراً ہی اپنے فرائض انجام دینے لگا، کوئی ایسی بات نہ کی جس سے مجھے شکایت کا موقع ملتا۔ حتیٰ کہ میرے اطمینان اور آرام کی خاطر بے حد معمولی باتوں کا بھی اس نے خیال رکھا۔

چنانچہ اس کے ساتھ اس کو مناسب ہدایتیں دینے اور دوسرے کاموں میں وقت تیزی سے گزر گیا اور سہ پہر کے وقت اور مقررہ وقت میں اپنے وعدے کے مطابق ہوٹل سے نکل کر جیدو کے اسٹوڈیو کی طرف جارہا تھا۔

میں اپنے ''پچھلے جنم'' سے اس کے اسٹوڈیو کا

راستہ جانتا تھا۔ چنانچہ مجھے اس کارڈ پر ''جو جیدو میرے پاس چھوڑ گیا تھا اس کا پتہ دیکھنے اور لوگوں سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

یہ ایک عجیب اور قدیم عمارت تھی جو ایک ڈھلوانی راستے کی چوٹی پر واقع تھی اور اس کی کھڑکیوں سے خلیج اور اردگرد کا خوب صورت منظر دور دور تک نظر آتا تھا۔ اپنی شادی سے پہلے میں نے بے شمار خوشگوار گھنٹے وہاں گزارے تھے۔ کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر اپنی پسندیدہ کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ یا گھنٹوں تک جیدو کو پینٹنگ کرتے دیکھتا رہا تھا، جن میں کی اکثر تصویریں مکمل ہوتے ہی میں نے خرید لی تھیں حالانکہ وہ کسی قابل نہ ہوتی تھیں۔ کیونکہ جیدو حقیقت میں مصور تھا ہی نہیں۔ بس یوں ہی برش چلا لیتا اور رنگ لتھیڑ دیتا تھا۔

یاسمین کے پودوں سے بے تحاشہ لدا ہوا چھوٹا سا برآمدہ میری آنکھوں کو حیرت انگیز اور غم انگیز حد تک مانوس لگا اور پچھلی باتیں یاد کر کے میرے دل میں ایک ٹیس سے اٹھی۔ میں نے گھنٹی کی رسی کھینچی اور بند دروازے کے پیچھے وہ گھنٹی ٹن ٹنائی جس کی آواز سے میرے کان بے حد آشنا تھے۔ خود جیدو نے یوں فوراً دروازہ کھول دیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے انتظار میں دیر سے دروازے کے پیچھے ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مارے خوشی کے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

''آیئے۔ آیئے۔'' اس نے میرا استقبال کیا۔

''میرے یہاں آپ کو بے حد بے ترتیبی نظر آئے گی لیکن امید ہے کہ آپ اس کا کوئی خیال نہیں کریں گے۔ دراصل ایک عرصے سے غریب خانے پر کوئی آیا ہی نہیں ذرا سنبھل کر کونتے۔ یہاں ذرا اندھیرا ہے اور آنے والا اس گوشے میں ٹھوکر کھاتا ہی ہے۔''

چنانچہ یوں باتیں کرتا، خوش دلی سے ہنستا اور آگے آگے چلتا ہوا وہ مجھے چھوٹے اور تنگ زینے پر سے اس روشن اور ہوادار کمرے میں لے آیا۔ جس میں وہ عموماً کام کرتا تھا۔ میں نے چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی تو پتہ چل گیا کہ اس کمرے کو بے توجہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ جس کا ثبوت یہاں کی انتہائی بے ترتیبی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ جیدو ایک عرصے سے اس کمرے میں نہ آیا تھا۔ حالانکہ میری آمد کے خیال سے اس نے اسے ایک حد تک گوارا بنانے کی کوشش کی تھی۔

میز پر ایک بڑا سا گل دان رکھا ہوا تھا۔ جس میں بڑی فنکارانہ نزاکت سے پھول سجائے گئے تھے۔ میں نے جبلی طور پر محسوس کیا کہ یہ پھول میری بیوی نے سجائے تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ جیدو نے کوئی تصویر نہ بنائی تھی بلکہ بنانی شروع بھی نہ کی تھی۔ مکمل نا مکمل تصویریں جو میں نے اپنے مرحوم ہونے سے پہلے دیکھی تھیں۔ اسی طرح اور اسی حالت میں موجود تھیں..... غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے ان تصویروں کو فوراً پہچان لیا۔

میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور مجھ سے دغابازی کرنے والے کو ناقدانہ نظر سے دیکھنے لگا۔ بقول انگریزوں کے وہ ''اثر انگیز شخصیت تھا'' حالانکہ وہ سیاہ ماتمی لباس میں تھا۔ لیکن اس نے آج صبح جو سوتی کپڑا پہنا تھا اس کی جگہ اس وقت مخمل کا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ جس کے بوتام کے کاج میں ایک سفید پھول لگا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

ایک بار پھر میں نے دل ہی دل میں اس کے جامہ زیب اور خوش شکل ہونے کا اعتراف کیا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت وہ حقیقت میں دل لوٹ لینے والا مرد لٹیرا معلوم ہو رہا تھا۔ چنانچہ یہ بات کسی کی بھی سمجھ میں آسانی سے آسکتی تھی کہ اس کے جسمانی تناسب، چہرے کے دلکش خطوط اور مردانہ حسن میں جنس مخالف کے لئے کس قدر کشش ہوتی ہوگی اور وہ کس آسانی اور بے اختیاری سے اس کی طرف کھنچ جاتی ہوں گی۔ بلاشبہ وہ اپنے وقت کا حسین ترین جوان تھا مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ۔

اور میں نے اپنے خیالات کو زبان دیتے ہوئے کہا۔

''سگنور فیراری! ایک اعتراف کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔''

''اعتراف! کیسا اعتراف کونتے؟'' اس نے قدرے گھبرا کر پوچھا۔

''آپ کا پیشہ ہی مصوری نہیں ہے بلکہ.....''

''بلکہ کیا کونتے؟''

''بلکہ آپ خود بھی خدا کی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ دیکھنے دکھانے میں بہت حسین۔''

وہ کانوں تک سرخ ہوگیا۔

''یہ تو ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' اس نے جواب دیا اور اس کی خود پسندی اور تکبر اس کے بشرے سے چھلکنے لگا ورنہ ''من آئم کہ من دانم'' ارے ہاں۔ اس سے پہلے کہ میں بھول جاؤں، آپ کو بتادوں۔ آپ نے جو کام میرے سپرد کیا تھا وہ میں نے پورا کردیا۔''

''آپ کا مطلب ہے وہ کونتس رومانی والا؟''

''جی وہی۔'' آپ کے بھیجے ہوئے جواہرات کی آب و تاب اور خوب صورتی اور چمک دمک سے وہ اتنی خوش ہوئی ہیں کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ قسم خدا کی کونتے! ان کی معصوم خوشی بس دیکھنے کی چیز تھی۔''

میں ہنسا۔

''ڈرامے فاؤسٹ'' کا ''مارگریٹ اور نغمہ جواہرات'' والا منظر ہوگا۔ نئے پس منظر کے ساتھ اور نئی روشنی میں کیوں؟ میں نے قدرے طنز سے پوچھا۔

جیدو اپنے ہونٹ چبانے لگا وہ خفا معلوم ہوتا تھا تاہم اس نے سکون سے جواب دیا۔

''تو آپ مذاق بھی کرلیتے ہیں کونتے۔ لیکن یہ نہ بھولئے کہ آپ اگر کونتس کو فاؤسٹ کی مارگریٹ کا مقام دے رہے ہیں تو آپ خود مامیستوفلس کا کردار ادا کررہے ہیں کہ جواہرات دینے والے آپ ہیں۔''

''اور آپ ظاہر ہے کہ فاؤسٹ ہوں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سگنور فیراری! چند اضافوں کے ساتھ ہم یہ ڈرامہ کھیل کر نیپلز کو دم بخود کرسکتے ہیں۔ ہے کہ نہیں؟ خیر مذاق ختم ہوا۔ آیئے اب کام کی باتیں ہوجائیں۔ اس لیکن پر رکھی ہوئی تصویر مجھے پسند ہے میں اسے اور قریب سے دیکھ سکتا ہوں۔''

وہ ٹیکن کو میرے قریب گھسیٹ لایا۔ یہ ایک لینڈ اسکیپ تھا۔ ایک قدرتی منظر جس پر غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ مصوری کا نہیں تو اناڑی پن کا نمونہ تھا۔ بہت واہیات اور گھناؤنی تصویر تھی۔ تاہم میں نے اس کی بہت تعریف کی اور اسے پانچ سو فرانک میں خرید لیا۔

اب اس نے اسی قسم کی دوسری تصویریں مجھے دکھائیں۔ میں نے وہ بھی خرید لیں۔ جب ہم اس معاملے میں نمٹ چکے تو جیدو بے حد خوش تھا۔ اس نے مجھے بہت عمدہ شراب پینے کو دی اور تھوڑی سی اس نے بھی پی۔

وہ بے تکان بولتا اور مجھے خوش کرتا رہا۔ حالانکہ میری خوشی کا سبب اس کی پر مذاق باتیں اور لطیفے نہ تھے۔ بلکہ میری باطنی اور وحشیانہ مسرت کا باعث حالات کی وہ ستم ظریفی اور صورت حال کا وہ انوکھا پن ہے جس میں ہم دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔

چنانچہ میں غور سے اس کی باتیں سنتا رہا، دل کھول کر داد دیتا رہا، ان لطیفوں پر ہنستا رہا جو میں پہلے بھی سن چکا تھا اور اس کی انا کو اور اس کی خود پسند روح کو بیوقوف بناتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کی خود داری کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اس میں اب خود داری اور خود پسندی اور غرور کا شائبہ تک باقی نہ رہا تھا اور وہ اپنی تمام فطرت اور جبلتوں کے ساتھ میرے سامنے ننگا کھڑا تھا۔

اور آخر میں نے اسے اس کے اصلی روپ میں دیکھ لیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ وہ کیا تھا وہ خود غرضی، حرص، نفس پرستی، ہوس رانی اور بے دردی کا مجموعہ تھا جس میں کہیں ہمدردی اور نیک دلی کی ہلکی سی جھلک نظر آجاتی تھی لیکن یہ اس کی جوانی اور جسمانی صحت کا حاصل تھا اور بس۔

تو یہ تھا وہ آدمی جس کو میں نے چاہا تھا۔ یہ آدمی جو ایسے لطیفے بیان کرتا تھا جو چنڈو خانے کے قابل تھے، ایسی باتیں کہتا تھا جو بھنگڑ بستی میں بھی پسند نہ کی جائیں لیکن جو شرفا اور رئیسوں کی محفلوں میں اٹھتا بیٹھتا اور رنگ رلیاں مناتا تھا۔ تو یہ تھا گوشت و ہڈیوں کا وہ خوب صورت

تو وہ۔ وہ خود غرض خو، پسند، کورا مغز، اور کھوکھلا انسان جس کو میں نے خلوص سے چاہا تھا جس کی صحبت کو میں نے پسند کیا تھا اور جس کی خاطر میں کچھ کرنے کو تیار تھا۔

پہیوں کی آواز نے ہماری باتوں کا سلسلہ توڑ دیا۔ گھوڑا گاڑی یا بگھی یا ایسی ہی کسی سواری کے گھومتے ہوئے پہیوں کی آواز تھی جو قریب اور اسی طرف آرہی تھی۔

وہ دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔

شراب کا جام جو میرے ہاتھ میں تھا، میز پر رکھ کر میں نے جیدو کی طرف گھور کر دیکھا۔

''میرے علاوہ کوئی اور بھی یہاں آنے والا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''ارے۔ نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ خلاف توقع۔'' وہ ہکلانے لگا۔

عین اس وقت گھنٹی بجی اور مجھ سے معذرت طلب کر کے جیدو دروازہ کھولنے بھاگا۔

میں ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں جانتا تھا۔ بلکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ کون آیا تھا۔ زبردست اور فوق الفطرت کوشش سے میں نے اپنے اعصاب کو سنبھالا، اپنے دل کی بے تحاشہ دھڑکنوں کو قابو میں کیا۔ اپنی کالی عینک کو اپنی آنکھوں پر اچھی طرح سے جمایا، تن کر کھڑا ہو گیا اور سکون و اطمینان سے انتظار کرنے لگا۔

اور اب میں جیدو کو زینہ چڑھتے سن رہا تھا۔ اس کے بھاری قدموں کی چاپ کے ساتھ نازک قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اور وہ جیدو اپنے ساتھی سے سرگوشیوں مین کچھ کہہ رہا تھا۔

ایک سیکنڈ اور۔

اور اس نے اپنے اسٹوڈیو کا دروازہ یوں عجلت اور احترام سے کھولا جیسے کوئی ملکہ آرہی ہو۔ ریشمی کپڑوں کی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ مست کن، بھینی بھینی خوشبو کی ایک لہر سی آئی اور دوسرے ہی لمحے میرے روبرو وہ کھڑی تھی۔

میری اپنی بیوی۔

کس قدر خیرہ کن حسن تھا اس کا! چکر دینے والی حد تک خوب صورت تھی وہ۔ جب میں نے پہلی دفعہ اسے دیکھا تھا تو ہوش و حواس غائب و گئے تھے اور میں مسحور اور دم بخود کھڑا دیکھتا رہا تھا اور اس دفعہ بھی میری ایسی ہی حالت تھی۔ میں حقیقت میں بت بن گیا تھا۔ اس کا کالا ماتمی لباس، کریپ کی کالی نقاب جو اس نے الٹ رکھی تھی کہ اس کے گھور کالے گھنے بال اور خوب صورت سفید و سرخ چہرہ کھلا تھا اور لباس پر لہراتا ہوا کالا ہی لبادہ۔ غرض اس ماتمی لباس نے تو اس کے حسن اور دلربائی کو دوبالا کر دیا تھا۔

اور میں نے..... اس کے مرحوم شوہر نے.....

دل ہی دل میں اس کے بے پناہ حسن اور اس کے سحر کا اعتراف کیا۔

وہ لمحے بھر کے لئے دروازے کی دہلیز پر رک گئی۔ جیسے ٹھٹک گئی ہو یا جھک رہی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر دلوں کو فتح کر لینے والا تبسم تھا۔ وہ کچھ شرما کر کچھ جھک جھک کر مجھے دیکھنے لگی اور آخر کار اس نے شیریں اور نیچی آواز میں کہا۔

''میرے خیال میں میں غلطی نہیں کر رہی ہوں۔ تاہم۔ کیا میں عالی مرتبت کونتے سیرز اولاویہ سے شرف گفتگو حاصل کر رہی ہوں؟''

میں نے جواب دینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ میرا حلق خشک تھا اور زبان تالو سے چپک گئی تھی اور شدید غصے کی آگ سے میرا پورا جسم تپ رہا تھا اور دماغ میں جیسے صحرا کی زہریلی ہوا چنگھاڑ رہی تھی۔

چنانچہ میں نے اس کے سوال کا جواب کچھ کہے بغیر کمرے میں سے ذرا خم ہو کر اور سر کے اشارے سے دیا۔ اور وہ اپنے دونوں ہاتھ بڑے سپردانہ اور دلربا انداز سے آگے پھیلا کر فوراً میری طرف بڑھی اور اس کا یہ انداز پہلے مجھے بے قرار بلکہ لوٹ پوٹ کر دیتا تھا۔

''یہ ناچیز کونتیس رومانی ہے۔'' وہ بولی۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔

''بگنور فیراری سے باتوں باتوں میں، میں نے معلوم کر لیا تھا کہ آج سہ پہر کو ان کے اسٹوڈیو میں قدم رنجا فرمانے والے ہیں اور میں اپنے آپ کو نہ روک

سکی اور یہاں چلی آئی کہ آپ کے اس شاہانہ تحفہ کا بذات خود شکریہ ادا کردوں جو آپ نے مجھے بھیجا ہے جواہرات حقیقت میں بے حد شاندار ہیں کونتے! میرے یوں بے اجازت چلے آنے کا برا نہ منایئے اور میرا شکریہ قبول فرمایئے۔''

میں نے اس کے دونوں آگے بڑھے ہوئے ہاتھ پکڑ لئے اور نہیں اتنے زور سے دبایا کہ اس کی انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھیاں اس کے گوشت میں کھب گئی ہوں گی یقیناً اسے تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے منہ سے سی نکلنا تو دور کی بات اس کے ابرو پر بل تک نہ آیا۔

اس اثنا میں، میں سنبھل چکا اور اپنا پارٹ ادا کرنے کے قابل ہو چکا تھا۔

''اس کے برعکس میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مادام۔'' میں نے کہا۔

''کہ آپ نے میرے ایسے ادنیٰ تحفے کو قبول فرمایا خصوصاً اس وقت جب کہ ان بے حقیقت جواہرات کی چمک دمک نے آپ کی بیوگی کا غم دوبالا کردیا ہوگا یقین کیجئے محترمہ میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے سوگ کے دور میں میں نے ایسی جسارت کی اگر آپ کے شوہر زندہ ہوتے تو یہ جواہرات وہ خود آپ کی خدمت میں پیش کرتے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے یہ تحفہ پا کر آپ کو کس قدر مسرت حاصل ہوتی اور میں جانتا ہوں کہ تب یہ جواہرات آپ کی نظر میں کس قدر اہمیت حاصل کر لیتے۔ خیر جو خدا کو منظور۔ میں بہرحال اس بات پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے کہ آپ نے مجھ جیسے نااہل شخص سے یہ بھی تحفہ قبول کرلیا۔''

اس تمام عرصے میں میری نگاہیں اس کے چہرے پر سے ہٹی نہ تھیں اور میں نے دیکھا کہ میرے الفاظ سن کر اس کا رنگ زرد ہوگیا، وہ چونکی اور غور سے میری طرف دیکھنے لگی، اپنے کالے شیشوں کے پیچھے سے میں بلا جھجک اور براہ راست اس کی طرف دیکھ سکتا تھا اور دیکھ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس نے اپنے نازک ہاتھ میرے ہاتھوں میں سے کھینچ لئے میں نے لپک کر اس کے لئے آرام کرسی رکھ دی اور وہ کسی ملکہ یا سلطانی کی چہیتی کنیز یا داشتہ کی سی بے تکلفی سے کرسی میں بیٹھ گئی لیکن اب بھی وہ غور سے اور جیسے کچھ سوچتے ہوئے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس اثنا میں جیدو مزید شراب لانے میں مصروف رہا۔ وہ پھلوں اور مٹھائی کی ایک طشتری بھی لے آیا اور میزبانی کی یہ خدمات انجام دیتے ہوئے وہ ہنسنے لگا۔

''تو آپ پھنس گئے آخر۔'' اس نے بڑی بشاشت سے کہا۔ ''آپ کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ہم نے یہ سازش کی تھی۔ میں نے اور مادام نے کہ آپ کو ایک اچنبھا دیں گے اور بے خبری میں پھانس لیں گے۔ ہا۔ ہا۔ ورنہ یوں تو آپ ہاتھ آنے والے نہ تھے۔ آپ نے کونتیس سے ملاقات کا وعدہ تو کرلیا تھا لیکن یہ نہ بتایا تھا کہ کب آئیں گے آپ اور کونتیس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بے چین تھیں بلکہ انہوں نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک بذات خود آپ کا شکریہ ادا نہ کرلیں چین سے نہ بیٹھیں گی۔ چنانچہ ہم نے ملاقات کا یہ پلان بنایا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہوسکتا ہے۔ کونتے! اب اعتراف کر ہی لیجئے کہ آپ مسحور ہوگئے۔''

''بے شک۔ ہوگیا۔'' اس نے جواب دیا۔ لہجے میں طنز کی ہلکی سی جھلک تھی۔ ''ایسی بھری جوانی اور ایسے بے پناہ حسن کی موجودگی میں کون ہوگا جو مسحور نہ ہو؟ اور مجھے اپنی قسمت پر ناز بھی ہے۔ کیونکہ میں سمجھ سکتا ہوں کہ سوگ اور عدت کے اس زمانے میں۔ جبکہ گھر سے باہر قدم رکھنا معیوب سمجھا جائے گا۔ کونتیس دل پر کس قدر جبر کرکے اور اپنے آپ کو سنبھال کر یہاں۔ مجھ سے ملنے آئی ہیں۔''

میرے الفاظ سن کر میری بیوی نے اپنے چہرے پر غم اور اداسی طاری کرلی اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اس ایکٹنگ میں وہ اتنی کامیاب رہی کہ اگر میری جگہ کوئی انجان آدمی ہوتا تو مارے ہمدردی کے اس پر نثار ہو جاتا۔

''ہائے بدقسمت فابیو۔'' اس نے آہ بھر کر کہا۔

''کس قدر عجیب اور ناقابل یقین سی بات معلوم ہورہی ہے یہ کہ آپ کے استقبال کے لئے وہ یہاں موجود نہیں! انہوں نے اپنے والد کے دوست کا کتنا شاندار استقبال کیا ہوتا! کتنے خوش ہوتے آپ کو دیکھ کر۔ مجھے تو یقین نہیں آتا کسی طرح کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے خدایا! ابھی تو ان کے مرنے کے دن نہ تھے۔ کتنے جوان اور زندگی سے بھرپور تھے وہ۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ ان کی موت کے صدمے پر بھی قابو حاصل نہ کرسکوں گی اور ہمیشہ ان کی کمی محسوس کرتی رہوں گی۔''

اور اس کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو آگئے۔ لیکن اس پر مجھے ذرا بھی حیرت نہ ہوئی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اکثر عورتیں جب چاہیں رہ سکتی ہیں۔ یعنی انہیں اختیار ہوتا ہے اپنے آنسوؤں پر۔ اس کے لئے ایک ذرا سی مشق کی ضرورت ہے اور ہم مرد ایسے احمق ہوتے ہیں کہ ہم جانتے ہی نہیں کہ یہ سب دکھاوا ہے۔ ہم ان جھوٹے آنسوؤں کو حقیقی یقین کرلیتے ہیں اور خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اس روتی ہوئی حسینہ کے آنسو پونچھ لیں اس کی ڈھارس بندھائیں بلکہ اس کا غم اپنالیں۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ اس کا یہ غم محض دکھاوا ہے۔ اس کے یہ آنسو جھوٹے ہیں اور اس کی یہ ہچکیاں محض بناوٹ ہیں۔ ہائے! یہ عورتیں کتنی آسانی سے ہم مردوں کو الو بنالیتی ہیں۔ میں نے اپنی بیوی کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر جیدو کی طرف دیکھا اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا، مٹھی میں کھنکھار اور چہرے پر سنجیدگی اور اداسی طاری کرنے کی کوشش کی لیکن اداس سے زیادہ گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا چنانچہ معلوم ہوا کہ نینا جتنی کامیاب اداکارہ تھی اتنا کامیاب وہ اداکار نہ تھا۔

چنانچہ میں باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا، بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا مطالعہ کررہا تھا۔ اور یہ فیصلہ نہ کرپارہا تھا کہ میرے دل و دماغ پر کون سے جذبے کا قبضہ تھا۔ حقارت یا کراہت۔

''صبر کیجئے مادام۔'' میں نے کہا۔ ''وقت ایک ایسا حکیم ہے جو گہرے سے گہرے زخم کو مندمل کردیتا ہے اور پھر آپ نوجوان اور خوب صورت ہیں۔ چنانچہ وقت آپ پر ترس کھا کر بہت جلد آپ کا زخم مندمل کردے گا۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ مجھے واقعی آپ کے شوہر کی موت کا افسوس ہے۔ لیکن آپ ان کا بہت زیادہ غم کرکے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں کہ ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ میری آپ سے درخواست ہے۔ محترمہ! ابھی آپ جوان ہیں۔ خوب صورت ہیں، خدا کے فضل سے تندرست ہیں اور پوری زندگی آپ کے سامنے پڑی ہے خوشی اور سکھ کا زمانہ اور درخشان مستقبل آپ کا منتظر ہے آپ اسے اپنائیں اور مرنے والے کی یاد سے اپنی زندگی میں زہر نہ گھولیں کیونکہ آپ کا غم یا آپ کا خوشیوں سے دور رہنا بلکہ ترک کردینا بھی مرنے والے کو واپس نہیں لاسکتا۔ کسی گم شدہ کو تو بے شک بھلایا نہیں جاسکتا لیکن مرنے والے کو بھول جانا مشکل نہیں ہوتا کہ آج مرے اور کل دوسرا دن۔

وہ مسکرائی اور اس کے آنسو یوں غائب ہوگئے جیسے صبح کی پہلی کرن کے ساتھ شبنم کے قطرے۔

''آپ کی ان تسلی آمیز ہمدردانہ باتوں نے میری بڑی ڈھارس بندھائی ہے۔ چنانچہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کونتے لیکن بقول آپ کے میرا درخشاں مستقبل اور خوشیوں کے دن واپس لانا آپ کے ہاتھ میں ہے.....''

''میرے؟''

جی ہاں۔ وعدہ کیجئے کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائیں گے آئیں گے نا؟ میرا گھر اور اس کی ہر چیز۔ جو کچھ بھی ہے وہاں سب آپ کا ہے۔

''جو کچھ بھی ہے وہاں۔'' اس نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا تھا۔

میں الجھن میں پڑ گیا۔ جیدو بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔

''کونتے! مادام اس بات سے خبر ہیں کہ آپ عورتوں سے دور بھاگتے ہیں۔

(جاری ہے)

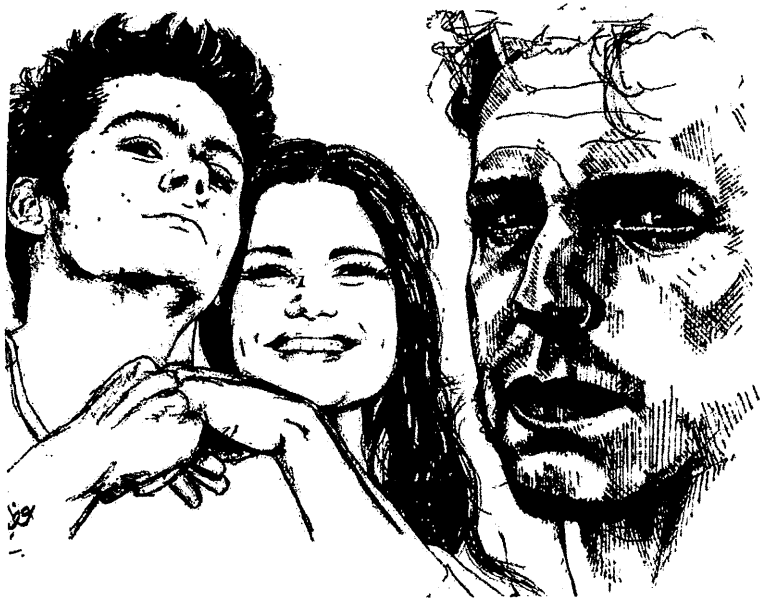

عبرتناک موت

مرزا صہیب اکرام-لاہور

نوجوان چیخ بھی نہ سکا جب موت نے اسے گلے لگالیا، ہر طرف دولت کے انبار تھے مگر ایک نوالہ روٹی اور ایک گھونٹ پانی پئے بنا وقت کا سب سے دولت مند آدمی بھوکا پیاسا مرچکا تھا۔

موت انتقام لے چکی تھی کب کون اٹھے گا یہ انسان کے بس میں تھا سبق آموز کہانی

شنکر کی فطرت میں رومان پسندی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ہر غیر معمولی اور انوکھی چیز اسے اپنی جانب کھینچ لیتی۔ وہ اپنی اسی عادت کی وجہ سے کئی بار مشکلات کا شکار بھی ہوا مگر شوق کی تکمیل اس کے لئے خطرات سے ہمیشہ اہم رہی۔

بچپن میں دادی نانی سے سنے عقل سے ماورائی قصے کہانیاں اسے ہمیشہ ایسی خیالی دنیا میں لے جاتیں جہاں پر کسی دوسرے کا بھی گزر نہیں ہوتا تھا۔ وہ بھی پریوں کے دیس کا راہی ہوتا تو کبھی وہ شہنشاہ جنات کا مہمان خاص ہوتا۔ اس کی خیالی و تصوراتی دنیا میں جن دیو جادوگر پریاں سب ہی آپس میں محبت و الفت کے رشتے میں جڑے ہوتے۔

اس کی دنیا کا کوئی دیو کسی پری کو اغوا نہیں کرتا تھا۔ اس نے خود کو کبھی کسی مسیحا یا ہیرو کے روپ میں نہیں

دیکھا تھا۔اس کے تو سارے کردار ہیرو تھے۔ اس کی فرضی دنیا امن وشانتی کا گہوارہ تھی۔اس کے ہاں چڑیل بھی نرم دل رکھتی تھی۔

اسے یاد تھا بچپن میں سیتا گڑھ کے اجڑے گاؤں میں جب لوگ ڈر کی وجہ سے جانا چھوڑ گئے تھے۔وہ وہاں بے خوف وخطر جایا کرتا تھا۔وہ ویران و سنسان گلیوں میں بانسریاں بجاتا گیت گاتا۔یہ وہی گاؤں تھا جہاں دن کے اجالے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔مگر شنکر کا شوق تجسس اور محبت اسے ہمیشہ وہاں لے جاتی لوگ اسے زندہ وصحیح سلامت واپس آتا دیکھتے تو حیران ہوتے۔وہ واپسی پر اپنے دوستوں کو اس ویرانے کے عجیب وغریب قصے سناتا جو حقیقت سے زیادہ اس کے تصور سے جڑے ہوتے۔

وقت کی رفتار کو کبھی کوئی روک نہیں پاتا۔وقت چلتا تو اپنی مقرر رفتار سے ہے مگر کب گزر جاتا یہ معلوم نہیں ہوتا۔بچپن کے دن کب گزرے کب جوانی آ گئی، انسان کو پتا ہی نہیں چلتا۔شنکر اب پچیس سال کا خوب صورت جوان بن چکا تھا۔معصوم دل اور صاف ستھرے ذہن کے اثرات اکثر چہرے پر بھی نظر آجایا کرتے ہیں۔یہی وجہ تھی کہ شنکر کا رنگ روپ اسے ہم عصروں سے ممتاز کرتا تھا۔

ایک حادثہ میں ماں باپ دونوں کو کھو کر اب بھری دنیا میں وہ اکیلا رہ چکا تھا۔اس کی حقیقی دنیا تو اجڑ چکی تھی۔اس لئے وہ اپنی خیالی دنیا میں مگن رہتا۔ ماں باپ اتنا چھوڑ گئے تھے کہ اس کا گزر بسر بنا ہاتھ پیر ہلائے بھی باآسانی ہو رہا تھا۔

اس کے دوستوں میں اس کا ایک چچازاد بھائی منوہر اور باقی گاؤں کے کچھ نوجوان تھے۔اس کا حلقہ احباب زیادہ وسیع نہیں تھا۔مگر جتنا بھی تھا سبھی اسکی ذہنی حالت وشوق سے آشنا تھے۔وہ سب کو اپنے خیالی و تصوراتی سفرنامے سناتا رہتا اور سب سنتے رہتے۔

ماں باپ کے اچانک گزر جانے کے بعد تو اس کے پاس کرنے کے لئے کچھ تھا نہیں اس لئے اس کا گزر کبھی جنگل میں ہوتا تو کبھی پہاڑوں میں نکل کھڑا ہوتا۔اس کا گاؤں ایک قدرتی جنگل سے تھوڑی دور تھا۔پہاڑی سلسلوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے دیہات تھے اور بعض دیہات ایسے بھی تھے جو مختلف وقتوں میں مٹ چکے تھے۔ان کے بس نشان باقی تھے۔بہت سوں کے متعلق قصے کہانیاں بھی مشہور تھیں۔ یہی قصے کہانیاں شنکر کو اپنی جانب کھینچ لیتی تھیں۔نا اس نے کبھی اپنے دوستوں کو ساتھ لیجانے پر اصرار کیا تھا نہ ہی اس کا کوئی دوست اس کے ساتھ کبھی گیا تھا۔اس کے رومان کا سفر بس اس کی اپنی ذات تک محدود تھا۔

ایک دن صبح صبح جب شنکر ابھی ناشتے سے فارغ ہی ہوا تھا اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔دروازے پر منوہر کھڑا تھا۔

آج تمہارے لئے ایک خوش خبری لایا ہوں منوہر نے کہا۔

کیا بات ہے منوہر؟

مجھے ایک نئے علاقے کا پتا چلا ہے۔جہاں پر سنا ہے بھوت پریت اور پتا نہیں کیا کیا پایا جاتا ہے۔منوہر نے ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

اچھا واہ۔کہاں پر؟ شنکر نے فرط جذبات سے پوچھا۔

یہاں سے قریب 50 میل دور شمال کی جانب ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔جس کا نام اصلی نام تو کوہ زمبورہ ہے مگر وہ مشہور وادیٔ خوف کے نام سے ہے۔

منوہر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

تو میں آج ہی روانہ ہو رہا ہوں۔شنکر بولا۔

ضروری سامان لینے کے بعد شنکر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوا۔سفر کے دوران کچھ حصہ تو گھوڑے پر طے ہونا تھا۔مگر زیادہ تر پیدل ہی سفر تھا۔شنکر اپنے خیالوں میں مگن چلا جا رہا تھا۔کئی یار ایسا ہو چکا تھا کہ اس نے بہت لمبا سفر کیا تھا مگر اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔مختلف علاقوں کے بارے میں سنے گئے پر اسراریت

سے بھرپور قصے جھوٹ نکلے تھے۔ مگر اس بار اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ضرور اس کو کچھ نا کچھ من پسند چیز حاصل ہوگی۔

آج شنکر کہاں گیا ہے؟ صبح ملا تھا مگر بہت جلدی میں تھا اس لئے بات نہیں ہوسکی۔ راجن نے منوہر سے پوچھا۔

مجھے نہیں معلوم۔ شاید اپنے کسی کام سے گیا ہوگا۔ آجائے گا جلد واپس۔ منوہر نے کہا۔

راجن سیدھا شنکر کے گھر گیا۔ جا کر ملازم سے پوچھا۔ چچا یہ شنکر کہاں گیا ہے آج صبح۔

پتر وہ کسی وادیٔ خوف نامی پہاڑی پر گیا ہے نے سنا ہے وہ بہت خطرناک جگہ ہے۔ میں نے تو روکا بھی۔ پر بوڑھے سرکار اس معاملہ میں کسی کی سنتے ہی نہیں۔

چاچا یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔ اس سے قبل تو کبھی نہیں سنا۔

ہاں آج وہ منوہر ہے نا اس نے بتایا تھا چھوٹے سرکار کو۔

یہ سن کر راجن حیران رہ گیا۔ کیوں کہ تھوڑی دیر قبل ہی تو منوہر کہہ رہا تھا کہ وہ شنکر کے اوقات کار سے انجان ہے۔

شنکر کو گئے ہفتہ ہو چکا تھا۔ وقت گزر رہا تھا۔ ایک دن اچانک منوہر نے چاچا رام لال کو گھر سے نکال گھر پر قبضہ کرلیا۔

بات بڑھی تو گاؤں کی پنچائیت تک بات گئی۔ سارا گاؤں اکٹھا ہوگیا۔

ہاں منوہر بتاؤ۔ تم نے شنکر کے گھر اور زمین پر کیوں کیا ہے؟

میں نے کوئی قبضہ نہیں کیا۔ اب شنکر بیچارہ جب اس دنیا میں نہیں رہا تو اس کا سب کچھ میرا ہی ہوا نا۔ اس کے علاوہ اور کون ہے اس کا رشتہ دار۔ منوہر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟ گاؤں کے مکھیا نے غصہ سے کہا۔

منوہر وادیٔ خوف کی جانب گیا تھا۔ وہاں ایک دوست نے اسے دیکھا تھا۔ اسی نے بتایا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کسی پہاڑ سے گر کر اس کی موت ہوگئی ہے۔ میرا دوست بخشی ناتھ اس بات کی گواہی دے گا۔

گواہی کے بعد محفل برخاست ہوگئی۔ مگر گاؤں سوگوار تھا۔

اور ادھر شنکر جب آخری پڑاؤ کے بعد آگے بڑھا۔ اس نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کے پیچھے کچھ نا معلوم لوگ ہیں۔ مگر اس نے بے خوف وخطر سفر جاری رکھا۔

جب وہ وادیٔ خوف کے بالکل قریب پہنچا۔ وہاں پر سارا پہاڑی سلسلہ درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ اب رات کے اندھیرے میں آگے بڑھنا اور اوپر جانا مشکل تر ہو رہا تھا۔ مگر شنکر کا سفر جاری رہا۔

اس نے کئی بار محسوس کیا جیسے اس کے پیچھے کوئی ہے۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ اچانک اس پہاڑ پر اسے پیچھے سے دھکا لگا تو وہ سیدھا ایک اندھی گہری کھائی میں جا گرا۔ گرتے ہوئے اس نے انسانی قہقہے سنے۔ اس کے بعد اس کا ذہن گہری نیند میں چلا گیا۔

اچانک وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ وہ ایک سرسبز وادیٔ میں تھا۔ اس کے چاروں اطراف حسن ورعنائی کے ایسے نظارے تھے جو اس سے قبل اس نے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ وہ پھول کلیوں رنگوں میں کھو گیا۔

اچانک اسے ایک آواز نے متوجہ کیا۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟

شنکر نے اٹھ کر چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ تم کہاں ہو۔ اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

اچانک اس کے سامنے ایک خوبصورت لڑکی آ گئی۔ جس کو دیکھ کر وہ اس میں کھو گیا۔ اس کے ذہن میں کئی تشبیہات واستعارے آئے۔ مگر اس نے خود پر قابو پا کر کہا۔ میں ان کی تلاش میں رہتا ہوں جو دنیا والوں کے لئے اوجھل ہیں۔ جس سے لوگ خوف کھاتے ہیں۔ جن کے تصور سے انسان ڈر جاتے ہیں۔ میں اپنے ایک چچا زاد بھائی کے کہنے پر ادھر آیا تھا۔ مگر

مجھے کسی نے پہاڑ سے اندھیرے میں دھکا دیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم میں کیسے محفوظ ہوں۔

تم کو مار ڈالنے کے لئے ادھر بھیجا گیا تھا۔ اے اچھے انسان تمہارے اندر کی اچھائی نے تم کو بچا لیا۔ یہاں بہت سے لوگ آتے ہیں۔ جو مختلف شکل کر کے ہماری دنیا میں زہر گھولنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہم مجبور ہو کر بدلہ لیتے ہیں۔ لڑکی نے کہا۔

آؤ تم کو یہاں کی سیر کراؤں۔

شنکر کو ایسے لگا جیسے کوئی ان دیکھی طاقت اسکو کھینچ کر فضا میں بلند کر رہی ہے۔ اس کے پاؤں فضا سے جیسے اوپر اٹھ گئے تھے۔ اسے لگا جسے وہ اڑتا چلا جا رہا ہے۔

چاروں طرف خوبصورتی کے نظارے جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے خوش رنگ پھول تھے۔ جو اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جھیلوں کا ایک جال نظر آیا۔ جہاں پانیوں پر ایسے آبی جانور و پرندے تیر رہے تھے جو اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ فضا میں خوشبوؤں کا بسیرا محسوس ہو رہا تھا۔ پرندوں کی چہک سے ہواؤں میں نغمگی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کائنات کا سارا حسن اس جگہ سمٹ آیا ہو۔ پھل دار درختوں پر لگے پھل قدرت کا انعام محسوس ہو رہے تھے۔ وہ تیرتا ہوا حیرت سے سبزہ و گل کو تکتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے سوال تو جیسے ختم ہو گئے تھے۔ زبان گنگ ہو چکی تھی۔

اچانک اس کے سامنے فضا میں اڑتا ہوا ایک تھال آیا۔ جس میں ایک بڑا پیالہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے اس کو اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کو ایسا لگا جیسے دنیا جہاں کے تمام مشروب ایک پیالے میں سمٹ آئے ہوں۔

ایک کھلے میدان میں جس کو چار اطراف سے بلند پہاڑوں اور سبزے نے گھیرا ہوا تھا وہاں پر اس کے قدم زمین پر لگ گئے۔

وہ جیسے واپس ہوش میں آ گیا۔

یہ لو یہ تمہارے لئے ہے۔ اس کو اپنے گاؤں جا کر کھولنا اور سب کو سامنے بتانا کہ یہ تم کو اس بستی سے تحفہ ملا ہے۔ اور ہاں اچھے نوجوان دوبارہ ادھر مت آنا۔ ہماری اور تمہاری دنیا الگ ہے۔ جاؤ اپنی دنیا میں۔

شنکر کو جیسے چکر آیا وہ گرا اور بیہوش ہو گیا۔ اس کی دوبارہ آنکھیں کھلیں تو وہ اپنے گاؤں سے باہر پڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے خواب دیکھا تھا یا حقیقت مگر جب اس نے اپنے سامان کا تھیلا کھولا تو اس کے اندر وہ پوٹلی موجود تھی۔

وہ اٹھا اور سیدھا گھر چلا گیا۔

اس کے آنے کی خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی تھی۔ سارے گاؤں کے سامنے اس نے پوٹلی کھولی۔ اندر سے جو نکلا۔ تو اسے دیکھ کر سارا گاؤں چونک اٹھا۔ مگر سب سے زیادہ حیرت منوہر کو تھی۔ پوٹلی ہیروں سے بھری ہوئی تھی۔ ایسے ایسے لعل و گوہر تھے جس کو دیکھ کر سب بس دیکھتے چلے جا رہے تھے۔

سارا گاؤں خوش تھا۔ مگر کچھ چہرے بجھے ہوئے تھے۔ شام کے وقت منوہر اپنے چار دوستوں کے ساتھ اس کے پاس پہنچ گیا۔

یار منوہر تم نے تو کمال کر دیا۔ کیا جگہ دکھائی۔ مجھے یہ سب وہاں پر ملا۔ اب میں آئندہ کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ میرا آخری دورہ تھا۔

اگلی صبح منوہر اور اس کے چار دوست گاؤں سے غائب تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گئے۔

منوہر اور اس کے چاروں دوست آندھی اور طوفان کی طرح وادیٔ خوف کی جانب جا رہے تھے۔ یار منوہر ہم کو بھی ویسا مال ملے گا۔

ہاں نا کیوں نہیں ملے گا۔ وہ اکیلا اتنا کچھ لے آیا ہے۔ ہم تو پانچ ہیں۔ پھر ہمارے پاس اعلیٰ اسلحہ ہے۔ ہم تو چھین کر لائیں گے سارا خزانہ۔

کئی دن کے سفر کے بعد ایک شام وہ لوگ وادیٔ خوف میں پہنچ گئے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ جاتے ہی سو

گئے۔نیند کی گہری وادی میں ایک چیخ سے اچانک وہ سب ہی جاگ گئے۔رات اپنے زوروں پر تھی۔چاند تو نکلا ہوا تھا۔مگر ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے بادلوں نے ساری روشنی کو آج چھپا لینے کا ارادہ کرلیا ہو۔ہر طرف کالک ہی کالک نظر آرہی تھی۔

سب ہی خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ایک تیز آواز فضا میں گونجی۔اے لالچی لوگوں تم سب کو تمہاری موت یہاں پر کھینچ لائی ہے۔تم سب گناہگار ہو۔تم نے ایک معصوم انسان کو قتل کر کے اس کے مال و دولت پر قبضہ کرنا چاہا تھا۔

کانپتے ہاتھوں سب نے اسلحہ نکالا۔جلدی جلدی سب نے لالٹین روشن کی۔روشنی میں جو پہلی چیز نظر آئی وہ زمین پر پڑی ہوئی خون آلود انسانی کھوپڑیاں تھیں۔جسے دیکھ کر سب کی ایک ساتھ چیخیں نکل گئیں۔

کک کون ہے۔سامنے آؤ۔منوہر نے حوصلہ کرتے ہوئے کہا۔

اچانک جگدیش نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا۔بس پھر تو جیسے اس پر دورہ پڑ گیا۔

منوہر تم قاتل ہو۔تم نے دولت کی خاطر ان سب کے ساتھ مل کر اپنے ہی بھائی کو مار ڈالنا چاہا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے جگدیش اپنے آپ سے باہر نکل کر بے ساختہ بول رہا ہو۔بولتے بولتے وہ گرا اور بیہوش ہو گیا۔

منوہر اور باقی لوگ آہستہ آہستہ آگے کی طرف جا رہے تھے۔روشنی کا ایک جھماکا ہوا۔ان کو سامنے تیس چالیس فٹ دور ایک انسان کھڑا نظر آیا۔سب نے ایک ساتھ فائر کھول دیئے۔ان کو ایسے لگا جیسے ساری گولیاں سامنے کھڑے انسان کے سینے میں اتر گئیں ہیں۔اس کے سینے سے خون کا فوارہ نکلا جو سیدھا اس کے چہرے پہ آ کر گرا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے فضا سے خون کی بارش ہو رہی ہو۔

سب خون میں نہا چکے تھے۔وہ آگے بڑھے تو چھلنی سینہ کے ساتھ وہ انسان پھر کھڑا ہو گیا۔اس نے ایک ہاتھ اپنے سینے کے اندر ڈالا۔اچانک وہاں سے کچھ نکال کر ان پر پھینک دیا۔

ان پر جیسے کٹی انتریوں کی بارش ہو گئی۔

ہر طرف روشنی ہو چکی تھی۔ہندو قیں ہاتھوں سے گر چکی تھیں۔سب بھاگ رہے تھے۔موت سے فرار کی کوشش میں سب اپنا آپ تک بھول چکے تھے۔

بخشی ناتھ اور منوہر ایک ساتھ بھاگ رہے تھے۔دوسرے دونوں الگ بھاگ رہے تھے۔

بھاگتے بھاگتے دونوں ایک غار میں پہنچ گئے۔جلدی سے غار میں گھس کر چھپ گئے۔اچانک غار کا منہ بند ہونے لگا۔غار روشنی میں نہا گیا۔

غار میں ہر طرف عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔دونوں اٹھ کر غار دیکھ رہے تھے۔

اچانک ایک تیز چیخ نے ان کے دل کو دہلا دیا۔ان کے سامنے ایک بنا چہرے کے عورت کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ بڑھتے چلے جا رہے تھے۔وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ہاتھ آگے بڑھ رہے تھے۔دیوار سے کسی ان دیکھی طاقت نے دونوں کو ہوا میں اچھال دیا۔دونوں ہوا میں تیرتے جا رہے تھے۔جب دونوں کے گلے ان ہاتھوں کے بیچ آ گئے۔وہ بہت چیخے مگر موت سے نا بچ سکے۔ان کے سر تن سے جدا ہو کر غار سے باہر دور جا گرے۔

بخشی ناتھ ایک پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔اس کی پیٹھ سے کچھ ٹکرایا۔مڑ کر دیکھا تو اس کے دوستوں کے دھڑ اور سر دونوں اس کو سامنے ہوا میں معلق نظر آئے۔وہ اٹھ کر بھاگا۔اس کو دھکا لگا سیدھا گہری کھائی میں جا گرا۔جہاں پر موت کی آغوش نے اسے سمیٹ لیا۔

منوہر ہر طرف پاگلوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ہر طرف موت کے ہرکارے اسکو محسوس ہو رہے تھے۔عورتوں کی ہیبت ناک چیخیں ماحول میں دہشت ناک بنا رہی تھیں۔ہر طرف جیسے خون پھیلا ہوا تھا۔ہوا تیز ہو چکی تھی۔فضا میں جیسے ہزاروں روحیں کسی کی موت پر محو رقص و کناں تھیں۔منوہر دھڑام سے گرا اور بیہوش ہو گیا۔

اس کی جب آنکھ کھلی تو اس کے اطراف اس کے تین دوستوں کی لاشیں پڑی تھیں۔مگر ہر طرف

ہیرے جواہرات لعل و گوہر بکھرے پڑے تھے۔ اس کو دوستوں کی موت رات کا ماحول پیٹ کی بھوک سب بھول گئی۔ وہ بس پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ لاتعداد دولت کا مالک تھا۔ وہ ہنس رہا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہیرے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بڑے بڑے صندوق دیکھے۔ کھولا تو اندر نگینے ہی نگینے تھے۔ وہ سب کو سینے سے لگائے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

کب دن گزرا اسے کچھ یاد نا رہا۔ وہ تو بس سب سمیٹ رہا تھا۔ اسے بھول چکا تھا۔ وہ اپنے کتنے دوست کیسے کیسے کھو چکا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نا تھا کہ یہاں سے واپسی کا راستہ کیا ہوگا۔ کیا یہ غار اس کا مدفن بنے گا۔ یا وہ کسی گہری کھائی میں بھول چکا تھا ابھی چند گھنٹے قبل اس کے دوست کس قدر عبرت ناک موت کا شکار ہو چکے تھے۔ بس لالچ و ہوس کا پجاری اس ظاہری دولت کو پا کر خوشی سے نہال ہو رہا تھا۔

رات کے اندھیرے نے اسے آ لیا۔ وہ سب کچھ سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ جب پیٹ کی بھوک اسے ستانے لگی۔ تب اسے ہوش آیا۔ وہ ایک ایسے جگہ تھا جہاں حد نگاہ بس مال و زر تھا۔ اور کوئی چیز نہ تھی۔ زندہ رہنے کی جدوجہد کرتا بھی تو کیا کرتا۔ اس نے تو مال و زر کے ہاتھوں اپنی سانسیں بیچ دی تھیں۔

ایک کے بعد دوسرا دن بیتا۔ وہ بھوک سے بلکنے لگا۔ پھر چیخنے لگا۔ اس سے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے دور سے کسی کے گھنگروں کی جھنکار سنی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک لڑکی چلی آ رہی تھی۔

مم مجھے پانی دو۔ مم مجھے کھانا دو۔ میں مر رہا ہوں۔ منوہر چیخا۔

تم بدلے میں مجھے کیا دو گے منوہر۔

تم یہ سب لے لو۔ بس ایک پیالہ پانی۔ بب بس ایک گھونٹ پانی۔

یہ لو پیالہ۔ لڑکی نے اسے پیالہ دیا۔

اس نے بند آنکھوں کے ساتھ پیالہ پکڑا۔ جھٹ منہ سے لگایا مگر پانی کہاں تھا۔۔ وہ پیسے ہوئے ہیرے تھے۔ جو اس کے حلق سے پار ہو گئے۔

وہ چیخ بھی نہ سکا جب موت نے اسے گلے لگا لیا۔ ہر طرف دولت کے انبار تھے۔ مگر ایک نوالہ روٹی اور ایک گھونٹ پانی پیے بنا وقت کا سب سے دولت مند آدمی بھوکا پیاسا مر چکا تھا۔ زندگی کی حقیقت ایک غار میں بے گور و کفن پڑی تھی۔ یہ صرف منوہر کی لاش نہیں تھی۔ یہ انسان کے لالچ اسکی ہوس اس کے نشے کی موت تھی۔ مگر کیا اس موت سے کوئی انسان کچھ سیکھ بھی پائے گا یہ کوئی نہیں جانتا۔

جگدیش کی آنکھ کھلی وہ اپنے گاؤں میں تھا۔ اس کے گرد لوگ جمع تھے۔ وہ اٹھا۔ چیختا چلاتا شنکر کے گھر پہنچا۔

چیخ چیخ کر بتاتا رہا کہ منوہر نے جان بوجھ کر تم کو وادیٔ خوف بھیجا تھا۔ تاکہ تم کو قتل کر کے تمہاری دولت پر قبضہ کر لے۔ تم کو پہاڑ سے دھکا بخشی ناتھ نے دیا تھا۔

وہ سب وادیٔ خوف میں لعل و گوہر کی تلاش میں گئے تھے۔ جہاں موت نے سب کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ کہہ کر جگدیش گرا۔ جب اس کو شنکر نے سیدھا کیا تو وہ مر چکا تھا۔

شاید قدرت انتقام لے چکی تھی۔ کون کب اٹھے گا یہ فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ شنکر زندہ تھا۔ اس کا خواب یا حقیقت وہ کیا تھا وہ ابھی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا۔ جب یہ سب ہو گیا۔

وہ وادیٔ خوف کو ہمیشہ وادیٔ حسن کے نام سے یاد رکھنا چاہتا تھا۔ وہ روح تھی یا چڑیل، کوئی جن تھا یا دیو۔ وہ جو بھی تھا اس کی یاد اس کا نقش اس کے دل و دماغ میں محفوظ ہو چکا تھا۔

مگر اس کا سفر تمام ہو چکا تھا۔ ڈر تھا یا اس لڑکی کی محبت، وہ خود سے وعدہ کر چکا تھا کہ اب دوبارہ کسی کھوج کا حصہ نہیں بنے گا۔ اس کے پاس اب ایسی یادیں اور سبق تھے جو اس کے لئے کبھی دھندلا نہیں سکتے تھے۔

روح کی چیخ

محمد خالد شاہان-صادق آباد

دسمبر کی ٹھٹھرتی ہوئی رات تھی برف باری ہونے کے بعد مزید برف باری ہورہی تھی جس نے سردی میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا، تمام لوگوں کا گھر سے نکلنا دوبھر ہورہا تھا لیکن.....

دل و دماغ میں خوف کی..... ہلچل مچاتی اور رگوں میں خون منجمد کرتی..... تحیر انگیز کہانی

یہ دسمبر کی سیر رات تھی اس سے دو دن پیشتر شدید برف باری ہو چکی تھی جس نے سردی میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا برف پورے اڑتالیس گھنٹے سے گرتی رہی تھی جس کی وجہ سے آمدورفت میں شدید دشواریاں پیش آرہی تھیں اس وقت سورج پانچ بجے سے بادلوں میں روپوش ہو چکا تھا اور اب آٹھ بجنے والے تھے لیکن مین روڈ کو دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا کہ جیسے رات کے دو بج چکے ہوں کہ اچانک ایک تنگ گلی سے ایک عورت نمودار ہوئی اور مین روڈ کے فٹ پاتھ پر چلنے لگی اور جب وہ چوک پر پہنچی تو اچانک سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کے ٹائر چیخے گاڑی اس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر آکر رک گئی، عورت کی آنکھیں تیز لائٹ کی روشنی سے بند ہوگئی تھیں اور چہرے پر خوف کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی باہر نکلا اس نے آسمانی رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا وہ باوقار انداز میں چلتا ہوا عورت کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ ''اگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں تو آپ مسز فراز ہیں۔''

عورت کی آنکھوں میں بھی شناسائی کے آثار ابھر آئے، آپ نے مجھے پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی، ڈاکٹر صاحب سنائیں اس وقت کہاں گھوم رہے ہیں۔

میں اپنے آفس سے آرہا ہوں، آپ کو سنسان سڑک پر پیدل چلتے ہوئے دیکھ کر سوچا شاید آپ کی کوئی مدد کرسکوں مگر آپ اتنی سرد اور خوفناک رات میں کہاں گھوم رہی ہیں، میں اپنی خالہ کے پاس ایک ضروری کام سے آئی تھی وہاں دیر ہوگئی اور ہماری گاڑی ورکشاپ گئی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اس مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔

میری گاڑی میں بیٹھئے میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔

''شکریہ ڈاکٹر صاحب مسز فراز نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں اس کا تذکرہ ان سے ضرور کروں گی اور وہ سن کر یقیناً خوش ہوں گے اس میں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یہ تو میرا فرض ہے۔ فراز میرے اچھے دوستوں میں سے ایک ہے اس کی بیوی کو پیدل چلتے ہوئے دیکھ کر مدد نہ کروں تو یہ ہماری دوستی کی توہین ہوگی۔ فراز کافی دنوں سے نظر نہیں آرہا ہے کہاں ہے آج کل، وہ کسی سرکاری کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔

گاڑی چوک سے واپس گھوم کر اسی سڑک پر دوڑ رہی تھی پھر ڈاکٹر نے ایکسی لیٹر پر دباؤ بڑھا دیا اور کہا۔

آپ کا کسی خون آشام سے واسطہ تو نہیں پڑا اگر ایسا ہوتا تو یات دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا اور مسز فراز مسکرا دیں۔

ڈاکٹر کہنے لگا میری والدہ نے نفسیات پر چند کتابیں لکھی ہیں اس وقت ان کی عمر 100 سال کے نزدیک ہے اگر آپ انہیں دیکھیں تو حیران رہ جائیں گی، اتنی زیادہ عمر میں وہ اس قدر توانا نیک اور پاکیزہ خاتون ہیں۔

ڈاکٹر صاحب آپ نے اپنی والدہ کا اس انداز میں تذکرہ کرکے میرے دل میں فوراً ملنے کا اشتیاق پیدا کردیا ہے کب ملائیں گے اپنی والدہ سے، جب آپ کو فرصت ملے میرے ساتھ چلئے وہ آپ سے مل کر یقیناً خوش ہوں گی، اگر انہوں نے پسند کیا تو جب تک فراز نہیں آتے ان کے ساتھ میرا وقت اچھا گزرے گا میں تقریباً سارا دن فارغ ہوتی ہوں ٹھیک ہے مسز فراز آپ کل ہی کسی وقت تشریف لے آئیے، مجھے شاید اتنا وقت نہ مل سکے آپ دو بجے میرے دفتر تشریف لے آئیں، میں آپ کو ساتھ لے چلوں گا بہت اچھا ڈاکٹر صاحب کل ٹھیک دو بجے آپ کے دفتر پہنچ جاؤں گی، ڈاکٹر کا دفتر آفندی بلڈنگ کی دوسری منزل پر واقع تھا دو بجنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے، ڈاکٹر اس وقت کھڑکی کے قریب کھڑا دیکھ رہا تھا کھڑکی کی طرف غور سے دیکھتے اسے دیکھ لینا ناممکن تھا کیونکہ اس کا جسم کھڑکی کے دروازے سے نکلتے ہوئے ریشمی پردے کے پیچھے چھپا ہوا تھا ٹھیک دو بجے ایک ٹیکسی کھڑکی کے عین نیچے آکر رکی اور ٹیکسی کا دروازہ کھول کر مسز فراز باہر نکلی اور ٹیکسی کا کرایہ ادا کرنے کے بعد سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی اسے دیکھتے ہی ڈاکٹر فوراً سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور سگریٹ نکال کر سلگا لیا پھر میز پر بکھرے ہوئے کاغذوں کی ورق گردانی کرنے لگا چند لمحوں بعد مسز فراز کے قدموں کی آواز آئی اور پھر جھکڑا اسی کے ساتھ بات کرنے کی آواز سنائی دی وہ چپڑاسی سے ڈاکٹر کے بارے میں پوچھ رہی تھی، پھر چپڑاسی پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں مسز فراز کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ ڈاکٹر نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی، چپڑاسی سے مسز فراز کو اندر بھیجنے کے لئے کہا دوسرے ہی لمحے مسز فراز پردہ ہٹا کر ڈاکٹر کے سامنے آگئیں، آپ دس منٹ پہلے آگئی ہیں ڈاکٹر نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا

دراصل میں وقت کا سختی سے پابند ہوں، پورے دو بجے تک مجھے یہ کہانیوں کی فائل مرتب کرنی ہے۔ بہرحال آپ آگئی ہیں تو دس منٹ بیٹھئے میں دو بجے کے بعد آپ کو اپنی والدہ سے ملانے لے چلوں گا۔ مسز فراز کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی یقیناً اس کی وجہ ڈاکٹر کی سرد آواز تھی جو اس لمحے مسز فراز کو اپنی ہڈیوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی مگر اس نے فوراً ہی اپنے ذہن میں ابھرنے والے اس خوف کو جھٹک دیا پورے دو بجے ڈاکٹر نے فائل بند کردی اور مسز فراز کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ میرا کام مکمل ہوگیا ہے اب چلیں مسز فراز نے اس کے کہنے پر کرسی چھوڑ دی ڈاکٹر کہنے لگا شہر کے اندر بھی میری جائیداد ہے۔

اور اب حال ہی میں، میں نے شہر سے باہر ایک دوسری عمارت خریدی ہے جس میں آج کل میری رہائش ہے والدہ صاحبہ کو تو وہ عمارت بہت ہی پسند ہے کیونکہ فطرتاً وہ تنہائی پسند واقع ہوئی ہیں شور وغل سے انہیں شدید نفرت ہے وہ زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتی ہیں، بڑی مذہبی قسم کی عورت ہیں۔

ڈاکٹر کی گاڑی نیچے موجود تھی مسز فراز کیلئے اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا جب وہ اندر بیٹھ گئیں تو ڈاکٹر نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور گاڑی کو موڑ کر سڑک پر چھوڑ دیا۔

جانے کیوں مسز فراز از کو رہ رہ کر یہ احساس ہو رہا تھا جیسے اس نے زبردست حماقت کی ہو وہ سوچ رہی تھی اس شخص پر اس حد تک اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا اس میں شک نہیں کہ میرے شوہر کے اس سے رسمی قسم کے مراسم ہیں اور میں ان کے ساتھ ایک مرتبہ پہلے بھی اس کے دفتر میں آکر اس سے مل چکی ہوں لیکن اس معمولی سی واقفیت کے بنا پر مجھے اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا اب اگر اس کی نیت خراب ہوجائے تو میں اس کا کیا بگاڑ سکتی ہوں اس کے ذہن میں ایک انجانا سا خوف سر ابھار رہا تھا۔

آخر اس نے اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھال کر سوچا ڈاکٹر انسان ہی تو ہے کھا تو نہیں جائے گا اگر اس نے مجھ سے کوئی گستاخی کی تو میرے بازو اس قدر کمزور نہیں ہیں کہ میں اپنی عزت اس جیسے مریل آدمی کے حوالے کردوں، میں آخری دم تک جدوجہد کروں گی، وہ ان ہی خیالات میں تھی اور گاڑی تارکول کی چکنی سڑک پر پھسلتی جارہی تھی۔ مسز فراز نے اپنے آپ کو ہر قسم کے حالات کے لئے مکمل طور پر تیار کرچکی تھی شہر سے باہر نکل کر ڈاکٹر نے گاڑی ایک کچے راستے پر ڈال دی مسز فراز نے چونک کر پوچھا ادھر کہاں جارہے ہیں اس کی آواز میں لرزش تھی اس کے اعصاب پر منڈلاتا ہوا خوف مزید گہرا ہوگیا ڈاکٹر ہنس پڑا اس کی ہنسی بڑی معنی خیز تھی وہ سامنے میری کوٹھی ہے مسز فراز بس اب ہم وہاں پہنچنے ہی والے ہیں مسز فراز خاموش ہوگئیں، وہ مزید سوال کرکے خود کو خوف زدہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ گاڑی درختوں میں چھپی ایک عمارت کے گیٹ پر جا کر رک گئی۔ مسز فراز نے خوفزدہ نظروں سے آس پاس دیکھا اس تنہا اور خاموش عمارت کے سوا دور دور تک کسی کا وجود نہ تھا ڈاکٹر نے گاڑی کو ایک سائیڈ پر کھڑا کرنے کے بعد ڈاکٹر نیچے اتر آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر مسز فراز سے اترنے کے لئے کہا۔

کیا یہاں پر چوکیدار نہیں ہے مسز فراز نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔ ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلادیا اور آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی سناٹے میں دستک کی آواز دور تک سنائی دے رہی تھی، مگر اندر خاموشی تھی ڈاکٹر نے دوبارہ قدرے زور سے دستک دی اسی لمحے اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی جو دروازے کے قریب آتی چلی گئی پھر دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا اندر خاصی تاریکی تھی اور اس تاریکی میں سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک عجیب سے چہرے نے دروازے سے دیکھا اسے دیکھ کر اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ عورت ہے یا مرد ڈاکٹر کے ہمراہ مسز فراز کو دیکھ کر اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اس کے جسم پر زنانہ لباس دیکھ کر مسز فراز اسے عورت سمجھنے پر مجبور ہوگئی

ورنہ اس کے اوپر والے ہونٹ خاصے لمبے اور موٹے تھے اور کان بڑے بڑے اور ناک لمبوتری تھی، آنکھیں ترچھی تھیں۔ مسز فراز کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوگئی مسز فراز کو اس کے چہرے پر غیر فطری پن کا احساس ہوا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی اس عورت کے چہرے اور ڈاکٹر کے چہرے پر غیر محسوس حد تک مشابہت تھی، جس سے مسز فراز نے اندازہ لگالیا کہ اس کی ماں ہے اسے دیکھ کر اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی اور اس بات کی منتظر رہی کہ ڈاکٹر اس کا تعارف اس کی والدہ سے کرائے گا مگر ڈاکٹر نے تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اندر داخل ہوکر دروازہ بند کردیا اس کی والدہ مسز فراز کی طرف بڑھی تو ڈاکٹر جلدی سے درمیان میں آگیا اور پھر اسی ترتیب سے چلنے لگے۔

اسی طرح چلتے ہوئے وہ راہداریوں سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوگئے۔ مسز فراز کو پوری عمارت سے وحشت ہو رہی تھی خاص کر اس عورت سے تو وہ سخت خوفزدہ تھی اس کا دیکھنے کا انداز اتنا خوفناک تھا کہ مسز فراز کو اپنے وجود میں چیونٹیاں سی چلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں تاہم اس نے ابھی تک خود کو سنبھال رکھا تھا اور کوشش کر رہی تھی کے اس کی کسی حرکت سے بزدلی کا اظہار نہ ہو کیوں کہ ڈاکٹر ایک مرتبہ پہلے بھی یہ کہہ کر اسے بزدلی کا طعنہ دے چکا ہے کہ آپ کا دل بہت کمزور ہے ڈاکٹر کی اس بات کی اس نے تردید کردی تھی کہ اب وہ خوف کا اظہار کرکے خود کو چھوٹا ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی ورنہ حقیقت میں وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب ڈاکٹر سے اس کی ملاقات ہوئی تھی وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ خدا آج خیریت سے گھر پہنچادے تو پھر کسی غیر شخص پر اس قدر اعتماد کرنے کی حماقت کبھی بھی نہ کروں گی مگر اب دعا قبول ہونے کا وقت گزر چکا تھا یہ لوگ جیسے ہی کمرے میں پہنچے وہ منحوس عورت مسز فراز کی طرف اس انداز میں جھپٹی جیسے چیل مرغی کے بچے پر جھپٹتی ہے۔

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر مداخلت کرتا اس کے تیز پنجے مسز فراز کے بازو میں اتر گئے تو ڈاکٹر نے جلدی سے اس کے سر کے بال پکڑ کر اسے جھٹکا دیا پھر تو جیسے اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا وہ اچھل کر اٹھی اور دوبارہ پوری شدت سے مسز فراز پر جھپٹ پڑی اس مرتبہ اس کی شکل دیکھ کر مسز فراز کی چیخ نکل گئی کیوں کے اس کے چہرے کے نقوش خوفناک حد تک بدل گئے تھے، کان کھڑے ہوگئے تھے ترچھی آنکھیں اس قدر سرخ ہوگئی تھیں جیسے انگارہ۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئی تھیں دانت خدایا ہونٹ اس حد تک بند ہوگئے تھے کہ ان کا وجود ہی ختم ہوگیا تھا اور دانت مسوڑھوں کے اوپر تک نظر آرہے تھے۔

اگر درمیان میں ڈاکٹر نہ آجاتا تو وہ مسز فراز کو ختم کردیتی ڈاکٹر کو اس سے الجھتا دیکھ کر مسز فراز راہداری میں بھاگیں تاکہ دروازہ کھول کر باہر نکل سکیں مگر فوراً ہی اسے پتہ چل گیا کہ دروازہ بند ہے اس کے ہینڈل کو پکڑ کر کئی بار جھٹکے دیے اور پھر زور زور سے چیخنے لگی کوئی ہے کوئی ہے خدا کے لیے میری مدد کرو مجھے اس عمارت سے نکال دو۔

کافی دیر تک چیختی رہی، پھر زار و قطار رونے لگی ابھی اس کو اندر سے اس عورت کی وحشت انگیز چیخوں کے سوا کچھ بھی سنائی نہ دیا۔

ڈاکٹر اسے ایک کوٹھری کی طرف کھینچ رہا تھا اور وہ بے تحاشا چیخ رہی تھی اس نے ڈاکٹر کی کلائی پر کافی جگہ سے کاٹ لیا اب ڈاکٹر نے اس کی گردن مضبوطی سے پکڑلی تھی اس کے باوجود خود وہ باؤلے کتے کی مانند بار بار منہ پھیر کر ڈاکٹر کو کاٹ لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوٹھری کے قریب پہنچ کر ڈاکٹر نے اسے زور سے اندر گرادیا اور جلدی سے سلاخوں والا دروازہ بند کرکے تالا لگادیا کوٹھری سے بڑی نفرت انگیز تیز بدبو آرہی تھی اندر انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ دروازے کی سلاخیں پکڑ کر چیخنے لگی مسز فراز بند دروازے کے پاس ہی کھڑی فرار کیلئے کوئی راستہ تلاش کر رہی تھی کہ ڈاکٹر اسے اپنی

طرف آتا دکھائی دیا وہ اسے دیکھ کر راہداری کے بائیں جانب بھاگ کھڑی ہوئی اور سب سے پہلے آنے والے دروازے کو زور سے دھکا دیا دروازہ پہلے سے ہی کھلا ہوا تھا مسز فراز اپنی ہی جھونک میں اندر جا گری اور پھر لڑھکتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

یقیناً وہ تہہ خانہ تھا اس نے اوپر دیکھا ڈاکٹر دروازے کے دونوں کناروں پر ہاتھ رکھے بڑے خوفناک انداز میں اسے دیکھ رہا تھا تہہ خانے میں اندھیرا تھا اور عجیب سی بو سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی مسز فراز کو گرنے سے شدید چوٹ آئی تھی مگر وہ تکلیف کو نظر انداز کر کے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں، کوئی دوسرے ہی لمحے پھر کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اس کی آنکھوں کے سامنے کالے کالے دائرے گردش کرنے لگے اور اس کا دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا اس سے پہلے کہ وہ چکرا کر گر پڑتی ڈاکٹر نے سیڑھیوں سے چھلانگ لگا کر اسے تھام لیا وہ بے ہوش ہو کر ڈاکٹر کے ہاتھوں میں جھولنے لگی تو ڈاکٹر اسے اٹھا کر کر تہہ خانے سے باہر لے آیا۔ تہہ خانے کا دروازہ بند کیا اور مسز فراز کو لے کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا جس کہ اندرونی حالات کسی آپریشن تھیٹر کے سے تھے، کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی ٹیبل پڑی ہوئی تھی جس کے ساتھ ایک چھوٹی ٹیبل تھی جس پر تقریباً تمام اوزار موجود تھے بڑی ٹیبل کے اوپر بڑے بڑے دو شیڈ لٹک رہے تھے جن میں تیز روشنی کے بڑے بڑے 2 بلب لگے ہوئے تھے اس ٹیبل کے دونوں طرف لوہے کے ہک لگے ہوئے تھے جن پر ریشم کی ڈوری بندھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر نے مسز فراز کو لا کر اسی ٹیبل پر لٹا دیا اور پھر اس کے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھنے لگا اس کام سے فارغ ہو کر اس نے سوئچ آن کیا جس سے ٹیبل پر لٹکتے ہوئے شیڈ و میں بلب جل اٹھے، جن کے جلتے ہی عجیب سی منمناہٹ کی آواز گونجنے لگی کمرہ تیز روشنی میں نہا گیا ڈاکٹر نے دیوار میں بنی ہوئی الماری کا دروازہ کھول کر اس کے اندر سے شیشے کا جار نکالا جس کے ساتھ بہت سے ٹیوب اور تار لٹک رہے تھے ڈاکٹر نے مسز فراز کے چہرے پر اس طرح سے فٹ کر دیا جیسے کہ خلائی بازوں کے چہرے پر چڑھا ہوتا ہے پھر الماری سے ایک چکور بکس نکالا، بکس کے ایک کونے میں ڈائل بنا ہوا تھا جس پر تیں تک ہندسے بنے ہوئے تھے اور ایک باریک سے سرخ رنگ کی سوئی باکس کے ہلنے کی وجہ سے زیرو پر تھرک رہی تھی یقیناً وہ باکس کسی قسم کا میٹر تھا۔

ڈاکٹر نے مسز فراز کے چہرے پر چڑھے ہوئے تمام تار اس میٹر کے ساتھ منسلک کر دیئے چند منٹ مسز فراز کے سینے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھتا رہا پھر اس کے گریبان کو ایک جھٹکے سے کھینچا باریک کاٹن کا کرتا ہلکی سی چرکی آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔ جھٹکا لگنے سے مسز فراز کو ہوش آ گیا تو آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی، زور لگانے سے مضبوط ریشم کی ڈوری اس کی جلد میں اتر گئی، ابھی وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر چہرے پر شیشے کا کھول چڑھا ہوا تھا اس وجہ سے اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی تاہم اس کی دہشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ہونٹوں سے نکلنے والی بات کو سمجھانا کچھ زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ ڈاکٹر اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک بھرپور نظر اس کے سراپے پہ ڈالی اور پھر دھڑکتے ہوئے دل کو تکنے لگا چند لمحے دھڑکنوں کا جائزہ لینے کے بعد ٹیبل پر پڑی ہوئی سرنج منتخب کی جس کے پیچھے اسے پلاسٹک کی نلکی لگانے کے بعد ٹیوب کو دو تین مرتبہ دبا کر کارکردگی کا جائزہ لیا پھر سرنج پکڑ کر مسز فراز کے دھڑکتے ہوئے دل کو ایک مرتبہ پھر غور سے دیکھا اور بغل والی سائیڈ سے سرنج کی سوئی میں مسز فراز کی پسلیوں کے درمیان اتار دی باریک اور لمبی سوئی اس کی پسلیوں سے گزر کر دل کے قریب جب خون کی ایک شریان میں پیوست ہوگئی تو مسز فراز اس لمحے تکلیف کی شدت سے تڑپ کر دوہری ہوگئی اس کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں، آنکھیں اُبل پڑیں اور چہرہ سرخ ہو گیا۔

ڈاکٹر نے پمپ کرنے والی ٹیوب کو دبا کر آہستہ سے چھوڑا تو ابلتا ہوا سرخ سرخ خون سرنج سے گزر کر پلاسٹک کی تھیلی سے ہوتا ہوا دوسری جانب پڑی ہوئی بوتل میں گرنے لگا، یہی وہ لمحہ تھا جب میٹر کی نسرخ سوئی نے تھرکنا شروع کر دیا جیسے اس میں اچانک جان پڑ گئی ہو یقیناً اسی لمحے مسز فراز کی روح اس کے جسم سے خارج ہو کر میٹر میں جمع ہونے لگی تھی جس سے میٹر کی سوئی تیزی سے تھرکتی ہوئی اوپر اُٹھنے لگی تھی۔

پہلی بوتل خون سے بھر گئی تو ڈاکٹر نے پائپ کا سرا دوسری بوتل میں لگا دیا۔

مسز فراز کا رنگ زرد ہوتے ہوتے بالکل سفید ہو گیا اور میٹر کی سوئی آہستہ رفتار سے اُٹھتی ہوئی 25 کے ہندسے پر تھرکنے لگی ابھی خون کا ایک ایک بوند گر رہا تھا چند لمحوں بعد وہ بھی ختم ہو گیا مسز فراز کے جسم میں میں دوڑتے ہوئے خون کا آخری قطرہ تک ان بوتلوں میں جمع ہو چکا تھا تمام خون نکل آنے کے بعد میٹر کی سوئی ایک جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے خون کی بوتلوں پر کارک لگا کر الماری میں احتیاط سے رکھ دیا جہاں ایسی دوسری بوتلیں خون سے بھری ہوئی تھیں، الماری کو لاک کرنے کے بعد مسز فراز کی لاش سے سوئی نکالی اور اسے پانی سے بھری ہوئی ٹرے میں رکھ دیا پھر میٹر کو چیک کرنے لگا اس کے چند اسکرو ٹائٹ کئے اور تمام نالیاں اور تار اس سے جدا کر دیئے، میٹر کا سلسلہ منقطع کرنے کے بعد خول اس کے سر سے اتار دیا رسی بھی کھول دی جس سے اس کا جسم بندھا ہوا تھا اس کام سے فارغ ہو کر اس نے چھری اٹھائی اور کسی ماہر قصاب کی طرح اس کے دونوں رانوں سے بیہودہ سا گوشت کاٹ کر ٹرے میں رکھ دیا۔

آخری نظر لاش پر ڈال کر مطمئن انداز میں کوٹھری کی طرف بڑھنے لگا جس میں اس نے اپنی والدہ کو بند کر دیا تھا۔

ڈاکٹر کو دیکھتے ہی وہ بے تاب ہو کر چیخنے اور اچھلنے لگی۔ ڈاکٹر نے دروازہ کھولا تو دیوانہ وار اس کمرے کی طرف بھاگی جہاں مسز فراز کی لاش موجود تھی، جاتے ہی لاش پر جھکے کے بھیڑیے کی طرح ٹوٹ پڑی اور اس کا گوشت دانتوں سے نوچنے لگی جب پیٹ بھر گیا تو لاش کو گھسیٹ کر کوٹھری میں لے گئی، اور لاش کو بغور دیکھنے لگی۔

اور ڈاکٹر اتنا لذیذ اور خوبصورت گوشت اسے بڑی مدت کے بعد کھانے کو ملا تھا اسے اپنی بے بسی پر اکثر رحم آنے لگتا تھا وہ ایک انتہائی احتیاط قسم کا آدمی تھا اس کی خون آشام زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا جب اس نے براہ راست کسی انسان پر ہاتھ ڈالا تھا ورنہ وہ ہمیشہ دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانے والا شکاری تھا اس کی بزدلی کی وجہ اسے اکثر وہ پیاس کا سامنا کرنا پڑتا تھا مسز فراز کو اسی رات اغوا کر سکتا تھا جب وہ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر گھر گئی تھی مگر اس کی محتاط فطرت نے اس کو یہ خطرہ نہ مول لینے دیا تھا ایسے یہ خطرہ تھا مسز فراز کی مرضی کے بغیر اسے لے جانے کی کوشش کی تو وہ چیخنا شروع کر دے گی اس کے تصور میں لکڑی کا کھونٹا گھوم گیا وہ اس کھونٹے سے ہر لمحہ خوفزدہ رہتا تھا جو پسلیوں کو توڑ کر دل میں اتر جایا کرتا ہے اس کے ناتواں کندھوں پر اس کی بوڑھی ماں کا بوجھ بھی تھا جس کیلئے اسے کسی نہ کسی طرح گوشت کا بندوبست کرنا پڑتا تھا ڈاکٹر نے اعلیٰ تعلیم اسی لئے حاصل کی تھی کہ انسانوں کے قریب رہ کر ان کی فطرت کا مطالعہ کیا جا سکے کہ اس نے انسانوں کے قریب رہ کر جو اندازہ قائم کیا تھا وہ اس کی ہمت کرنے کے لیے کافی تھا اسے زندہ رہنے کے لیے ہر قدم نہایت ہی سوچ سمجھ کر اُٹھانا پڑ رہا تھا آخر اس نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے اس کے لیے خطرات کافی حد تک کم ہو گئے تھے مگر اس کا وہ طریقہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکا تھا اس نے ایک تازہ قبر کھود کر ایک مضبوط شخص کا مردہ نکالا اور اسے ایک ایسے سیال کیمیکل میں ڈال دیا جس سے اس کا گوشت گلنے سڑنے سے محفوظ ہو گیا تھا پھر اس نے ایک ایسا میٹر تیار کیا جس میں ہر نئے شکار کی روح کو قید کر لیتا گوشت کھانے اور

خون پینے کے بعد وہ اس روح کو مردہ جسم میں داخل کرتا تھا اور اس کے ذریعے شکار کھیلتا تھا اسے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا اس طرح اس کے پہلے خطرات بہت کم ہو گئے تھے مگر اس کا یہ طریقہ پوری طرح سے کامیاب نہیں ہو سکا تھا روح کے ساتھ ہر مرتبہ تقریباً ایک خون کی بوتل جسم میں داخل کرنے کے بعد وہ زندہ ہوتا تھا اس کے پکڑے جانے کا خطرہ ہرگز نہ تھا جیسے ہی وہ خود کو خطرے میں محسوس کرتا تھا سانس بند کر لیتا تھا اس کے سانس بند کرتے ہی جسم پر دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو جاتا اور دوبارہ مردہ حالت میں اسی جار میں جا گرتا جس میں سیال کیمیکل بھرا ہوتا تھا اس کے ناکام واپس آنے پر ایک گھنٹی بج اٹھتی تھی۔ جس سے ڈاکٹر کو کو اندازہ ہو جاتا کہ وہ ناکام واپس لوٹ آیا ہے زیادہ تر اسے ناکامی کا ہی سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جس سے ڈاکٹر کی شدید محنت کے ساتھ ایک بوتل خون بھی ضائع ہو جاتی، ڈاکٹر کے لئے اس کی حیثیت جوئے کے برابر تھی، اگر کامیاب ہوا تو وہ بہت ہی خون حاصل ہوتا اور ناکام ہوا تو ایک بوتل جوئے میں ضائع ہو گئی، جوئے میں وہی لوگ جیتتے ہیں جو خوش قسمت ہوں ڈاکٹر بدقسمت تھا لہٰذا وہ ہارتا اس کے پاس خون کی مقدار کم ہوتی گئی جسے وہ بڑی احتیاط سے استعمال کرنا چاہتا تھا وجہ تھی کہ مسز فراز کو اغوا کرنے کے بعد اسے خود رکھ لینا پڑا تھا بڑی مدت کے بعد ڈاکٹر کو لذیذ اور خوبصورت گوشت نصیب ہوا تھا کیوں نہ ہوتا یہ ڈاکٹر کا اپنا انتخاب تھا، دوسرے کے لائے ہوئے جسم اکثر گوشت سے خالی ہوتے، خون بھی بہت کم نکلتا تھا ڈاکٹر کے خیال کے مطابق کسی کو قریبی اسپتال سے اٹھا لیتا تھا اس وقت اس کے سامنے مسز فراز کے تنے ہوئے گوشت کے بھونے ہوئے تکے رکھے تھے اور جگ میں سوڈا خون بھرا ہوا تھا۔ جس سے گیس خارج ہو رہی تھی وہ بڑے مسرور انداز میں تکے کھا رہا تھا اور خون پی رہا تھا۔

دوسری طرف کوٹھری میں بیٹھی ہوئی اس کی والدہ کسی گہری سوچ میں گم تھی وہ بڑی دیر سے گھٹنوں میں سر دیئے یا آتش دان کے قریب بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی آتش دان میں آگ بھڑک رہی تھی اس کی حرارت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وقت بھی گزرتا چلا جا رہا تھا ڈاکٹر کے کمرے کی روشنیاں گل ہو چکی تھیں وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹ چکا تھا اس کی ماں کوٹھری میں ٹہلنے لگی وہ بار بار ہتھیلیوں کو مل رہی تھی اس کے ہونٹ خشک تھے اور حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے کوٹھری کا دروازہ کھلا تھا تقریباً دو بجے کے قریب جب اسے مکمل یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر گہری نیند سو گیا ہے تو وہ کوٹھری سے نکلی اور دبے پاؤں ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہو گئی اس نے ڈاکٹر کی جیب سے چابی تلاش کی مگر اسے ناکامی ہوئی اس نے ڈاکٹر کے سرہانے دیکھا چابی وہاں بھی نہ تھی۔

اچانک اس کی نظر ٹیبل کے قریب رکھے ہوئی میز پر پڑی اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی ابھی زیرو واٹ کے بلب کی روشنی میں جگ کی تہہ میں خون کی تھوڑی سی مقدار نظر آ گئی تھی اس نے جلدی سے جگ اٹھایا اور اسی طرح سے ہونٹوں سے لگا لیا ایک منٹ کی بھی دیر ہو گئی تو ڈاکٹر اس سے چھین لے گا، خون دو گھونٹ سے زیادہ نہ تھا ہونٹوں سے علیحدہ کرنے کے بعد وہ جگ کو انگلی سے صاف کر کے انگلی چاٹنے لگی جگ کو اچھی طرح سے صاف کرنے کے بعد ٹیبل پر رکھ دیا اور گلاس اُٹھا کر اسے بھی انگلی سے کھرچنے لگی اسی وقت شیشے کا جگ ٹیبل سے نیچے گر پڑا اور چھناکے کی آواز سے ٹوٹ کر فرش پر بکھر گیا۔

دھماکے کی آواز پیدا ہونے سے ڈاکٹر کی آنکھ کھل گئی، اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی کا سوئچ آن کیا اور اپنی ماں کو گھورنے لگا اس کا دل پوری طرح سے دھڑک رہا تھا اور چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے وہ چیخا اس کی ماں رحم طلب نظروں سے اس کی طرف تکنے لگی وہ انگلیوں پر لگا ہوا خون چاٹ رہی تھی کیا بات ہے ماں کیوں آئی ہو، ڈاکٹر نے تلخی سے پوچھا صرف چند گھونٹ خون پلا دو میرا حلق خشک ہو رہا ہے جان نکل رہی ہے۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار پیدا ہو گئے مجھے افسوس ہے میں تمہاری پیاس نہیں بجھا سکتا بیماری کی بے

وقوفی نے ہمیں سخت مفلوک الحال بنادیا ہے میں نے زبردست رسک لے کر اپنی کوششوں سے یہ خوراک پیدا کی ہے تم فی الحال ابھی گزارا کرو اور پانی پی کر حلق کو تر کرنے کی کوشش کرو، جلد ہی ہم خود کفیل ہوجائیں گے پھر تم جی بھر کے پیاس بجھالینا۔

ایسا وقت میری موت کے بعد آئے گا میں پیاس سے مر رہی ہوں خدا کے لیے مجھے صرف چند گھونٹ دے دو۔

اس وقت تو ناممکن ہے میرے پاس خون کا اتنا زرخیز نہیں ہے کہ میں تم کو شریک کرسکوں تمہیں کل تک صبر کرنا ہوگا صبح بہاری کو سخت اذیت دوں گا اور اسے مجبور کروں گا کہ وہ اپنا کام بہتر طریقے سے انجام دے۔

میں ایک منٹ بھی صبر نہیں کرسکتی تم دیکھ نہیں رہے میری جان نکل رہی ہے میں سخت تکلیف میں مبتلا ہوں۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکتا میرے کمرے سے نکل جاؤ او آخری الفاظ استعمال کرتے ہوئے ڈاکٹر کا لہجہ سخت ہوگیا جس کو محسوس کرکے اس کی ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ رونے لگی پھر اپنی کلائی پر زور سے کاٹ لیا اس کے دانت اپنے ہی گوشت میں اتر گئے وہ اپنا خون چوستی رہی اور روتی ہوئی اپنی کوٹھری میں چلی گئی اس کے باہر نکل جانے کے بعد ڈاکٹر نے روشنی گل کردی اور مسہری پر دراز ہوگیا۔

صبح سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی وہ بیدار ہوگیا سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ راہداری کے دائیں جانب بنے ہوئے تہہ خانے میں اتر کر اس کی بتی روشن کی اور اس لاش کو دیکھنے لگا جسے دیکھ کر مسز فراز کی چیخ نکل گئی تھی لاش برہنہ تھی اور شیشے کے ایک بڑے جار میں پڑی ہوئی تھی جس میں کسی قسم کا گاڑھا مادہ بھرا ہوا تھا ڈاکٹر نے لاش کو باہر نکال کر کندھے میں ڈال لیا اور اسے لے کر تہہ خانے سے باہر نکل آیا اس پر کیمیکل کا گاڑھا مادہ چپکا ہوا تھا۔

گرم پانی سے غسل دینے کے بعد اس کی جلد صاف کی اور جسم چمکدار نکل آیا غسل کرنے کے بعد ڈاکٹر نے اسے دوبارہ اٹھالیا اس مرتبہ اس کا رخ آپریشن تھیٹر کی طرف تھا چند ہی لمحوں بعد ایک لاش آپریشن ٹیبل پر بندھی پڑی تھی۔

آپریشن تھیٹر کے آتش دانوں میں دونوں طرف صرف آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے جس سے کافی گرمی پیدا ہوگئی تھی۔ لاش کی موجودہ حالت بہت مسز فراز سے ملتی جلتی تھی ڈاکٹر زور زور سے لاش کی مالش کرنے لگا۔ دو گھنٹے کی شدید محنت کے بعد لاش نے حرارت جذب کی اور میٹر کی سوئی دھیرے دھیرے نیچے کرنے لگی۔ مسز فراز کی روح دھیرے دھیرے اس لاش میں اتر رہی تھی اور اس میں ہلکا ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوتا جارہا تھا اب اس کا سینہ باقاعدہ اوپر نیچے حرکت کررہا تھا جس سے سانس کی آمد و رفت کا پتہ چلتا تھا۔ جب میٹر سر پر پہنچ گیا تو ڈاکٹر نے میز سے نلکیاں اور تار جدا کرلئے اور خول بھی اس کے چہرے سے ہٹادیا اب ٹیبل پر لاش کی جگہ ایک زندہ انسان تھا جو آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کی طرف دیکھ رہا تھا چند لمحے تک اس کی آنکھیں ہر قسم کے جذبات سے عاری رہیں۔

اچانک ان میں نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں تو ڈاکٹر مسکرانے لگا۔

☆.....☆.....☆

بہاری ابھی تمہاری کوتاہیوں کی وجہ سے ہمیں سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا اور میں نے فیصلہ کیا کہ ہماری اس تکلیف کا تمہیں بھی حصہ دار بننا چاہئے۔ ڈاکٹر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا نشتر اس کی ران میں پیوست کردیا تو شدت تکلیف سے وہ چیخا مگر اس کے ہاتھ آزاد ہوتے تو وہ یقیناً ڈاکٹر کا گلا گھونٹ دیتا مگر وہ بے بس تھا ڈاکٹر نے نشتر نکال کر دوبارہ دوسری جگہ گاڑ دیا تو وہ زور زور سے چیخا اور ڈاکٹر اس کی چیخوں سے محظوظ ہوتا رہا پھر وہ ڈاکٹر کی منت سماجت پر اتر آیا اور آئندہ حکم عدولی کی تکمیل نہ کرنے کا وعدہ کرنے لگا تب جا کر ڈاکٹر نے اپنا

انہ فعل بند کردیا۔

اور ڈوریوں سے اس کے ہاتھ اور ٹانگیں آزاد دی، رانوں کے زخموں پر مرہم لگا کر پٹی باندھی اور ں سوٹ پہنا کر اسے حکم دیا کہ وہ شام سے پہلے ہی ی صحت مند عورت کو لے آئے۔

اگر وہ آج بھی اس مشن میں ناکام رہا تو پھر اس ے جسم کی ایک ایک بوٹی الگ کردی جائے گی۔

ٹھیک بارہ بجکر 35 منٹ پر بہاری نے گاڑی رک میں کھڑی کردی اور متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر ئکنے لگا پولیس کی مستعدی اور لوگوں کے محتاط انداز نے سے ابھی تک کامیاب نہیں ہونے دیا تھا گویا اس کے س کام کے لئے ابھی کافی وقت تھا سورج غروب ہونے میں ابھی چار گھنٹے پڑے تھے اور اسے امید تھی کہ ان چار گھنٹوں میں کسی نہ کسی عورت پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے گا ڈاکٹر بہاری سے یہ کام رات کے وقت بھی لے سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا رات میں عورت گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جاتی ہیں پھر ان کو اغوا کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے اور یہ معمولی سا کام بہاری نہیں کر سکتا تھا اسی لئے ڈاکٹر نے آج اسے سزا دی تھی جس سے وہ کافی چوکس ہوگیا تھا گو اس کے پاس ابھی چار گھنٹے تھے مگر وہ کیسے بے فکر ہوگیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد کسی عورت کو لے کر یہاں سے چلا جائے اور گاڑی سے نکل کر ٹہلنے لگا۔

بہاری کی نظریں اس لڑکی پر پڑیں جو بچہ گاڑی کو دھکیلتی ہوئی ایک سمت لے جارہی تھی لڑکی کی عمر اٹھارہ سال تھی ظاہری حالت سے وہ کسی کی ملازمہ دکھائی دیتی تھی بہاری جلدی سے گاڑی میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کرنے لگا وہ شریف آدمی تھا اس نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی مجرمانہ حرکت نہیں کی تھی۔ بہاری کی یہ حرکت واضح طور پر نظر آتی تھی وہ اس لڑکی کے پیچھے صرف چند گز کے فاصلے سے اسی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا جس رفتار سے لڑکی چل رہی تھی لڑکی نے دو مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور خوفزدہ ہوکر رفتار تیز کردی بہاری کا خیال تھا کہ لڑکی کو گاڑی میں ڈال کر رفتار تیز کرچکا تھا لڑکی کی چیخیں نکل رہی تھیں اس کی چیخیں سن کر ڈیوٹی پر مامور ایک پولیس والا بھی تھا جس کے ساتھ دو اور پولیس والے بھی تھے پولیس والے نے کانسٹیبل کو ہدایت دی کہ فوراً پولیس چوکی پر فون کر کے اس گاڑی کو روکنے کے لئے کہے اور خود موٹر سائیکل پر اس گاڑی کا تعاقب کرنے لگا۔

بہاری کو اپنے تعاقب میں آتے ہوئے پولیس والے کا علم ہوگیا جو پوری رفتار سے موٹر سائیکل چلا رہا تھا بہاری نے گاڑی کی رفتار اور تیز کردی اور پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے تیرنے لگے۔ سامنے سڑک کے عین درمیان ایک جیپ کھڑی تھی جس کے دونوں طرف پولیس والے کھڑے نظر آرہے تھے۔

بہاری نے صرف ایک لمحے کے لیے سوچا اور فیصلہ کن انداز میں میں رفتار مزید بڑھاتے ہوئے سانس بند کردیا، سانس روکتے ہی اس کا جسم دھندلا ہوکر بگولے کی مانند فضا میں تحلیل ہوگیا اس کے کپڑے اس طرح سے سیٹ پر موجود رہ گئے۔ جیسے غبارے سے ہوا خارج ہوگئی ہو گاڑی پوری رفتار سے سامنے کھڑی پولیس جیپ سے ٹکرائی جس سے زبردست دھماکا ہوا اور آگ کے شعلے دور تک پھیل گئے یقیناً کسی گاڑی کی پیٹرول ٹینکی پھٹ گئی تھی یا ہوسکتا ہے دونوں گاڑیوں کی ٹنکیاں پھٹ گئی ہوں کیونکہ ٹکراؤ بہت شدید تھا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر آج جلدی آفس سے واپس آ گیا تھا اور اس وقت اپنی ماں کو سمجھا رہا تھا اور اس کی ہمت بندھا رہا تھا کہ جلدی بہاری کسی عورت کو لے آئے گا پھر تم جی بھر کے اس کے خون سے اپنی پیاس بجھا لینا بہاری کی لائی ہوئی عورت تمہارے لئے ہوگی اسے تم جس طرح چاہو استعمال کر سکتی ہو ڈاکٹر کی باتیں سن کر وہ خوش نظر آنے لگی مستقبل قریب کے تصور ہی سے اس کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا جب وہ عورت لائے گا اور سالم عورت اس کے سپرد کر دی جائے گی وہ اس تصور میں اپنے دانتوں کو اس انداز اور خیالی عورت کو نوچ نوچ کر کھا رہی تھی اور اس عورت کی چیخیں اس کے کانوں میں اس طرح گونجنے لگی، ایک بجے کا وقت ہوگا عین تہہ خانے میں بجنے والی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔

جسے سن کر وہ دونوں ایک ساتھ اچھل پڑے ڈاکٹر کی مٹھیاں بند ہوگئیں اور جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئیں غصے کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں وہ دوڑتا ہوا تہہ خانے میں پہنچا اس کے پیچھے اس کی ماں بھی تھی، تہہ خانے میں ڈاکٹر کا غصہ عروج پر پہنچ گیا کیونکہ سامنے جار میں بہاری کی لاش تیر رہی تھی، ڈاکٹر سرسری انداز میں اس کے گرد چکر لگانے لگا اور غصے سے اپنا جسم نوچنے لگا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور بہاری کی لاش کو چیر پھاڑ کر کھا جائے آج اس نے بہاری کی ذات سے بہت امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اگر اس نے بہاری کے جسم پر اس قدر محنت نہ کی ہوتی تو وہ یقیناً اسے چیر پھاڑ کے کھا جاتا مگر پھر اس کو اس مقصد کے لئے نیا جسم تیار کرنا پڑتا تھا جس کے لئے مہینے درکار تھے اور اس جان لیوا محنت سے وہ سخت خوف کھاتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اسے نقصان پہنچانے کی ہمت نہ کر سکا اب کیا ہوگا اس کی ماں افسوس کے عالم میں ہاتھ ملنے لگی۔

اوہ بہاری آج پھر خالی لوٹ آیا خدا کے لئے مجھے اپنے ذخیرے سے چند گھونٹ دے دو میں زیادہ صبر نہیں کر سکتی میں مر جاؤں گی۔

اگر تم مر سکتی ہو تو شوق سے مر جاؤ مگر میں تمہیں اپنے پاس سے ایک بوند بھی نہیں دوں گا۔

معلوم نہیں آپ کتنے دن انتظار کرنا پڑے گا۔

کیا تم چاہتی ہو کہ میں اپنی جمع شدہ پونجی تمہارے حوالے کر کے خود مر جاؤں او یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

میں زیادہ خون کا تقاضا نہیں کر رہی صرف چند بوند سے کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوگی ڈاکٹر بہاری کی ناکامی پر ویسے ہی جھلایا ہوا تھا اور مستقبل کے لیے سخت فکرمند ہو گیا تھا اب اس کا حد سے بڑھتا ہوا اصرار دیکھ کر غصے میں بھر گیا اور چیخ کر بولا میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے پاس خون کی مقدار بہت کم رہ گئی ہے اس میں کسی کو حصے دار نہیں بنا سکتا بہتری اسی میں ہے کہ مجھے تنگ نہ کرو اور میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔

سراسر ظلم ہے تم درندے ہو میں اس کے خلاف احتجاج کروں گی تم تنہا میرے ساتھ سامنے بیٹھ کر اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے جبکہ میں کئی دنوں کی پیاسی ہوں آخر تم کو مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا تمہارا دل اس قدر پتھر کیوں ہو گیا ہے بس آج میں اپنا حصہ لیے بغیر نہیں جاؤں گی۔

تمہاری یہ مجال میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنا حصہ مجھ سے کیسے وصول کرتی ہو ڈاکٹر نے اسے زور سے دھکا دیا وہ اپنی کمزور ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر جا گری مگر پھر وہ اٹھ کر ڈاکٹر پر جھپٹ پڑی اور زور زور سے چیختے ہوئے نوچنے کھرچنے لگی ڈاکٹر صرف اپنا دفاع کر رہا تھا جب کہ اس کا حملہ جارحانہ تھا مجبوراً ڈاکٹر کو بھی قدم اٹھانا پڑا ان کی لڑائی کا منظر قابل دید تھا بالکل لڑاکا مرغوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے اور دانتوں سے ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچ نوچ کر جسم سے جدا کر رہے تھے کافی دیر تک اسی طرح لڑتے رہے یہاں تک عورت نڈھال ہو کر گر پڑی ڈاکٹر نے اس کی چوٹی پکڑی اور گھسیٹ کر کوٹھری میں ڈال دیا۔ یہاں وہ بڑی دیر تک اپنے زخموں سے خون چاٹتی رہی اور سسکتی

رہی اسی عالم میں شام کے اندھیرے چھا گئے۔

اس نے آتش دان میں لکڑیاں بھی نہ جلائی تھیں سردی کی شدت سے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے دانت بج رہے تھے اور رگوں میں خون کی گردش رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی حالانکہ کوٹھری میں آگ جلانے کے لئے ہر چیز موجود تھی مگر اس میں آگ نہ جلائی ہاں سردی سے ٹوٹتی رہی اگر آگ جلا لیتی تو اس کی حرارت سے اسے یقیناً نیند آجاتی مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اتنی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک اہم فیصلہ کیا تھا انتہائی خطرناک فیصلہ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی تو اس کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہوتی پھر وہ ہر چیز کی تنہا مالک ہوتی۔

تقریباً دو بجے کے قریب اس نے آگ جلا کر اپنے جسم کو اچھی طرح سے گرم کیا جب اس کے ٹھنڈے ہاتھ پاؤں کام کرنے کے لئے بالکل تیار ہو گئے تو اس نے آتش دان کے قریب پڑی ہوئی لکڑیوں میں سے ایک بھاری لکڑی کا انتخاب کیا اور اسے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر دبے قدموں چلتی ہوئی کھڑکی سے باہر آگئی ڈاکٹر اپنے کمرے میں بے خبر سو رہا تھا لکڑی کی پہلی ضرب سے ڈاکٹر کی آنکھوں میں سورج اتر آیا جو تیزی سے گھومتا ہوا تاریکی میں غروب ہو گیا اس نے احتیاطاً ایک اور ضرب لگا دی جب اسے اچھی طرح سے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر اب حرکت کرنے کے لائق نہیں رہا تو اس کے جسم کو گھسیٹ کر آپریشن تھیٹر میں لے گئی ٹیبل پر اچھی طرح سے کسنے کے بعد اس کے چہرے پر خول فٹ کیا خول کی تمام نالیاں اور تاریں میٹر کے ساتھ ٹھیک جگہ پر لگانے کے بعد ڈاکٹر کے سینے میں سرنج کی سوئی اتار دی، اس پر ڈاکٹر کو ہوش آگیا اس نے آنکھیں کھول کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی۔

ڈاکٹر کو زیادہ دیر تک خوفزدہ رہنے کا موقع نہ مل سکا اس کی روح بڑے آرام سے سے میٹر میں چلی گئی اور تمام خون بوتلوں میں جمع ہو گیا میٹر کے اسکروٹائٹ کرنے کے بعد اس نے تار جدا کیے ڈاکٹر کی لاش کو ڈوریوں سے کھول کر بڑی نفاست سے اس کے ٹکڑے کیے اور لمبے لمبے سلاخوں پر چڑھا کر اپنی کوٹھری میں چلی گئی جہاں آتش دان میں آگ دہک رہی تھی۔

صبح تک وہ خوشی سے ناچتی رہی ڈاکٹر کے گوشت کے بھنے ہوئے تکے کھاتی رہی۔ صبح تک سوتی رہی جب اس کی آنکھ کھلی تو سورج غروب ہونے والا تھا اس نے اٹھ کر باقی ماندہ تکوں کو کھایا اور خون کے چند گھونٹ پی کر باہر نکل آئی اور وہ اب اپنے سوچے ہوئے منصوبے کے باقی حصے پر عمل کرنا چاہتی تھی اس نے تہہ خانے سے بہاری کی لاش آپریشن ٹیبل پر ڈالی اور ڈاکٹر کی روح اس میں اتار دی۔

جب وہ زندہ ہو گیا تو اسے حکم دیا کہ وہ اس کے لیے خون کا بندوبست کرے، گزشتہ کوتاہیوں کی سزا کے طور پر اس نے بہاری کے جسم میں دو تین بار نشتر گاڑ کر نکالا اس بار بہاری تکلیف کی شدت سے چیخا نہیں بلکہ خاموشی سے اذیت برداشت کر گیا تاہم اس کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت کا سمندر طوفانی انداز میں تڑپنے لگا۔

جیسے ہی اس نے بہاری کے ہاتھ کھولے بہاری کا ہاتھ سرکا اور بجلی سی چمکی اور عورت کی طویل چیخوں سے پوری عمارت لرزنے لگی بہاری کے ہاتھ میں پکڑا ہوا لمبا اور موٹا نشتر پوری تیزی سے بار بار اس کے جسم میں داخل ہو کر باہر نکل رہا تھا۔

یقیناً بدنصیب عورت کو معلوم نہیں تھا کہ بہاری کے ذہن پر قبضہ صرف ڈاکٹر کا تھا ورنہ بہاری آج کا کام بہت پہلے انجام دے چکا ہوتا بہاری نے نشتر مار مار کر عورت کا تمام جسم چھلنی کر ڈالا جب اسے یقین ہو گیا کہ بوڑھی عورت کا ناپاک جسم روح سے خالی ہو گیا ہے۔ تو اس نے ایک لمبا طویل سانس لیا پھر تہہ خانے میں جا کر جار کے ٹکڑے کر دیئے اور بڑی آزادی سے سانس بند کر کے روح کو اپنے جسم سے خارج کر دیا۔

بے وفا

ضرغام محمود۔ کراچی

وہ نوجوان حقیقت سے بہت دور تھا وہ کسی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا اپنی دنیا میں مست اور جب وقت پلٹا تو وہ تھرا کر رہ گیا مگر افسوس کہ.....

جو دوسروں کی باتوں پر غور نہیں کرتے اکثر گھاٹے میں رہتے ہیں، ایک سبق آموز کہانی

آج فیملی البم دیکھتے ہوئے اختر اور اس کی بیوی شازیہ کی تصویر پر میری نظر رک گئی ساتھ ہی مجھے برسوں پرانا کیس یاد آ گیا وہ کیس جو میں جیت کر بھی ہار گیا تھا۔ میں آپ کو پورا کیس بتاتا ہوں مگر پہلے اپنا تعارف کروادوں۔ میں ایک وکیل ہوں۔ ارے۔ ارے برا سا منہ مت بنائیے میں اب وکالت چھوڑ چکا ہوں۔۔ وکالت کیوں چھوڑی؟ یہ بات آپ کے ذہن میں ضرور آئی ہوگی تو وکالت میں نے اپنی صحت اور بڑھاپے کی وجہ سے چھوڑی اور اب ایک طرح سے میں ریٹائرمنٹ کی لائف گزار رہا ہوں میرا پورا نام رضا علی یزدانی ہے عموماً لوگ مجھے یزدانی صاحب کہتے ہیں۔۔ یہ تو ہو گیا میرا تعارف۔۔۔ اب بات کرتے ہے اختر کے کیس کی۔۔ جو میں جیت کر بھی ہار گیا اور اس ہار سے مجھے بے انتہا خوشی بھی ہوئی تھی۔

ایک دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر اختر کی تصویر پر پڑی۔ میں چونک اٹھا اور تصویر غور سے دیکھنے لگا وہ اختر ہی تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور دو سپاہی اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے میں بے چین ہو گیا کیونکہ اختر میرا دوست تھا اور میں اکثر اس کے گھر آتا جاتا تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے شدید مصروفیات کی سبب میرا اس کی جانب جانا نہیں ہوا اور وہ بھی اپنی مصروفیت کے باعث میرے گھر نہ آ سکا اس وقت موبائل کا دور تو تھا نہیں جو ہم آپس میں موبائل پر رابطہ کر لیتے اور پی ٹی سی ایل کا فون ملنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ لہذا میرا اور اختر کا رابطہ کافی عرصے سے منقطع تھا مگر اس کے باوجود وہ میرا اچھا دوست تھا لہذا اس کی ہتھکڑی لگی تصویر دیکھ کر مجھے صدمہ سا ہوا۔ اختر سیٹھ ریاض کی فرم میں جنرل مینیجر کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور اپنے حلقے میں ایک ہنس مکھ اور ملنسار نوجوان کی حیثیت سے مشہور تھا۔ میں نے جلدی سے تصویر کے ساتھ لگی دو کالمی خبر کو غور سے پڑھا خبر کا متن تھا کہ اختر کو سیٹھ ریاض کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ خبر کے مطابق سیٹھ ریاض کی لاش ایک روز قبل ان کے اپنے بیڈ روم سے ملی انہیں ان کے اپنے ہی ریوالور سے ہلاک کیا گیا تھا ملازم کے بیان کی روشنی میں اختر کو سیٹھ ریاض کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے کیونکہ ملازم نے اپنے بیان میں یہ بات زور دے کر کہی تھی کہ قتل والی رات دس بجے اختر سیٹھ ریاض سے ملنے آیا تھا اور ساڑھے بارہ بجے ملزم واپس گیا تھا اور وہ آخری ملاقاتی تھا جو سیٹھ ریاض

سے ملا تھا اور پھر سیٹھ ریاض کا قتل ہو گیا۔ پولیس کے لئے یہ بیانات کافی تھے لہذا پولیس نے اختر کو گرفتار کرلیا اختر کو اس کے گھر سے اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ گھر میں سو رہا تھا۔

یہ خبر جہاں اور بہت سے انہونی باتوں کی جانب اشارہ کررہی تھی وہاں اس بات کا بھی اظہار اس خبر سے ہو رہا تھا کہ اگر اختر نے قتل کیا تھا تو وہ آرام سے گھر میں کیوں تھا فرار کیوں نہیں ہو گیا آپ لوگوں کو ہماری پولیس کا تو پتا ہی ہوگا وہ کسی کے گلے میں بھی جرم کا طوق ڈال دیتے ہیں تاکہ افسرانِ بالا کو مطمئن کرسکیں مجھے بھی اس کیس میں ایسا ہی کچھ نظر آرہا تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی میرے حلق سے نہیں اتر رہی تھی کہ اختر نے سیٹھ ریاض کا قتل کیا ہے کیونکہ اختر کو میں کافی عرصے سے جانتا ہوں اور ایک وکیل ہونے کے ناطے میرا چہرہ شناسی میں بھی اچھا خاصا تجربہ ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اختر کی فطرت کچھ ایسی ہے کہ وہ ایک چڑیا کا بچہ بھی مارنے کی ہمت نہیں کرسکتا وہ تو عیدالضحیٰ پر جانور قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ وہ ایک انسان کا قتل کرے اور انسان بھی وہ جس کے اس پر بے انتہا احسانات ہو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ سیٹھ ریاض اختر کا دور پرے کا رشتے دار تھا جب نوجوان اختر اس شہر میں آیا تو سیٹھ ریاض نے ہی اسے سہارا دیا اور پھر جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا تو اپنی فرم میں اسے نوکری دی اور اختر نے بھی سیٹھ ریاض کا بھروسہ برقرار رکھا بعد میں رفتہ رفتہ اختر نے اپنی ذہانت، محنت، فرض شناسی اور ایمانداری کے وجہ سے سیٹھ ریاض کی نظروں میں اپنا خاص مقام بنالیا اور سیٹھ ریاض نے اس کی صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے اسے اپنی فرم میں جنرل مینیجر کا عہدہ دے دیا جنرل مینیجر بننے کے بعد اختر نے اپنی محبت شازیہ سے شادی کرلی اس کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی میری آخری ملاقات بھی اس کی شادی کے سلسلے میں دیئے جانے والے فنکشن میں ہوئی تھی وہ بھی بڑی سرسری سے ملاقات تھی کیونکہ شادی کی تقریب میں ہر کوئی مصروف ہوتا ہے اس کے باوجود میں نے محسوس کیا تھا کہ اختر اپنی زندگی سے بہت مطمئن اور خوش ہے۔ میں اس کے بیوی سے بھی ملا شازیہ تعلیم یافتہ اور خوبصورت لڑکی تھی اختر اور شازیہ کی جوڑی چاند اور سورج کی جوڑی کے مانند تھی میں ان لوگوں کو بدھائی دے کر اپنی مصروفیت کی وجہ سے تقریب سے جلدی ہی رخصت لیکر واپس آگیا تھا اس دن کے بعد آج میں اخبار میں اختر کی تصویر دیکھ رہا تھا جہاں وہ ملزم کی حیثیت سے ہتھکڑی پہنے کھڑا تھا۔

چونکہ میں اختر کی فطرت سے پوری طرح واقف تھا اس لئے میں اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ اختر کسی کی جان لے سکتا ہے اور وہ بھی سیٹھ ریاض کی جان۔۔۔ جنہیں وہ اپنا محسن سمجھتا ہے۔ لہٰذا اخبار میں خبر پڑھتے ہی میں کافی اپ سیٹ ہو گیا اور اس بات پر پریشان بھی ہوا کہ آخر اختر نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی اسے میرے وکیل ہونے کا معلوم تھا اس اس سچوئشن میں جس میں اختر اس وقت گرفتار ہے اس سچویشن میں تو سب سے زیادہ وکیل ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اخبار میں اختر کی تصویر دیکھ کر اور خبر پڑھ کر میں فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے اسسٹنٹ کو ہدایات دیتا ہوا اپنی کار کی جانب بڑھا اور جلدی ہی میری کار اختر کے گھر کی جانب رواں دواں تھی کیونکہ میں حقائق جاننا چاہتا تھا مجھے یقین تھا کہ اختر کو کسی سازش کے تحت اس کیس میں پھنسایا گیا ہے کیونکہ میں جانتا تھا کہ سیٹھ ریاض کوئی خاص اچھا آدمی نہیں ہے اس کے کئی غیر قانونی دھندے بھی اس کے کاروبار کے ساتھ چل رہے ہیں اور وہ تھوڑا سا عیاش بھی ہے ایسے لوگوں کی کافی دشمنیاں ہو جاتی ہیں لہٰذا سیٹھ ریاض کے کسی دشمن نے موقع کا فائدہ اٹھایا ہوگا اور الزام بے چارے اختر پر آگیا ہے یہ سوچ کر میں اختر کے گھر جارہا تھا۔

میں اختر کے گھر پہنچا تو اختر کے گھر اختر کی بیوی اکیلی تھی اس کی آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ وہ اس سانحے کی وجہ سے شائد رات بھر جاگتی رہی ہے شائد وہ روتی بھی رہی ہو مجھے دیکھتے ہی وہ بول اٹھی ''ارے

یزدانی بھائی آپ۔۔۔اف خدایا آپ کی طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا''۔

''غیروں کو کون پوچھتا ہے ہمیشہ اپنے یاد آتے ہیں''میں نے مصنوعی خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''بھائی صاحب۔۔۔یہ بات نہیں ہے۔۔یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ میری یا اختر کی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا الزام سن کر تو ہمارے اوسان خطا ہوگئے۔۔۔ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آرہا ہے''شازیہ رونے والی کیفیت میں بولی۔

ہم باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم تک آئے ڈرائنگ روم میں آکر میں صوفے پر بیٹھ گیا شازیہ نے ملازمہ کو چائے بنانے کا کہا اور میرے مقابل صوفے پر بیٹھ گئی۔

''معلوم نہیں بھائی صاحب۔۔ہمیں کس گناہ کی سزا ملی رہی ہیں۔۔۔آپ تو اختر کو اچھی طرح جانتے ہیں وہ تو کسی چڑیا کو بھی نہیں مار سکتے۔۔۔معلوم نہیں کس نے سیٹھ صاحب کو قتل کیا یا انھوں نے خودکشی کی۔۔۔بس الزام اختر پر آگیا۔۔۔پولیس نے گھر کے نوکر کے بیان کی روشنی میں اختر کو حراست میں لے لیا۔

''خیر میں سب دیکھ لونگا مجھے یہ بتاؤ اختر کو کس تھانے میں رکھا گیا ہے۔۔۔میں ساری تفصیل اس سے ہی لے لونگا''میں نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے شازیہ سے پوچھا چائے ابھی ابھی ملازمہ رکھ کر گئی تھی۔

شازیہ نے مجھے تھانے کا پتا بتایا میں چائے پینے کے دوران شازیہ سے بات کرتا رہا۔

''اچھا بھابھی۔۔میں چلتا ہوں تھانے جاکر اختر سے ملاقات کرتا ہوں آپ دعا کیجئے۔۔پہلے میں اختر کی ضمانت کی کوشش کرتا ہوں''اتنا کہہ کر میں شازیہ سے اجازت لیکر اختر سے ملنے تھانے کی جانب چل دیا۔

تھانے پہنچ کر میں نے اپنا تعارف کرایا تو پولیس والوں نے مجھے اختر سے ملاقات کی اجازت دے دی میں ایک سپاہی کے ساتھ حوالات میں اختر سے ملاقات کے لئے اس کے پاس گیا۔حوالات کے اندر تو بڑے بڑے مجرموں کا پتا پانی ہو جاتا ہے اختر تو معصوم شخص تھا ایک ہی رات میں اختر کی حالت بری ہوگئی تھی میں نے اس کی جانب دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھی صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر نہیں سویا مجھے دیکھ کر اختر فوراً حوالات کے دروازے کے پاس آیا اور سلاخیں پکڑ کر مجھے دیکھنے لگا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی حسرت تھی اختر کا معصوم چہرہ اس کی بے گناہی کی داستان سنا رہا تھا مجھے دیکھ کر اختر بے اختیار رو دیا میں نے اسے تسلی دی اور پھر اس سے ساری بات پوچھی۔

''مجھے کچھ علم نہیں میں تو سیٹھ صاحب کی آخری رسومات میں شرکت کرنے کے بعد گھر آکر آرام سے سو رہا تھا کہ پولیس والوں نے چھاپہ مارا اور میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی اور مجھ پر سیٹھ ریاض کے قتل کا الزام عائد کر دیا میں نے انہیں لاکھ یقین دلانے کی کوشش کی کہ میں قاتل نہیں ہوں مگر انھوں نے میری ایک نہ سنی اور مجھے حوالات میں بند کر دیا اور مجھ پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ میں اپنا گناہ قبول کرلوتو میری سزا میں نرمی ہو جائے گی ورنہ ان کے پاس ثبوت ہے جو مجھے سیدھے پھانسی کے تختے پر پہنچا سکتے ہے''اختر نے ساری تفصیل بتائی۔

''تم نے کسی قسم کے بیان پر یا کسی سادہ کاغذ پر دستخط تو نہیں کر دیئے''میں نے اختر کی بات پوری سننے کے بعد اختر سے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔میں تو اس قتل سے انکار کر رہا ہوں پر پولیس والے تو اپنی مرضی کا بیان لینا چاہتے ہیں۔۔جب میں نے کوئی قتل کیا ہی نہیں ہے تو میں قبول کیوں کروں''اختر اپنی معصوم آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے تم بے فکر رہو۔۔سب سے پہلے میں تمہارے وکیل کے حیثیت سے کاغذات داخل کرتا ہوں پھر تمہاری ضمانت کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔ویسے پولیس والے کیوں تمہیں قتل کا ذمہ دار ٹھیرا رہے ہیں''میں نے کچھ سوچتے ہوئے اختر سے پوچھا۔

''اصل میں کچھ عرصہ سے فرم خسارے میں

جارہی ہے جس کی وجہ سے سیٹھ ریاض بہت اپ سیٹ تھے۔۔۔ پھران کے اکلوتے بیٹے نے بھی پسند کی شادی کرلی جس کی وجہ سے سیٹھ ریاض اس سے بھی بہت ناراض تھے اور اوپر سے فرم بھی نقصان میں جارہی ہے اس لئے سیٹھ ریاض کا رویہ تمام ورکروں کے ساتھ اچھا نہیں رہا بس اسی وجہ سے میری اور ان کی ایک دو مرتبہ تلخ کلامی ہوگئی تھی'' اختر آنسو پونچھتا ہوا بولا اس کی آنکھوں سے آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔

''اوہ۔۔'' میرے ہونٹ سیٹی کے انداز میں سکڑ گئے ''فرم کیوں نقصان میں جارہی تھی''۔

''اصل میں کچھ آرڈر ہم وقت پورے نہ کرسکے اس وجہ سے ہمارے ایک دو بڑے کلائنٹ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے'' اختر بولا۔

''ہوں۔۔۔ سیٹھ ریاض کو کون قتل کرسکتا ہے اس سلسلے میں تمہیں کسی پر شک ہے'' میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا'' اختر بولا۔

''سیٹھ ریاض کا لڑکا۔۔۔ کیا نام ہے اس کا'' میں نے سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''جلال۔۔۔ جلال ریاض'' اختر بولا۔

''ہاں جلال۔۔۔ کیسا لڑکا ہے جلال۔۔ مطلب کریکٹر کے حساب سے'' میں نے سوچتے ہوئے اختر سے پوچھا۔

''عام سا لڑکا ہے۔۔۔ جیسا کے امیروں کے لڑکے ہوتے ہے تھوڑا عیاش تھا۔۔ مگر شادی کے بعد سدھر گیا ہے'' اختر بولا۔

''کیا وہ قتل کرسکتا ہے'' میں نے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔۔ نہیں وہ ایسا نہیں کرسکتا بے شک جلال نے سیٹھ ریاض کی مرضی کے بغیر شادی کی اس وجہ سے سیٹھ ریاض نے اسے اپنے گھر سے بے دخل کردیا اور اسی وجہ سے آج کل جلال پیسوں کی تنگی کا شکار ہے مگر۔۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے'' اختر سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے میں سارا معاملہ دیکھ لونگا'' میں نے اختر سے کہا۔

پھر میں نے تھانے ہی سے اپنے اسسٹنٹ کو فون کیا اور اسے کاغذات کی تیاری کا کہا کچھ ہی دیر میں کاغذات تیار ہوکر آگئے جن پر میں نے اختر کے دستخط لئے اور پھر ان کاغذات کو عدالت میں جمع کروادیا جس کے روسے میں رضا علی یزادنی ملزم اختر حسین کا قانونی وکیل بن گیا پھر میں نے اختر کی ضمانت کی کوششیں شروع کردی اور کیس کی چھان پھٹک میں مصروف ہوگیا دو دن بعد پولیس نے عدالت میں چالان پیش کیا اس وقت تک میں نے بھی اس کیس کے بارے میں اچھی خاصی چھان بین کرلی تھی۔

پولیس نے اپنے چالان میں لکھا کہ ملزم اختر حسین سیٹھ ریاض کی فرم میں جنرل مینیجر کی حیثیت سے ملازم تھا اور سیٹھ ریاض ملزم پر اندھا اعتماد کرتے تھے مگر ملزم نے سیٹھ ریاض کی اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور انہیں ڈبل کراس کیا اور ان کے کلائنٹ کے ایگریمنٹ پیسوں کے عوض ان کی مخالف فرم کو دے دیئے جس کی وجہ سے سیٹھ ریاض کی فرم کو بہت نقصان ہوا اور فرم خسارے میں چلی گئی جس کی وجہ سے سیٹھ ریاض اور اختر کے درمیان کئی بار تکرار بھی ہوگئی اور ان دونوں کے تعلقات کشیدہ تر ہوتے چلے گئے اور قتل کی رات سیٹھ ریاض نے واضح طور پر ملزم کو بتادیا کہ ان کے کلائنٹ واپس لائے جائیں ورنہ وہ معاملہ پولیس میں دے دیں گے ملزم اختر حسین کے پاس اپنے بچاؤ کی صرف یہی صورت تھی کہ وہ سیٹھ ریاض کو اپنے راستے سے ہٹادے اور ملزم نے رات ساڑے بارہ بجے سیٹھ ریاض کے اپنے پستول سے ان کو گولی ماردی چونکہ ریوالور میں سائلینسر لگا ہوا تھا لہذا گولی چلنے کی کسی قسم کی آواز نہیں ہوئی''۔

میں نے وکیل صفائی کی حیثیت سے عدالت کو یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی کہ ملزم اختر حسین کو عادی مجرم یا مجرمانہ ذہنیت رکھنے والا شخص نہیں ہے بلکہ ایک شریف، محنتی اور باعزت شخص ہے اس کی زندگی کا پچھلا ریکارڈ بالکل بے داغ ہے سیٹھ ریاض ان ہی

صفات کی وجہ سے ملزم اختر کو پسند کرتے تھے اور بہت عزیز رکھتے تھے اختر نے بھی فرم کی ترقی کے لئے اپنا خون پسینے کی طرح بہایا ہے اور فرم کی خسارے میں جانے کی وجہ اختر نہیں ہے بلکہ ملک کے معاشی حالات ہے اور ان معاشی حالات میں صرف سیٹھ ریاض ہی کی فرم نہیں بلکہ ملک کے کئی بڑی کمپنیاں بھی خسارے میں جارہی ہیں جہاں اکثر و بیشتر ملازمین کی ڈاؤن سازنگ ہورہی ہیں اسی معاشی حالات کی وجہ سے سیٹھ ریاض کی فرم بھی خسارے میں جارہی تھی اور فرم کے خسارے میں جانے کی وجہ سے سیٹھ ریاض بہت زیادہ اپ سیٹ تھے اور تقریباً اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے تھے ان پر دیگر کئی کمپنیوں کا قرضہ چڑھ چکا تھا اسی ڈپریشن میں سیٹھ ریاض نے اپنے پستول سے خود کو ہلاک کرلیا سیٹھ ریاض کا پستول ان کے قریب پایا گیا اور پستول پر ان ہی کی انگلیوں کے نشانات بھی ملے۔

میرے موکل اختر حسین پر لگایا جانے والا الزام قطعی بے بنیاد اور بد نیتی پر مشتمل ہے میرا موکل اختر وقوعہ کے روز سیٹھ ریاض سے ملنے ان کے بنگلے پر ضرور گیا تھا مگر جلد ہی لوٹ آیا تھا اور اگلے دن نہ صرف وہ سیٹھ ریاض کی آخری رسومات میں شریک ہوا بلکہ وہ اپنے ہی گھر میں رہ رہا تھا جہاں سے پولیس نے اسے گرفتار کیا اگر میرے موکل نے قتل جیسا گھناؤنا فعل سر انجام دیا ہوتا تو وہ اپنے گھر میں آرام نہیں کررہا ہوتا بلکہ فرار ہوجاتا۔ میرے موکل کی سچائی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ وقوعہ کے بعد اپنے گھر ہی میں تھا اور پولیس نے میرے موکل کو اس کے گھر ہی سے گرفتار کیا۔

عدالت نے دوسری پیشی پر پولیس سے شہادتیں اور گواہ طلب کئے۔ پولیس کی طرف سے فرم کے تین ملازمین اور سیٹھ ریاض کے بنگلے کے دو نوکر گواہ کے طور پر پیش کئے گئے فرم کے ملازمین سے تو محض رسمی سوالات کئے گئے وہ میرے مطلب کے گواہ نہیں تھے ان ملازمین کے بیان کے مطابق ملزم اختر حسین سیٹھ ریاض کے فرم میں ملازمت کرتا تھا اور سیٹھ ریاض اس پر بھرپور اعتماد کرتے تھے مگر کچھ دنوں سے سیٹھ ریاض اور ملزم اختر کے درمیان کچھ ان بن سے تھی وجہ ظاہر ہے فرم کی روز بروز گرتی ہوئی ساکھ اور پے در پے ہونے والے نقصانات تھے جس کی وجہ سے سیٹھ ریاض بہت ٹینشن میں رہتے تھے اور ان کی اسی سلسلے میں اکثر ملزم اختر سے بحث ہوجاتی تھی۔ فرم کے ملازمین سے میں نے کچھ زیادہ سوالات نہیں کئے اور انہیں جانے دیا پھر پولیس نے گواہ کے طور پر بنگلے کے نوکروں کو پیش کیا نوکروں کے بیان کے مطابق ملزم اختر تقریباً رات کے دس بجے سیٹھ ریاض سے ملنے آیا اور تقریباً رات کو ساڑھے بارہ بجے واپس گیا پوسٹمارٹم کی رپورٹ میں سیٹھ ریاض کے قتل کا وقت رات ساڑھے بارہ کا ہی لکھا ہوا تھا لہذا ملزم اختر پر شک کرنا بنتا تھا ایک نوکر رحمت نے بتایا کہ اس دن چوکیدار چھٹی پر تھا لہذا وہ اختر کے واپس جانے کے انتظار میں اپنے کوارٹر میں بیٹھا انتظار کررہا تھا اور جب اختر واپس گیا تو اس نے گیٹ بند کیا اور واپس اپنے کوارٹر میں چلا گیا اور وہی نوکر صبح سب سے پہلے سیٹھ ریاض کے کمرے میں پہنچا جہاں اس نے سیٹھ ریاض کو فرش پر مردہ حالت میں پایا اور پھر اس کی اطلاع پولیس کو دی۔

نوکر کے حلفیہ بیان کے بعد جج صاحب نے میری جانب دیکھا کہ میں اس نوکر رحمت سے جرح کرنا چاہ رہا ہوں یا نہیں میں اپنی جگہ سے اٹھا اور رحمت کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا رحمت عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہوا تھا اس نے کٹہرے کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا میں رحمت کے سامنے پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا۔

''تمہارا نام کیا ہے''؟ میرا سوال سن کر رحمت وکیلِ استغاثہ کی جانب دیکھنے لگا۔

''ادھر مت دیکھو میری جانب دیکھ کر جواب دو'' میں نے درشت لہجے میں کہا تو رحمت بوکھلا گیا۔

''مم۔۔۔ میرا نام رحمت ہے'' رحمت اچانک بول اٹھا۔

''کب سے سیٹھ ریاض کے گھر کام کررہے ہو''؟ میں نے پھر پوچھا۔

''پانچ ۔۔چھ سال ہو گئے ہیں'' رحمت نے جواب دیا۔

''پانچ سال۔۔۔۔یا چھ سال۔۔۔ٹھیک ٹھیک بتاؤ''؟ میں نے ایک بار زور دشت لہجے میں پوچھا۔

''چھ۔۔۔۔چھ سال'' رحمت سچ مچ بوکھلا گیا تھا۔

''رحمت سچ سچ بتاؤ تم کونسی گھڑی پہنتے ہو''؟ میں نے ایک بار پھر سخت لہجے میں پوچھا تو رحمت نے چونک کر اپنی کلائیوں کو دیکھا اور پھر بولا ''میرے پاس کوئی گھڑی نہیں ہے''۔

''تو پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ اختر ٹھیک ساڑھے بارہ بجے واپس گیا''؟ میں نے ایک بار پھر اپنا لہجہ سخت کر لیا۔

میرے اس طرح اچانک سوال کرنے پر رحمت سٹپٹا گیا اسے شائد اس سوال کی امید نہیں تھی اور شائد پولیس نے بھی اسے بریف نہیں کیا تھا وہ بوکھلا کر جلدی سے بولا۔

''میں اس وقت ڈرائنگ روم میں تھا میں نے وہاں کی گھڑی میں وقت دیکھا تھا''۔

''چلیں تمہاری کی بات کو ٹھیک مان لیتے ہے۔۔۔مگر حلفیہ بیان میں تو تم نے کہا تھا کہ تم گیٹ بند کرنے اپنے کوارٹر سے نکل کر آئے تھے'' میرا لہجہ دھیما تھا۔

''ہاں میں اپنے کوارٹر میں تھا کیونکہ میرا کوارٹر گیٹ کے پاس ہی ہے لہٰذا جب اختر صاحب جانے لگے تو ان کے جانے کی آواز سن کر میں اپنے کوارٹر سے باہر نکلا اور پھر اختر صاحب کے جانے کے بعد میں نے گیٹ بند کر دیا'' رحمت اپنی پیشانی رگڑتا ہوا کہنے لگا۔

''اور پھر؟۔۔۔'' میں نے رحمت کی بات ختم ہوتے ہی پوچھا۔

''پھر کیا گیٹ بند کر کے میں اپنے کوارٹر میں چلا گیا'' رحمت بولا۔

''یعنی اختر کے جانے کے بعد آپ ڈرائنگ روم میں نہیں گئے'' میں نے پوچھا۔

''نن۔۔نہیں'' رحمت تھوک نگلتے ہوئے بولا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ میں اس سے کیا کہلوانا چاہتا ہوں ۔۔مگر میرا مقصد پورا ہو چکا تھا۔۔

''سوچ کر جواب دیں۔۔۔کیا آپ ملزم اختر کے جانے کے بعد ڈرائنگ روم میں گئے تھے''؟ میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں۔۔میں سیدھا اپنے کوارٹر میں گیا تھا بنگلے سے اندر تو میں صبح گیا تھا جب ہی میں نے سیٹھ صاحب کی لاش دیکھی اور پولیس کو اطلاع دی'' رحمت سوچتے ہوئے بولا ورنہ اگر وہ یہ تسلیم کرتا کہ وہ رات کو بنگلے سے اندر گیا تھا تو بات اس کے سر پر آجاتی کہ اس نے رات ہی کو پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔

رحمت کی بات سن کر میں جج صاحب کی جانب متوجہ ہوا ''جناب یہ پوائنٹ نوٹ کیا جائے کہ گواہ میرے موکل اختر حسین کے جانے کے بعد بنگلے کے اندر نہیں گیا بلکہ سیدھا اپنے کوارٹر کے اندر چلا گیا۔

جج نے پوائنٹ نوٹ کروایا اور پھر مجھے مخاطب کیا ''آپ اس بات سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟''

''ابھی ساری صورتحال کھل کر سامنے آجائے گی'' میں نے جج سے ادب کے ساتھ کہا اور پھر رحمت کی جانب متوجہ ہوا ''رحمت یہ بتاؤ تمہارے کمرے میں کون سی گھڑی ہے''؟

''میرے کمرے میں کوئی گھڑی نہیں ہے'' رحمت بوکھلا گیا۔

''اچھا ٹی وی تو ہوگا'' میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں میرے کمرے میں ٹی وی بھی نہیں ہے'' رحمت میرے سوالات سے سچ مچ پریشان ہو رہا تھا۔

''پھر تم بتاؤ گے کہ تمہیں کس طرح یہ معلوم ہوا کہ اختر رات ساڑھے بارہ بجے واپس گیا'' میرا لہجہ ایک دم درشت ہو گیا کیونکہ میں یہی تو چاہ رہا تھا کہ میں عدالت کو یہ ثابت کر دو کہ اختر کے واپس جانے کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔۔۔اور وہ دور موبائل کا تو تھا نہیں کہ موبائل میں وقت دیکھ لیا جاتا۔۔لہٰذا رحمت میری

چال میں پھنس چکا تھا۔

''وہ۔۔۔وہ میں نے اختر صاحب سے وقت پوچھا تھا'' رحمت سٹپٹا کر بولا صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

''جنابِ والا۔۔۔یہ پوائنٹ بھی نوٹ کیا جائے کہ گواہ رحمت کے پاس کوئی گھڑی نہیں تھی جس میں وہ صحیح وقت دیکھ سکتا اس لحاظ سے گواہ رحمت کی گواہی مشکوک ہے اب رہ گئی مسٹر رحمت کی یہ بات کہ اس نے ملزم سے وقت معلوم کیا تھا تو میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ اختر کو گھڑی پہننے سے الجھن ہوتی ہے اور اس نے کبھی اپنی کلائی پر گھڑی نہیں باندھی ہے۔۔۔آپ خود بھی ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ملزم اختر نے اس وقت بھی کوئی گھڑی نہیں باندھی ہوئی ہے'' میں نے جج صاحب کو مخاطب کیا تو جج نے اختر کی کلائیوں کی جانب دیکھا مگر وہاں کوئی گھڑی نہیں تھی اور میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اختر کو گھڑیوں سے بڑی الجھن ہوتی ہیں اور وہ اپنی کلائی پر گھڑی نہیں پہنتا ہے۔

''وہ۔۔وہ میں نے آسمان پر دیکھ کر اندازہ لگایا تھا''؟ رحمت بوکھلاہٹ میں کچھ کا کچھ بول رہا تھا۔

''تم ستارہ شناس ہو تم نے فلکیات کی تعلیم حاصل کی ہے'' میں رحمت کی بات سن کر درشت ہو گیا میری بات سن کر رحمت نے سر جھکا لیا اور گواہی کے کٹہرے سے نکل گیا۔

میں نے حاضرین پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی اور پھر جج صاحب کی جانب دیکھ کر کہنے لگا'' جنابِ والا۔۔میرے موکل کو ایک سوچی سمجھی سازش میں پھنسایا جا رہا ہے۔یہ ضرور ہے کہ وقوعہ کے روز میرا موکل اختر سیٹھ ریاض سے ملنے گیا تھا مگر وہ وہاں سے رات گیارہ بجے ہی لوٹ آیا تھا اور رات ساڑھے بارہ بجے تو میرا موکل اپنے گھر پر تھا جس کی گواہی اس کے بیوی دے گی میں اختر حسین کی بیوی شازیہ کو کٹہرے میں بلانا چاہونگا''۔

میرے کہنے پر جج نے شازیہ کو بطورِ گواہ کٹہرے میں آنے کی اجازت دی تو شازیہ گواہ کے طور پر کٹہرے میں آ کر گھڑی ہوگئی۔اس کے چہرے پر پریشانی کے اظہار تھے اور وہ بار بار اپنا ماتھا پونچھ رہی تھی شازیہ کے کٹہرے میں آنے کے بعد عدالت کے ایک ماتحت نے اس سے قران پر حلف لیا کہ وہ جو کچھ کہے گی سچ کہے گی۔شازیہ نے قران پر ہاتھ رکھ کر سچ کہنے کا حلف اٹھایا۔

''شازیہ صاحبہ آپ اس معزز عدالت کو بتائیں کہ وقوعے والے روز آپ کے شوہر مسٹر اختر کس وقت گھر آئے تھے اور کب تک وہ گھر میں آپ کے سامنے رہے'' میں حلف اٹھانے کے بعد شازیہ سے کہا اور اطمینان کے ساتھ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ شازیہ کے بیان کے بعد اختر کے ضمانت فوری طور پر منظور ہو جائے گی۔مگر۔۔۔مگر شازیہ نے جو بیان دیا وہ۔۔۔وہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا شازیہ نے کھنکھار کر گلا صاف کیا اور گویا ہوئی۔

''میں نے قران پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا ہے لہذا میں جھوٹ نہیں بولونگی۔سیٹھ ریاض کو کس نے قتل کیا یہ میں نہیں جانتی وہ مجھے بہت عزیز رکھتے تھے بلکہ اپنی بیٹی کی طرح مجھ پر مہربان تھے میں اکثر اختر کے ساتھ ان سے ملنے جاتی تھی۔۔میں یہ بات اس لئے بتا رہی ہوں کہ سیٹھ ریاض سے میرا تعلق واضح ہو جائے وہ میرے باپ کی جگہ تھے اور وہ بھی مجھے اپنی بیٹی ہی سمجھتے تھے۔'' اتنا کہہ کر شازیہ نے چند لمحوں کا وقفہ لیا پھر بولی۔

''آج میں سچ بولنے کی قسم اٹھائی ہے لہذا میں سچ ہی بولونگی سیٹھ جی کے قتل والی رات اختر تقریباً رات کے ایک بجے گھر آئے میں اس وقت جاگ رہی تھی اختر گھر آئے تو بہت زیادہ گھبرائے ہوئے تھے اور خوفزدہ بھی تھے انھوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا حالانکہ میں نے ان سے بہت پوچھا مگر وہ اتنے زیادہ خوفزدہ تھے کہ مجھ سے کوئی بات کئے بغیر نیند کی گولی کھائی اور سو گئے''۔

شازیہ کا بیان سن کر میں ہکا بکا رہ گیا عدالت میں سب کو سانپ سونگھ گیا ہر شخص یہ امید کر رہا تھا کہ ملزم کی بیوی اس کے حق میں بیان دے گی مگر۔۔۔مگر شازیہ نے تو اختر کے خلاف بیان دے دیا کیس اچانک

ایک ڈرامائی موڑ لے کر میرے ہاتھ سے نکل گیا اختر بھی حیران نظروں سے شازیہ کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہیں آرہا ہو کہ اس کے پیاری بیوی نے اس کے خلاف بیان دیا ہے۔

شازیہ کا بیان سنتے ہی وکیلِ استغاثہ پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھا ''لیجئے جج صاحب۔۔۔۔دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا اب تمام صورتحال واضح ہو گئی۔حقیقت یہی ہے جو پولیس کی رپورٹ میں درج ہے ملزم اختر ہی نے سیٹھ ریاض کا قتل ان کے اپنے پستول سے کیا کیونکہ ملزم اختر سیٹھ ریاض سے ملنے اکثر ان کے گھر جاتا تھا لہذا وہ جانتا تھا کہ سیٹھ ریاض اپنا پستول کہاں رکھتے ہے اور واقعے والی رات ملزم نے سیٹھ ریاض کا پستول چرایا اور اس پستول سے سیٹھ ریاض کو قتل کر کے خودکشی کا رنگ دینے کے ناکام کوشش کی۔۔۔اب ملزم کی بیوی کے بیان سے یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ ملزم اختر ہی نے سیٹھ ریاض کا قتل کیا ہے۔۔۔لہذا میں معزز عدالت سے استدعا کرتا ہوں کہ ایسے سفاک اور دھوکے باز شخص کو کڑی سے کڑی سزا دی جائے جس نے سیٹھ ریاض جیسے فرشتہ صفت آدمی کو قتل کیا ہے'' وکیلِ استغاثہ اپنی شعلہ بیانی کے جوہر دکھا رہا تھا اور میں حیران اور پریشان تھا کہ ایک لمحے میں میرے ہاتھ سے پورا کیس نکل گیا اور اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کس طرح اپنے موکل اختر کا دفاع کروں۔اسی وقت عدالت کا وقت ختم ہو گیا اور جج صاحب نے مقدمے کی سماعت کو اگلے ہفتے تک کے لئے ملتوی کر دیا۔

سماعت کے بعد میں نے شازیہ سے ملنے کی کوشش کی مگر شازیہ نے مجھ سے ملنے سے صاف انکار کر دیا میں اختر سے ملا وہ بھی حیران تھا کہ شازیہ نے ایسی حرکت کیوں کی۔۔مجھے شازیہ سے نفرت سے ہو رہی تھی میں شازیہ سے اس کے بیان کی وجہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر اس نے اختر کے خلاف بیان کیوں دیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ اس بیان کے بعد اختر کو پھانسی بھی ہو سکتی ہے تو پھر اس نے ایسی بے وقوفی کیوں کی؟ حالانکہ اس بیان سے پہلے شازیہ میرے سامنے اعتراف کر چکی تھی کہ اختر اس دن گیارہ بجے تک گھر واپس آگیا تھا۔۔۔تو پھر آخر عدالت میں اس قسم کا بیان دینے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ شازیہ نے جان بوجھ کر اپنے شوہر کے خلاف بیان دیا ہے مگر کیوں۔۔۔؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے میرا شازیہ سے ملنا ضروری تھا مگر باوجود کوشش کے شازیہ نے میری ملاقات نہ ہو سکی۔میری اپنے ذہن میں بھی کوئی ایسا قانونی نکتہ نہیں آرہا تھا جس کے ذریعے یہ ثابت کر سکوں گے شازیہ نے عدالت میں جھوٹا بیان دیا ہے۔۔۔شازیہ نے عدالت میں جھوٹا بیان کیوں دیا اس بارے میں سوچ سوچ کر میرا دماغ گھوم گیا میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر۔۔۔آخر ایک محبت کرنے والی اپنے شوہر پر جان نثار کرنے والی بیوی نے اپنے شوہر کے خلاف جھوٹا بیان کیوں دیا؟۔

سوچتے سوچتے میرا ذہن ماؤف ہو نے لگا۔۔۔ایک ہفتہ گزر گیا اگلے دن اختر کے کیس کی سماعت تھی اسی دن جج صاحب نے فیصلہ سنانے کا کہا تھا میں مایوس ہو رہا تھا مجھے یقین تھا کہ میں یہ کیس ہار گیا ہوں اور اب۔۔۔اب اختر کو پھانسی سے کوئی نہیں بچا سکتا اس کے اپنی بیوی کی گواہی اسے پھانسی کے تختے تک لے گئی تھی میں نے اختر کی فائل بند کی اور ایک طویل سانس لیکر کرسی کی پشت سے اپنا سر ٹکا دیا اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی تو میں نے اپنی آنکھیں کھولیں میرا چپراسی کمرے میں داخل ہوا تھا میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تو وہ بولا ''صاحب ایک عورت آپ سے ملنے آئی ہے''؟

''بھیج دو'' میں نے کہا تو چپراسی الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

میں سوچنے لگا کون آسکتا ہے ایک دم میرا خیال شازیہ کی جانب گیا مگر پھر اپنے ہی خیال پر مجھے ہنسی آگئی آخر شازیہ کو کیا ضرورت ہے مجھ سے ملنے کی۔میں آنے والی عورت کا انتظار کرنے لگا چند لمحوں بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی میں نے اس عورت پر

ایک تنقیدی نگاہ ڈالی اس عورت کا رنگ قدرے سانولا تھا مگر نقوش کافی پرکشش تھے اور اس نے لباس بھی بڑے سلیقے کا پہنا ہوا تھا۔ اس لڑکی نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کا کہا تو وہ میری میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی کو تھوڑا سا پیچھے کر کے اس پر بیٹھ گئی۔

''جی فرمایئے۔۔آپ نے کیسے زحمت کی'' میں نے اپنے لہجے کو خالص کاروباری بناتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

''میرا نام صاعقہ ہے۔۔صاعقہ جلال'' اس لڑکی نے میرا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا اور یہ مناسب بھی تھا کہ اپنا مدعا بیان کرنے سے پہلے اپنا تعارف کروا دیا جائے۔

''جی''۔

''میں آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آئی ہوں'' صاعقہ محتاط انداز میں بولی۔

''جی۔۔فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' میں سمجھ گیا کہ کوئی نیا کیس آیا ہے اس لئے میرا لہجہ خالص کاروباری ہو گیا۔

''میں سیٹھ ریاض کے مرڈر کیس کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں'' صاعقہ اچانک بول اٹھی۔

''سیٹھ ریاض کا مرڈر کیس ۔۔آپ کون ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا اور حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''آپ نے میرے نام پر غور نہیں کیا'' صاعقہ بولی تو میں گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا میرا دماغ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''میں سیٹھ ریاض کی بہو ہوں۔۔۔جلال ریاض کی بیوی'' صاعقہ بولی تو میں چونک اٹھا پھر غور کیا تو اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا کیونکہ صاعقہ نے آتے ہی اپنا نام بتایا تھا صاعقہ جلال۔۔۔

''معذرت چاہتا ہوں ۔۔اس سے پہلے آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اس لئے میں آپ کو پہچان نہیں سکا'' میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کی دستیابی

اختر بک ڈپو
فیصل بازار سرگودھا

سید نیوز ایجنسی
مین بازار دینہ
PH:0300-9528023

طارق بک ڈپو
لوہاری بازار سیالکوٹ
PH:052-4568440

محمد ناصر شیخ نیوز ایجنٹ
بھیرہ ضلع سرگودھا
0301-6799177

جھنگ نیوز ایجنسی
کمالیہ روڈ نزد ٹوبہ ٹیک سنگھ
PH:0321-7531597

معصوم نیوز ایجنسی
اسٹیشن روڈ جھنگ صدر
0333-8103489

سلطانی نیوز ایجنسی
لاری اڈہ چکوال
0334-8761952

''جی ہاں۔۔یہ ہماری پہلی ملاقات ہے'' صاعقہ بولی تو میں نے سر ہلا دیا۔

''میں آپ کو اختر کے کیس کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں'' صاعقہ پھر بولی۔

''جی آپ اختر کے کیس کے بارے میں کیا جانتی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اختر کے کیس کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں'' صاعقہ پھر بولی۔

''آپ کیا جانتی ہے اختر کے کیس کے بارے میں''؟ صاعقہ کی باتیں میرے اشتیاق میں اضافہ کر رہی تھی۔

''میں یہ جانتی ہوں کہ اختر بے گناہ ہے'' صاعقہ نے ڈرامائی انداز میں کہا تو۔۔تو میں اچھل پڑا۔

''آپ۔۔آپ کیسے کہہ سکتی ہے کہ وہ بے گناہ ہے'' میں اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں یہ جانتی ہوں کہ اختر کو اس مقدمے میں پھنسایا گیا ہے تاکہ پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں ڈالا جا سکے'' صاعقہ بولی۔

''جی۔۔یہ تو مجھے بھی یقین ہے کہ اختر بے گناہ ہے اور اسے ایک سوچے سمجھنے منصوبے کے تحت قتل کے اس جرم میں پھنسایا جا رہا ہے اسی لئے میں نے اختر کا کیس اپنے ہاتھ میں لیا تھا مگر عدالت کسی شخص کے یقین پر نہیں چلتی اسے گواہ یا ثبوت چاہئے ہوتا ہے'' میں نے صاعقہ کو جواب دیا۔

''اور اختر کے بے گناہی کا ثبوت میرے پاس ہے'' صاعقہ میری بات سن کر چند لمحے چپ رہی پھر بولی۔

''کیا۔۔کیا آپ کے پاس اختر کے بے گناہی کا ثبوت ہے؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''جی ہاں'' وہ مسکرائی ''اختر کی بیوی شازیہ کا عدالت میں دیا گیا بیان ہی اختر کی بے گناہی کا ثبوت ہے''۔

صاعقہ کی یہ بات سن کر میرا سارا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا مجھے ایسا لگا جیسے صاعقہ میری بے بسی کا مذاق اڑانے کے لئے یہاں آئی ہے۔

''دیکھئے محترمہ! میں بہت مصروف آدمی ہوں اور اس قسم کے بے ہودہ مذاق کے لئے میری پاس وقت نہیں ہے۔۔۔یہاں کسی شخص کی جان پر بنی ہوئی ہے اور آپ کو دل لگی کی سوچ رہی ہے شازیہ کا بیان اختر کو بچانے کے لئے نہیں۔۔۔بلکہ اسے پھنسانے کے لئے تھا'' میں نے نہایت سنجیدگی سے صاعقہ کو جواب دیا۔

میری بات سن کر صاعقہ کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ در آئی ''یہی تو اصل کہانی ہے وکیل صاحب۔۔۔شازیہ ایک بدچلن اور آوارہ عورت ہے'' صاعقہ نے پورا جملہ ادا کیا یہ جملہ ادا کرتے وقت صاعقہ کے چہرے پر غصے اور نفرت کے جذبات ابھر آئے۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا'' میں نے گہری نظروں سے صاعقہ کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا کیونکہ شازیہ کا یہ روپ تو آج تک مجھے بھی نظر نہیں آیا تھا جس روپ کی جانب صاعقہ اشارہ کر رہی تھی۔

میری بات سن کر چند منٹ تک صاعقہ اپنے غصے پر قابو پاتی رہی پھر گویا ہوئی ''میں اور شازیہ شادی سے پہلے ہی کی سہیلیاں تھیں جب میری شادی جلال سے ہوئی تو جلال اور اختر کی بھی دوستی ہو گئی اور ہمارا ایک دوسرے کے گھر بے تکلفی سے آنا جانا ہو گیا مگر۔۔۔مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں نے ایک زہریلی ناگن سے دوستی کی ہے اس نے۔۔۔۔اس نے میرے شوہر کو ہی پھنسا لیا۔۔۔۔جانے اس حرافہ نے میرے شوہر پر کیا جادو کیا کہ وہ۔۔۔وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور۔۔۔۔اور'' صاعقہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اور کیا؟'' بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''میرے شوہر جلال اکثر اختر کی غیر موجودگی میں شازیہ سے ملنے اس کے گھر جاتے تھے اس بات پر

میرا جلال سے جھگڑا ہوتا رہتا ہے مگر۔۔۔مگر میں بے بس ہوں ہمارے معاشرے میں شریف عورتیں تو معصوم گائے کی طرح ہوتی ہے جو سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہیں بول سکتی'' صاعقہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

''ہوں''۔

''شازیہ اور جلال کی رنگ رلیوں کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ اختر تھا کیونکہ اختر کو بھی کچھ کچھ شک ہوگیا تھا مگر۔۔وہ شریف آدمی ہے اس لئے شائد مکمل ثبوت تک وہ خاموش تھا۔۔۔مگر شازیہ ایک نہایت چالاک اور عیار عورت ہے پھر قسمت نے اسے یہ سنہری موقع فراہم کیا کہ سیٹھ ریاض کے قتل کا الزام اختر پر آگیا۔۔۔یہ شازیہ کے لئے گولڈن چانس تھا جس کا اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا ظاہری طور پر تو وہ اپنے شوہر کی محبت کا دم بھرتی رہی مگر عدالت میں سچ کی آڑ میں اس نے اپنے شوہر کے خلاف ہی اس طرح جھوٹا بیان دیا کہ اختر پر لگا ہوا الزام سچ ثابت ہوجائے اور اس بے چارے بے گناہ کو سزا ہوجائے تاکہ شازیہ اپنے عاشق کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لئے بالکل آزاد ہو جائے اور یہ میری بدقسمتی کہ شازیہ کا عاشق میرا شوہر ہے۔'' صاعقہ نے اپنا طویل بیان ختم کیا اور رومال سے اپنے آنسو پونچھنے لگی جو اس کی آنکھوں سے بہہ کر اس کے گالوں تک آچکے تھے۔

صاعقہ کا بیان سن کر میں حیران رہ گیا مجھے شازیہ پر حیرت ہورہی تھی کہ بظاہر سیدھی سادھی نظر آنے والی گھریلو ٹائپ کی عورت شازیہ کس قدر مکار اور شاطر تھی اور کس خوبصورتی سے اس نے اپنے شوہر کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے سچ کا سہارا لیکر ایک جھوٹا بیان عدالت میں دیا۔

''محترمہ۔۔جو کچھ آپ نے کہا ہے اس کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟'' میں نے سوچنے کے بعد صاعقہ کو مخاطب کیا۔

''ثبوت'' صاعقہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا پھر اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک کاغذ نکالا اور میری جانب بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ثبوت یہ خط ہے جو شازیہ نے میرے شوہر جلال کو لکھا تھا۔۔۔جو اتفاق سے میرے ہاتھ لگ گیا۔''

میں نے ہاتھ بڑھا کر خط صاعقہ کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے کھول کر ایک ہی نظر میں ساری خط پڑھ ڈالا میں شازیہ کی ہینڈ رائیٹنگ سے خوب واقف تھا جب شازیہ اور اختر کا رومان چل رہا تھا تو اختر نے کئی مرتبہ شازیہ کے خط مجھے دکھائے تھے لہذا مجھے کوئی مغالطہ نہیں تھا کہ یہ رائیٹنگ شازیہ ہی کی ہے۔خط پڑھ کر میرا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا میرا دل چاہنے لگا کہ میں خوب اچھلوں اور ناچوں۔۔کیونکہ خط واضح طور پر اختر کے بے گناہی کا ثبوت تھا۔

''آپ۔۔۔آپ کا بہت بہت شکریہ۔۔۔۔ آپ نے میری مشکل آسان کردی اور ایک بے گناہ کو پھانسی کے تختے پر چڑھنے سے بچالیا۔۔۔اس خط سے شازیہ کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے عیاں ہوجائے گا اور میرا دوست اختر ضرور بچ جائے گا۔۔۔اور آپ بے فکر رہے میں ایسا انتظام کرونگا کہ آپ کا شوہر اس ناگن کے جال سے نکل جائے گا'' میں نے اپنی مسرت کو دباتے ہوئے صاعقہ سے کہا۔

''بہت۔۔بہت شکریہ وکیل صاحب۔۔۔میں آپ کی بہت ممنون رہونگی۔۔۔بس اس بات کا خیال رکھئے گا کہ میرا نام درمیان میں نہ آئے ورنہ میرے شوہر جلال مجھ سے بدظن ہوجائیں گے'' صاعقہ بولی۔

''آپ بے فکر رہے۔۔۔میں ایسا انتظام کرونگا کہ آپ کا نام بالکل نہیں آئے گا اور آپ کے شوہر نامدار بھی صاف بچ نکلے گے۔۔۔ویسے مجھے حیرت ہے کہ کئی بار ملنے کے باوجود میں شازیہ کو بالکل نہیں پہچان سکا کہ وہ کس کریکٹر کی مالک ہے'' میں نے صاعقہ کے سامنے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

''کچھ لوگ بہت اچھے اداکار ہوتے ہیں'' صاعقہ نے جواب دیا اور پھر کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی ''اب مجھے اجازت دیجئے آپ کا یہ مجھ پر احسان ہوگا کہ آپ اس ناگن سے میرے شوہر کو نجات دلادیں اور میرے سہاگ کو بچالے میں ساری عمر آپ کی ممنون

رہونگی اور اگر آپ کی کوئی فیس وغیرہ بھی ہے تو مجھے بتا دیجئے۔۔۔میں کہیں نہ کہیں کو کچھ انتظام کرلونگی۔۔۔مگر شائد اس میں کچھ وقت لگ جائے کیونکہ آج کل ہمارے مالی حالات کچھ تنگ ہے''۔

''ارے آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔۔۔کیسا احسان اور کس بات کی فیس؟۔۔۔احسان مند تو میں اور اختر آپ کے تاعمر رہیں گے۔۔کہ آپ کی وجہ سے ایک بے گناہ سزا سے بچ جائے گا۔۔۔اللہ پر بھروسا رکھے انشاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا''میں نے صاعقہ کو تسلی دی تو اس کی آنکھوں میں تشکر آمیز پرچھائیاں لہرا گئیں پھر صاعقہ مجھے سلام کرتی ہوئی واپس چلی گئی۔

صاعقہ کے جانے کے بعد میں نے ایک اطمینان بھری سانس لی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اب میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا میرے ذہن پر چھایا ناکامی کا بھاری پتھر ہٹ چکا تھا واقعی اللہ بڑا کارساز ہے انسان کی اس جگہ سے مدد فرماتا ہے جہاں کا تصور بھی انسان کے ذہن میں نہیں آتا۔

☆.....☆.....☆

ایک دن بعد اختر کے کیس کی تاریخ تھے قوی امکان تھا کہ اسی دن کیس کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے گا اس لئے ان دن عدالت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اس عدالتی کمرے میں جہاں پیشی تھی تل دھرنے کی جگہ نہ تھی پورا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا جج صاحب کے آنے سے پہلے کمرے میں لوگوں کی چہ میگوئیاں جاری تھی۔شازیہ بھی عدالت میں اگلی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھی میں نے عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر نظر دوڑائی تو پچھلی نشستوں پر مجھے صاعقہ بھی بیٹھی نظر آئی غالباً وہ پہلے بھی عدالت آتی رہی ہوگی مگر میں نے دھیان نہیں دیا تھا شازیہ اگلی قطار میں بیٹھی تھی۔آج مجھے اس کے چہرے پر اطمینان نظر آرہا تھا اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھیں اور اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ بھی رقصاں تھی بظاہر وہ پریشان اور فکرمند نظر آنے کی کوشش کررہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ وہ کتنی چالاک اور مکار ہے۔اب مجھے صاعقہ کی باتوں پر سو فیصد یقین آگیا تھا اور میرا یقین اس چیز پر بھی پختہ ہوگیا تھا کہ اختر معصوم اور بے گناہ ہے جسے شازیہ جیسی چلتر عورت نے نہایت خوبصورتی سے عدالت کی نظر میں گناہگار بنا دیا۔

جج صاحب کی آمد کے ساتھ ہی کمرہ عدالت میں خاموشی چھا گئی جج صاحب نے اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے ملزم اختر سے کہا کہ کیا وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اس سے پہلے کے جج صاحب کی بات کا اختر جواب دیتا میں اپنی سیٹ سے کھڑا ہوگیا اور جج صاحب سے کہنے لگا''می لارڈ!۔۔اس سے پہلے کہ ملزم اپنی صفائی میں کچھ کہے یا آپ اس کیس کا فیصلہ سنائے میں ملزم کی بیوی شازیہ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں؟''

''جج صاحب۔۔سوالات اور جرح تو مکمل ہو چکی ہے اب تو صرف فیصلہ سنایا جانا باقی ہے''میری بات کے جواب میں وکیلِ استغاثہ بھی کھڑا ہوگیا۔

''جنابِ والا۔۔۔میں جو باتیں ملزم اختر کی بیوی شازیہ سے کرنا چاہتا ہوں وہ بہت اہم نوعیت کی ہے اور مجھے پختہ یقین ہے کہ میرے سوالات سے عدالت کا قیمتی وقت قطعی ضائع نہیں ہوگا بلکہ ایک منصفانہ فیصلے میں ممدومعاون ثابت ہوگی''میں نے ادب سے جج صاحب سے کہا۔

''آپ کو اجازت ہے''جج صاحب نے اپنی گردن کو ہلکی سے جنبش دیتے ہوئے کہا تو عدالت کے معاون نے آواز لگا کر شازیہ کو گواہ کے کٹہرے میں حاضر ہونے کی ہدایت کی۔

شازیہ بڑی ادا کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھی اور گواہان کے کٹہرے میں آکر کھڑی ہوگئی۔

''محترمہ شازیہ صاحبہ۔۔۔کیا آپ کو مکمل یقین ہے کہ وقوعہ والے روز ملزم اختر جو کہ آپ کے شوہر ہے رات کو ایک بجے گھر آئے تھے''؟۔میں نے سوالات کی ابتدا کی۔

''جی ہاں۔۔۔یہ بات میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس رات اختر ایک بجے رات کو گھر آئے تھے اور مجھے اس سلسلے میں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟''شازیہ نے میری توقع کے مطابق

جواب دیا۔

''محترمہ شازیہ صاحبہ۔۔۔کیا آپ دونوں کی ازدواجی زندگی مکمل سکون اور اطمینان سے گزر رہی ہے''؟ میں نے دوسرا سوال کیا۔

''جی ہاں'' شازیہ میرے سوال سے تھوڑی سی پریشان نظر آنے لگی۔

''آپ میاں بیوی کے درمیان کوئی رنجش یا کوئی لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوا''؟ میرا اگلا سوال تھا۔

''کوئی خاص لڑائی جھگڑا کبھی ہمارے درمیان نہیں ہوا'' شازیہ نے جواب دیا۔

''خاص سے آپ کی کیا مراد ہے''؟ میں نے جلدی سے سوال کیا۔

''ہمارے درمیان اتنی ہی لڑائی وغیرہ ہوتی تھی جتنی عموماً میاں بیوی کے درمیان ہوجاتی ہے''۔

شازیہ کا جواب میں نے غور سے سنا پھر اچانک میں نے شازیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پوچھا ''کیا آپ اپنے شوہر کے علاوہ بھی کسی سے محبت کرتی ہے؟''

''جی'' میرے سوال پر شازیہ چونک اٹھی اسی وقت وکیلِ استغاثہ کھڑا ہوگیا مگر اس کے بولنے سے پہلے ہی شازیہ غصے سے بول اٹھی۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے وکیل صاحب۔۔۔آپ اپنی زبان قابو میں رکھیں۔۔۔آپ کو مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت کسی نے نہیں دی''۔

شازیہ کی بات پر جج صاحب نے بھی گھور کر مجھے دیکھا مگر منہ سے کچھ نہیں کہا کیونکہ شازیہ مسلسل بول رہی تھی۔

''اختر میرے مجازی خدا ہے اور میں اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی'' شازیہ مسلسل کہہ رہی تھی۔

''جی ہاں آپ تو ستی ساوتری ہے'' بے ساختہ میرے منہ سے طنز نکل گیا میری بات سن کر شازیہ تلملا گئی اور تقریباً چیختے ہوئے کہنے لگی۔

''وکیل صاحب۔۔آپ حد سے بڑھ رہے ہیں اپنی زبان کو لگا دیں'' پھر شازیہ جج کی جانب گھومی اور مخاطب ہوئی ''می لارڈ۔۔۔اس بھری عدالت میں میری توہین کی جارہی ہے اس طرح تو کسی ملزم کی بھی توہین نہیں کی جاتی مگر وکیل صاحب میرے لئے مسلسل توہین آمیز الفاظ استعمال کررہے ہیں انہیں شریف اور پاکباز عورتوں سے مخاطب ہونے کا سلیقہ سکھایا جائے'' شازیہ کی بات سن کر عدالت میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور عدالت کا کمرہ اچانک مچھلی بازار کا منظر پیش کرنے لگا۔

''آرڈر۔۔۔آرڈر'' جج صاحب نے حاضرین کو مخاطب کرکے کہا تو سب لوگ خاموش ہوگئی پھر جج صاحب نے مجھے مخاطب کیا'' مسٹر یزدانی آپ۔۔احتیاط سے الفاظ استعمال کریں''۔

''میں اپنے الفاظ کی مسز شازیہ سے معذرت چاہتا ہوں میرا مقصد ان کی توہین نہیں تھا میں تو صرف ان سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی شوہر کے علاوہ کسی اور سے پیار تو نہیں کرتی؟۔۔'' میں کچھ دیر کے لئے رکا اور شازیہ کا ری ایکشن دیکھنے لگا وہ خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

''مسز شازیہ۔۔کیا آپ صاعقہ نامی کسی خاتون سے واقف ہے''؟ میں نے دوسرا سوال کیا۔

''جی ہاں۔۔۔۔'' شازیہ نے زہر خند لہجے میں جواب دیا۔

''کیا۔۔صاعقہ آپ کے گھر آتی جاتی ہے''؟ میں نے پھر سوال کیا۔

''جی ہاں'' اب شازیہ کے لہجے میں کچھ پریشانی کے آثار تھے۔

''کیا ان کے شوہر بھی آپ کے گھر آتے جاتے ہیں''؟ میں نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔۔صاعقہ کے شوہر جلال میرے شوہر کے دوستوں میں سے ہیں اس لئے وہ بھی اکثر گھر آتے رہتے ہیں''۔

''آپ کے شوہر کے دوست ہے۔۔یا آپ کے۔۔۔۔'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

''وکیل صاحب آپ پھر حد پار کررہے

ہیں'' شازیہ غصے سے چلا کر بولی میں نے نظر اٹھا کر اختر کی جانب دیکھا وہ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر میں نے اشارے سے اسے منع کیا اور پھر اپنے ہاتھ اپنی جیب میں ڈالے اور شازیہ سے سوال کیا۔

''مسز شازیہ اختر۔۔۔کیا آپ نے مسٹر جلال کو کبھی خط لکھا ہے''۔

''جی نہیں۔۔میں انہیں. خط کیوں لکھوں گی'' شازیہ نے تلخ لہجے میں جواب دیا جواب میری مرضی کے مطابق تھا۔

''بالکل غلط'' میں نے شازیہ سے کہا اور پھر جج صاحب کی جانب مڑا ''می لارڈ۔۔۔محترمہ شازیہ صاحبہ غلط بیانی سے کام لی رہی ہیں وہ مسٹر جلال کو اکثر خط لکھا کرتی تھیں اور اتفاق سے ان ہی خطوط میں سے ایک خط اس وقت میرے پاس ہے اور اس خط کا اس کیس سے نہایت گہرا تعلق ہے اگر عدالت اجازت دے تو میں اس خط کو عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں'' میں نے ڈرامائی انداز میں کہا تو جج نے اشارے سے مجھے اجازت دے دی۔

جج صاحب کی اجازت پاتے ہی میں نے اپنا ہاتھ اپنی جیب سے باہر نکالا تو میرے ہاتھ میں وہ خط تھا جو صاعقہ نے مجھے دیا تھا میں نے وہ خط شازیہ کے چہرے کے سامنے لہرایا ''محترمہ شازیہ صاحبہ آپ اپنی ہینڈ رائٹنگ تو خوب پہچانتی ہوگی۔یہ خط آپ ہی نے لکھا تھا نا؟'' میرا لہجہ ڈرامائی انداز لئے ہوئے تھا۔خط پر نظر پڑتے ہی شازیہ کا چمکتا ہوا چہرہ سیاہ پڑ گیا اور اس کی ٹانگیں کپکپانے لگیں۔

''فرمایئے۔۔محترمہ شازیہ صاحبہ کیا یہ خط آپ کا لکھا ہوا نہیں ہے؟'' میں نے تیز آواز میں شازیہ سے سوال کیا مگر اس کے ہونٹوں پر اب چپ کی مہر لگ چکی تھی وہ آنکھوں میں دہشت لئے میرے اس ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جس ہاتھ میں، میں نے خط پکڑا ہوا تھا۔

''می لارڈ۔۔میری درخواست ہے کہ مجھے اس خط کو بھری عدالت میں سنانے کی اجازت دی جائے کیونکہ یہ خط اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ میرا موکل اختر بے گناہ ہے'' میں نے اپنی خوشی دباتے ہوئے جج صاحب سے کہا تو انھوں نے مجھے خط با آواز بلند پڑھنے کی اجازت دے دی۔میں نے خط اپنی آنکھوں کے سامنے کیا اور بلند آواز سے وہ خط پڑھنے لگا۔

''ڈیئر جلال!۔۔آخر کار تقدیر نے ہمارا ہی ساتھ دیا اور ہمارے پیار کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ خود بخود دور ہوگئی۔اختر کو سیٹھ ریاض کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے، وہ بے وقوف جو ایک چڑیا بھی مارنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا اب اس کے اوپر قتل کا الزام آگیا ہے اور میں جانتی ہوں کہ اس کیس میں میری گواہی سب سے اہم ہے اور میں یہی جھوٹی گواہی دونگی کہ وقوعہ والے روز اختر رات کے ایک بجے گھر واپس آیا تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا صاف لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی غیر قانونی کام کرکے آیا ہو اور میری یہ جھوٹی گواہی اس پر لگے الزام کو سچ ثابت کردے گی اور اسے سیٹھ ریاض کے قتل کے جرم میں پھانسی نہیں تو عمر قید ضرور ہوجائے گی اور اس کے بعد ہمارے تمہارے پیار کے درمیان کوئی نہیں آئے گا۔''

تمہاری اور صرف تمہاری شازیہ

خط کے الفاظ نہیں بم تھا جو عدالت میں پھٹا تھا خط سن کر ہر شخص سکتے میں آگیا شازیہ تیورا کھا کر کٹہری میں گری اور بے ہوش ہوگئی اب تو کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہیں تھی جج صاحب نے میرے ہاتھ سے خط لیا اور اس کا مطالعہ کرنے لگے پھر انھوں نے قلم اٹھایا اور فیصلہ لکھنے لگے اتنی دیر میں لیڈی کانسٹیبل شازیہ کو ہوش میں لے آئی تھی وہ سکتے کی حالت میں تھی لہذا فوری طور پر شازیہ کو ہسپتال روانہ کیا گیا فیصلہ لکھنے کے بعد جج صاحب نے فیصلہ سنایا اور اختر کو سیٹھ ریاض کے قتل کے الزام سے باعزت بری کردیا اور اپنے فیصلے میں یہی لکھا کہ شائد سیٹھ ریاض نے کاروباری نقصان سے تنگ آکر اپنی زندگی کا خود ہی خاتمہ کرلیا اور ساتھ ہی جج صاحب نے شازیہ کو عدالت کے سامنے جھوٹی گواہی کا مرتکب قرار دیا اور اس کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا حکم دیا۔

فیصلے کے بعد اختر کے ہتھکڑی کھول دی گئی میں

جلدی سے اس کے پاس گیا اسے مبارکباد دی پھر میں نے اپنے اسسٹنٹ کو ہدایات دی کہ اختر کی رہائی کے پیپر وغیرہ تیار ہونے تک عدالت ہی میں رکے اور میں اختر سے شام کو اس کے گھر آنے کا وعدہ کر کے دوسری عدالت کی جانب دوڑا جہاں میرا دوسرا کیس لگا ہوا تھا۔

اس رات میں عدالت سے تھوڑا دیر سے فارغ ہوا میرے اسسٹنٹ نے مجھے آکر بتا دیا تھا کہ اختر عدالت سے رہا ہو کر اپنے گھر چلا گیا ہے اس لئے اپنے کاموں سے فارغ ہوتے ہی میں بھی اختر کے گھر کی جانب چل دیا۔ جب میں اختر کے گھر پہنچا تو کافی رات ہو چکی تھی۔ میں نے اختر کے گھر پہنچ کر اطلاعی گھنٹی بجائی تو۔۔۔ تو میں ہکا بکا رہ گیا کیونکہ۔۔۔ کیونکہ دروازہ کھولنے والی کوئی اور نہیں شازیہ تھی اور مجھے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ شازیہ سے میری ملاقات اختر کے گھر پر ہوگی۔

شازیہ کو دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی میں اس کو نفرت سے دیکھتا ہوا واپسی کے لئے مڑا تو شازیہ دوڑ کر میرے سامنے آگئی اور اس نے میرا راستہ روک لیا اور مسکراتے ہوئے بولی ''یزدانی بھائی میں آپ کا احسان ساری عمر نہیں بھول سکتی آپ نے میرے شوہر کو پھانسی کے تختے سے بچایا ہے''۔

''وہ تو خیر میرا فرض تھا مگر تمہاری ناپاک اور قابلِ نفرت ہستی اب تک اس گھر میں کیسے ہے''؟ میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''صرف میں ہی نہیں صاعقہ بھی ہے آپ اندر آیئے۔۔۔ میں آپ کو ساری بات بتاتی ہوں۔۔۔ پلیز انکار مت کیجئے گا'' شازیہ کے چہرے پر مدھر مسکراہٹ تھی۔

میں انتہائی حیران ہو رہا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی میں شازیہ کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ صاعقہ بھی وہاں بیٹھی ہے مجھے دیکھ کر صاعقہ کھڑی ہوگئی میں نے حیران نظروں سے صاعقہ کو دیکھا تو صاعقہ مسکرانے لگی۔

''آپ۔۔۔ آپ یہاں کیسے؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''صرف صاعقہ ہی نہیں جلال بھائی بھی ہے اور ابھی ابھی اختر کے ساتھ باہر گئے ہیں آپ بیٹھئے بس وہ لوگ آتے ہی ہوں گے'' شازیہ بولی تو میں حیرت سے صوفے پر بیٹھ گیا یہاں کی سچوئشن میری سمجھ سے باہر تھی۔

''صاعقہ ذرا ماسی سے کہہ کر اچھی سی چائے تو بنوا دو۔۔۔ یزدانی بھائی کے لئے'' شازیہ نے صاعقہ سے کہا تو وہ جی کہتی ہوئی اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

''یہ۔۔۔ یہ صاعقہ یہاں کیسے ہے اور۔۔۔ اور یہ سب کیا ہے''؟ میں ناسمجھی کی حالت میں کہنے لگا۔

''صاعقہ میری بہت اچھی دوست ہے اور اسی لئے اس نے اس ڈرامے میں اہم کردار ادا کیا ہے'' شازیہ میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ڈراما۔۔۔ کیسا ڈراما''؟ میں حیرت سے شازیہ کو تکنے لگا۔

''ہاں ڈراما۔۔۔ آپ وکیل ہو کر نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی کوئی اور اس ڈرامے کی حقیقت کو پا سکا'' شازیہ بولی۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا'' میں نے جواب دیا۔

''اگر اختر کے کیس میں، میں یہ گواہی دیتی کہ اختر رات کو گیارہ بجے گھر واپس آگئے تھے اور پھر گھر سے باہر نہیں نکلے تو شائد عدالت ایک بیوی کی گواہی کو خاص اہمیت نہیں دیتی اور سب ہی سمجھتے کہ میں اپنے شوہر کو بچانے کے لئے جھوٹ بول رہی ہو۔ اسی لئے میں نے یہ ڈراما رچایا اور اس ڈرامے میں صاعقہ اور جلال بھائی نے اہم کردار ادا کیا۔۔۔۔ اس طرح بے شک دنیا والوں کی نظروں میں، میں بدچلن اور بدکردار عورت ہوں مگر مجھے یہ سکون ہے کہ میرے سہاگ محفوظ ہے اور میرے شوہر پر لگا قتل کا الزام بھی ڈھل چکا ہے۔۔۔ آپ کو ملنے والا خط تو ایک فریب تھا میں نے خود ہی وہ خط لکھ کر صاعقہ کو دیا تھا کہ وہ آپ کے پاس جائے اور وہاں صاعقہ نے جو کچھ کہا وہ سب میں نے ہی اسے سمجھایا تھا'' شازیہ بولی تو۔۔۔ تو میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

''مگر۔۔۔مگر جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں تمہیں سزا ہوسکتی ہے'' میں بولا۔

''بے شک۔۔۔۔مجھے سزا ہوسکتی ہے جھوٹی گواہی کی سزا کتنی ہے زیادہ سے زیادہ تین ماہ۔۔۔یا پھر جرمانہ میں وہ سزا خوشی خوشی بھگتو گی شوہر کی زندگی کے بدلے میں دو تین ماہ کی سزا تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔اگر خدانخواستہ اختر کو کچھ ہو جاتا تو میری تو ساری زندگی ہی قیدی کی صورت میں کٹتی'' شازیہ بولی تو میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا کس کمال خوبی سے شازیہ نے نہ صرف مجھے بلکہ۔۔۔بلکہ عدالت کو بھی ''ماموں'' بنا دیا اور نہایت صفائی سے اپنے شوہر کو قتل جیسے الزام سے بری کروالیا۔ میں حیرت سے شازیہ کو دیکھ رہا تھا میری کچھ دیر پہلے والی نفرت اب عنقا ہوگئی تھی اب میری آنکھوں میں شازیہ کے عقیدت تھی۔

''بے شک تم نے بہت بڑی قربانی دی مگر۔۔۔مگر تمہیں میری وکالت پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا میں اختر کو بچا لیتا'' میں نے شازیہ سے کہا اب میرا لہجہ نرم تھا۔

''درست فرمایا آپ نے۔۔۔اس بات کا چانس تھا مگر گستاخی معاف۔۔۔آپ اختر کے دوست ہے اور بہت سالوں سے اسے جانتے ہیں آپ بتائیے کیا اختر نے سیٹھ ریاض کو قتل کیا تھا یا نہیں؟'' شازیہ نے مجھ سے سوال کیا تو میں سوچ میں پڑ گیا۔

''قطعی نہیں۔۔۔اختر کبھی کسی کو قتل نہیں کرسکتا وہ بالکل بے گناہ تھا اس پر غلط الزام لگایا گیا تھا'' میں نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔

میرا جواب سن کر شازیہ بے ساختہ ہنس پڑی اور اتنا ہنسی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

''یزادنی بھائی آپ اختر کے بہت پرانے دوست ہے اور ان کے کئی رازوں کے امین ہے۔۔۔آج یہ راز بھی اپنے سینے میں دفن کر لیجئے۔۔۔'' شازیہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی تو میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا شازیہ نے چند لمحوں کا وقفہ لیا پھر بولی۔

''سیٹھ ریاض اچھا آدمی نہیں تھا اور اس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کو کوشش کی اسی لئے اختر نے سیٹھ ریاض کو جہنم رسید کر دیا۔۔۔اختر نے سیٹھ ریاض کا خون کیا ہے مگر دولت کے لئے نہیں۔۔۔۔صرف اور صرف میری عزت کی خاطر۔۔۔۔اور میں اتنی گئی گزری یا احسان فراموش نہیں ہوں کہ جس نے میری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈالی ہو اور میں اس کی زندگی کی خاطر تھوڑی سے بدنامی نہ مول لے سکوں۔۔۔آخر اختر میری پہلی اور آخری محبت ہے'' شازیہ کی آواز بھرا گئی اور میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا کہ کچھ دیر پہلے تک میں شازیہ سے شدید نفرت کر رہا تھا مگر اب۔۔۔اب وہ نفرت نہ جانے کہاں جا سوئی تھی میری نظروں میں شازیہ کے لئے عقیدت ہی عقیدت تھی۔

''مجھے آپ کی وکالت پر پورا بھروسہ تھا مگر میں نے صاعقہ سے مل کر یہ ڈراما صرف اس لئے کیا کہ کہیں پولیس کو تفتیش کے دوران اختر کے خلاف کوئی اور ثبوت نہ مل جائے۔۔۔اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہی اور اختر باعزت بری ہوگئے'' شازیہ نے اپنی آنکھوں میں آئے خوشی کے آنسوؤں کو اپنے دوپٹے سے پونچھتے ہوئے کہا تو میں حیرت سے اس گھریلو عورت کو دیکھنے لگا جس نے اپنے شوہر کی خاطر پورے معاشرے اور عدالت سے لڑائی مول لے لی تھی اور اس لڑائی میں آخر جیت محبت ہی کی ہوئی۔

شازیہ پر جھوٹی گواہی دینے کا مقدمہ چلا اور اسے بھاری جرمانہ ہوا جو اختر نے فوراً ادا کر دیا اور پھر اختر اور شازیہ کینیڈا چلے گئے آخری وقت میں وہ مجھ سے ملنے میرے آفس آئے تھے میں نے انہیں اپنی دعاؤں میں رخصت کیا۔ شروع دنوں میں تو ان دونوں سے باقاعدہ رابطہ رہا پھر میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے ان سے رابطہ نہ رکھ سکا۔ آج فیملی البم دیکھتے ہوئے اختر اور شازیہ کی تصویر پر نظر پڑی تو بے اختیار یہ کیس یاد آ گیا اور میرے دل سے فوراً دعا نکلی کہ اللہ کرے یہ دونوں جہاں رہے شاد رہے آباد رہے۔

واپسی

شہزادہ چاند زیب عباسی

سفاک باپ کی دیدہ دلیری جو کہ اپنی مطلب پرستی کے لئے کسی بھی رشتے کا لحاظ نہ کیا بلکہ اپنی بیٹی کو بھی قربان کردیا اور جب اصلیت کھلی تو وہ خود خون میں لت پت ہوگیا۔

ایک روح کا عجیب وغریب شاخسانہ جس نے اپنے بچوں کے لئے.....قربانی.....دی

وہ موذی کی سی چال چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے مہکتے وجود کی خوشبو محسوس کر کے بیڈ پر لیٹے اسد نے کروٹ بدل کر کمرے کے عین وسط میں کھڑی اپسرائی حسن کی مالک ریشم کو دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر کراہ کر رہ گیا۔ پورے وجود میں گویا درد کی کٹیلی لہریں سرایت کر گئی تھیں، لیٹے رہو۔ ریشم کے یاقوتی بالوں نے جنبش کی اور وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ ''ریشم تم مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلی گئی تھی۔'' اسد نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

''میں نہیں بلکہ تم مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے آئے تھے اور پھر پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔'' ریشم نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا اور مڑ کر واپس جانے لگی۔ ''ریشم'' وہ چلایا اور ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی مگر درد اور تکلیف کی شدت پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ لیٹے رہو۔'' یہ لیڈی ڈاکٹر تھی جو اس کی چیخ وپکار سن کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ''ابھی فی الحال ہلنے جلنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ کے زخم کے ٹانکے تازہ ہیں۔'' ڈاکٹر نے اس کے سینے پر بندھی پٹی کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے ریشم سے ملنا ہے۔ ابھی وہ آئی تھی۔ میرے پاس اس کمرے میں۔'' وہ ایک بار پھر چلایا۔ ''لگتا ہے صدمے نے آپ کے دل ودماغ پر گہرا اثر ڈالا ہے کل آپ کو اور اس لڑکی کو شدید زخمی حالت میں اسپتال میں لایا گیا تھا۔ آپ دونوں کو گولیاں لگی تھیں۔ آپ کا آپریشن کامیاب رہا۔ آپ کے سینے سے گولی نکال لی گئی۔ مگر افسوس وہ لڑکی آپریشن تھیٹر میں ہی دم توڑ گئی۔'' ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کرتے ہوئے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''نہیں یہ جھوٹ ہے۔'' اس نے ایک بار تکلیف کی شدت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس کی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا اور وہ ہوش وخرد سے محروم ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

اسد کے والدین ایک حادثے میں انتقال کر چکے تھے۔ اس کی پرورش کی ذمہ داری اس کے چچا مقبول نے سنبھالی۔ مقبول احمد ہارٹ سرجن تھے۔ ان کا شمار دل کے ماہر ترین سرجنز میں ہوتا تھا۔ ان کا بھی صرف ایک ہی بیٹا تھا جمیل، دونوں نے ایک ساتھ ہی ملک کے بہترین تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جمیل نے پولیس ڈپارٹمنٹ جوائن کیا۔ جب کہ اسد نے وکالت کا شعبہ چنا۔

Digest July 20

ریشم سے اسد کی ملاقات ایک پارٹی میں ہوئی تھی پہلی ہی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے۔ وہ ظاہر شاہ کی بیٹی تھی جس کا امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار تھا۔ دولت کی ریل پیل کے باوجود غرور اس میں نام کا بھی نہ تھا۔ وہ ظاہر شاہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ماں کا بچپن میں ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ظاہر شاہ اپنی لاڈلی بیٹی کی ہر خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ ان کے بیچ اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ مگر ان ملاقاتوں میں پاکیزگی تھی۔

اسد نے جھجکتے ہوئے مقبول احمد سے اپنی پسندیدگی کا ذکر کیا تو انہوں نے ظاہر شاہ کی دہلیز پر جانے میں دیر نہ لگائی۔ مگر خلاف توقع ظاہر شاہ نے انکار کر دیا۔

اسد ٹوٹ کر بکھر گیا تو ریشم نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا اور کچھ ہی دنوں میں بستر سے جا لگی اور مرنے کے قریب ہوگئی تو مجبوراً ظاہر شاہ کو اس کی زندگی بچانے کے لئے حامی بھرنا پڑی۔

شادی کے چند روز بعد اسد اور ریشم ہنی مون کے لئے ملکہ کوہسار مری روانہ ہوئے اس روز وہ نتھیا گلی کے مقام پر برف باری سے لطف اندوز ہو کر واپس لوٹ رہے تھے کہ اچانک گاڑی کا دایاں ٹائر دھماکے سے برسٹ ہوگیا۔ کار بری طرح لہرانے لگی۔ اسد نے بمشکل اسٹیئرنگ موڑ کر گاڑی کو سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں گرنے سے بچایا اور گاڑی سے اتر کر ٹائر کا معائنہ کرنے لگا۔

''کیا ہوا؟'' ریشم نے قریب آ کر ایک ادا سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالیں تو اس نے اٹھتے ہوئے ریشم کی پتلی کمر کے گرد بانہوں کا گھیرا ڈال دیا اور شوخ لہجے میں بولا۔ ''ٹائر برسٹ ہوگیا ہے لگتا ہے آج جنگل میں ہی۔'' اس نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی تو شرم سے ریشم کے گال سرخ ہوئے اور اس نے اسد کو بدتمیز کا خطاب دے ڈالا۔

اسی وقت اچانک ریشم نے ''بچو اسد کہتے ہوئے اتنی زور سے دھکیلا کہ وہ کافی دور جا گرا اسے اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ ابھی وہ ریشم کے اس غیر متوقع ردعمل پر پوری طرح حیران بھی نہ ہوا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ گولیاں چلنے کی دھماکہ خیز آوازوں کے ساتھ ریشم کی کربناک چیخ بھی فضا میں گونجی، اس نے اٹھتے ہوئے دیکھا۔

''ریشم خون میں لت پت زمین پر پڑی تھی جب کہ ان سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی آڑ سے دراز قد سیاہ رو شخص نکل رہا تھا۔ جس کے ہاتھ میں موجود پسٹل کی نال سے دھواں نکل رہا تھا۔ یقیناً اس شخص نے ریشم پر گولیاں چلائی تھیں۔ اس کے جسم کا سارا خون گویا سمٹ کر آنکھوں میں اتر آیا۔ اور وہ غضب ناک انداز مین سیاہ رو شخص کی طرف بڑھا ہی تھا کہ عقب سے کسی نے اس کے سر پر زوردار ضرب لگائی۔ اسی وقت سیاہ رو شخص کے پسٹل سے گولی نکلی اور اسد کو سینے میں دہکتی ہوئی سلاخ دھنستی محسوس ہوئی۔

☆.....☆.....☆

''اسد بیٹا آنکھیں کھولو۔'' اسے قریب ہی کہیں سے مقبول صاحب کی آواز سنائی دی۔ اس نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ بیڈ کے قریب ہی مقبول صاحب اور جمیل کھڑے تھے۔ ''انکل ریشم کہاں ہے۔'' اس نے ہوش میں آتے ہی بے تابی سے پوچھا تو مقبول احمد کی آنکھیں چھلک پڑیں انہوں نے بے بسی سے جمیل کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں۔'' اسے اب تم ہی سنبھالو۔''

''اسد خود کو سنبھالو ریشم مر چکی ہے۔'' جمیل نے ٹھہرتے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ تڑپ اٹھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ زندہ ہے ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اسپتال کے اس کمرے میں مجھ سے ملی تھی۔ میری اس سے بات بھی ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھی۔ میں وہیں ہوں جہاں ہم بچھڑے تھے۔''

''لگتا ہے یہ گیا کام سے۔'' جمیل بڑبڑایا تو مقبول صاحب نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا اور شفقت سے اسد کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''بیٹا یہ سچ ہے ریشم ہم سے بہت دور جا چکی ہے۔ جہاں سے واپس

آج تک کوئی نہیں لوٹا۔ تم نے ضرور خواب دیکھا ہوگا۔''

''نہیں یہ جھوٹ ہے۔ ریشم زندہ ہے۔'' اس نے چیختے چلاتے ہوئے دیوانگی کے عالم میں اٹھنا چاہا تو سینے کے زخم میں ایک بار پھر ناقابل برداشت اذیت ناک لہریں دوڑنے لگیں۔ اس پر دیوانگی کا دورہ سا پڑ چکا تھا۔ وہ چلاتے ہوئے ایک ہی بات کہے جارہا تھا۔

''ریشم زندہ ہے۔'' اس کی دیوانگی کے پیش نظر ڈاکٹر کو اسے خواب آور انجکشن کے ذریعے بے ہوش کرنا پڑا۔

خیر اس کے زخم جلد ہی بھر گئے تھے اس لئے اسے اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا۔

مقبول احمد اسے دارالحکومت کے اس اسپتال سے اپنے شہر اپنے گھر لے گئے۔ ہنس مکھ اسد مرجھا گیا تھا۔ شیو بڑھ چکی تھی۔ کئی روز سے ایک ہی لباس میں ملبوس کمرے میں پڑا تھا۔ اسی کمرے میں تو ریشم نے اس کے ساتھ کئی شب و روز گزارے تھے۔ کمرے کے در و دیوار میں تو جیسے ریشم کے وجود کی مہک رچ بس چکی تھی۔ مقبول صاحب اور جمیل اسے سمجھانے بجھانے میں ناکام ہو چکے تھے۔ اس روز لیٹے لیٹے جب ریشم کی یاد نے بہت ستایا تو وہ عالم دیوانگی میں اٹھا میز کی دراز سے اپنا پسٹل نکالا۔ لاک پن ہٹائی۔ نال کنپٹی سے نکال کر ٹریگر پر انگلی رکھ دی اور بڑبڑایا۔ ''سب کہتے ہیں تم مرچکی ہو۔ واپس لوٹ کر نہیں آؤ گی۔ اگر یہ سچ ہے تو میں بھی تمہارے پاس آرہا ہوں۔''

ابھی وہ ٹریگر دبانے ہی والا تھا کہ قریب ہی کہیں سے ریشم کی آواز ابھری۔

''پاگل ہوگئے ہو کیا یہ کیا کررہے ہو؟ میں یہیں ہوں۔ تمہارے پاس تمہارے قریب۔'' اس نے آواز کی سمت دیکھا۔ ریشم سرخ جوڑے میں ملبوس اس کے سامنے کھڑی شوخ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پسٹل ایک طرف پھینکا اور فرط مسرت سے چلایا۔ ''تم آ گئی ریشم۔'' پھر وہ آگے بڑھا اور اسے بانہوں میں بھر لیا۔

''جاؤ میں تم سے نہیں بولتی میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ میں تمہیں وہیں ملوں گی جہاں ہم بچھڑے تھے۔ پھر تم کیوں نہیں آئے۔'' ریشم نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

''پھر سب لوگ کیوں کہہ رہے ہیں کہ تم مرچکی ہو۔'' اسد نے پوچھا تو اس کا چہرہ مرجھا گیا۔

''ہاں مجھے گولیاں لگی تھیں۔ مرچکی تھی مگر تمہارے پیار کی خاطر میری اس دنیا میں واپسی ہوئی ہے۔ میں لوٹ آئی ہوں۔'' اس نے اسد کی نگاہوں میں جھانکا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ کمرے کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی اور ساتھ ہی مقبول احمد اور جمیل کی آواز سنائی دی۔

''اسد کون ہے۔ کس سے باتیں کررہے ہو۔''

ریشم اس سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑی ہوگئی تھی جب کہ اسد ہنستا ہوا دروازے سے کی طرف بڑھا۔

''انکل ریشم ہے کمرے میں۔'' کہتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ ''کہاں ہے ریشم؟'' دونوں کے چہروں پر حیرت کے تاثرات نمایاں تھے۔ اسد مڑا اور اس طرف دیکھا جہاں ریشم کھڑی تھی۔ مگر اب وہاں وہ موجود نہ تھی۔ ''ابھی تو یہیں تھی۔ میرے قریب میں، میں اس سے باتیں کررہا تھا۔'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

''لگتا ہے تم نے ضرور پھر کوئی خواب دیکھا ہے۔'' مقبول احمد نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ اسد کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اسی لمحے جمیل کی نظر فرش پر پڑے پسٹل پر پڑی۔ جسے اس نے جھک کر اٹھا لیا۔ ''کہیں تم خودکشی کی کوشش تو نہیں کررہے تھے۔'' جمیل نے درست اندازہ لگاتے ہوئے کہا اور پسٹل اپنی بیلٹ میں اڑس لیا۔

''ڈیڈی اسد کی ذہنی حالت درست نہیں۔ اس حالت میں پسٹل کا اس کے پاس رہنا خطرناک ہوسکتا ہے۔'' اس کی بات درست تھی خود مقبول احمد بھی سمجھ چکے تھے کہ ریشم کی موت نے اسد کو ایب نارمل کردیا ہے اس کا

ذہن اس سچائی کو ماننے کو تیار نہیں کہ ریشم مر چکی ہے۔ انہوں نے اسے سمجھا بجھا کر بیڈ پر لٹایا اور سونے کی تاکید کر کے جمیل سمیت کمرے سے نکل گئے۔ اگلے روز جب مقبول صاحب اسپتال اور جمیل ڈیوٹی پر پولیس اسٹیشن گیا تو وہ دیوانہ وار ریشم کی تلاش میں گھر سے نکل چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

نرگس نے فراری نتھیا گلی کے پرفضا مقام پر روکی اور نیچے اتر کر ارد گرد کے حسین نظاروں کا جائزہ لینے لگی۔ ''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اچانک ہی ایک خوبصورت نسوانی آواز قریب سے سنائی دی۔ یہ اسی کی ہم عمر انتہائی حسین خوب صورت لڑکی تھی۔ نرگس اس کی طرف دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرائی۔ ''یہاں کے خوبصورت قدرتی نظاروں کو دیکھ رہی ہوں۔ یوں سمجھ لو کہ یہ کھلی فضا زندگی میں پہلی بار نصیب ہوئی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ لڑکی چونکی۔ ''چھوڑو ان باتوں کو تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''میں قریب کی بستی میں رہتی ہوں۔ ویسے تم مجھے بلی کہہ سکتی ہو۔''

''کیا مطلب۔'' اس بار چونکنے کی باری نرگس کی تھی۔ ''دراصل وہ مجھے پیار سے بلی کہتے ہیں۔'' لڑکی نے شرماتے ہوئے کہا۔ ''اوہ تو یہ بات ہے۔'' نرگس سے معنی خیز انداز میں ہمکاری بھری۔

''اور تم یہاں کیا کر رہی تھی؟'' بلی نے پوچھا۔

''میرا نام نرگس ہے پاپا بزنس کے سلسلے میں پچھلے کئی برسوں سے ملک سے باہر ہیں۔ سال میں ایک آدھ دفع ہی چند روز کے لئے ہم سے ملنے آتے ہیں۔ میں دارالحکومت میں اپنی مما کے ساتھ رہتی ہوں نہ کوئی دوست نہ کوئی سہیلی۔'' وہ اداس لہجے میں بولی۔

''تو مجھ سے دوستی کرلو۔'' بلی نے معصومیت سے کہا تو نرگس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔ کچھ ہی دیر میں دونوں بچپن کی بے تکلف سہیلیوں کی طرح گپ شپ کر رہی تھیں۔

''چلو آنکھ مچولی کھیلیں۔'' باتوں ہی باتوں میں بلی بولی تو نرگس تیار ہوگئی بلی کے کہنے پر اس نے اپنا دوپٹہ اپنی آنکھوں پر باندھا۔ ''میں چھپتی ہوں تم مجھے ڈھونڈو۔'' بلی نے شوخ لہجے میں کہا اور ایک درخت کی آڑ میں جا چھپی۔ ''کہاں ہو تم بلی؟'' نرگس دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''میں یہاں ہوں۔'' بلی کی آواز دوسری سمت سے سنائی دی۔ تو وہ آواز کی سمت بڑھنے لگی۔ قدرے فاصلے پر جا کر اس نے ایک بار پھر بلی کو پکارا۔ ''کہاں ہو تم؟''

''یہیں تمہارے قریب کچھ فاصلے پر۔'' بلی کی آواز قریب سے ابھری۔ تو وہ بے اختیار تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی آگے بڑھی۔

''قریب ہی کہیں کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اسی پل وہ کسی سے ٹکرائی اور اسے لئے ہوئے اس سمیت نیچے جا گری۔

وہ اسد تھا جو ریشم کو ڈھونڈتا ہوا اس طرف آنکلا تھا کہ نرگس اس سے ٹکرا گئی۔ وہ خود بھی بے دھیانی میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نرگس سمیت گر پڑا۔ وہ نرگس کے پرحرارت جسم تلے دبا ہوا تھا۔ اس کے پرحرارت جسم کے لمس نے جیسے جسم میں چیونٹیاں سی دوڑا دی تھیں۔ ادھر گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی نرگس نے آنکھوں کے گرد بندھا دوپٹہ کھولا دونوں کی نظریں ملیں تو گویا پلٹنا بھول گئیں۔

نرگس کا دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔ ماحول پر عجیب سا سکوت چھا چکا تھا۔ اس سکوت کو اسد کی گھبرائی ہوئی آواز نے توڑا۔ ''پلیز اوپر سے اٹھیں۔'' اسد کی آواز سے گویا وہ ہوش و حواس میں لوٹ آئی۔ اور شرما کر اوپر سے اٹھی۔ ''سوری۔'' اسد کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ ''دراصل میں ریشم کو ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا تھا۔ اسے ڈھونڈ ہی رہا تھا کہ بے خیالی میں تم سے ٹکرا گیا۔''

''ریشم کون؟'' نرگس نے پوچھا۔

''میرے دل کی دھڑکن میری محبت میری بیوی

ریشم جو کچھ روز پہلے یہیں مجھ سے بچھڑی تھی۔'' اسد نے معصومیت سے بتایا یہ جان کر اسد شادی شدہ ہے نہ جانے اسے کیوں دل میں عجیب سی چبھن کا احساس ہوا۔ پہلی ہی نظر میں دل نے مانگنے لگا تھا اور عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ ''مگر تم نے آنکھوں پر کیوں پٹی باندھی ہوئی تھی۔'' اسد نے پوچھا۔

''دراصل میں اپنی دوست کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی تھی یہاں ہم دونوں ہی اکیلے تھے۔ اس لئے بے خیالی میں جب اچانک آپ سامنے آئے تو آپ سے ٹکرا گئی۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بلی کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگی۔ ''ارے یہ کہاں چلی گئی۔'' بلی کو چند لمحے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ دوبارہ اسد کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''آپ بتا رہے تھے کہ اپنی بیوی کو ڈھونڈ رہے تھے وہ کیسے کھو گئی؟''

اسد گہرے دکھ اور کرب کے ساتھ اپنی اور ریشم کی داستان حیات سنانے لگا تو وہ دم بخود سی دور جدید کے اس مجنوں کی روداد بن رہی تھی۔

جو یہ جاننے کے باوجود بھی کہ اس کی بیوی مر چکی ہے اسے دیوانوں کی طرح ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

''مرنے کے بعد بھی بھلا کوئی واپس لوٹا ہے۔'' وہ تحیر زدہ لہجے میں پوچھ بیٹھی۔

''ہاں میری خاطر میری محبت کی خاطر اسے واپس لوٹنا ہی تھا۔ اسی نے تو مجھے یہاں بلایا تھا کہ میں تمہاری خاطر واپس لوٹ آئی ہوں۔'' اسد کے لہجے میں دیوانگی اور یقین تھا وہ دیوانہ ناممکن کو ممکن بنانے چلا تھا اس کے اٹل اور پر یقین لہجے پر وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ جب کہ وہ آگے بڑھ گیا اس نے سوچا۔ ''یہ اجنبی نجانے کیوں مجھے اپنا اپنا سا لگ رہا ہے۔'' یہ جاننے کے باوجود بھی کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔ ''میرا دل اسے کیوں پکار رہا ہے۔'' اسد پگڈنڈی پر چلتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا جب کہ اس کی نگاہیں بدستور اسی طرف تھیں۔

''یہ بلی تھی جو نجانے کہاں چھپی بیٹھی تھی۔ اب اچانک سامنے آ کر شرارت آمیز لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ ''تم کہاں چلی گئی تھیں۔'' نرگس نے اسے غصے سے کہا۔ تو وہ ہنس پڑی۔ یہیں اس درخت کی آڑ میں چھپی وہ رومانٹک منظر دیکھ رہی تھی۔

''جب تم اس سے ٹکرا کر اسے لئے ہوئے نیچے گری تھی اور اس کے اوپر سے اٹھنا بھول گئی تھی۔ سچ بتاؤ اس نے دل تو نہیں چرا لیا۔''

''کیا اول فول بک رہی ہو۔'' نرگس نے اسے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر بولی۔ ''یہ سچ ہے بلی کہ نجانے کیوں دل اسے بار بار پکار رہا ہے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ پاپا نے اپنے کسی دوست کے بیٹے سے میرے رشتے کی بات طے کر دی ہے۔ انہوں نے مما کو فون پر بتایا تھا کہ اس سال وطن آتے ہی میری رخصتی کر دیں گے۔'' اس بار نرگس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''مگر یہ بھی اپنی بیوی ریشم کو دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں دل اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے۔'' نرگس دھیمے لہجے میں اسے اسد کی سرگزشت سنانے لگی۔

''نرگس اگر جذبے صادق ہوں اور لگن سچی ہو تو اس دور میں بھی معجزے رونما ہو جاتے ہیں۔'' بلی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ کچھ دیر بعد بلی گھر جانے کا کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

نرگس اپنی والدہ فہمیدہ کے ساتھ دارالحکومت اپنے گھر واپس لوٹ چکی تھی۔ ایک روز وہ خاصی دیر سے اٹھی۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر تک ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھتی رہی۔ یہ پروگرام اس کا پسندیدہ تھا جسے وہ ذوق و شوق سے دیکھتی تھی مگر اس وقت اس کا دھیان بٹ رہا تھا۔ بار بار خیالات اور تصور میں اسد در آتا۔ نہ جانے کیوں وہ نہ چاہنے کے باوجود اسد کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ اس نے TV آف کیا۔ کچھ دیر کمرے میں ٹہلنے کے بعد فہمیدہ سے اجازت لے کر فراری میں گھر سے نکلی۔ کچھ فاصلے پر ایک موڑ مڑتے ہوئے اسے بلی دکھائی دی۔ جو سڑک کنارے پیدل چلی

جارہی تھی۔ ''ارے بلی کہاں جارہی ہو؟'' اس نے گاڑی بلی کے قریب روکتے ہوئے اسے بے تکلفی سے مخاطب کیا۔

بلی نے مڑ کر اسے دیکھا اور رک گئی۔ ''آؤ بیٹھو۔'' نرگس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولا۔ تو وہ خاموشی سے اس کے برابر بیٹھ گئی۔ ''تم تو تنہا گلی میں رہتی ہو یہاں دارالحکومت میں کیا کررہی ہو۔'' نرگس نے فراری آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''یہیں قریب ہی میرے انکل کا گھر ہے ان کے گھر آتی ہوں۔'' بلی نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے جواب دیا۔ نرگس نے کہا۔ ''چلو اچھا ہے اس بہانے تم سے ملاقات ہوگئی۔ میں خود اکیلی گھر پر بور ہورہی تھی۔'' نرگس

''گاڑی اس ریسٹورنٹ کے قریب روکنا یہاں کی چائے اچھی ہے۔'' بلی نے سڑک سے کچھ فاصلے پر موجود ریسٹورنٹ کی طرف اشارہ کیا تو نرگس نے فراری ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئیں۔ وہ ایک میز پر بیٹھی ہی تھیں کہ ویٹر قریب آیا اور مودبانہ لہجے میں مخاطب ہوا۔ ''جی بی بی جی۔''

''ایسا کرو ہم دونوں کے لئے دو کپ چائے اور چپس لے آؤ۔'' نرگس آرڈر دے کر بلی کی طرف دیکھنے لگی۔ ''ٹھیک ہے یا اور کچھ منگواؤں۔''

''نہیں یہی بہت ہے۔'' بلی نے جواب دیا۔ ''بلی یقین جانو تم اتنی حسین ہو کہ اگر میں لڑکا ہوتی تو پہلی ہی نظر میں تم پر مرمٹتی۔'' اس کی بات پر بلی ہنسی اور ہنستی چلی گئی، خود وہ بھی بلی کے ساتھ ہنسنے لگی۔ اسی وقت اس کی نگاہ ویٹر پر پڑی جو اب تک وہیں کھڑا نرگس کو دیدے پھاڑے دیکھا جارہا تھا۔ ''تم اب تک یہیں کھڑے ہو۔ سنا نہیں جاؤ دو کپ چائے اور چپس لے آؤ۔'' نرگس نے اسے جھاڑا۔ تو وہ الٹے قدموں پلٹا اور تیزی سے وہاں سے نکلا اور کچھ ہی دیر بعد چائے اور دیگر لوازمات میز پر رکھنے کے بعد دوسرے ٹیبل کی طرف بڑھا۔ جہاں اسے ایک نوبیاہتا جوڑا بلا رہا تھا۔

''لھاؤ ناں تمہارے لئے تو منگوائے ہیں۔'' نرگس چپس کھاتے ہوئے بولی۔

اسی وقت اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر موجود ٹیبل پر پڑی۔ جہاں اسد بیٹھا تھا۔ وہ اپنے سامنے رکھے چائے کے کپ کو دیکھتا ہوا نجانے کن خیالوں میں گم تھا۔ ''بلی وہ دیکھو اس طرف تیسرے ٹیبل پر اسد بیٹھا ہے وہی جو اس روز مجھ سے ٹکرایا تھا۔'' اور پھر بتاتے ہوئے وہ قدرے شرمائی۔ بلی نے کچھ فاصلے پر بیٹھے اسد کو دیکھا۔ ''ہاں ہے تو وہی موقع اچھا ہے۔ جاؤ مل لو۔'' بلی نے اسے اکسایا۔

خود نرگس کا دل بھی تو یہی چاہ رہا تھا کہ جب سے اسے دیکھا تھا دل پر قابو ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اٹھی اور اسد کے قریب جا پہنچی اور قدرے جھجکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''السلام علیکم اسد صاحب آپ یہاں؟''

''وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ؟'' نرگس اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھی۔ ''آپ کے لئے کچھ منگواؤں۔'' اسد نے پوچھا۔

''نہیں شکریہ دراصل میں اپنی فرینڈ کے ساتھ آئی تھی۔'' نرگس نے کہتے ہوئے اپنی میز کی طرف دیکھا تو حیرت کا جھٹکا سا لگا۔ بلی وہاں نہیں تھی اسد نے بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اس کی میز کے گرد رکھی خالی کرسیوں کی طرف دیکھا۔ ''وہاں تو کوئی نہیں ابھی تو یہیں تھی۔ شاید کسی کام سے گئی ہو۔ خیر آپ بتائیں آپ یہاں کیسے آئے۔''

''دراصل میں ریشم کے ساتھ پہلے بھی اس ریسٹورنٹ میں آچکا ہوں۔ اسے یہاں کی چائے بہت پسند تھی۔ اس کی یاد کو تازہ کرنے یہاں چلا آیا۔'' اسد نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''سوری میں نے آپ کو اداس کردیا۔'' اسد نے ایک سرد آہ بھری۔ ''اداسی تو اب اس وقت تک ہے جب تک ریشم نہیں مل جاتی۔''

''اسد صاحب اس دن جب میں نے بلی کو آپ کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا اگر جذبے صادق ہوں اور لگن سچی ہو تو اس دور میں بھی معجزے رونما

ہوجاتے ہیں۔'' اسد چونکا بلی؟

وہ ہنس کر بولی۔ ''ہاں میری فرینڈ اس نے اپنا نام یہی بتایا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ جسے پیار کرتی ہے وہ اسے پیار سے بلی کہتا ہے۔''

''کیا تم اس کا حلیہ بتاسکتی ہو۔'' اسد نے مضطرب لہجے میں پوچھا اور پھر نرگس بلی کا حلیہ بتانے لگی۔ جیسے جیسے وہ اس کا حلیہ بتاتی جارہی تھی اسد کے چہرے کا رنگ بدلتا جارہا تھا۔ اس کا دماغ جیسے زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں آچکا تھا۔ ''یہ حلیہ تو ریشم کا ہے۔ میں اسے چھیڑنے کے لئے بلی کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ کہاں ہے ریشم۔'' وہ دیوانوں کی طرح چلاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اور ساتھ ہی میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسد کے اس طرح چیخنے چلانے پر ارد گرد کی میزوں پر بیٹھے دیگر افراد ان دونوں کو غور سے دیکھنے لگے۔ ویٹر بھی اس کے چلانے پر دوڑتا ہوا ان کے قریب جا پہنچا۔ یہ وہی ویٹر تھا جسے نرگس نے چائے کا آرڈر دیا تھا۔ وہ لڑکی کہاں گئی جو اس ٹیبل پر میرے ساتھ بیٹھی تھی نرگس نے اس میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ جہاں وہ کچھ دیر پہلے بلی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ''کون سی لڑکی؟'' ویٹر نے ہونقوں کی طرح پوچھا۔ تو جھنجھلا گئی۔ ''تمہیں ہی تو میں نے چائے اور چپس کا آرڈر دیا تھا۔''

''جی بی بی جی مجھے یاد ہے۔ آپ نے دو کپ چائے کا ہی آرڈر دیا تھا۔ مگر آپ اکیلی ہی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی تھیں۔ خود سے باتیں کئے جارہی تھیں۔ اسی لئے میں حیران کھڑا آپ کو دیکھ رہا تھا پھر آپ نے مجھے ڈانٹ کر چائے لانے کو کہا۔''

''کیا؟'' نرگس کے منہ سے نکلا اور وہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ بڑبڑائی اسے ریشم عرف بلی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ریشم اسے اسد کے حوالے سے چھیڑ رہی تھی اور وہی اسے اس ریسٹورنٹ تک لے کر آئی تھی جہاں اسد موجود تھا۔ اس روز اس کی آنکھ مچولی کی فرمائش اور پھر اس کا اور اسد کا ٹکرانا یہ سب محض اتفاق تھا۔ یا اس میں ریشم کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ یہ سب کیوں کررہی تھی۔

اگر ریشم زندہ تھی تو پھر ویٹر کو کیوں نہیں دکھائی دی اور پھر بھلا مرنے کے باوجود بھی کوئی واپس لوٹا ہے۔ اور پھر یہ جاننے کے باجود کہ اسد ریشم کے پیار میں دیوانہ ہے۔ میرا دل اس کی طرف کیوں کھینچا جارہا ہے۔ اس کا ذہن اس وقت ان گنت سوچوں کی یلغار میں تھا۔ خود اسد کی ذہنی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ اسپتال کے کمرے میں اس نے ریشم کو دیکھا تھا۔ پھر دوسری بار گھر پر اس کی ریشم سے ملاقات ہوئی تھی اور پھر ریشم نے ہی اسے یہ کہہ کر نتھیا گلی کے اس مقام پر بلوایا تھا کہ وہ اس کی خاطر واپس لوٹ آئی ہے۔ جب وہ نتھیا گلی اس جگہ پہنچا تو نرگس سے اس کی حادثاتی ملاقات ہوئی۔ دوسری ملاقات بھی نرگس سے اتفاق تھی۔

مگر دونوں بار اس کا سبب ریشم ہی تھی۔ آخر ریشم چاہتی کیا تھی۔ وہ نرگس کی آنکھوں میں پیار کا پیغام پڑھ چکا تھا اور پھر نرگس نے بھی اسے قدرے جھجکتے ہوئے سب سچ سچ بتادیا تھا۔

ریشم سے ملاقات نرگس سے کی جانے والی گفتگو، آخر ریشم چاہتی کیا تھی اور تقدیر اسے بار بار کیوں ریشم کے بجائے نرگس کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے وہ جتنا سوچتا اتنا ہی الجھتا چلا جاتا۔

وہ دونوں ایک ساتھ ہی ریسٹورنٹ سے باہر نکلے۔ اپنی فراری کے قریب پہنچ کر نرگس نے آگے بڑھتے اسد کو پکارا۔ ''آپ نے کہاں جانا ہے۔ اگر مناسب سمجھیں تو میں ڈراپ کردوں۔''

''یہیں دارالحکومت کے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا ہے۔'' اسد نے ہوٹل کا نام بتایا اور نرگس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھا۔

فراری ریسٹورنٹ کے احاطے سے نکل کر سڑک پر مڑی ہی تھی کہ پسٹل کی نال اسد کی گردن کی پشت سے آ لگی۔ ''گاڑی روکے بنا خاموشی سے چلاتے رہو۔ اگر تم دونوں میں سے کسی نے ہوشیاری دکھائی تو دونوں کو گولیوں

سے چھلنی کردوں گا۔'' خاصے سفاک لہجے میں کہا گیا۔

اسد نے مڑ کر دیکھا تو کنپٹیاں سائیں سائیں کرنے لگیں۔ یہ وہی سیاہ شخص تھا۔ جس نے اس روز ریشم اور اسد پر گولیاں چلائی تھیں۔ اس وقت وہ ان پر پسٹل تانے عقبی نشست پر بیٹھا تھا۔ اسد کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر گویا آنکھوں میں اتر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ انجام سے بے پرواہ ہو کر سیاہ رو پر جھپٹ پڑتا وہ اس کا ارادہ بھانپ کر غرایا۔ ''بولا ناں کہ خاموشی سے بیٹھے رہو اور لڑکی تم گاڑی اس طرف موڑو۔'' اس نے نرگس کو ایک ذیلی سڑک پر مڑنے کا اشارہ کیا۔ یہ نسبتاً سنسان سڑک تھی۔ کچھ آگے جا کر اس نے سڑک کنارے گاڑی روکنے کو کہا اور ان دونوں کو فراری سے باہر نکلنے کو کہا؟

ان دونوں کے اترتے ہی وہ خود بھی اتر گیا۔ کچھ فاصلے پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ اس نے ان دونوں کو اس طرف جانے کو کہا اسد جانتا تھا کہ سیاہ رو ایک سفاک قاتل تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ اس پر اور ریشم پر گولیاں چلا چکا تھا۔ اب بھی شاید اس کی جان کے درپے تھا۔ قاتل شاید انہیں درختوں کے جھنڈ میں لے جا کر مارنا چاہتا تھا۔ اسے جو کچھ بھی کرنا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کے قریب پہنچنے سے پہلے کرنا تھا۔

اسد نے غیر محسوس انداز میں اپنے چلنے کی رفتار دھیمی کی، اب قاتل اس سے محض چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ پھر وہ چلتے چلتے اچانک دائیں پاؤں کی ایڑی پر گھوما اور اس کے دوسرے پاؤں کی ٹھوکر قاتل کے پسٹل والے ہاتھ پر لگی اور پسٹل اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف جا گرا۔ اگلے ہی پل اس نے زوردار گھونسہ قاتل کے جبڑے پر رسید کیا۔

قاتل چند قدم پیچھے لڑکھڑایا۔ پھر کسی وحشی سانڈ کی طرح اسد پر پل پڑا۔ وہ شین انداز میں اسد پر لاتیں گھونسے برسا رہا تھا۔ اسد کو بے شمار آہنی ضربات اپنے جسم پر سہنا پڑیں۔ اسد ایک وکیل تھا جب کہ اس کا مقابل سفاک قاتل اور اسٹریٹ فائٹر تھا۔ وہ جان چکا تھا کہ زیادہ دیر وہ قاتل کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکتا۔ خوش قسمتی سے ایک موقع پر اسد کا داؤ چل گیا اس کی اسٹریٹ کک قاتل کی ٹانگوں کے بیچ نازک مقام پر لگی۔ وہ اوغ کی آواز نکالتا ہوا رکوع کے بل جھکا۔ اسی لمحے اسد کی نگاہ ایک طرف پڑے قاتل کے پسٹل پر پڑی۔ جسے اس نے اٹھا کر قاتل پر تان لیا۔ کچھ دیر بعد قاتل کے اوسان بحال ہوئے تو وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''اب شرافت سے بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس روز ہم پر کیوں گولیاں چلائیں کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارا۔'' وہ غیض و غضب سے دھاڑا۔

''میں طوفان خان ہوں۔ کرائے کا قاتل بھی کہہ سکتے ہو۔ پہلے قاتلانہ حملے میں بچنے کے بعد تم محتاط رہتے تو شاید زندہ بچ جاتے۔ مگر تم نے اس لڑکی سے راہ و رسم پیدا کر کے اپنی موت کے پروانے پر خود ہی دستخط کر دیئے ہیں۔ اب تمہیں ہر حال میں مرنا ہے؟'' پسٹل اسد کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود وہ ذرا برابر بھی خوفزدہ نہ تھا۔

''تو تم اس طرح نہیں مانو گے ٹھیک ہے پولیس خود تم سے سچ اگلوا لے گی۔'' اسد نے دوسرے ہاتھ سے اپنے کرتے کی جیب سے موبائل فون نکالا اور پولیس ہیلپ لائن کا نمبر ڈائل کیا ہی تھا کہ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ نشانہ یقیناً اسد ہی تھا۔ مگر وہ بروقت نرگس کو لئے ہوئے ایک طرف گرا اور لڑھکتا ہوا سفاری کی آڑ میں پہنچ گیا۔

یہ ہیوی موٹر بائیک تھی۔ جس پر بیٹھے شخص نے ہیلمٹ میں اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا، بائیک والے نے بائیک لمحہ بھر کے لئے روکی اور چند مزید فائر فراری پر کئے مگر وہ آڑ میں ہونے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ جب کہ طوفان خان بائیک والے کے اشارے پر دوڑتا ہوا بائیک تک پہنچا اور اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔

اگلے ہی پل بائیک تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ دونوں کپڑے جھاڑتے ہوئے فراری کی آڑ سے نکلے۔

''کیا طوفان خان وہی شخص تھا جس نے ریشم پر

گولیاں چلائی تھیں۔'' نرگس نے پوچھا۔ تو اسد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں نہیں جانتا یہ کون ہے اور کس کے کہنے پر اس نے گولیاں چلائی تھیں۔ مگر اب تو یہ صاف ظاہر ہو چکا ہے کہ طوفان خان اکیلا نہیں ضرور ان کا کوئی گروپ ہے۔ مگر کیوں یہ میری جان کے دشمن ہیں اور پھر تمہارے ساتھ چلنے سے انہیں کیا تکلیف ہوتی ہے میں یہ بھی نہیں جانتا۔'' اس دوران اسد پولیس کو اطلاع دے چکا تھا۔

پولیس والوں نے جائے وقوع پر آ کر معائنہ کیا اور تفتیش کے بعد رخصت ہو گئے۔ فراری کی باڈی میں چند گولیاں بھی لگی تھیں اس کے باوجود وہ با آسانی اسٹارٹ ہو گئی۔ نرگس نے اسد کو ہوٹل تک ڈراپ کیا۔ دونوں میں فون نمبرز کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ اسد کا خیال تھا کہ ریشم پھر نرگس سے ملے گی۔ اس صورت میں نرگس اسے کال کر کے اطلاع دیتی۔

اسی روز اسد کے موبائل فون پر مقبول احمد کی کال آئی۔ ''اسد تم کہاں ہو؟ اور یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔''

ابھی کچھ دیر پہلے ایک نجی ٹی وی چینل پر خبر چلی تھی کہ تم پر اور کسی نرگس نامی لڑکی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔'' وہ تشویش زدہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

اسد نے انہیں تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے نرگس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''انکل سمجھ نہیں آ رہا۔ نامعلوم حملہ آور کون ہیں اور میری جان کیوں لینا چاہتے ہیں اور پھر ریشم کا نرگس سے کیا تعلق ہے۔ تقدیر کیوں نرگس کو بار بار میرے سامنے لا رہی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ریشم میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ مگر مجھے یہ بھی اعتراض ہے کہ نہ چاہنے کے باوجود میں نرگس میں عجیب سی کشش محسوس کر رہا ہوں۔ میرا دل اس کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ یہی کیفیت خود نرگس کی بھی ہے بلکہ اس نے تو صاف لفظوں میں اظہار محبت کر دیا۔ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میں ریشم کو چاہتا ہوں۔''

دوسری طرف سے مقبول صاحب نے ہیجانی لہجے میں کہا۔

''کیا تم مجھے نرگس کی تصویر بھجوا سکتے ہو؟ اور ہاں تم پہلی فرصت میں مجھ سے ضرور ملو۔''

''جی اچھا۔'' کہہ کر اسد نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اگلے روز اسد نے نرگس کو اسی ریسٹورنٹ میں بلوایا۔ اسے مقبول احمد کے بارے میں بتانے کے بعد مقبول احمد کی فرمائش سے آگاہ کیا۔ نرگس نے اپنے نمبر سے اپنی تصویر مقبول احمد کے موبائل نمبر پر سینڈ کر دی۔

ابھی وہ چائے پی ہی رہے تھے کہ اسد کے موبائل فون پر مقبول احمد کی کال آئی۔ ''اسد بیٹا آج ضرور مجھ سے ملو۔'' انہوں نے ایک بار پھر اسے ملنے کی تاکید کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔ ان کے لہجے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کوئی خاص بات اسد سے کرنا چاہتے ہیں۔

اسی روز وہ شام کی فلائٹ سے کراچی جا پہنچا۔ رات نو بجے کے قریب وہ گھر پہنچا تو مقبول احمد اس کے منتظر تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا اسی دوران جمیل بھی ڈیوٹی سے آ گیا۔ وردی تبدیل کر کے وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا۔

کھانے کے دوران میں اس نے قاتلانہ حملے کے بارے میں اسد سے پوچھا اسے بھی اسد نے وہی کچھ بتایا جو وہ مقبول احمد کو بتا چکا تھا۔ پھر وہ مقبول احمد کے کہنے پر اس کے بیڈ روم میں چلے گئے۔ اسد میں جو بات کہہ رہا ہوں۔ اسے غور سے سننا مقبول احمد کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔

''جس روز تم اور ریشم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس روز اتفاق سے میں بھی دارالحکومت میں ہی تھا۔ تم دونوں کو جس اسپتال میں پہنچایا گیا۔ اطلاع ملتے ہی میں بھی فوراً وہاں جا پہنچا۔ تم دونوں کو آپریشن تھیٹر لے جایا جا چکا تھا۔ ڈاکٹر بتا چکے تھے کہ ریشم کے بچنے کے چانس بہت کم ہیں ریشم کے والد ظاہر شاہ بھی افسردہ حالت میں وہاں موجود تھے۔

اسی روز مجھے معلوم ہوا کہ ظاہر شاہ اچھے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم انسان بھی ہیں۔ اس نے مجھ

دلچسپ کہانیوں کا رسالہ

ماہنامہ

بچوں کا میگزین

کراچی

جولائی کا شمارہ شائع ہوگیا ہے

جس میں جن، بھوت، چڑیل، بادشاہوں،
شہزادیوں کے علاوہ دلچسپ معلومات عامہ،
پہیلیاں، لطیفے، اقوال زریں اور مزیدار کہانیاں شامل ہیں۔
لہٰذا قلم اٹھائیں اور اپنی اچھی اچھی تحریریں فوراً ارسال کردیں
تاکہ آپ بھی انعامات کے حق دار بن جائیں۔

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

میں لکھنے کے لیے کوئی شرط نہیں بلکہ تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے۔

پیارے بچو! بچوں کے میگزین میں رنگین تصاویر بھی شائع کی جائیں گی تو آپ اپنی اچھی اور رنگین تصویر فوراً ارسال کردیں۔

پیارے بچو، قلم اٹھائیں اور جلد از جلد اپنی تحریریں ارسال کردیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ
نیو اردو بازار کراچی
فون نمبر: 021-32744391

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

سے تنہائی میں ملنے کے لئے کہا تو مجھے حیرت ہوئی خیر میں اسے اسٹاف روم میں لے گیا۔ جہاں اس وقت ہم دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی نہیں تھا۔

وہ کہنے لگا۔ ''مقبول صاحب آپ جانتے ہی ہیں۔ ریشم میری کل کائنات ہے۔ ڈاکٹرز نے مجھے صاف صاف بتادیا ہے کہ ریشم کے بچنے کے کوئی چانس نہیں۔ اولاد کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اسے ایک باپ ہی سمجھ سکتا ہے۔'' ظاہر شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گلوگیر لہجے میں کہنے لگا۔ ''ایک جاننے والے کے توسط سے مجھے پتہ چلا ہے کہ دارالحکومت کی رہائشی ریشم کی ہم عمر ایک بچی کے دل کے تین چوتھائی حصے نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس کا واحد علاج تبدیلی قلب کا آپریشن ہے۔ اگر خدانخواستہ ریشم کی سانسوں کی ڈور ٹوٹ جاتی ہے تو آپ اس کا دل عطیہ کردیں۔ میں ریشم کے والد کی حیثیت سے اجازت دیتا ہوں۔ اب ظاہر ہے اسد بھی اس کنڈیشن میں نہیں کہ اس سے بات کی جائے۔''

مجھے اس کے خیالات جان کر رشک آنے لگا۔ بلاشبہ وہ ایک عظیم انسان تھا۔ اسی دوران ریشم دم توڑ گئی۔ تو ظاہر شاہ کی خواہش کے مطابق ریشم کا دل نرگس نامی لڑکی کو عطیہ کردیا گیا۔ جب تمہیں ہوش آیا تو تمہاری ذہنی حالت نارمل نہیں تھی۔

تم ریشم کے زندہ ہونے پر مصر تھے۔ تمہارا کہنا تھا کہ تم اس سے مل چکے ہو حالانکہ ریشم مرچکی تھی۔ اس لئے تمہاری ذہنی حالت کی وجہ سے تمہیں اصل بات نہیں بتائی گئی کہ کہیں تم بالکل ہی ہوش وحواس کھو کر اپنے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچادو یا بالکل ہی پاگل نہ ہوجاؤ۔ پھر تم اس روز بنا کسی کو بتائے گھر سے نکل گئے اسی دوران تم پر قاتلانہ حملے میں نرگس نامی لڑکی کا ذکر ہوا تو میں چونک پڑا، پھر تمہیں کال کی تو تم نے بتایا کہ کس طرح تمہاری نرگس سے ملاقات ہوئی اور تم پر کیا گزری۔

نرگس کی تصویر دیکھنے کے بعد میں اپنے کولیگ ہارٹ سرجن توفیق سے ملا وہ اس ٹیم کا حصہ تھا۔ جس نے تبدیلی قلب کا آپریشن کیا تھا۔ اس نے تصدیق کردی کہ یہ وہی نرگس ہے۔ جسے ریشم کا دل عطیہ کیا گیا ہے۔ میں نے اندازہ لگالیا ہے چونکہ نرگس کے سینے میں ریشم کا دل دھڑک رہا ہے۔ وہی دل جس میں صرف اور صرف تمہاری محبت ہے۔ اسی لئے نرگس تمہیں چاہنے لگی ہے۔ اور خود ریشم کی روح بھی یہی چاہتی ہے۔ اسی لئے وہ نرگس سے ملی اور اس کی وجہ سے تمہاری نرگس سے ملاقات ہوئی۔ میری مانو تو بہتر یہی ہے کہ تم نرگس کو اپنالو۔ کیوں کہ اس کے دل میں صرف تمہاری چاہت ہے۔ تم میرے بیٹے ہی ہو۔ جمیل کی بھی شادی کرنی ہے اس نے بھی کسی لڑکی کو پسند کیا ہے۔ مجھے اس کے رشتے کی بات کرنے جانا ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کون لوگ ہیں، میں مل کر فیصلہ کروں گا مگر میرا ارادہ پہلے تمہاری شادی کرنے کا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ میں نرگس کے گھر والوں سے ملوں۔''

''ریشم کی قبر کہاں ہے؟'' اسد نے ان کی بات سننے کے بعد بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، ریشم کی موت کا یقین ہوجانے کے بعد وہ صدمے کی کیفیت میں تھا۔ مقبول احمد نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ''اسے وہیں دارالحکومت کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔''

اسد کی اداسی کے پیش نظر مقبول احمد نے فی الحال نرگس کے موضوع پر اس سے دوبارہ گفتگو نہ کی۔

اگلی صبح اسد نے دوبارہ دارالحکومت جانے کا ارادہ کیا۔ وہ ریشم کی قبر پر جانا چاہتا تھا۔ جمیل اور مقبول احمد نے اسے گلے لگا کر رخصت کیا۔

☆.....☆.....☆

شام کے وقت نرگس اور اس کی والدہ فہمیدہ لان میں بیٹھے چائے پی رہی تھیں کہ نرگس کے موبائل فون کی بیل بجی۔ اسکرین پر مقبول احمد کا نمبر تھا جس نمبر پر اس نے اسد کے کہنے پر اپنی تصویر سینڈ کی تھی۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''السلام علیکم بیٹا آپ نرگس بات کررہی ہیں۔'' دوسری طرف سے بھاری بھرکم لہجے میں کہا گیا۔

''وعلیکم السلام آپ انکل مقبول احمد ہیں ناں۔''

''جی میں اسد کا انکل مقبول احمد ہوں اور آج ہی دارالحکومت آیا ہوں۔ آپ سے اور آپ کے پیرنٹس سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ اپنا ایڈریس بتائیں گی۔'' نرگس نے فہمیدہ سے اجازت لینے کے بعد اپنا ایڈریس بتایا۔ ایک گھنٹے بعد وہ ان کے گھر کی ڈور بیل بجا رہے تھے۔ ملازم مقبول احمد کو اندر لے آیا۔ فہمیدہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں لے جانا چاہا۔

مگر انہوں نے لان میں بیٹھنے کا اصرار کیا ملازم کے چائے اور دیگر لوازمات لانے تک وہ سوچ رہے تھے کہ بات کیسے شروع کریں۔ ان کی مشکل خود فہمیدہ نے آسان کردی۔ ''کہیے بھائی صاحب کیسے آنا ہوا۔''

''نرگس بیٹی سے تو میرا تعارف ہو ہی چکا ہے۔ آپ سے بھی اپنا تعارف کروادوں۔ ویسے تو نرگس آپ کو میرے بارے میں بتا چکی ہوگی۔ میں اسد کا انکل مقبول احمد ہارٹ سرجن ہوں۔ نرگس کے سینے میں ریشم کا دل دھڑک رہا ہے۔ وہی ریشم جو اسد کی بیوی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو ٹوٹ کر چاہتا تھا۔'' مقبول احمد تفصیل سے فہمیدہ کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگے۔

پھر بولے۔ ''ریشم کی موت سے اسد ٹوٹ کر بکھر چکا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو نرگس اور اسد.....'' مقبول احمد نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور جواب طلب نگاہوں سے فہمیدہ کی طرف دیکھنے لگے۔

فہمیدہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر قدرے توقف سے کہنے لگیں۔ ''میں نرگس سے بھی اسد کے بارے میں سن چکی ہوں اور اندازہ ہے کہ یہ بھی اسد کو پسند کرنے لگی ہے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے نرگس کے پاپا نے فون کرکے بتایا تھا کہ انہوں نے اپنے کسی دوست کے بیٹے سے نرگس کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ ان کا بزنس پارٹنر بھی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں خود بھی بیٹی کی خوشی چاہتی ہوں۔ مگر حتمی فیصلہ تو نرگس کے پاپا ہی کریں گے اس لئے آپ کو ان کے وطن آنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ویسے وہ اسی مہینے وطن لوٹ رہے ہیں۔''

مقبول احمد جلد رخصت ہونا چاہتے تھے مگر فہمیدہ نے انہیں رات کے کھانے پر روک لیا۔ ڈرائنگ روم میں کھانا کھاتے ہوئے مقبول احمد کی نگاہ دائیں سمت کی دیوار پر آویزاں ایک فریم شدہ تصویر پر پڑی تو وہ ششدر رہ گئے۔ ان کی نگاہوں کے تعاقب میں فہمیدہ نے بھی تصویر کی طرف دیکھا۔ ''یہ نرگس کے پاپا اور میری شادی کی تصویر ہے۔'' وہ مسکرائیں۔

کھانے کے بعد مقبول احمد وہاں سے عجلت کے ساتھ نکلے وہ جس کیب میں نرگس کے گھر آئے تھے اسی کیب میں ایئرپورٹ پہنچے۔ خوش قسمتی سے اگلی فلائٹ گھنٹے بعد تھی۔ جس کا ٹکٹ با آسانی مل گیا۔ کراچی ایئرپورٹ پہنچ کر انہوں نے اسد کا نمبر ڈائل کیا۔ کئی بار ڈائل کرنے کے باوجود جب اسد نے کال ریسیو نہ کی پھر انہوں نے جمیل کا نمبر ٹرائی کیا۔ اس کا نمبر بزی جارہا تھا۔ انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اب ان کا ارادہ ظاہر شاہ کی طرف جانے کا تھا۔

بات اتنی اہم تھی کہ وہ صبح تک کا انتظار نہیں کرسکتے تھے اور پھر وہ ظاہر شاہ کے معمولات سے باخبر تھے کہ ظاہر شاہ رات دیر سے سونے کا عادی ہے۔ کیب کے ذریعے وہ ظاہر شاہ کے گھر پہنچے۔ ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود ظاہر شاہ کو اطلاع دینے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ظاہر شاہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور پرتپاک انداز میں ان سے ہاتھ ملا کر خوش گوار لہجے میں مخاطب ہوا۔ ''طبیعت کیسی ہے مقبول صاحب خیریت تو ہے آج آپ خلاف توقع رات کے اس پہر تشریف لائے۔''

مقبول احمد نے ظاہر شاہ کو استہزائیہ نگاہوں سے گھورا۔ ''میری طبیعت تو ٹھیک ہے مگر لگتا ہے تمہاری طبیعت کے ساتھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔''

''کیا مطلب؟'' ظاہر شاہ نے استعجاب انگیز حیرت سے پوچھا۔

''ظاہر شاہ اس روز جب تم نے ریشم کا دل کسی لڑکی کو عطیہ کرنے کو کہا تو مجھے تم پر رشک آنے لگا۔ میں

تمہیں عظیم انسان سمجھنے لگا تھا کہ تم کتنے بلند کردار کے مالک ہو۔ مگر حقیقت جان کر افسوس ہونے کے ساتھ ساتھ شک بھی ہونے لگا ہے کہ تم ریشم کے قاتل ہو۔ ظاہر شاہ میں اسد کا رشتہ لے کر نرگس کے گھر گیا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ نرگس تمہاری ہی بیٹی ہے۔ تم نے ان لوگوں سے کہہ رکھا ہے کہ تم بزنس کے سلسلے میں ملک سے باہر ہو کیوں؟ تم نے کیوں نرگس سے اپنا رشتہ چھپایا۔ سچ کیا ہے مجھے بتاؤ۔ ورنہ مجھے پولیس کے پاس جانا پڑے گا۔ پولیس کو صرف اشارہ دینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت وہ خود جان لیں گے۔ مجھے تو تم پر شک ہے۔''

ظاہر شاہ نے صوفے پر پہلو بدلا اور دوستانہ انداز میں ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''مقبول احمد گڑے مردے اکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے جو ہوا سو ہوا اور پھر اب ہمارے دوستانہ تعلقات ہیں۔ میرا کروڑوں کا بزنس ہے۔ تمہیں اپنا بزنس پارٹنر بنا سکتا ہوں۔''

مقبول احمد نے اس کا ہاتھ شانے سے جھٹکا اور صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''ظاہر شاہ دولت ہی انسان کا سب کچھ نہیں ہوتی۔ مال و دولت سب یہیں رہ جاتا ہے۔ جب انسان دنیا سے جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعمال ہوتے ہیں۔'' مقبول احمد زہر آلود لہجے میں کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے کی طرف بڑھے۔

ابھی وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر چند قدم ہی چلے تھے کہ عقب میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا تو عقب میں موجود شخص پر نظر پڑتے ہی وہ جہاں کے تہاں کھڑے رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

اسد دارالحکومت پہنچنے کے ساتھ سب سے پہلے اس قبرستان گیا۔ جہاں ریشم کو سپرد خاک کیا گیا تھا۔ وہ اندھیرا پھیلنے تک وہیں اس کی قبر پر گم صم بیٹھا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ پھر وہ واپس اسی ہوٹل لوٹ گیا۔ جہاں اس نے کمرہ لے رکھا تھا۔ وہاں بھی وہ سویا نہیں جاگتا رہا اور سگریٹ پیتا رہا اور نصف شب کے قریب بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا۔

آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا۔ روم سروس کو ناشتے کا آرڈر دینے کے بعد اس نے ڈریس چینج کیا اور ایک طرف رکھا اپنا موبائل فون اٹھایا تو چونک پڑا دو تین کالز مقبول صاحب اور نرگس کی تھیں۔ اسی طرح جیل کے نمبر سے بھی کالز کی گئی تھیں۔ جو گزشتہ شام کے وقت کی تھیں۔ موبائل فون سائلنٹ پر تھا اس لئے اسے خبر نہ ہو سکی۔

ابھی وہ مقبول احمد کا نمبر ڈائل کرنے ہی والا تھا کہ اس کے موبائل فون کی بیل بجنے لگی۔ نمبر جمیل کا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ ''اسد کہاں ہو تم؟ کل سے تمہارا نمبر ٹرائی کر رہا ہوں۔ مگر تم نے کال ریسیو نہ کی۔''

''سوری یار میرا موبائل فون سائلنٹ پر تھا۔ ابھی موبائل فون اٹھایا تو معلوم ہوا۔ انکل کی بھی مس کالز تھیں۔'' اس نے شرمندہ لہجے میں معذرت کی۔

''اسد ڈیڈی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔'' جمیل نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا تو اسد کو اپنی نگاہوں کے سامنے زمین و آسمان گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔

مقبول احمد نے اسے اس وقت سہارا دیا تھا جب وہ بالکل اکیلا ہو چکا تھا۔ وہ نہ صرف اس کے چچا تھے بلکہ مہربان باپ بھی تھے۔ یہ کیسے ہوا؟ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جمیل نے دل گرفتہ لہجے میں بتایا۔ ''شہر کے ایک سنسان علاقے سے ان کی لاش ملی ہے۔ کسی نے بڑی بے رحمی سے ان کے سینے میں عین دل کے مقام پر خنجر گھونپا ہے۔''

''مگر ان کی تو کسی سے دشمنی نہیں تھی۔'' اسد نے حیرت سے کہا اور کچھ دیر کی گفتگو کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ اسی روز کی فلائٹ سے کراچی پہنچ گیا۔

آہوں اور سسکیوں میں مقبول احمد کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ تدفین کے بعد وہ چند روز سوگوار رہے۔

اسد کا تو کسی سے بات کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ان چند دنوں میں متعدد بار نرگس کی کال آئی مگر اسد نے ریسیو کی نہیں۔ ایک روز جب وہ اور جمیل گھر کے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے اسد چائے پینے کے ساتھ ساتھ اخبار کا مطالعہ بھی کررہا تھا کہ اس کے موبائل فون کی بیل بجی۔ اسکرین پر نرگس کا نمبر دیکھ کر اس نے کال ریسیو کی۔ ''السلام علیکم کہاں ہیں آپ اسد صاحب کہیں ہم سے کوئی خطا تو نہیں ہوگئی جو آپ کال ریسیو نہیں کررہے۔'' نرگس قدرے شوخ لہجے میں اس سے شکوہ کناں تھی۔

''سوری نرگس انکل کی اچانک موت سے ہم پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ کسی سنگدل انسان نے بڑی بے رحمی سے ان کے سینے میں خنجر گھونپ کر لاش ایک سنسان مقام پر پھینک دی تھی۔'' اسد نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

ادھر قریب بیٹھا جمیل نرگس کا نام سن کر مسکرایا تو اسد جھینپ گیا۔

دوسری طرف سے نرگس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اوہ ویری سیڈ مگر ہفتہ والے روز شام کے قریب انکل ہمارے گھر آئے تھے انہوں نے مما سے میرے اور تمہارے رشتے کی بات کی تھی۔'' نرگس نے قدرے جھجکتے ہوئے شرما کر کہا۔

تو وہ چونک پڑا۔ ادھر وہ کہہ رہی تھی۔ ''اچانک وہ ڈرائنگ روم میں پاپا کی تصویر دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ پھر وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ایسا لگتا ہے جیسے انکل پاپا کو جانتے تھے اسی لئے تصویر دیکھ کر چونکے تھے۔ میرے خیال میں ہوسکتا ہے وہ ان کے دوست ہوں۔''

وہ اسد کی دلی کیفیت سے بے خبر بولے جارہی تھی۔

''کیا تم مجھے اپنے پاپا کی تصویر سینڈ کرسکتی ہو۔'' اسد نے مضطرب لہجے میں پوچھا تو وہ بولی۔ ''سینڈ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں کراچی آئی ہوں۔ نہیں مل لیتے ہیں۔ ملاقات بھی ہوجائے گی اور تم پاپا کی تصویر بھی دیکھ لینا۔''

''کیا مطلب تم کراچی آئی ہوئی ہو۔'' اسد نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''دراصل میری ایک فرینڈ عاشی کی چند روز بعد شادی ہے۔ اسی کی دعوت پر مما کے ساتھ کراچی عاشی کے گھر آئی ہوں۔ نرگس نے اسے ایک پوش علاقے کا ایڈریس بتایا تھا تم وہاں مجھ سے فلاں ریسٹورنٹ میں ملو۔ تم پاپا کی تصویر بھی دیکھ لینا اور ہم مل بھی لیں گے پلیز انکار مت کرنا او کے۔'' کہتے ہوئے اس نے رابطہ منقطع کردیا۔

نرگس کیا کہہ رہی تھی۔ کہیں پھر تو تمہاری کوئی لو اسٹوری نہیں شروع ہورہی۔'' جمیل نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ تو اسد نے اسے نرگس سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ ''ہوسکتا ہے اس کے پاپا ڈیڈی کے دوست یا کوئی پرانے شناسا ہوں۔ بہرحال تم نرگس سے مل لو۔ اس میں حرج ہی کیا ہے؟'' جمیل نے اس کے ہاتھ سے اخبار لیتے ہوئے کہا اور اخبار کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اسد نے نرگس کو کال کی کہ وہ ریسٹورنٹ پہنچ رہا ہے۔ اور بائیک پر وہاں سے روانہ ہوگیا اور کچھ ہی دیر بعد اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں پہنچ گیا۔ وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ویٹر سے کافی منگوائی۔ کافی پیتے ہوئے اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف اٹھی۔ جہاں سے ایک نوجوان جوڑا اندر داخل ہورہا تھا۔

نوجوان جوڑے کے عقب میں آتے طوفان خان پر نگاہ پڑتے ہی وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ طوفان خان بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ بوکھلا کر مڑا اور تیزی سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اسد نے اس کے پیچھے دوڑ لگادی۔ ویٹر نے بل کے لئے صدا بلند کی۔ مگر اسد کو اس وقت بل دینے کا ہوش کہاں تھا۔ طوفان خان ریشم کا قاتل تھا۔ وہ اسے کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا

تھا۔ دیوانگی کے عالم میں اس نے راہ میں آنے والے ویٹر کو زوردار دھکا دیا اور ٹیبل پھلانگ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔

طوفان خان فٹ پاتھ پر بھاگ رہا تھا۔ فٹ پاتھ پر خوانچوں اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اچھی خاصی بھیڑ تھی۔

اسد خوانچوں کو الٹتا لوگوں کو دھکیلتا ہوا طوفان خان کے قریب پہنچتا جارہا تھا۔ اسے اپنے تعاقب میں آتے دیکھ کر طوفان خان نے دوڑتے ہوئے رخ بدلا اور فٹ پاتھ سے اتر کر زگ زیگ کے سے انداز میں دوڑتے ہوئے سڑک پار کر کے دوسری طرف فٹ پاتھ پر پہنچ گیا۔ اسد نے بھی اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے سڑک پار کرنے کی کوشش کی۔ اپنی اس کوشش میں وہ تین چار گاڑیوں سے ٹکرانے سے بال بال بچا۔ بعض گاڑیوں کے ڈرائیوروں نے اسے مغلظات بھی بکیں۔ مگر وہ اس سب سے بے پرواہ بھاگ کر سڑک پار کر گیا۔

ادھر طوفان خان سڑک کنارے کھڑی ایک موٹر سائیکل کی طرف لپکا۔ جس کا سوار موبائل فون پر محوِ گفتگو ہونے کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر سے گزرنے والی لڑکیوں کو بھی تاڑ رہا تھا۔ یہ نظر بازی اسے بڑی مہنگی پڑی۔

طوفان خان نے موٹر سائیکل سوار کے چہرے پر پنچ رسید کرتے ہوئے اسے ایک طرف دھکیلا اور اس کے فٹ پاتھ پر گرتے ہی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے تیز رفتاری سے ایک طرف روانہ ہوگیا۔ اسد کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل سوار بھی اپنی موٹر سائیکل کی دہائیاں دیتا ہوا سڑک پر بھاگنے لگا۔ دوڑتے ہوئے اسد کی نگاہ سڑک کنارے کھڑی پرانی سی موٹر سائیکل پر پڑی۔ اس نے چشم زدن میں انگش کی تاریں توڑ دیں اور طوفان خان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ پرانی ہونے کے باوجود موٹر سائیکل کی رفتار قابل دید تھی۔ طوفان خان مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا مضافات میں داخل ہو چکا تھا۔

اسد موت کی طرح اس کے پیچھے تھا۔ اس وقت وہ جس سڑک پر آگے پیچھے تیز رفتاری سے گاڑی دوڑا رہے تھے اس سنسان سڑک پر دور دور تک آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سڑک پر بھی اکا دکا گاڑیاں ہی رواں دواں تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے طوفان خان نے موٹر سائیکل سڑک سے کچھ میدانی علاقے میں اتار دی۔ جہاں ایک پرانے طرز تعمیر کی ایک وسیع و عریض عمارت موجود تھی۔ طوفان خان عمارت کے پھاٹک نما گیٹ سے موٹر سائیکل سمیت اندر داخل ہوا۔ اسد نے موٹر سائیکل عمارت کے باہر ہی روک دی اور اندر داخل ہوگیا۔

ایکڑ پر مشتمل اس عمارت کا احاطہ ہی کافی وسیع و عریض تھا جس میں مختلف قسم کی گاڑیوں کا کاٹھ کباڑ اور پرانی زنگ آلود گاڑیاں درجنوں کی تعداد میں موجود تھیں۔ مغرب کا وقت ہونے کے باعث اندھیرا آہستہ آہستہ پھیلتا جارہا تھا۔ اس نے طوفان خان کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں تو وہ اسے پرانے سے کھٹارا ٹرک کے بونٹ پر اطمینان سے بیٹھا دکھائی دیا۔

طوفان خان نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلائے اور چھلانگ لگا کر بونٹ سے اتر گیا۔ اسد اشتعال میں آکر اس کی طرف لپکا ہی تھا کہ طوفان خان نے اپنے لباس میں پوشیدہ پسٹل چشم زدن میں نکالا اور اس پر تان لیا۔

''اسد رک جاؤ اس کھیل میں تمہارا کردار بس یہیں تک تھا۔ تم کیا سمجھتے ہو میں تم سے ڈر کر جان بچانے کے لئے بھاگ رہا تھا۔ یہ میری پلاننگ کا حصہ تھا۔ میں تمہیں کسی سنسان جگہ گھیر کر مارنا چاہتا تھا۔ تم بے وقوفوں کی طرح میرے پیچھے دوڑے اور میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔''

اسد نے قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''مگر کیوں میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا اور تم نے ریشم کا قتل کیوں کیا۔ میں تو تمہیں جانتا تک نہیں پھر تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے۔'' اسد غصے سے چلایا۔

اسی وقت عمارت کے بیرونی حصے کی لائٹس آن ہوگئیں۔ اس کا جواب میں نہیں تمہیں وہ دیں گے، طوفان خان نے عمارت کی طرف اشارہ کیا جس کے کھلے دروازے سے کوئی چلتا ہوا ان کی طرف آرہا تھا۔ پھر وہ سامنے آیا تو اسد پر گویا حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے وہ ظاہر شاہ تھا ریشم کا باپ۔

اسد نے شاید کبھی خواب وخیال میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ ظاہر شاہ سے کبھی اس طرح کی صورتحال میں ملاقات ہوگی۔ ''آپ یہاں؟'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''ہاں میں۔'' ظاہر شاہ ہنسا۔ ''ریشم کے قتل اور مقبول احمد کے قتل کا یوں سمجھو لو میں ہی ذمہ دار ہوں۔''

''کیا؟'' کہتے ہوئے اسد کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ وہ سکتے کے سے عالم میں ظاہر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ ظاہر شاہ اس کی ذہنی کیفیت سے بے نیاز کہہ رہا تھا۔ ''اسد آج تمہاری زندگی کی یہ آخری رات ہے اس لئے سب کچھ تفصیل سے بتا رہا ہوں تاکہ تمہارے ذہن میں کوئی خلش باقی نہ رہے اگر ایسا ہوا تو تم مرنے کے بعد بھی بے چین رہو گے۔ یہ لگ بھگ بیس بائیس سال پرانی بات ہے۔

جب میں غربت سے تنگ آکر اپنی آبائی زمین فروخت کر کے اپنی ایک سالہ بیٹی نرگس اور بیوی کو تنہا چھوڑ کر حصول روزگار کے لئے ایک مغربی ملک جا پہنچا۔ میں غیر قانونی طریقے سے اس ملک میں داخل ہوا تھا۔ اس لئے قانون سے چھپنا پڑ رہا تھا۔ کبھی کام ملتا اور کبھی نہیں اور اگر کام ملتا بھی تو میری غیر قانونی حیثیت کی وجہ سے معاوضہ کم ہی ملتا، جو میرے ان خوابوں کو پورا کرنے کے لئے کافی نہ تھا جو آنکھوں میں بسائے میں نے دیار غیر کا رخ کیا تھا۔ ان ہی دنوں میری ملاقات وقار حسین سے ہوئی۔ جو میرا ہم وطن تھا۔ اس کے امیرانہ ٹھاٹ بھاٹ نے مجھے خاصا متاثر کیا۔ میری خستہ حالی دیکھ کر اس نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر کی تو میں نے فوراً حامی بھر لی۔

وہ ہیروں کا اسمگلر تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مجھ پر اعتماد کرتا گیا۔ اپنی سفاک اور ویرانہ فطرت کی بدولت محض دو سال کے قلیل عرصے میں میرا شمار گروہ کے سرکردہ افراد میں ہونے لگا۔ ان ہی دنوں وہاں کی گورنمنٹ نے اسمگلروں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا تو ہمارا گروہ بھی ان کی زد میں آگیا۔ ہم نے گرفتاری دینے کے بجائے مقابلے کو ترجیح دی۔ ہم محاصرے میں آچکے تھے۔ گروہ کے تقریباً تمام افراد مارے گئے۔ خود وقار حسین کے سینے میں گولی لگی تھی۔ اس نے آخری سانسوں میں مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اس کی بیوی اور بیٹی کا خیال رکھوں گا۔ جو اس کی اصلیت سے آگاہ نہیں۔ بیوی اور بیٹی کی نظر میں وہ بزنس مین تھا۔ اپنی خفیہ تجوریوں میں موجود دولت اور بینک اکاؤنٹس کی تفصیلات بتانے کے بعد وہ مر گیا اور میں وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

میں اس کی بیوی کنول اور پانچ سالہ بیٹی ریشم تک جا پہنچا اور تمام صورتحال کنول کے گوش گزار کر کے اپنے وطن جانے کا پروگرام بنایا۔ تجوریوں میں موجود دولت تو میرے ہاتھ آچکی تھی مگر بینک اکاؤنٹس میں موجود دولت اور پراپرٹی باقی تھے جن پر میری نظر تھی۔

کنول قانونی طور پر وقار حسین کی موت کے بعد اس سب کی وارث تھی وہ پڑھی لکھی باشعور عورت تھی۔ اس نے بینکوں میں موجود رقم اور پراپرٹی کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم اپنے نام سے وطن ٹرانسفر کردی۔ وطن پہنچ کر اس نے پوش علاقے میں ایک کوٹھی خریدی۔ میں نے چالاکی سے کنول کو محبت کے جھوٹے جال میں پھنسا کر شادی کرلی اور شادی کے اگلے سال میں اسے غیر محسوس طریقے سے سلو پوائزن دیتا رہا بالآخر وہ چل بسی۔ میں سمجھا کہ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے۔

مگر یہ میری بھول تھی۔ وہ شاطر عورت مرنے سے پہلے وصیت میں اپنی تمام پراپرٹی اور بینک اکاؤنٹس میں موجود دولت ریشم کے نام کر چکی تھی۔ جو ریشم کے بالغ ہو کر شادی کرنے کے بعد ہی ریشم کو ملنی تھی۔ جب

وکیل نے وصیت پڑھ کر سنائی تو میں غصے سے کھول اٹھا۔ وہ شاطر عورت مجھے بڑی چالاکی سے شکست دے کر دنیا سے جا چکی تھی۔ شاید زندگی کے آخری دنوں میں وہ میرے ارادوں سے باخبر ہو چکی تھی۔ مگر میں بھی ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا کروڑوں کا معاملہ تھا۔ کیسے بھول جاتا۔ اب مجھے ریشم کے بالغ ہونے کا انتظار تھا کہ اس کے جوان ہوتے ہی اس کی شادی اپنی مرضی کے کسی کاٹھ کے الو سے کروا کر اس کی دولت و جائیداد پر قبضہ کر لیتا۔

میں نے نرگس اور فہمیدہ پر یہی ظاہر کیا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر ہوں۔ میں سال دو سال بعد ان سے ملنے چلا جاتا اور پھر بہانہ کر کے چند روز بعد لوٹ جاتا۔

ریشم کو کچھ یاد نہ تھا وہ مجھے ہی اپنا باپ سمجھتی تھی یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا۔ مجھے اپنی محنت کا ثمر ملنے ہی والا تھا کہ تم بیچ میں آ گئے۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ روایتی باپ کی طرح میرا انکار بھی کام نہ آیا۔

ریشم نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور بستر سے جا لگی اس کی جان کے لالے پڑے تو مجھے مجبوراً تم دونوں کی شادی کرنا پڑی کہ ریشم کی موت کی صورت میں دولت ہاتھ سے نکل جاتی۔ تمہاری وجہ سے مجھے پلاننگ بدلنا پڑی۔'' بولتے بولتے اس کی نگاہ عمارت کے تاریک گوشے کی طرف پڑی۔ جہاں ایک سایہ متحرک تھا۔ ''کون ہے وہاں؟ سامنے آؤ۔'' ظاہر شاہ نے چلا کر کہا۔

تاریک گوشے سے نکل کر سامنے آنے والی ریشم تھی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باوجود وہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اسد سمیت وہاں موجود تینوں افراد اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ماحول پر عجیب سا سکوت طاری تھا۔ جسے ریشم کی آواز نے توڑا۔

''ظاہر شاہ ہر ظالم کو ایک دن اپنے ظلم کا حساب دینا ہے۔ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اور تم تو نہ صرف میرے بلکہ میری ماں کے بھی قاتل ہو۔''

''یہ ریشم نہیں اس کے بہروپ میں کوئی دوسری ہے۔'' ظاہر شاہ چلایا۔ اور ظاہر شاہ نے پسٹل کی نال کا رخ ریشم کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔

گولی ریشم کے وجود سے یوں گزری جیسے اس کا وجود ہی نہ ہو۔ اسی لمحے ریشم کی روح ان کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔

ظاہر شاہ کے ساتھ ساتھ طوفان خان بھی حواس باختہ ہو چکا تھا۔ اس کا پسٹل والا ہاتھ لرزنے لگا۔

طوفان خان کی خود پر سے توجہ ہٹنے کے موقع کا اسد نے فائدہ اٹھاتے ہوئے طوفان خان پر چھلانگ لگائی اور اسے اپنے نیچے لیے ہوئے اس طرح گرایا کہ اس کے پسٹل والے ہاتھ پر اسد کی گرفت تھی۔ دونوں میں پسٹل کو اپنے قبضے میں کرنے کی کشمکش جاری تھی۔ اسد کی کوشش تھی کہ پسٹل اس سے چھین کر اپنے قبضے میں کر لے۔

تو دوسری طرف طوفان خان چاہتا تھا کہ پسٹل کی نال کا رخ اسد کی طرف کر کے ٹریگر دبا دے۔ اسی کوشش کے دوران اسد نے زوردار ٹکر طوفان خان کے چہرے پر رسید کی۔ یہ ٹکر اتنی زوردار تھی کہ طوفان خان کے سامنے کے دانت تک ٹوٹ گئے اور پسٹل پر اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہو گئی تو اسد نے پسٹل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

اسی لمحے طوفان خان نے اس کے دونوں ہاتھوں کی کلائیوں کو تھامتے ہوئے اس کے گلے میں ٹانگوں کی قینچی ڈال کر جھٹکا دیا تو اسد اڑتا ہوا سا اس سے کچھ فاصلے پر گرا۔ پسٹل اس کے ہاتھ سے بھی نکل کر ایک طرف جا گرا۔

اسد کے اٹھتے ہی لہولہان چہرے کے ساتھ طوفان خان بھی اٹھ چکا تھا۔ دونوں ہی پسٹل کو بھول کر وحشی جانوروں کی طرح ایک دوسرے پر پل پڑے۔ دونوں ہی زبردست تھے۔ طوفان خان اسے موت سے ہمکنار کرنا چاہتا تھا تو اسد بھی ریشم کے

قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانے کی وجہ سے جذبہ انتقام کے جنون میں مبتلا تھا۔

دونوں مشینی انداز میں ایک دوسرے پر لاتیں گھونسے برسا رہے تھے۔ایک موقع پر جب طوفان خان نے ایک پاؤں کی ایڑی پر گھوم کر کک چلائی تو اسد نے برق رفتاری سے بلاک کرتے ہوئے اس کا پاؤں ایڑی کے قریب سے تھام لیا اور دوسرے ہاتھ کی کہنی کا زوردار وار طوفان خان کے گھٹنے کے جوڑ پر کیا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ طوفان خان دلدوز اندوز میں چیخ کر پشت کے بل گرا۔تو اسد نے اس کے سینے پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبانا شروع کردیا۔

ادھر ظاہر شاہ جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے خونریز لڑائی دیکھ رہا تھا۔طوفان خان کو مشکل میں دیکھ کر ہوش میں آیا اور اس کی مدد کے لئے لپکا۔

اسی وقت اس کی نگاہ ایک طرف پڑے پسٹل پر پڑی اس نے پسٹل اٹھایا اور طوفان خان پر بیٹھے اسد پر تان لیا۔طوفان خان آہنی اعصاب کا مالک جرائم پیشہ شخص تھا۔ایک ٹانگ سے محروم ہوجانے کے باعث سخت تکلیف میں تھا، جب اسد اس کا گلا دبا رہا تھا۔اس نے اسد کی دونوں کلائیوں پر اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی اور مخصوص انداز سے موڑا تو اسد اس کے اوپر سے الٹ کر اس کے قریب گرا۔

طوفان خان پہلو بدل بدل کر اس پر سوار ہوگیا۔ یہ وہی وقت تھا جب ظاہر شاہ ٹریگر دبا رہا تھا۔اس کے پسٹل سے نکلنے والی گولی طوفان خان کی پشت میں لگی وہ کربناک انداز میں چیختا ہوا ایک طرف گر کر تڑپنے لگا۔ اپنے ساتھی کو خود اپنے ہاتھوں مرتا دیکھ کر ظاہر شاہ بوکھلا گیا اس کی بوکھلاہٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسد نے اٹھ کر اس پر جست لگائی ایک ہاتھ پسٹل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ کا زوردار گھونسہ ظاہر شاہ کے جبڑے پر رسید کیا تو وہ پیچھے کی طرف لڑکھڑایا اور پسٹل اسد کے قبضے میں آ گیا۔

طوفان خان کا تڑپتا جسم ساکت ہوچکا تھا۔ طوفان خان کی موت اور پسٹل کی نال کا رخ اپنی طرف دیکھ کر ظاہر شاہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا۔

''ظاہر شاہ تم نہ صرف ریشم بلکہ مقبول انکل کے بھی قاتل ہو۔مگر میں تمہارے گندے خون سے ہاتھ نہیں رنگوں گا۔ بلکہ تمہیں قانون کے حوالے کروں گا۔ تاکہ سب تمہارا گھناؤنا چہرہ دیکھ لیں مجھے یقین ہے خود تمہاری بیوی اور بیٹی بھی تمہاری اصلیت جان کر تم سے نفرت کرنے لگیں گی۔'' اس پر پسٹل تانتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور پولیس ہیلپ لائن کا نمبر ڈائل کرنے ہی والا تھا کہ بھانک نما دروازے سے جمیل کی آواز گونجی۔

''ٹھہرو اسد یہ ریشم کے ساتھ ساتھ ڈیڈی کا بھی قاتل ہے، اسے سزا قانون نہیں بلکہ میں خود دوں گا۔''

جمیل اس وقت سادہ لباس کے بجائے وردی میں ملبوس تھا۔ وہ چلتا ہوا اسد کے قریب آیا اور پسٹل اس سے لے لیا اور چند قدم پیچھے ہٹ کر ظاہر شاہ پر تان لیا۔

''یہ سب کیا ہے جمیل کیا کر رہے ہو؟'' ظاہر شاہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔جمیل ہذیانی انداز میں ہنسا۔

''اپنے راستے کا کانٹا ہٹا رہا ہوں۔'' کہتا ہوا مڑا اور پسٹل اسد پر تان لیا۔''یہ سب کیا ہے جمیل۔'' اسد نے استعجاب انگیز حیرت سے پوچھا۔''یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' ظاہر شاہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بساط کا رخ اپنے حق میں پلٹتا دیکھ کر اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔

''ریشم کی تم سے غیر متوقع شادی کے بعد میں سوچنے لگا کہ اس صورتحال میں کیا کروں۔ان ہی دنوں میری ملاقات انسپکٹر جمیل سے ہوئی۔ یہ میرے مطلب کا آدمی تھا۔ میری ہی طرح شارٹ کٹ سے دولت مند بننا چاہتا تھا۔ غیر قانونی معاملات میں انسپکٹر جمیل کا تعاون مجھے قانون کی گردن سے بچاتا کہ وطن لوٹ کر آنے کے بعد سے میں غیر قانونی ہتھیاروں کا کاروبار کر رہا تھا۔

اس وقت ہم جس جگہ موجود ہیں یہ بظاہر تو پرانی گاڑیوں کا گودام ہے مگر اس عمارت کے تہہ خانے میں اسلحہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

انسپکٹر جمیل سے مل کر میں نے تمہیں قتل کرنے کی پلاننگ کی تاکہ تمہاری موت کے کچھ عرصہ بعد ریشم اور جمیل کی شادی کردی جائے۔ یوں ریشم کی دولت و جائیداد ہمارے قبضے میں ہوتی جسے ہم برابر تقسیم کرلیتے۔ مگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ طوفان خان نے گولی تم پر چلائی اور ریشم سامنے آگئی۔ پھر تم پر بھی طوفان خان نے گولی چلائی۔ اور وہاں سے فرار ہوگیا۔ اس کی سب سے بڑی غلطی تمہاری موت کی تصدیق نہ کرنا تھی خیر تم بچ گئے اور ریشم ماری گئی۔

میں اپنے مقصد میں ناکام ہوچکا تھا۔ اب ریشم کی دولت جائیداد پر قابض ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ خود جمیل بھی مایوس تھا۔ تب میں نے نرگس کو بچانے کا سوچا۔ اس کے دل کا تین چوتھائی حصہ کام کرنا چھوڑ چکا تھا۔ اس کی جان بچانے کا واحد حل تبدیلی قلب کا آپریشن تھا۔ میں نے اس سلسلے میں جمیل سے بھی بات کی اور وعدہ کیا کہ نرگس کے صحت یاب ہوتے ہی نہ صرف جمیل سے اس کی شادی کروں گا بلکہ اسے اپنا بزنس پارٹنر بھی بنادوں گا۔ ویسے بھی ریشم کی دولت ہاتھ سے نکلنے کے باوجود میں کروڑوں کا مالک تھا۔

اسپتال میں، میں نے مقبول سے بات کی تو وہ اسے میری اعلیٰ ظرفی سمجھ کر اس کے لئے تیار ہوگئے، یوں ریشم کا دل نرگس کے سینے میں دھڑکنے لگا مگر ایک بار پھر تم ہمارے راستے میں آگئے اور نرگس تم سے محبت کرنے لگی۔ مجھے جب اس کی اطلاع ملی تو میں نے طوفان خان کو تمہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ مگر اس بار بھی طوفان خان اپنے مقصد میں ناکام رہا۔

اگلے روز مقبول احمد دارالحکومت پہنچ گیا اور فہمیدہ سے تمہارے لئے نرگس کا رشتہ طلب کیا۔ وہیں اس کی نظر ڈرائنگ روم کی دیوار پر آویزاں میری تصویر پر پڑی اور وہ جان گیا کہ میں نرگس کا باپ ہوں۔

وہ رات گیارہ بجے کے بعد میرے گھر آپہنچا۔

اتفاق سے اس وقت جمیل میرے گھر پر ہی موجود تھا۔ ہم لوگ اگلے روز ایک پارٹی کو سپلائی کی جانے والی اسلحے کی ڈیل کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ ملازم نے مقبول احمد کو میری ہدایت پر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ میرا کوئی لالچ کام نہ آیا۔ وہ پولیس کے پاس جانے پر بضد تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سازش میں میرے ساتھ جمیل بھی شریک ہے۔ اگر مقبول احمد پولیس کے پاس چلا جاتا تو خود جمیل بھی پھنس جاتا جو ڈرائنگ روم کے باہر دروازے سے کان لگائے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔

مقبول احمد کا سمجھوتا ہمارے لئے بہت ضروری تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو ہمارا کام مزید بگڑ جاتا جو نرگس کے تمہاری طرف مائل ہونے سے پہلے ہی بگڑ چکا تھا۔ ڈرائنگ روم سے مقبول احمد جیسے ہی نکلا تو جمیل نے باپ کو سمجھانا چاہا اور اسے سب کچھ صاف صاف بتا کر کہا اس کی خاموشی میں ہی جمیل کی بھلائی ہے، ورنہ خود جمیل بھی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوگا جب کہ مقبول احمد کی خاموشی کی صورت میں وہ نرگس سے شادی کرلے گا اور میرا بزنس پارٹنر بن جائے گا اور پھر میرے بعد میری ساری دولت و جائیداد ظاہر ہے میری بیٹی کی ہی ہوتی۔ مگر یہ سنتے ہی مقبول احمد ہتھے سے اکھڑ گیا۔ ''میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوسکتا۔ نرگس اسد کو چاہتی ہے۔ میں خود ان دونوں کی شادی کرواؤں گا اور تم دونوں ریشم کے قتل کی سازش میں شریک ہو۔ میں یہاں سے سیدھا پولیس اسٹیشن جاؤں گا۔ تم دونوں کو سزا قانون دے گا۔''

تب مجبوراً جمیل نے خود ہی باپ کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہم دونوں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہوتے۔ طوفان خان نے ہمارے حکم پر لاش ویرانے میں پھینک دی۔ یوں قتل نامعلوم افراد کے کھاتے میں آگیا۔

اسد سکتے کے سے عالم میں کھڑا ظاہر شاہ کی درندگی اور خودغرضی سے بھرپور کہانی سن رہا تھا۔ اس کے

تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جمیل نے نہ صرف مقبول احمد کا قتل کیا بلکہ ریشم کے قتل کی سازش میں بھی شریک ہے۔ اس نے نفرت انگیز نگاہوں سے جمیل کی طرف دیکھا۔

''تم انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں، تم نے ظاہر شاہ کا ساتھ دے کر نہ صرف قانون اور اپنے فرض سے غداری کی بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے فرشتہ صفت باپ کا خون کر ڈالا مگر اتنا یاد رکھو برائی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ تمہیں نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی خون ناحق کی سزا ضرور ملے گی۔''

جمیل ہنسا۔ ''آخرت تو بہت دور ہے اور اس دنیا میں ہمیں کیسے سزا ملے گی۔ نہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت ہے اور نہ گواہ دنیا کی عدالت میں انصاف پانے کے لئے یہ دونوں چیزیں بہت ضروری ہیں۔''

اچانک ایک طرف سے نسوانی ہنسی کی آواز ابھری۔ اس آواز کی کھنک کو اسد بخوبی پہچانتا تھا۔ یہ آواز ریشم کی تھی تڑپ کر آواز کی سمت دیکھا ریشم کچھ فاصلے پر موجود تھی۔ ''ریشم تم!'' اس نے ریشم کی طرف بڑھنا چاہا۔ ''رک جاؤ اسد۔'' ریشم کی روح نے اسے اپنی جگہ رکنے کا اشارہ کیا۔

''انسان بہت کچھ سوچتا ہے دور کی پلاننگ کرتا ہے کہ کل یہ کروں گا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو اس کے نصیب میں کاتب تقدیر لکھ دیتا ہے۔ میرا تمہارا ساتھ دنیا میں بس اتنا ہی تھا اور جمیل اور ظاہر شاہ یہ تمہاری بھول ہے کہ ریشم کے مرنے سے میری اور اسد کی محبت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جو دل نرگس کے سینے میں دھڑک رہا ہے۔ وہ میرا ہے اور اسد دل کی ان دھڑکنوں میں رہتا ہے۔ تم دونوں ہار چکے ہو۔''

جمیل نے پھر کر ریشم پر گولی چلائی۔ مگر گولی بھلا کسی روح کا کیا بگاڑتی لیکن اس نے بوکھلا کر پسٹل دوبارہ اسد پر تان لیا۔

''الوداع اسد۔''

ریشم نے اسد کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلائے اور اپنی جگہ سے غائب ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ جمیل اسد پر گولی چلاتا۔ ایک کھٹارا ٹرک کے عقب سے نرگس کی آواز ابھری۔ ''ٹھہرو۔''

ظاہر شاہ کے ساتھ ساتھ اسد اور جمیل نے مڑ کر دیکھا۔ کھٹارا ٹرک کی آڑ سے نرگس اور اس کی ایک ہم عمر لڑکی نکل کر سامنے آچکی تھیں۔ نرگس کے ہاتھ میں ایک جدید طرز کا آئی فون تھا۔

''بیٹی تم یہاں۔'' ظاہر شاہ نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ تو نرگس نے نفرت انگیز نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا۔ ''مت کہو مجھے بیٹی تم باپ کیا انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں۔ تم نے نہ صرف ریشم اور اس کی ماں کے خون سے ہاتھ رنگے غیر قانونی اسلحے کی فروخت سے ملک کو بھی نقصان پہنچایا۔''

وہ تڑپ کر بولا۔ ''نرگس یہ سب میں نے تمہاری خاطر کیا تھا تمہارے بہتر مستقبل کی خاطر۔''

نرگس نے استہزائیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں نے تمہیں یہ گناہ کرنے کو کہے تھے۔ کیا تم روز قیامت، اللہ تعالیٰ کے روبرو بھی یہ بہانہ بناؤ گے یاد رکھو وہاں کوئی بہانہ کام نہیں آئے گا۔ ہر برے انسان کو اس کے گناہوں کی سزا ملے گی۔

اور جمیل تم کچھ دیر پہلے کیا کہہ رہے تھے کہ تم لوگوں کو دنیا میں سزا کون دے گا کہ نہ تمہارے خلاف ثبوت ہیں اور نہ کوئی گواہ تو میری بات دھیان سے سنو۔

اسد مجھ سے ملنے ہی اس ریسٹورنٹ گیا تھا۔ یہ شاید تمہیں بھی معلوم ہو۔ جب اسد ریسٹورنٹ سے طوفان خان کے پیچھے بھاگا تو میں اور عاشی اسی وقت کرولا میں وہاں پہنچی تھیں۔ میں نے اسد کو پکارا بھی۔ مگر شاید اس نے میری آواز نہیں سنی۔ یہ طوفان خان کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ پھر یہ دونوں سڑک پار دوڑ کر چلے گئے۔

ہمارے مڑ کر وہاں تک پہنچنے سے پہلے طوفان خان کسی سے موٹر سائیکل چھین کر فرار ہو چکا تھا۔ اسد بھی موٹر سائیکل پر اس کے پیچھے تھا اور ہم دونوں کے تعاقب میں تھے۔

عاشی جو کہ جاسوسی کہانیوں کی دلدادہ ہے۔اس نے تعاقب اس مہارت سے کیا کہ نہ طوفان خان کو تعاقب کا پتہ چلا نہ اسد کو خبر ہوئی۔ جب یہ دونوں عمارت میں داخل ہوگئے تو ہم نے کرولا عمارت کے عقبی حصے کی طرف خودرو جھاڑیوں کی آڑ میں چھپائی اور تم سے کچھ فاصلے پر اس گاڑی کی آڑ میں چھپ گئے۔ یہ سب پلاننگ عاشی کی تھی۔

عاشی کے کہنے پر میں اپنے آئی فون سے یہاں کی ویڈیو بنانے لگی ہم دونوں تمہارے آنے تک یہیں چھپی ہوئی تھیں۔

پھر جب ریشم کی روح نمودار ہوئی تو میں عاشی کے کہنے پر ویڈیو سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کر چکی تھی۔تم دونوں کا گھناؤنا چہرہ پوری دنیا دیکھ رہی ہوگی اور ہاں ہم نے یہاں پہنچتے ہی پولیس ہیلپ لائن پر کال کر کے یہاں کی لوکیشن بتادی تھی۔

''یہ آئی فون میرے حوالے کرو۔''

جمیل پسٹل تانے اس کی طرف بڑھا جب کہ دونوں انکار میں سر ہلاتے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگیں۔

''لگتا ہے تم لوگ یوں نہیں مانو گی۔'' جمیل نے ان کا نشانہ باندھا اور ٹریگر پر انگلی رکھ دی۔

اسی وقت بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی یہ درجنوں کی تعداد میں پولیس اہلکار تھے جو بھاگتے ہوئے عمارت میں داخل ہو چکے تھے اور ان کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے ان کی رائفلوں کا رخ ظاہر شاہ اور جمیل کی طرف تھا۔ دونوں نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔''انسپکٹر جمیل ہتھیار پھینک دو۔'' DSP رینک کے آفیسر نے تحکمانہ لہجے میں حکم دیا۔

''نہیں DSP میں مرتے مرتے بھی انہیں ساتھ لے جاؤں گا۔'' وہ وحشت زدہ لہجے میں چلایا اور پسٹل کا رخ اسد، عاشی اور نرگس کی طرف کر کے ٹریگر دبانا چاہا۔ان تینوں کی جان خطرے میں دیکھ کر پولیس اہلکاروں کو گولی چلانی پڑی۔

گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی آواز ابھری اور جمیل کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوگیا۔جمیل مر چکا تھا وہ اس جہاں میں پہنچ چکا تھا جہاں انصاف کے لئے کسی گواہ کی ضرورت تھی نہ ثبوت کی کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ظاہر شاہ کو گرفتار کرلیا گیا۔

عمارت کے تہہ خانے سے کروڑوں کا اسلحہ برآمد کرلیا گیا۔ظاہر شاہ کو عدالت نے سزائے موت کا حکم دیا۔وہ آخری وقت تک بیٹی سے ملنے کے لئے تڑپتا رہا۔مگر نرگس نے ملنے سے انکار کردیا اور اسے پھانسی دے دی گئی۔

☆.....☆.....☆

15 سال بعد

اسد اور نرگس چودہ سالہ ریشم کے ساتھ سنگ مرمر سے بنی قبر کے قریب کھڑے فاتحہ خوانی کررہے تھے۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد اسد نے 14 سالہ ریشم کا ہاتھ تھاما ریشم نے دوسرا ہاتھ ماں کے ہاتھوں میں دیا اور قبرستان سے باہر نکلنے لگے۔

''پاپا یہ کس کی قبر ہے جس پر آپ ہر ہفتے آتے ہیں۔'' ریشم نے باپ سے پوچھا۔

''ایک تو میں آپ کی لاڈلی کے ہر وقت کے سوالات سے تنگ ہوں۔'' نرگس نے مصنوعی خفگی سے کہا تو اسد نے ہنستے ہوئے ریشم کی پیشانی چومی۔

''بیٹا یہ تمہاری بڑی امی کی قبر ہے۔ جو ہو بہو تمہاری طرح تھیں۔'' اس نے محبت پاش نگاہوں سے چودہ سالہ ریشم کی طرف دیکھا۔ جو واقعی شکل وصورت میں ہو بہو ریشم کی طرح تھی۔ پھر وہ ریشم کی قبر کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

''ریشم تم نے سچ کہا تھا کہ تم واپس لوٹ آئی ہو۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

وہ تینوں ہی اس بات سے خبر تھے کہ ریشم کی روح کچھ فاصلے پر کھڑی انہیں دیکھتے ہوئے مسکرا رہی ہے۔

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

ہم سے زندگی کی حقیقت نہ پوچھ وصی
بہت پرخلوص لوگ تھے جو تنہا کر گئے
(انتخاب: ایس حبیب خان۔ کراچی)

ہمیں تم سا نہ تمہیں ہم سا کوئی ملے گا
تم انمول ٹھہرے اور ہم نایاب
(شیخ معین اختر..... چنیوٹ)

وہ پتھر بھی ماریں تو اٹھا کر جھولیاں بھرلو
کبھی محبوب کے محفوں کو ٹھکرایا نہیں کرتے
(عامر شہزاد..... نکانہ صاحب)

خشک پتوں کی طرح بکھرا ہوں گلی کوچوں میں
ہوا سے دوستی کا کوئی تو انجام ہونا تھا
(سنبل وسیم سیالوی..... پنڈ دادن خان)

مخلص ہوں دشمن پر بھی کرتا ہوں بھروسہ
تا عمر مجھے جینے کا سلیقہ نہیں آیا
(انتخاب: بلال احمد..... کراچی)

محبت بھری ملاقاتیں آج بھی مجھے یاد ہیں
تیری قسمیں اور وعدے آج بھی مجھے یاد ہین
ملنا تیرا مجھے نہر کے کنارے اور آرام کے باغ میں
اور پھر تیری بے وفائی اور دھوکے آج بھی مجھے یاد ہیں
(انتخاب: ارمان ملک..... ٹنڈو آدم)

کبھی نہ ہاتھوں سے ہاتھ چھوٹے خیال رکھنا
کبھی نہ چاہت کا مان ٹوٹے خیال رکھنا
جو ہو محبت تو رنجشوں سے گریز کرنا
کسی کا نازک سا دل نہ ٹوٹے خیال رکھنا
(شہریار رفیق..... کھپرو سندھ سے)

ہم برے کیا تھے کہ اک صدق کو سمجھے تھے سپر
وہ بھی اچھے تھے کہ بس یار کہا وار کیا
(مہر پرویز احمد دولو..... میاں چنوں)

رات گئے تک گھائل نغمے کرتے ہیں اعلان یہاں
یہ دنیا ہے سنگ دلوں کی کوئی نہیں انسان یہاں
پیار بھیک میں بھی مانگو تو کوئی پیار نہ ڈالے جھولی میں
بن مانگے مل جاتے ہیں رسوائی کے سامان یہاں
(محمد حنیف شاکر..... بھاگووالی، نکانہ صاحب)

کیا لکھوں دل کی حقیقت آرزو بے ہوش ہے
خط پر آنسو گر رہے ہیں مگر قلم خاموش ہے
(انتخاب: عبدالحمید عرف پپو..... دیپالپور)

میرے زخموں کا علاج کچھ اس طرح کیا اس نے اے موت
مرہم بھی لگائی تو خنجر کی نوک سے
(خضر حیات..... روڈہ تھل، خوشاب)

میں ویکھاں میرا یار نہ ویکھے جے میں ناویکھاں تے اوہ ویکھے
پوھے یار دے مریئے، اوہ ویکھے نہ یا نہ ویکھے
(محمد دانیال..... روڈہ تھل، خوشاب)

پہلے تو میری یاد سے آئی حیا انہیں
پھر آئینے میں چوم لیا اپنے آپ کو
(محمد سلیم..... بھیڑ سوڈیاں)

نہ وہ اقرار کرتا ہے نہ وہ انکار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گمان ہے وہ ہمیں پیار کرتا ہے
(ساجدہ بناخ اے ڈی..... کھڈیاں خاص)

پتھروں سے دوستی کا یہ صلہ کم تو نہیں
اک شکستہ آئینہ جوڑتا رہتا ہوں میں
(اسحاق انجم..... کنگن پور)

وہ شخص بچھڑتا ہے تو برسوں نہیں ملتا
ملتا ہے پھر ٹوٹ کے ملتا بھی بہت ہے
(محمد کمال..... روڈہ تھل، خوشاب)

اس جہاں میں کب کسی کا درد اپناتے ہیں لوگ
رخ ہوا کا دیکھ کر اکثر بدل جاتے ہیں لوگ
(انتخاب: سمیرہ عباس..... حیدرآباد)

چوٹ پڑی ہے دل پر تو آہ لبوں تک آئی ہے
یونہی چھن سے بول اٹھنا تو شیشے کا دستور نہیں
(انتخاب: حافظ عابد علی..... کراچی)

روز نہ سہی کسی دن یاد کرلینا
کبھی نیند نہ آئے تو ہمیں بھی جگالینا
کبھی بھی کچھ بھی کہنا ہو بلا جھجک کہنا
اگر کچھ دینا چاہو تو ہمیں اپنے غم دینا
(شرف الدین جیلانی..... ٹنڈو الہ یار)

☆

سنا تھا اے زندگی!
کہ تو امتحان لیتی ہے
کہ تو درد بہت دیتی ہے
کہ تو زندہ درگور کر دیتی ہے
یہ سن کر ہنسا کرتے تھے ہم
آوازیں تجھ پر کسا کرتے تھے ہم
آج جب تیرے رنگ دیکھے
خوشیوں میں پڑے بھنگ دیکھے
تو سمجھ میں آیا ہے
یہ جو تیرا جال مایہ ہے
کہ تو صرف امتحان نہیں لیتی ہے
بلکہ سارا جہان لوٹ لیتی ہے
سنا تھا اے زندگی!
کہ تو امتحان لیتی ہے!

(شاعرہ: کائنات رشک تنویر.....لاہور)

چشم انتظار تیری راہ میں بچھی ہے
صرف دل ہی نہ جھکا، گردن بھی یہ جھکی ہے
تیرے تصور کے دارالامان میں بھی جینے نہیں دیتی
خدا جانے اس فانی دنیا کو کیا مجھ سے دشمنی ہے
جس سفر میں تو ساتھ نہ ہو میرے
لگتی مجھے وہ ہر گلی، ہر راہ وحشتی ہے
جچتا تو تجھ پہ ویسے ہر رنگ ہے اے ہمسفر!
مگر شام سے بجلی ڈھا رہی تیری پوشاک وہ ہری ہے
اب تو میرا مشغلہ ہے صرف یہ کشت سخن شاہد

(رابعہ امانت علی.....لاہور)

یوں تو میخانے میں کم ہے نہ پانی کم ہے
پھر بھی کچھ کشتی صہبا میں روانی کم ہے
سچ تو یہ ہے کہ زمانہ جو کہے پھرتا ہے
اس میں کچھ رنگ زیادہ ہے کہانی کم ہے
آؤ ہم خود ہی دریا پار سے ہو آتے ہیں
یہ جو پیغام ہے قاصد کی زبانی کم ہے
تم بضد ہو تو چلو ترک ملاقات سہی
ویسے اس دل نے میری بات تو مانی کم ہے
یاد رکھنے کو تو اے دوست بہت حیلے تھے
اک تیرا زخم جدائی تو نشانی کم ہے
دفتر شوق مرتب ہو تو کیسے ہو شہزاد
دل نے ہر بار کہا ایک کہانی کم ہے

(ڈاکٹر رانا عامر شہزاد.....ننکانہ صاحب)

رضائے خالق برحق بدل نہیں سکتے
جو حادثات مقدر ہیں ٹل نہیں سکتے
بہت سے لوگ ہیں کوشاں مگر یہ کون کہے
چراغ تیز ہواؤں میں جل نہیں سکتے
گزار زندگی اب قبر میں اسیر ہوس
یہ وہ بھنور ہے کہ جس سے نکل نہیں سکتے
جہاں تصرف شر ہو وہاں زمینوں سے
کبھی بھی خیر کے چشمے ابل نہیں سکتے
ڈھلے بغیر نہیں ہے کوئی سبیل مگر
زمانے ہم تیرے سانچے میں ڈھل نہیں سکتے
رواں دواں ہے زمانہ انہیں کچلنے کو
گریں جو راہ سفر میں سنبھل نہیں سکتے
سمجھ میں آیا نہ واجد نظم باغ جہاں
شجر کچھ ایسے یہاں ہیں جو پھل نہیں سکتے

(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

بارش کی تیز بوندوں نے جب دستک دی دروازے پر
محسوس ہوا تم آئے ہو انداز تمہارے جیسا تھا
ہوا کے ہلکے جھونکے کی جب آہٹ ہوئی کھڑکی پر
محسوس ہوا تم آئے ہو انداز تمہارے جیسا تھا
میں تنہا چلا جب بارش میں اک جھونکے نے میرا ساتھ دیا
میں سمجھا تم ہو ساتھ میرے احساس تمہارے جیسا تھا
پھر رک گئی وہ بارش بھی رہی باقی نہ آہٹ بھی
میں سمجھا مجھے تم چھوڑ گئے انداز تمہارے جیسا تھا

(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈو الہ یار)

رم جھم کرتی بادل آنکھیں
ترے پیار میں پاگل آنکھیں
کیسے کیسے سپنے دیکھیں
روتی کاجل آنکھیں
کس نے آخر روگ لگایا
کیوں ہیں تیری جل تھل آنکھیں
تیری یاد میں جاگ رہی ہیں
میری بوجھل بوجھل آنکھیں
مجھ کو فلک یاد ہے اب تک
اس کی قاتل قاتل آنکھیں
(فلک زاہد.....لاہور)

جو پورا ہوجائے وہ کام کیسا
جو آدھا رہ جائے وہ انتقام کیسا
جو کام نہ آئے وہ پڑھنا کیسا
جس میں منزل نہ ہو وہ آگے بڑھنا کیسا
جو راہ سے بھٹک جائے وہ راہی کیسا
جس میں ہمت نہ ہو وہ سپاہی کیسا
جو چھوڑ جائے وہ سہارا کیسا
جب چھپ جائے وہ بنانا کیسا
جو پورا ہوجائے وہ خواب سہانا کیسا
کہہ دے اس فانی دنیا کو اے الماس
جو ہمت نہ دے وہ حوصلہ کیسا
(الماس تنویر.....لاہور)

وہ کرتے رہے ہم پہ ستم کرنے کی تمنا
ہم کرتے رہے ان پہ سدا مرنے کی تمنا
ملاحوں نے خود کشتی کو ڈبونے کی ہے ٹھانی
کشتی کو ہے موجوں پہ ابھرنے کی تمنا
آوارہ تیرے شانوں پہ زلفوں کی گھٹائیں
گلچیں کی تمنا ہے کہ میں نوچ لوں اس کو
گل کی ہے کچھ روز نکھرنے کی تمنا!!
جو سر کبھی اونچوں کو دکھاتا رہا نیچا
اس سر کو ہے اب جاں سے گزرنے کی تمنا
اک دل کی محبت کی قسم کھائے نہ بدلے
ہر گام ہے دل کو مکرنے کی تمنا
شاکر یہ الگ بات کہ خود گل ہی اڑادے
خوشبو کب کرتی ہے بکھرنے کی تمنا!
(محمد حنیف شاکر.....بھاگووالی نکانہ صاحب)

ہر وقت تیری ہی باتیں، تیرا ہی ذکر کرنا
اب کام ہمارا ہے تیری ہی فکر کرنا
کبھی تو تم ہم غریبوں کی صدا سنا کرو
کس جرم کی سزا ہے اتنا تو بتادو
مانا کہ ہوئی خطا، جو چاہا تجھے خود سے زیادہ
اقرار جرم کرلیا ہے، در گزر ہماری خطا کرو
یہی سوچ رہے ہیں ہم آفرین
کریں گفتگو کی کہاں سے ابتدا
کوئی گستاخی نہ ہوجائے کرنے میں الفاظ ادا
وہ ہیرا اور ہم کوئلہ ہیں وہ کہاں اور ہم کہاں!
کریں ہم گفتگو ساتھ ان کے آفرین
ہماری اتنی اوقات ہے کہاں!
جی چاہتا ہے آنکھوں میں چھپالوں تم کو
بسا کے دل میں پلکوں پہ سجالوں تم کو
(رابعہ آفرین.....لاہور)

محبت چیز کیا ہے سوچتی ہوں میں
کبھی مدہوش ہوجاتی ہوں اس کو کھوجتی ہوں میں
کبھی شک کی نظر سے دیکھتی ہوں میں
محبت جان بھی ہے اور دشمن جان کی بھی
کبھی یہ چین دیتی ہے کبھی یہ درد کا خنجر دلوں میں گاڑ دیتی ہے
کلیجہ پھاڑ دیتی ہے یہ کبھی ہمدرد ہوتی ہے
ہمارے ساتھ ہنستی ہے ہمارے ساتھ روتی ہے
کبھی یہ سایہ بن کر ساتھ چلتی ہے
کبھی یہ آگ بن جاتی ہے
اور جسم و جاں میں جلتی ہے
ہمارے ہی لہو کو پی کر پلتی ہے
محبت چیز کیا ہے سوچتی ہوں میں
(رشک نور.....فیصل آباد)

☆☆

قاتل ساحرہ

محمد قاسم رحمان - ہری پور

لڑکی کی چیخ سنائی دی، خدا کے لئے کوئی غلط قدم نہ اٹھانا، لیکن اب دیر ہوچکی تھی خوبرو حسینہ نے تیز دھار خنجر اپنی شہ رگ پر پھیر دیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اچانک.....

دلکش دلگداز سبق آموز حقیقت کے لبادے میں چھپی ہوئی اپنی مثال آپ شاہکار کہانی

رات کا اندھیرا چار سو پھیل چکا تھا۔ گلیوں میں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ اور یہ محلہ بھی لوئر مڈل کلاس لوگوں کا تھا، جہاں دن بھر کے تھکے ہوئے لوگ رات ہوتے ہی سونے میں ذرا بھی تاخیر پسند نہیں کرتے کیونکہ دن بھر کے کام سے وہ بہت تھکاوٹ کا شکار ہوتے ہیں۔

وہ عورت اکیلی تھی جو کہ ویران گلیوں میں گھوم رہی تھی۔ جاتی گرمیوں کا موسم تھا اس نے اسی مناسبت سے سبز رنگ کے کرتے کے نیچے سفید پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ سیاہ دوپٹہ اس نے سر پر رکھا تھا لیکن بے رحم ہوا کے جھونکے کی مہربانی کی بدولت وہ دوپٹہ اب ڈھلک کر شانوں پر آچکا تھا۔ اور اپنی پریشانی کے سبب وہ عورت اس ڈھلکے ہوئے دوپٹے پر توجہ بھی نہیں دے پائی۔ دل اور دماغ میں جیسے اس وقت ایک طوفان برپا تھا۔ آنکھوں سے اشک ندامت بہہ رہے تھے اور دل مسلسل اسے اس کی نادانیوں کی وجہ سے کوس رہا تھا۔

''اوہ یہ کچی عمر میں کی ہوئی غلطیاں..... کیا یہ انجام ہونا تھا ان خوابوں کا جو اس نے پلکوں پر سجائے تھے..... وہ تو نہ گھر کی رہی تھی نہ گھاٹ کی۔

قدم آگے کو بڑھتے جارہے تھے..... اور وہ ان بڑھتے ہوئے قدموں کو روک نہیں پارہی تھی..... سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی وہ اس جگہ جارہی تھی جہاں سے کبھی کوئی زندہ انسان لوٹا نہیں۔

ایک آسیب زدہ کھنڈر میں جہاں بقول لوگوں کے ''آتمائیں بستی ہیں۔''

اسے ان سب باتوں پر یقین تھا۔

تبھی تو اس آسیبی کھنڈر میں جارہی تھی۔

کیونکہ اس نے خودکشی کا یہ طریقہ سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک دس مرلے کا چھوٹا سا مگر خوبصورت گھر تھا..... سرخ رنگ کے آہنی گیٹ سے ذرا سا اندر جھانکو تو ایک چھوٹی سی گیلری بنی ہوئی تھی..... جس کے دونوں اطراف میں گملوں میں مختلف پھول مہک رہے تھے..... گیلری کے آگے گھر کا دروازہ تھا۔ جس کے سامنے ایک بائیک کھڑی ہوئی تھی..... دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اندر ٹی وی لاؤنج تھا..... لاؤنج کے وسط میں ٹیبل کے اردگرد صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا..... ٹیبل پر آج کا اخبار بڑے قرینے کے ساتھ پڑا ہوا تھا۔ بالکل سامنے دو بیڈ رومز تھے۔ ایک بیڈ روم دائیں سائیڈ پر تھا۔ بائیں جانب کچن تھا اور تھوڑا سا آگے سے

سیڑھیاں اوپر کو جاتی تھیں۔

دائیں جانب والے بیڈ روم میں ایک خاتون ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگ کر اٹھی اور جائے نماز کو فولڈ کر کے الماری میں رکھا..... اس عورت کی عمر چالیس سے اوپر لگ رہی تھی۔ موسم کی مناسبت سے اس خاتون نے لون کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کپڑوں کا ہم رنگ دوپٹہ سر پر سلیقے کے ساتھ موجود تھا..... اور لب مسلسل ہل رہے تھے۔ غالباً وہ ذکر الٰہی میں مشغول تھی۔

وہ خاتون کچن میں آئی دودھ فریج سے نکال کر اور گرم کرنے کے بعد شیشے کے گلاس میں انڈیلا اور گلاس کو پرچ میں رکھنے کے بعد وہ سامنے والے بیڈ روم میں آئی..... کمرے کے دائیں جانب بیڈ رکھا ہوا تھا۔ جس پر ایک چوبیس پچیس سالہ لڑکی نیم دراز تھی۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ اس کی پریگننسی کا لاسٹ ٹائم چل رہا ہے۔

''بیٹا اٹھو دودھ پی لو۔'' خاتون شفقت کے ساتھ بولی، خاتون کا نام ہاجرہ تھا۔

''امی ابھی بالکل دل نہیں کر رہا، آپ یہاں رکھ دیں میں تھوڑی دیر میں پی لوں گی۔''

''ایمن بیٹا اپنی صحت اور اپنے کھانے پینے کا خیال رکھو۔ مجھے تمہاری وجہ سے بہت ٹینشن ہے۔''

''امی آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں..... کچھ نہیں ہوگا۔ اور اس دن ڈاکٹر نے بھی تو کہا تھا کہ سب نارمل ہے۔'' ایمن نے کہا۔

ہاجرہ ایمن کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور بولی۔

''بیٹا میں نے سات سال سے اس وقت کا بہت انتظار کیا ہے..... تم ابھی کم عمر ہو۔ ناتجربہ کار ہو اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو کیا ہوگا بہت ڈرتی ہوں اس بات سے۔'' ..... ہاجرہ کے لہجے میں اپنی بہو کے لئے دنیا جہان کا تفکر تھا۔ جس سے اس کی محبت چھلک رہی تھی۔

ایمن نے اپنا ہاتھ ساس کے ہاتھ کے اوپر رکھا اور نرمی سے بولی۔ ''کچھ نہیں ہوگا اور آپ جیسی خیال رکھنے والی ماں جو میرے پاس ہے..... تو مجھے کیسے کچھ ہو سکتا ہے۔''

ہاجرہ نرمی سے مسکرائی۔ ''جیتی رہو بیٹی۔''

''اچھا امی وہ فیاض ابھی تک واپس نہیں آئے؟''

''نہیں..... اصل میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ اسپتال جا رہا ہے۔ اپنے دوست کے ابو کی عیادت کے لئے تو میں نے اسے کہہ دیا تھا کہ کچھ راشن لیتا آئے بس اسی لئے شاید دیر ہو رہی ہے۔'' ہاجرہ نے کہا۔

''اچھا میں ذرا دن کے کھانے کا کچھ کر لوں.....''

''تم تب تک یہ دودھ پی لو۔'' ہاجرہ نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔ ایمن اس کو جاتا دیکھتی رہی۔

''قسمت والی ہوں میں جو ایسی ساس ملی۔''

اس نے سوچا اور صدق دل سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

☆.....☆.....☆

زندگی میں موت سے بڑھ کر اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ بھی آج اپنے آپ کو موت کے سپرد کرنے کے لئے آ گئی تھی۔ یہ فیصلہ اس کے لئے آسان نہ تھا مگر اس کی سوچ کے مطابق اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ وہ دربدر ہوگئی تھی۔ ہر ایک اس پر تھوک کر جا چکا تھا..... جس محبت جس عشق کے لئے اس نے اپنے گھر جیسا مضبوط سائبان چھوڑ دیا اس نے تو اسی رات اسے لوٹ جانے کا کہہ دیا تھا۔ وہ مضبوط انسان نہیں تھا..... اس معاشرے سے خوفزدہ تھا..... اپنی بہنوں کے مستقبل کے لئے اس سے بے حس انسان نے اسی رات اس کو کہہ دیا تھا کہ وہ فیصلہ جذباتی تھا..... تم لوٹ جاؤ اپنے آشیانے کی طرف..... کیونکہ میں تمہیں نیا آشیانہ نہیں دے سکتا۔''

''مجھ میں اتنی ہمت نہیں..... جاؤ اس انسان کے لئے بن سنور کر دلہن بن جاؤ جس کو تمہارے گھر

والوں نے تمہارے لئے مناسب سمجھا ہے۔''

اور وہ اپنے دل کو سنبھالتی اپنے آنسوؤں کو روکتی لوٹ کر اپنے گھر آئی تو صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں..... اور سب کچھ تہس نہس ہو گیا تھا.....

اس کا لکھا ہوا وہ الوداعی خط اس کے باپ اور بھائیوں نے دیکھ لیا تھا..... اس کے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا وہ الوداعی خط اس کی تباہی کا فرمان تھا۔ وہ خط اور اس میں لکھی ہوئی ساری عبادت کا اس کا ہارٹ پیشنٹ باپ برداشت نہ کر سکا اور خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔

اور جب وہ لوٹ کر گھر آئی تو اس کا گھر ماتم کدہ بن چکا تھا..... دونوں بھائی اسے دیکھ کر آگ بگولہ تھے اور وہ اپنے باپ کی لاش کو سامنے پا کر حواس باختہ..... عجیب سی سچویشن بن گئی تھی اس وقت..... اسے لگا کہ اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے.....

اس کے بھائی نے اس کے منہ پر تھپڑوں کی جو برسات کی تھی وہ اسے محسوس بھی نہ کر پائی..... رشتے داروں اور محلے والوں کے کوسنے بھی سن نہ پائی بس ایک ہی جملہ تھا جو اس کی سماعت سے ہوتا ہوا دماغ میں چکرا رہا تھا..... ''پیدا ہوتے ہی ماں کو نگل لیا اور آج باپ کی قاتل بھی بن گئی۔ منحوس ماری کہیں کی۔'' اور وہ اس گھر سے نکل آئی جو کبھی اس کی جائے پناہ تھا..... کیونکہ اس کے دونوں بھائی اس کے وجود کو قطعی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

وہ پورا دن اس نے گلیوں میں گھومتے ہوئے گزارا تھا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر وہ سوگ منائے بھی تو کس چیز کا..... کیا اپنے یتیم ہونے کا، چھت چھن جانے کا، محبوب کی بیوفائی کا یا بھائیوں کی بے حسی کا.....

چلتے چلتے اپنے محلے سے بہت دور نکل آئی راہ چلتے لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور اس کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کر رہے تھے..... مگر وہ ہر شے سے یکسر انجان بن چکی تھی۔

وہ اس علاقے میں آ گئی تھی جہاں وہ ٹیوشن پڑھنے کے لئے کبھی آیا کرتی تھی۔

اس وقت شام ہو گئی تھی..... اس علاقے میں ایک کھنڈر نما مکان تھا..... جس کے بارے میں اس نے بہت سی افواہیں دو سال قبل سنی تھیں۔ جب وہ ٹیوشن پڑھنے آیا کرتی تھی..... اس کے ساتھ والی لڑکیاں جن کے اسی علاقے میں گھر تھے اس کھنڈر نما مکان کے بارے میں بہت باتیں کرتی تھیں۔

ان کے مطابق وہاں ایک روح کا بسیرا تھا وہ روح ایک ایسے انسان کی تھی جس کی بیوی نے اس سے بیوفائی کر کے اس کے دوست کے ساتھ تعلقات استوار کر لئے تھے اور جب اس انسان کو یہ بات پتہ چلی تو اس نے اپنی بیوی اور اپنے دوست کی جان لے لی تھی۔ اور اس کے بعد خودکشی کر لی تھی۔ اب وہاں جو بھی انسان آتا تھا اگر وہ مرد ہوتو وہ بدروح اسے گلا گھونٹ کر مار دیتی تھی اور اگر وہ کوئی عورت ہوتی تو وہ بدروح اسے قتل کر دیتی تھی۔ کچھ لوگوں کے مطابق وہاں ایک بھیانک آسیب کا بسیرا تھا۔ جو انسانی خون کا پیاسا تھا اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ اس کھنڈر میں سفلی کے بیر قید ہیں غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

جب وہ اس علاقے میں آیا کرتی تھی اور ایسی باتیں سنتی تھی تو اسے ان لوگوں کی ذہنیت پر افسوس ہوتا تھا۔ ہنستی تھی وہ ان جن بھوتوں کی باتیں سن کر..... مگر پھر ایک روز اس کی ساری غلط فہمی ختم ہو گئی اور اسے پتہ چل گیا کہ اس کھنڈر کے متعلق جتنی بھی باتیں کی جا رہی ہیں وہ سب سچ پر مبنی ہیں۔

ان دنوں اس کے ایف ایس سی کے پیپرز ہو رہے تھے وہ دن رات محنت کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ آگے میڈیکل کالج میں داخلے کی خواہش مند تھی۔ اس کا ایک پیپر ہو گیا تھا..... اور دو چھٹیوں کے بعد اگلا پیپر تھا۔ اس دن اسے کیمسٹری کے کچھ سوالوں کی بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھی اس لئے اپنے بھائیوں سے اجازت

لے کر وہ دوبارہ ٹیوشن والی بشریٰ باجی کے گھر آ گئی تھی۔ پچھلے مہینے اس کے ہر مضمون کی بہت اچھی تیاری ہوگئی تھی اس لئے اس نے ٹیوشن ختم کردی تھی۔

باجی اس سے اچھی طرح ملی تھیں..... نہ صرف اسے سوال سمجھائے تھے بلکہ اسے چائے بھی پلائی تھی..... باجی اسے بہت پسند کرتی تھیں کیونکہ وہ بہت محنتی اور ہونہار بچی تھی۔ سوال سمجھنے کے بعد باجی نے اسے بتایا تھا کہ ایک روز قبل کچھ لٹیروں نے پولیس سے چھپ کر اس کھنڈر میں پناہ لی تھی۔ اور اگلے روز کھنڈر کے سامنے سے اس کے بھیانک راستے ملے ہیں۔ یہ واقعہ باجی نے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ سنایا تھا۔ مگر وہ زیادہ توجہ سے نہ سن سکی کیونکہ اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ سی چل پڑی تھی۔

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے کھنڈر جا کر حقیقت کا پتہ چلانا چاہئے یا نہیں..... بہرحال جیت ہمیشہ کی طرح اس کی پرتجسس اور ایڈونچرس طبیعت کی ہوئی تھی۔

اس نے اس کھنڈر میں جانے کا فیصلہ کرلیا تھا..... اور جب وہ کھنڈر کے پاس پہنچی تو رات تقریباً ہو ہی چکی تھی۔ فلک پر چاند اپنی چاندنی ہر سو پھیلا رہا تھا۔

وہ ایک مکان تھا جس کی دیواریں شکستہ ہو چکی تھیں۔ دروازے گر گئے تھے..... اور چھت کمزور ہو چکی تھی..... گھر کے باہر کی دیواروں پر بھی مکڑیوں کے جالے لٹک رہے تھے۔

اس کھنڈر کی پراسراریت سے اسے وحشت ہونے لگی۔ وہ وہاں اس وقت تنہا تھی، نہ کوئی بندے نہ بندے کی ذات..... وہ شدید خوفزدہ ہوگئی تھی..... دل دھڑکنے لگا تھا زور زور سے..... اس نے وہاں سے بھاگنا چاہا مگر پیر جیسے زمین میں جم گئے۔

اچانک اس کھنڈر کے اندر سے ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگی تھیں..... شاید بدروحیں بین کر رہی تھیں۔

پھر اچانک اس کھنڈر سے ایک انسان نکلا جس کے سر پر سبز رنگ کا تاج تھا..... اور اس میں ہیرے دمک رہے تھے۔ اس کی جلد بھی سبز ہی رنگ کی تھی..... اور لباس بھی سبز ہی تھا۔

وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا..... فاصلہ کم ہو رہا تھا..... اور جوں جوں فاصلہ کم ہو رہا تھا بدروحوں کے بین میں شدت آتی جا رہی تھی..... چاند کی روشنی میں پراسرار کھنڈر کے سامنے وہ نظارہ بہت بھیانک ہوگیا تھا..... اس کا چہرہ لٹھے کے مانند سفید ہوگیا تھا..... دل اور دماغ ماؤف ہو چکے تھے..... فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا جب اس کے دماغ میں ایک جھماکہ سا ہوا اور آیت الکرسی اس کی زبان سے جاری ہوگئی تھی۔ صد شکر یہ کہ پیروں کی طرح زبان منجمد نہ ہوئی تھی۔

آیت الکرسی سے وہ پراسرار روح تو غائب نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے پیر اندیکھی گرفت سے آزاد ہوگئے تھے..... چاند کی روشنی میں اب وہ سرپٹ بھاگ رہی تھی..... اور بدروحوں کا بین قہقہوں کی صورت میں اب اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ سلامت گھر آ گئی..... اور پورا ہفتہ بخار میں تڑپتی رہی تھی۔ اس کے دو پیپر مس ہوگئے تھے..... پورا سال ضائع ہوگیا تھا۔ اس کے بعد وہ اس محلے میں دوبارہ کبھی نہ گئی۔

اور آج ڈھائی دو سال بعد اپنے آپ کو ایک بھیانک موت کے سپرد کرنے کے لئے وہ اس منحوس کھنڈر کے سامنے آ پہنچی تھی..... جہاں سے ایک بھیانک داستان کی شروعات ہونے میں کچھ ہی وقت رہ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

لیبر روم کے سامنے رکھی کرسیوں پر ہاجرہ خاتون بیٹھی ہوئی تھیں، چہرہ پریشانی کی وجہ سے سفید ہو رہا تھا۔ اور ہاتھ مسلسل تسبیح کے دانے گھما رہا تھا۔ لب بدستور ہل رہے تھے۔ فیاض بھی پاس ٹہل رہا تھا..... اس کے چہرے کے تاثرات بھی بتا رہے تھے کہ اس وقت وہ کس قدر پریشان تھا۔

ایمن کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی تھی..... ڈاکٹر کے مطابق اس کیس میں کچھ کمپلیکیشن پیدا ہوگئی تھی..... جس کی وجہ سے ماں یا بچے میں سے کسی ایک کو بچایا جاسکتا تھا..... اور ان دونوں کے لئے ایمن کی زندگی ہر شے سے زیادہ اہم تھی..... فیصلہ تو کرلیا تھا ہاجرہ خاتون اور ان کے اکلوتے بیٹے فیاض نے..... لیکن اب اس فیصلے پر قائم رہنا ان کے لئے مشکل ہورہا تھا..... جس خوشی کا ان لوگوں نے سات برس تک صبر اور تحمل سے انتظار کیا تھا..... وہ خوشی انہیں ملتے ملتے یوں واپس لے لی جائے گی یہ بات انہوں نے سوچی تک نہیں تھی..... عجیب سی ذہنی حالت بنی ہوئی تھی اس وقت تھوڑی دیر بعد لیبر روم کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر نکلی..... فیاض بے چینی سے دوڑ کر ڈاکٹر کے پاس گیا۔

''ڈاکٹر کیا ہوا؟ کیا ایمن ٹھیک ہے..... وہ خطرے سے باہر ہے نا اب۔'' فیاض کے لہجے میں حیرت سی پنہاں تھی۔

ہاجرہ خاتون بھی چلتے ہوئے اس کے پاس آ گئی تھیں..... اور امید بھری نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھ رہی تھیں۔

ڈاکٹر شائستہ نے اپنا ماسک اپنے ہاتھ سے نیچے کیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ''مبارک ہو چاند جیسی بیٹی ہوئی ہے اور ایمن بھی اب خطرے سے باہر ہے۔ لیکن آپ کو تو پتہ ہے کہ ڈلیوری وقت سے پہلے ہوئی ہے اس لئے ہمیں بچی کو کچھ ٹائم انکیوبیٹر میں رکھنا ہوگا۔ کچھ ضروری ٹیسٹ بھی کروانے ہوں گے۔''

ہر طرف روشنیاں جگمگ کر اٹھی تھیں..... مایوسیوں اور اداسیوں کے پرندے یک دم اڑ گئے تھے..... اور خوشیوں کی بلبل اب چہک رہی تھی..... فیاض کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ری ایکٹ کیسے کرے۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' ہاجرہ خاتون نے صدق دل سے شکر ادا کیا..... وہ واقعی ایک بار پھر اپنے رب کی بے حد مشکور ہوگئی تھیں۔

''لیکن ڈاکٹر صاحبہ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ ماں یا بچے میں سے ایک ہی بچ پائے گا۔'' فیاض نے پوچھا۔

ڈاکٹر شائستہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ''بس یوں سمجھیں کوئی معجزہ ہوگیا ہے۔ ہم خود بھی حیران ہیں..... بس اب آپ خدا کا شکر ادا کریں..... اور مجھے مٹھائی کھلائیں۔''

''جی ضرور۔'' فیاض نے کہا۔ ''ویسے کیا میں اپنی بیٹی کو اور بیوی کو دیکھ سکتا ہوں؟''

بچی کو تو آپ ابھی نہیں دیکھ سکتے..... پہلے کچھ ضروری ٹیسٹ ہوجائیں اس کے بعد..... البتہ آپ اپنی بیوی سے مل سکتے ہیں۔''

☆.....☆.....☆

وہ کھنڈر کے اندر داخل ہوچکی تھی..... وہ کسی دور میں ایک خوبصورت گھر ہوا کرتا تھا..... اس کھنڈر کے شکستہ دیواروں کو دیکھ کر یہی خیال اس کے دماغ میں چکرا رہا تھا۔

آج وہ کھنڈر خاموش تھا..... دو سال قبل جو اس کے ساتھ ہوا تھا..... ویسا دروازہ ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا..... اس کو یہاں آئے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوچکا تھا..... تب سے ہی وہ ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئی تھی..... نادانستگی میں ہی اس کی یہ خواہش تھی کہ ساڑھے چار سال پہلے والی وہ بھیانک روح جلد از جلد اس کے سامنے آئے۔ اور اسے مار ڈالے..... کیونکہ اس میں اب زندہ رہنے کی کوئی امنگ باقی نہ رہی تھی..... اور اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنی جان خود لے سکتی..... اسی وجہ سے وہ موت کو گلے لگانے کے لئے اس کھنڈر میں آ گئی تھی..... تاکہ اس کھنڈر میں موجود روح اسے ختم کردے..... اس کے خون سے اپنی پیاس بجھالے.....

چلو کسی کو تو اس کی ذات سے فائدہ ہو اور آدھا گھنٹہ یوں ہی گزر گیا..... کچھ انہونی نہیں ہوئی تھی..... اسی لئے وہ وہاں سے اٹھی اور اور اس نے اس کھنڈر کا

جائزہ لینا شروع کردیا۔

اس کھنڈر میں دو کمرے تھے..... جن میں سامان کے نام پر صرف ایک صندوق موجود تھا..... جسے ایک زنگ آلود تالا لگا ہوا تھا۔ سامنے ایک صحن تھا اور باہر کا دروازہ..... خیر دروازے تو سارے غائب ہوگئے تھے۔ اور دیواروں کا پلستر بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا..... اس مکان نما کھنڈر کی حالت واقعی بہت ہولناک تھی۔ تبھی وہاں آس پاس کے سارے گھروں کے مکین وہاں سے نقل مکانی کر گئے تھے۔ کیونکہ ہر کسی کو اپنی جان بہت عزیز ہوتی ہے۔

وہ عجیب ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی..... وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ خوفزدہ ہے یا نہیں البتہ اس کی سمجھ میں ایک بات ضرور آ گئی تھی کہ موت سے بھی زیادہ بھیانک موت کا انتظار ہوتا ہے اور وہ اپنی موت کا انتظار کر رہی تھی۔

اچانک ہلکی سی سسکنے کی آواز آئی..... تو وہ سہم گئی..... سسکنے کی آواز تیز ہونے لگی..... اور پھر ایک دم اسے قدموں کی آواز آنے لگی..... کوئی ان دیکھا وجود اس کی طرف آ رہا تھا..... موت اسے اپنی آغوش میں لینے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایمان اسپتال سے گھر آ گئی تھی..... اور آج اسے گھر آئے ہوئے دسواں دن تھا..... ان دنوں وہ بے حد خوش تھی..... ایک چاند جیسی بیٹی کی ماں جو بن گئی تھی..... اسی کی مرضی کے عین مطابق اس لڑکی کا نام لاشانہ خان رکھا گیا تھا..... لاشانہ نے اس کی قدر و منزلت کو اور بھی بڑھا دیا تھا..... ہاجرہ خاتون اس کے ناز نخرے اٹھا رہی تھیں..... اپنی پوتی بھی انہیں اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی..... فیاض بھی ایمن کو سر آنکھوں پر اٹھا رکھتا تھا..... اس سے دیوانہ وار محبت کرتا تھا۔

غرض یہ کہ وہ دن خوشیوں، چاہتوں اور رنگوں سے زیادہ رنگین تھے..... ایمن کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے..... لیکن وہ کہتے ہیں ناں کہ جب دیا بجھنے والا ہوتا ہے تو اس کی لو بھڑک جاتی ہے..... کچھ ایسا ہی یہاں بھی ہونے والا تھا۔

اب فیاض کو اسٹور پر گئے ہوئے تھوڑا ہی وقت گزرا تھا جب وہ ایمن لاشانہ کو سلا کر ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھی حسب معمول ہاجرہ خاتون اپنے کمرے میں تفسیر کی کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''اس وقت کون آ گیا۔'' ایمن نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور جا کر مین گیٹ کھولا..... سامنے ایک مانگنے والا مجذوب تھا اور پیسے حاصل کرنے کے لئے رٹے رٹائے جملے بول رہا تھا۔

''معاف کرو بابا گھر میں کوئی نہیں ہے۔'' ایمن نے بے زاریت سے کہا کیونکہ بیٹے کے فقیروں کو پھوٹی کوڑی دینے کے حق میں بھی نہیں تھی وہ اور اس فقیر سے تو پھر اس کے ڈرامے کو ڈسٹرب کیا تھا۔

''بہت خوشی ہے نا سات برس کے بعد اولاد پا کر۔'' ایمن دروازہ بند کرنے ہی والی تھی جب اس فقیر کے الفاظ نے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو روک لیا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ اس بھکاری کا منہ تکنے لگی تھی۔

''اولاد تو مل گئی ہے تجھے مگر سب کچھ ایک آزمائش میں پڑنے والا ہے..... وہ دن دور نہیں جب اس گھر کی در و دیوار سے خون ٹپکے گا۔''

اتنا کہہ کر وہ فقیر وہاں سے چلا گیا..... ایمن دروازہ پر کھڑی اسے تکتی رہی اور وہ گلی کی نکڑ پر جا کے غائب ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی..... اور سسکنے کی آواز بڑھ گئی تھی..... آواز سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی مرد اور عورت ساتھ مل کر رو رہے ہوں..... لیکن اس آواز میں وحشت تھی۔ بہت درد اور تکلیف تھی..... اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اندیکھا وجود اس کے سامنے آ گیا ہو۔

بس اب یہ وحشت اس کی برداشت سے باہر

ہوگئی تھی۔ ''کون ہے..... بدروحوں میں یہاں تمہارے لئے آئی ہوں..... میں جانتی ہوں یہاں تم لوگوں کا بسیرا ہے..... میں زندگی سے ہار مان چکی ہوں..... میرے اپنوں نے مجھے بہت دزدیا ہے..... میں یہاں اپنی جان دینے آئی ہوں..... آؤ آ کر میرے خون سے اپنی پیاس بجھاؤ..... جلدی کرو میں جینا نہیں چاہتی نہیں چاہتی جینا۔'' اس کی آواز پورے کھنڈر میں گونج رہی تھی۔ ابھی اسے اپنی بات ختم کئے ہوئے چند لمحے ہی گزرے ہوں گے جب وہ ان دیکھا نادیدہ وجود ظاہر ہوگیا جس کی موجودگی کو وہ کافی دیر سے محسوس کررہی تھی۔

بالکل ویسا ہی تھا جیسا ساڑھے چار سال قبل تھا۔ سبز لباس اور سبز تاج اس کے سر پر جگمگا رہا تھا۔ اس کی جلد کا رنگ بھی سبزی مائل تھا..... آنکھیں ہلکی لال اور کانوں کی طرف کھنچی کھنچی سی تھیں..... ناک پتلا اور لمبا تھا..... اور منہ پر سفید ہلکی ہلکی داڑھی بھی تھی..... وہ ایک عجیب مخلوق تھا۔

''آج تو نے ہمیں حیران کردیا..... اور خوشی بھی..... حیرت تیرے یہاں آنے پر ہے..... اور خوشی تیری بہادری پر ہے۔''

اس انسان کی عجیب آواز تھی..... آواز میں ایک سرد مہری سی دوڑ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ چکی تھی..... اور اس کی آواز سن کر وہ سسکنے کی آواز بند ہوگئی تھی۔

''وہ بے تحاشا ڈر چکی تھی..... جذبات میں آ کر یہاں آنے کا فیصلہ تو کرلیا تھا مگر موت کا سامنا اتنا وحشت ناک ہوگا یہ اس کے گمان میں نہیں تھا۔

شاید اس آسیب نے بھی اس کے ڈر کو محسوس کرلیا تھا اس لئے رسانیت سے بولا۔ ''ڈر مت..... مجھے تیری بہادری پسند آئی ہے..... اور اس کے انعام میں تجھے وہ دوں گا جو تو چاہتی ہے..... لیکن میں پہلے تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیا ہوا جو تو اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے لئے اس جگہ آ گئی ہے۔ مجھ سے بالکل مت ڈر، تیری مرضی کے بغیر تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔''

اس بار اس آسیب نما انسان کے لہجے کی سرد مہری قدرے کم تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا کافی خوف زائل ہوگیا تھا۔

''ٹھیک ہے..... میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤں گی مگر تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''

''کیسا وعدہ؟''

''میری کہانی سننے کے بعد تم مجھے ایک آسان موت دو گے۔''

وہ پہلے مسکرایا پھر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

چند لمحے کے لئے خاموشی کی حکمرانی قائم ہوگئی غالباً وہ اپنی کہانی کی شروعات کے لئے کوئی سرا ڈھونڈ رہی تھی..... پھر اس نے بولنا شروع کیا۔

''میرا نام عائلہ ہے..... میرے پیدا ہوتے ہی میری ماں مرگئی تھی..... دو بڑے بھائی ہیں..... ابو ایک پرائمری اسکول ٹیچر تھے..... میرا بھائی ایک لڑکی کو پسند کرتا تھا..... اس نے اپنی پسند کا اظہار ابو سے کیا اور ابو بخوشی رشتہ لے کر جانے پر رضامند ہوگئے تھے..... کیونکہ میرے ابو ایک اوپن مائنڈڈ بندہ تھے۔ جب ہم لوگ وہاں بھائی کا رشتہ لے کر گئے تو ان لوگوں کے کچھ مہلت مانگی اور بعد میں رشتہ منظور کرنے کی یہ شرط رکھی کہ میں ان کے گھر کی بہو ہوں..... ان کا بیٹا ہر لحاظ سے اسٹائلش تھا۔

ابو نے مجھ سے پوچھا تو میں نے صاف انکار کردیا..... کیونکہ میں ایک لڑکے کو پسند کرتی تھی..... اس کا نام طاہر تھا..... ہمارے کالج کے سامنے اس کا کالج تھا..... جب میرے بھائی کو میرے انکار کا پتہ چلا تو اس نے گھر میں ایک کہرام مچادیا۔ وہ ہر حال میں میری شادی اپنی محبوبہ کے بھائی سے کروانا چاہتا تھا۔ لیکن میرے ابو کو میرا خیال تھا اس لئے انہوں نے

بھائی کی بات نہ مانی۔

لیکن میرے بھائی نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے میرے ابو بہت ڈر گئے وہ بڑھاپے میں جوان اولاد کا دکھ نہ سہہ سکتے تھے..... انہوں نے بھی بیٹے کی نند کے لئے بیٹی کی خوشیوں کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا..... اور میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے.....

میں بھی ابو کی اس وقت حالت دیکھ کر پگھل گئی..... اور جذبات میں آکر ان کا کہا مان لیا۔

ہوش جب آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی..... میری انگلی میں امجد کے نام کی انگوٹھی آ گئی تھی..... میں نے سارے حالات کے بارے میں طاہر کو بتا دیا..... تو طاہر بہت غصے میں آ گیا..... اوپر سے میرے ابو میری اور بھائی کی شادی ساتھ کرانا چاہتے تھے..... اس دن میرا دل و دماغ ماؤف ہو گیا اور میں نے طاہر کی بات مان کر اپنے گھر کی دہلیز پار کر لی اور ایک الوداعی خط اپنے باپ کے نام چھوڑ دیا۔ لیکن جب میں بس اسٹاپ پر پہنچی جہاں سے میں نے اور طاہر نے دوسرے شہر جا کر اپنی زندگی کی نئی شروعات کرنی تھیں۔

طاہر وہاں پہلے سے موجود تھا..... اس نے مجھ سے معافی مانگی..... اور مجھے لوٹ جانے کا کہا..... وہ اپنے والدین کو نہیں چھوڑ سکتا تھا..... اسے اپنی بہنوں کا مستقبل عزیز تھا..... اور میری اس کی زندگی میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

میں جب لوٹ کر گھر آئی تو فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں..... میرا باپ میرا وہ خط دیکھ کر مر گیا اور میرے بھائیوں نے مجھے اپنے باپ کی شکل نہ دیکھنے دی اور گھر سے نکال دیا.....

میں دو دن گلیوں میں بھٹکتی رہی اور پھر میں نے یہاں آ کر مرنے کا فیصلہ کر لیا۔''

عائلہ چپ ہو گئی اس آسیب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور وہ آسیب نما انسان اسے خالی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایمن ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹی وی کا ریموٹ تھا..... اور وہ مسلسل چینل تبدیل کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔

ہاجرہ خاتون کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر آئیں..... سامنے صوفے پر ایمن بیٹھی مسلسل چینل تبدیل کر رہی تھی..... اس کی ان کی طرف پیٹھ تھی اس لئے اسے امی جان کے آنے کا پتہ نہ چل سکا۔

وہ چلتی ہوئی ایمن کے پاس آئیں۔ ایمن بدستور چینل تبدیل کر رہی تھی۔

''ایمن کیا ہوا ہے بیٹا۔'' انہوں نے ایمن کو مخاطب کیا مگر ایمن تو اپنی سوچوں میں غلطاں تھیں اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کوئی اسے بلا رہا ہے۔

ہاجرہ خاتون آگے بڑھیں اور ایمن کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا تب ایمن چونکی۔

''کیا ہوا امی جان آپ کب آئیں کچھ چاہئے تھا کیا آپ کو۔'' ایمن نے ریموٹ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں میں تو کب سے تمہیں بلا رہی ہوں۔ مگر تم نہ جانے کون سی سوچوں میں ڈوبی ہوئی ہو..... کوئی پریشانی ہے بیٹا تو مجھے بتاؤ..... میں تمہاری ماں ہوں ساس نہیں..... لاشانہ تو ٹھیک ہے نا؟''

ایمن بولی۔ ''جی امی لاشانہ بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی ابھی سوئی ہے۔ میری پریشانی کی وجہ کچھ اور ہے۔''

''کون سی پریشانی ہے بیٹا؟''

''امی ابھی تھوڑی دیر قبل ایک فقیر آیا تھا..... وہ بہت ہٹا کٹا تھا۔ آپ نے ہی تو مجھے سکھایا تھا کہ ایسے لوگوں کو کچھ نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ گناہ ہوتا ہے۔ مگر وہ مجھے بہت بددعائیں دے کر گیا ہے۔ اس کے مطابق میری خوشیاں، غموں میں بدلنے میں کچھ وقت ہی رہ گیا ہے..... میں تباہ ہونے والی ہوں..... امی جب سے مجھے وہ بددعائیں دے کر گیا ہے میرے دل کو بالکل بھی چین نہیں مل رہا، یوں لگ رہا ہے جیسے کچھ بہت برا

ہونے والا ہے۔''

ہاجرہ خاتون نے بہو کی ساری بات بہت توجہ اور تحمل کے ساتھ سنی پھر دھیرے سے مسکرادیں۔

''بیٹا اتنی سی بات پر اگر تم ٹینشن لینے لگی تو یہ زندگی کیسے گزرے گی..... دیکھو میری جان یہ جو ہٹے کٹے صحت مند بھکاری ہوتے ہیں نا یہ اپنی عادت سے بہت مجبور ہوتے ہیں جب انہیں پتہ ہے کہ بغیر کسی محنت مشقت کے انہیں بھیک میں پیسے مل سکتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو کیوں تھکائیں..... جو لوگ انہیں پیسے دے دیتے ہیں انہیں اتنی بھی دعائیں دیتے ہیں..... اور جو نہیں دے پاتے تو بھکاریوں اور ان مجذوبوں کی نظر میں ان کی زندگی برباد ہونے والی ہوتی ہے..... اب تم خود ہی سوچو کہ ایسے لوگوں کی کسی دعا یا بددعا کا تم پر کیا اثر ہوگا۔'' ہاجرہ خاتون نے اپنی بہو کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''امی میں جانتی ہوں کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں جو اتنا بے چین ہورہا ہے۔''

''بیٹا قرآن پاک کی تلاوت کرو..... کیا دل کو چین دینے کے لئے کلام پاک سے بڑھ کر کوئی شے ہوسکتی ہے۔''

ایمن بے ساختہ ہاجرہ خاتون کے گلے لگ گئی تھی۔ اسے ہمیشہ سے احساس اور یقین تھا کہ اس کی ساس جو کسی صورت میں اس کی ماں سے کم نہیں، ہمیشہ درست سمت میں اس کی رہنمائی کریں گی۔

☆.....☆.....☆

آج آسمان پر چودھویں کا چاند اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ موجود تھا..... جس کی روشنی میں ہر چیز واضح نظر آرہی تھی۔ وہ گلی جس میں وہ ویران کھنڈر تھا اور اس کھنڈر کا وہ کمرہ جہاں ٹوٹے ہوئے روشن دان سے چاندنی اندر داخل ہورہی تھی۔ عائلہ اپنی کہانی سنا کر چپ تھی..... یا شاید اپنی موت کی منتظر تھی۔ وہ آسیب اسے خالی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا..... چند ثانیوں کے لئے دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

''تم جانتی ہو میں کون ہوں کس مخلوق سے تعلق رکھتا ہوں۔'' اس آسیب نے عائلہ کی کہانی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذات کے بارے میں اس سے سوال کیا۔

''نہیں میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ جاننا چاہتی ہوں۔ میں نے تمہاری شرط پوری کی تمہیں اپنی آپ بیتی بتادی اور اب تمہیں بھی میری بات ماننی ہوگی مجھے موت دینی ہوگی اور وہ بھی ابھی۔ میں مزید زندہ نہیں رہنا چاہتی۔'' عائلہ کے لہجے سے مایوسی چھلک رہی تھی۔

''تمہاری ہر بات مانوں گا مگر پہلے میری بات سن لو اور اس کے بعد فیصلہ تم خود کروگی۔''

عائلہ نے اثبات میں سر ہلادیا..... وہ آسیب بے تکلف ہورہا تھا اور عائلہ کا سارا خوف زائل ہوچکا تھا۔

''میرا نام زنگال ہے..... میں یہاں سے بہت دور اپنی بستی میں رہتا تھا..... ہمارا شمار بے مذہب جنات میں ہوتا ہے۔ میں ایک عام سا جن تھا..... میرے پاس کچھ شکتیاں بھی نہیں تھیں..... پھر ایک روز وہاں ایک ساحرہ آئی ہمارے قبیلے میں..... اور اس نے ہماری ساری بستی کو اپنا غلام بنالیا..... لیکن میں بچ گیا کیونکہ میں ان دنوں اپنے قبیلے میں نہیں تھا..... جب لوٹ کر آیا تو ساری بات پتہ چلی کہ میرے ماں باپ بہن بھائی سارے کے سارے قیدی بن چکے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس وقت کہ میں کیا کروں..... اور میں نے اپنی بستی چھوڑ کر اس انسانی بستی میں اس مکان میں آگیا۔ کیونکہ میں اپنی طاقتیں بڑھا کر اس ساحرہ کو مار دینا چاہتا تھا..... اور میں اس وقت یہاں اپنی طاقتیں بڑھانے کے لئے کچھ عمل کرنے کے لئے آیا تھا یہاں آنے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں پر تین بدروحیں رہتی ہیں..... میں نے ان تینوں

بدروحوں کو اپنے قابو میں کرلیا..... کیونکہ وہ میرے مقصد میں ایک دیوار تھیں۔

اور پھر میں نے اپنا مقصد پورا کرلیا..... اس ساحرہ کو ایک بھیانک موت دے دی۔ میرے لوگ آزاد ہوگئے..... میں نے کافی عرصہ اس کھنڈر میں اکیلے گزارا۔ اور اب مجھے اس کھنڈر کی تنہائی اچھی لگنے لگی تو میں نے یہاں مستقل رہنے کا فیصلہ کرلیا..... مجھے انسانوں سے نفرت ہے..... اور جو انسان یہاں آتا ہے..... واپس زندہ نہیں جاتا..... لیکن تم سے ہمدردی ہوگئی ہے..... تمہیں مارنا نہیں چاہتا..... تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

زنگال چپ ہوگیا اور عائلہ اسے سوالیہ نظروں سے تکنے لگی۔

زنگال نے سلسلہ کلام پھر جوڑا۔

''کیا تم نہیں چاہتی کہ ایسا انتقام لو جیسا میں نے لیا تھا۔ مرنا تمہیں نہیں چاہئے..... موت کو انہیں پہلے دبوچنا چاہئے جنہوں نے تمہیں اس مقام تک پہنچایا ہے..... اور اس سب میں، میں تمہاری مدد کروں گا..... بولو منظور ہے۔''

''ہاں میں بھی اس منافق انسان سے بدلہ لینا چاہتی ہوں جو مجھے آدھے راستے میں چھوڑ گیا اور اپنے اس نام نہاد بھائی سے بھی..... جس نے اپنی محبت کی خودغرض چھری سے مجھے ذبح کر ڈالا لیکن یہ ہوگا کیسے؟'' کیا یہ ممکن ہے؟

''ہاں بالکل ممکن ہے۔ تمہیں بھی ایک ساحرہ یا چڑیل بننا ہوگا۔ پھر تم جو چاہو گی وہ کرسکو گی۔''

میں تو ایک لڑکی ہوں میں بھلا کیسے چڑیل بن سکتی ہوں؟

تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو تمہارے بدلے میں، میں تمہارا ساتھ دوں گا..... کیونکہ مجھے تم پر ترس آ گیا ہے..... بولو کیا میرا ساتھ منظور ہے؟

کچھ لمحات کے لئے عائلہ سوچتی رہی پھر دھیرے سے بولی۔ ''منظور ہے۔''

زنگال کا دل خوشی سے جھوم اٹھا وہ اپنے مقصد کے قریب ہوتا جارہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایمن نے امی جان (ہاجرہ خاتون) کی بات پر عمل کیا اور قرآن پاک کی تھوڑی سی تلاوت کی تھی جس کی وجہ سے اس کے دل کو قدرے سکون ملا تھا.....

شام سے ہی موسم سہانا ہوگیا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا بھی محسوس ہورہی تھی۔ فیاض ابھی اسٹور پر ہی تھا۔ لیکن اس نے ایمن کو کال کرکے پکوڑوں کی فرمائش کی تھی۔ اسے ایمن کے ہاتھ کے بنے ہوئے پکوڑے بے حد پسند تھے۔ لاشانہ تھوڑی دیر پہلے ہی جاگی تھی..... ایمن نے اسے فیڈر بنا کر دیا اور خود کچن میں آ کر پکوڑوں کے لئے پیاز اور آلو کاٹنے لگی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی..... ایسا ہمیشہ ہوتا تھا..... وہ جب بھی اپنے شوہر کا کوئی کام کررہی ہوتی اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ جاتی تھی..... شاید یہ اس کی مثالی محبت کی انتہا تھی..... حالانکہ ان کی ارینج میرج تھی۔

ہاجرہ خاتون چھت پر ٹہل رہی تھیں ایسا موسم ان کو بے حد پسند تھا..... اور وہ موسم ہی انجوائے کررہی تھیں..... تھوڑی دیر بعد وہ نیچے جانے لگیں..... ابھی وہ دوسری سیڑھی پر ہی تھی کہ ان کا پیر نجانے کیسے مڑا اور وہ سیڑھیوں سے نیچے لڑھکتی چلی گئیں..... ان کی درد ناک چیخوں سے پورا گھر گونج اٹھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''تمہارا نام آج سے پاروتی ہے۔''

''میرا نام آج سے پاروتی ہے۔''

''تم اپنی رضامندی سے اپنے مذہب کے دائرے سے نکل آئی ہو۔''

''ہاں میں اپنی رضامندی سے اپنے مذہب کے دائرے سے نکل آئی ہوں۔''

''تم اب شکتیاں حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

''ہاں میں اب شکتیاں حاصل کرنا چاہتی ہوں۔''

''ان شکتیوں سے تم اپنے بے وفا محبوب اور اپنے بھائی کا سروناش کروگی۔''

ہاں میں ان شکتیوں سے اپنے بے وفا محبوب اور اپنے بھائی کا سروناش کروں گی۔''

''اور یہ شکتیاں تمہیں ہنومان جی دیں گے۔''

''یہ شکتیاں مجھے ہنومان جی دیں گے۔''

''تم ہنومان جی کو آج سے اپنا سب کچھ مانو گی۔''

''میں ہنومان جی کو آج سے اپنا سب کچھ مانوں گی۔''

''تم اپنے دل سے رحم دلی کا ہر جذبہ آج سے مٹادوگی۔''

''میں اپنے دل سے رحم دلی کا ہر جذبہ آج سے مٹادوں گی۔''

زنگال بولتا جارہا تھا اور عائلہ جو کہ اب پاروتی بن چکی تھی ایک معمول کی طرح اس کی بات کو دہرا رہی تھی۔

''تو آج کے لئے اتنا کافی ہے..... ویسے بھی صبح ہونے والی ہے..... اور کل رات سے تمہارا ایک ساحرہ بننے کا اصل سفر شروع ہوگا اور پھر اس کے بعد کوئی بھی تمہاری تذلیل نہیں کرسکے گا۔'' زنگال نے کہا اور پاروتی نے اثبات میں سر ہلادیا۔

وہ آج یہاں مرنے کے لئے آئی تھی۔ مگر وقت پلٹ گیا اور کچھ سے کچھ ہوگیا تھا۔ وہ نہ جانتی تھی کہ جو کچھ وہ کرنے والی ہے اس کا خمیازہ اس کی آنے والی نسل کو بھی بھگتنا پڑے گا۔

☆.....☆.....☆

یہ ہاجرہ خاتون کے سیڑھیوں سے گر جانے کے ایک ہفتہ بعد کا ذکر ہے۔

چمکیلی دھوپ بہار کے اس موسم میں بہت بھلی محسوس ہورہی تھی۔ اسپتال کے اس کمرے میں جہاں ہاجرہ خاتون گزشتہ ایک ہفتے سے ایڈمٹ تھیں، کمرہ تازہ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ انہیں بازو میں فریکچر ہوگیا تھا..... جس کی وجہ سے بازو پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ کمر پر بھی دباؤ بڑا تھا..... اس وقت وہ بیڈ پر نیم دراز تھیں..... بیڈ کے ساتھ پڑے بنچ پر فیاض بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی گود میں ایک پلیٹ رکھی ہوئی تھی..... جس میں وہ چھری سے سیب کاٹ رہا تھا..... سارا سیب کاٹنے کے بعد اس نے پلیٹ اپنی امی کی طرف بڑھائی جسے انہوں نے نرمی سے تھام لیا..... اور سیب کی ایک قاش کو اٹھا کر دھیرے دھیرے اسے کھانا شروع کیا۔

''بیٹا یہ مجھے کب تک ڈسچارج کریں گے۔'' وہ یہاں اسپتال کے ماحول سے تنگ آچکی تھی۔

''بس امی میں نے صبح ڈاکٹر سے بات کی تھی ایک دو دنوں تک ڈسچارج کردیں گے..... آپ گھبرائیں نہیں جب ایک ہفتہ یہاں گزر گیا ہے تو یہ دو دن بھی گزر ہی جائیں گے۔''

''اچھا لاشانہ کا کیا حال ہے مجھے بہت یاد آرہی ہے اس کی..... ایمن کو بولو نا لاشانہ کو کچھ دیر میرے پاس لے آئے۔'' ہاجرہ خاتون بولیں۔

''اچھا ٹھیک ہے..... ایمن ویسے بھی آپ کے لئے سوپ بنارہی تھی۔ ابھی گھر سے نکلنے والی ہوگی..... میں اسے میسج پر انفارم کردیتا ہوں۔'' فیاض نے کہا اور پھر اپنے اسمارٹ فون سے ایمن کو میسج کیا۔

''امی اصل میں ڈاکٹر نے کچھ اور بھی کہا تھا۔'' فیاض نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

''کیا کہا تھا ڈاکٹر نے۔'' ہاجرہ خاتون نے پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ڈاکٹر کے مطابق آپ کو گھر میں ورزش کروانی ہوگی۔ اب آپ کو تو پتہ ہے کہ میں اسٹور میں کتنا مصروف ہوتا ہوں۔ آج کل چھوٹا سا کاروبار سنبھالنا بھی تو آسان کام نہیں اور ایمن کا آپ کو پتہ ہے کہ اس ایکسر سائز کے بارے میں کچھ نہیں پتہ تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کے لئے کچھ عرصے کے لئے ایک نرس ہائر کرلوں جو آپ کی ورزش اور ڈائٹ کا خیال رکھے۔''

''ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔'' انہوں

نے کہا۔

☆.....☆.....☆

وقت بند مٹھی میں ریت کی طرح پھسلتا جا رہا تھا..... اور وہ بھی پھسل کر نجانے کہاں سے کہاں آ گئی تھی۔

پاروتی ایک ہفتے سے اس کھنڈر میں رہ رہی تھی۔ اس نے مختلف عمل کر لئے تھے..... اور اب اس کے پاس بھی تھوڑی بہت شکتیاں تھیں..... وہ ہنومان کو پوج رہی تھی..... شاید اسی وجہ سے روز بروز اس کی شکل بندریا کی طرح ہوتی جا رہی تھی۔ اور یہ بدلاؤ واضح محسوس ہو رہا تھا وہ واقعی انسان سے چڑیل بنتی جا رہی تھی۔

آج ایک ہفتے بعد اس نے اپنا پہلا انتقام لے لیا تھا..... اپنے محبوب کے کلیجے کو نوچ لیا تھا..... اسے موت کی گھاٹ اتار دیا تھا..... آج اس کے دل سے رحم کا ہر جذبہ ختم ہو گیا..... اور جب وہ واپس اس کھنڈر میں آئی (اس کے پاس اب غائبانہ طاقتیں تھیں عام انسان اس کی مرضی کے بغیر اسے نہ دیکھ سکتے تھے)

وہ اس کمرے میں آئی جہاں پہلی بار اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے لئے آئی تھی۔ صندوق کو دیکھ کر اس کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ آخر پورا کھنڈر میں وہ واحد صندوق کیوں ہے۔ وہ صندوق پراسرار سا لگتا تھا..... اسے ایک زنگ آلود تالا لگا ہوا تھا۔

زنگال نے وہ صندوق کھولنے سے اسے سختی سے منع کیا تھا..... مگر آج زنگال کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ سو اس نے اپنی طاقت سے وہ صندوق کھولا۔

اس صندوق میں ایک انسانی کھوپڑی تھی..... کچھ موم بتیاں اور کچھ مری ہوئی چمگادڑیں بھی تھیں..... اور ایک سیاہ موٹی سی جلد والی ایک بوسیدہ کتاب بھی تھی۔

پاروتی نے وہ کتاب کھولی..... وہ کتاب اپنے اندر ایک بھیانک راز لئے ہوئے تھی۔

وہ اس کتاب میں ایک جناتی قبیلے اخناطاس کی داستان تھی۔ وہ جناتی قبیلہ شر پسند جنات پر مشتمل تھا..... جو انسانی دنیا سے کہیں دور ایک جزیرے کے جنگلوں میں بستا تھا..... اس جناتی قبیلے میں ایک جن انسانی دنیا میں جانے کی خواہش رکھتا تھا۔ کیونکہ اس نے انسانی دنیا کے بارے میں اور انسانوں کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا کہ انسان بہت ظالم بھی ہوتے ہیں..... بہت رحم دل بھی..... لیکن اپنی بستی کے باقی جن بھوتوں کی طرح اسے بھی انسانوں سے نفرت تھی۔ شدید نفرت..... اس جن کا نام زنگال تھا..... (کتاب میں زنگال کی آپ بیتی تھی معلوم نہیں کہ یہ زنگال نے خود لکھی تھی یا کسی سے لکھوائی تھی)

خیر جب اس جن نے اپنے ماں باپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ انسانی دنیا میں جا کر انسانوں کو ستانا چاہتا ہے تو اس کے سارے آل و عیال بہت خوش ہوئے تھے اور اسے آسانی سے اجازت مل گئی۔

انسانی بستی میں آ کر اس نے خون کی ہولی کھیلی اور بہت تباہی پھیلا دی۔

تب ایک بزرگ نے اسے ایک ویران کھنڈر میں قید کر دیا۔ جہاں پہلے سے تین بدروحوں کا بسیرا تھا..... کچھ عرصے بدروحوں اور زنگال کے درمیان چوہے بلی کا کھیل چلتا رہا۔ لیکن وہ چونکہ تینوں بدروحیں ایک دوسرے کی دشمن تھیں اس لئے وہ زنگال کا کچھ نہ بگاڑ پائیں۔

دوسری جانب زنگال کے ماں باپ کو زنگال کی قید کا علم ہو چکا تھا..... اپنی شکتیوں کی بدولت انہوں نے زنگال سے رابطہ کیا اس کے خواب میں آئے اور اسے بتایا کہ اگر وہ ان تینوں بدروحوں کو قابو میں کر لے تو وہ کھنڈر سے نکل کر بستی میں گھوم کر لوگوں کو ایک بار پھر پریشان کر سکتا ہے۔

اور پھر اس نے یونہی کیا..... ان بدروحوں کو اس کھوپڑی میں قید کر دیا جو اس کے باپ نے اس تک اپنی طاقتوں کے ذریعے پہنچائی تھی..... اس مقصد کے

لئے اس جن بھوت کو ایک کھٹن چلہ کاٹنا پڑا تھا۔

اب ایک بار پھر وہ آزاد ہوگیا..... اس نے لوگوں کو خوب تنگ کیا..... اور پھر ایک چاندنی رات میں ایک دوشیزہ اس کھنڈر کے باہر آئی..... زنگال کا ارادہ اس دوشیزہ کو قتل کرنے کا تھا..... لیکن اس دوشیزہ نے کچھ ایسا پڑھا کہ زنگال کی ساری طاقتیں چند لمحات کے لئے سلب ہوگئی تھیں۔

اور جب چاندنی میں وہ آدم زادی ہراساں ہرن کی طرح بھاگ رہی تھی تو اس جن نے اس وقت کچھ ایسا محسوس کیا کہ جیسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔

خیر کچھ عرصے میں وہ زنگال اس دوشیزہ کو بھول گیا اور ایک مرتبہ پھر اس کے باپ نے اس کے خواب میں آکر دوبارہ اسے اس کی اپنی دنیا میں لوٹنے کا طریقہ بتایا..... اسے کسی ہنومان دیوتا کی پجارن کے خون سے غسل کرنا ہوگا وہ خود بھی اپنے لوگوں میں واپس جانا چاہتا تھا..... کیونکہ یہاں تنہا وہ بے زار ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نے اس بھیانک کام کی حامی بھرلی۔

بہت عرصہ گزر گیا مگر کوئی ہنومان کا بھگت اس کھنڈر میں نہ آیا..... اس کھنڈر کے آسیب کے بارے میں ارد گرد کے لوگ بخوبی واقف تھے..... اس لئے کوئی وہاں کا رخ نہیں کرتا تھا..... کبھی کبھی ڈاکو لٹیرے وہاں پناہ لے لیتے تھے مگر وہ بھی ہنومان کا بھگت بننے کے بجائے موت کو ترجیح دیتے تھے۔

اور پھر ایک رات وہ نازنین حسینہ دوبارہ اس کھنڈر میں آئی..... وہ مرنا چاہتی تھی..... اس کا نام عائلہ تھا..... یہ وہی لڑکی تھی جو ڈھائی برس قبل اس جن کے ہاتھوں زندہ بچ گئی تھی۔

بہرحال اس بھوت نے اسے اپنے استعمال کے لئے فیصلہ کرلیا تھا وہ اسے ہنومان کی پجارن اور ایک ساحرہ بنا کر اس کے خون سے غسل کرکے اپنی دنیا میں لوٹ کر جانا چاہتا تھا۔''

اس کتاب میں اور بھی بے شمار منتر اور آسیبی کہانیاں تھیں..... مگر پاروتی کے لئے سب کچھ بے معنی ہوگیا تھا..... انسانوں سے منہ موڑ کر اس نے آتشی مخلوق سے دوستی کی مگر یہاں سے بھی انسانوں کی طرح دھوکہ ہی ملا۔

پاروتی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا..... اپنے بچاؤ کے لئے وہ زنگال سے جان چھڑانے کا تہیہ کرچکی تھی۔

اب اس نے دو قتل کرنے تھے۔

اپنے نام نہاد غیرت مند بھائی کا.....

اور اس دھوکے باز جن کا.....

محبت کیا ہوتی ہے..... کیوں ہوتی ہے زنگال نہیں جانتا تھا..... کیونکہ اس نے ہمیشہ نفرت سے اور خون خرابے سے پیار کیا تھا..... کیونکہ اسے سکھایا ہی گیا تھا..... اس کی گھٹی میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ انسانوں سے بدتر اس دنیا میں اور کوئی مخلوق نہیں ہے اور وہ بھی اس بات پر ایمان لے آیا تھا..... وہ چاندنی رات میں جب اس نے پہلی مرتبہ عائلہ کو دیکھا تھا تو اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا..... اس احساس کو وہ کوئی نام دینے سے قاصر تھا..... لیکن ہاں وہ پہلی بار تھی جب اسے کسی آدم زاد کو زندہ چھوڑنے پر دکھ نہ ہوا..... ہاں وہ پہلی بار تھا جب کوئی آدم زاد اسے اچھا لگا..... اس کے چہرہ پر چھایا وہ خوف کا عالم..... نیلی آنکھیں جوان لمحات آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی کسی جھیل کا تاثر دے رہی تھیں..... ان آنکھوں کو وہ کافی دنوں تک فراموش نہ کرپایا تھا۔ لیکن وقت کے گرد نے سب چھپا دیا..... اور جب اس کی دوبارہ ڈھائی سال بعد ملاقات ہوئی تو اپنی دنیا میں جانے کی خواہش، ہر تمنا پر سبقت لے گئی..... اس نے عائلہ (پاروتی) کے ساتھ ہمدردی کا کھیل کھیلنا شروع کردیا۔

اور اب دل میں سوئی ہوئی محبت انگڑائیاں لے کر بیدار ہورہی تھیں..... جوں جوں اس جن کی منزل قریب آرہی تھی۔ منزل سے دوری کی خواہش بڑھتی جارہی تھی۔

اور پھر ایک روز اس نے ہمیشہ کے لئے عائلہ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

لیکن اسی روز عائلہ کو اس کے گزشتہ منصوبوں کے بارے میں پتہ چل گیا۔

اپنی دانست میں وہ پاروتی (عائلہ) سے اظہار محبت کے لئے جارہا تھا۔

اور پاروتی اپنی دانست میں اس کی تباہی کا سامان تیار کررہی تھی۔

خوب چکر چل رہا تھا..... اب دیکھنا یہ تھا کہ کس کی جیت ہوتی ہے اور کس کی ہار۔

☆.....☆.....☆

ہاجرہ خاتون کے گھر کا ڈرائنگ روم نفاست اور سادگی سے سجا ہوا تھا..... جس میں ایک صوفہ سیٹ اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں..... درمیان میں شیشے کا میز جس پر ایک نفیس سا گلدان رکھا ہوا تھا۔ اس گلدان میں تازہ پھول مہک رہے تھے..... ایک کرسی پر ایمن بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی گود میں لاشانہ تھی..... جو بار بار گود سے اترنے کی کوشش کررہی تھی..... آج ہاجرہ خاتون کا اسپتال سے گھر آئے دوسرا دن تھا۔

ایمن کے سامنے ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی..... جس نے اپنے آپ کو ایک بڑی سی سیاہ چادر میں ڈھانپا ہوا تھا۔ وہ لڑکی فیاض کے دوست کی توسط سے کچھ عرصے یہاں رہنے آئی تھی..... فیاض کے دوست عامر کے مطابق اس لڑکی کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا۔ پہلے دور کے رشتے کی ایک خالہ کے گھر رہتی تھی..... اور جب اس خالہ کے بیٹے نے اس کی عزت پر حملہ کیا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' ایمن نے نرمی سے پہلا سوال پوچھا۔

وہ سوچ میں پڑگئی عائلہ بتاؤں یا پاروتی۔

''تمہارا نام پوچھ رہی ہوں تم سے'' جب دس سیکنڈ تک کوئی جواب نہ ملا تو ایمن نے اس بار ذرا سختی سے پوچھا۔

''عائلہ نام ہے میرا۔'' اس لڑکی کی آواز سپاٹ تھی۔ ''ہم تمہیں اس گھر میں پناہ دے رہے ہیں..... بھئی سچی صاف بات ہے کہ میں اس طرح اجنبیوں پر بھروسہ کرنے کے حق میں تو نہیں ہوں..... لیکن ہم عامر بھائی کی بات ٹال نہیں سکتے۔ وہ فیاض کے بہت اچھے دوست ہیں۔

وہ تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ تم تو جانتی ہو وہ اکیلے رہتے ہیں۔ تو وہاں تمہارا رہنا مناسب نہ ہوتا..... اس گھر کے کچھ اصول ہیں..... یہاں ہر کوئی فجر کے وقت اٹھ جاتا ہے..... یہاں ہر کوئی پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے..... کوئی کسی سے بحث نہیں کرتا..... دوسروں کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑائی جاتی..... اگر تم ان اصولوں پر چلو گی تو تمہیں یقیناً کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ ہم نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے..... مجھے امید ہے کہ تم ہمیں پچھتانے کا موقع نہیں دوں گی۔'' ایمن نے اپنی بات ختم کی۔

''جی بہتر۔'' عائلہ نے کہا۔

ایمن دوبارہ بولی۔ ''میں یہاں تمہارا بستر لگوا دیتی ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو بتادینا۔'' ایمن باہر جانے لگی۔

''بات سنیں۔'' عائلہ نے پیچھے سے ایمن کو پکارا۔ ایمن واپس مڑی تو عائلہ کھڑی ہوگئی دو قدم آگے بڑھی اور جب اس کے اور ایمن کے درمیان فاصلہ کم ہوا تو وہ بولی۔

''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ لوگ بہت ملنسار اور ہمدرد ہیں..... آپ کے خلوص کی میں کوئی قیمت تو نہیں لگا سکتی کیونکہ آپ نے مجھ اکیلی لڑکی کو اپنے گھر میں پناہ دے کر جو احسان مجھ پر کیا ہے میں اسے کبھی چاہ کر بھی نہیں اتار سکتی..... لیکن میں یہاں مفت خوروں کی طرح روٹیاں بھی نہیں توڑنا چاہتی..... عامر بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کی امی جان کے گرنے کی وجہ سے کچھ فریکچر ہوئے ہیں..... ہڈیوں پر دباؤ پڑا ہے..... میں نے نرسنگ کے کچھ کورسز کئے

ہیں..... کیا میں ان کا خیال رکھ سکتی ہوں۔''

عائلہ کی بات سن کر ایمن نرمی سے مسکرائی اس نے دھیرے سے عائلہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دبایا اور بولی۔ ''ٹھیک ہے میں امی اور فیاض سے بات کر کے تمہیں بتاتی ہوں۔''

ایمن جانے کے لئے مڑی اور دروازے کے پاس پہنچ کر پلٹی اور بولی۔ ''اور ہاں بیگ سے اپنا سارا سامان نکال کر الماری میں رکھ دو۔'' عائلہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

ایک عرصہ گزرنے کے بعد وہ بدروحیں آزاد ہوگئی تھیں..... وہ بدروحیں نہیں جانتی تھیں کہ وہ آزاد کیسے ہوئی ہیں..... لیکن ہاں انہیں یہ ضرور پتہ تھا کہ انہیں قید کرنے والا وہ زنگال اب خود ایک بار پھر مکمل طور پر کسی کا قیدی بن چکا تھا۔ اور ہمیشہ کی طرح ان بدروحوں کا مسکن وہ ویران کھنڈر ہی تھا۔

وہ تینوں بدروحیں ایک دوسرے کی دشمن تھیں..... چندر کی پتنی پدماوتی اور چندر پاکستان بننے سے پہلے یہاں رہتے تھے..... چندر ایک سیاہ رنگت اور بے حد معمولی سے نقوش رکھنے والا چھوٹے سے قد کا مرد تھا..... البتہ پدماوتی خوبصورتی اور نزاکت میں اپنی مثال آپ تھی اور اس نے صرف اپنے ماں باپ کے دباؤ میں چندر سے شادی کی تھی..... شادی کے پانچ برس گزر جانے کے باوجود پدماوتی نے چندر کو خود چھونے کی اجازت بھی نہ دی تھی..... چندر ایک شریف اور معصوم سا انسان تھا۔ اس وقت کا صبر کے ساتھ انتظار کر رہا تھا جب پدماوتی کے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو..... مگر پانچ سال تک اس کا انتظار ہی رہا۔

چندر ریلوے اسٹیشن پر قلی تھا اور ایک دن اس پر یہ راز افشاں ہوا کہ اس کی پتنی نے اس کے دوست مہیش سے تعلقات بنائے ہوئے ہیں..... اس حقیقت نے چندر کو توڑ کر رکھ دیا تھا..... اور اس نے غیرت میں اپنی پتنی اور اپنے دوست کی جان لینے کے بعد خود بھی آتما ہتھیا کر لی۔

مرنے کے بعد پدماوتی اور مہیش ایک ہوگئے..... ان دونوں آتماؤں نے چندر کی آتما کو خوب ستایا اور پھر وہاں زنگال آ گیا جس نے تینوں بدروحوں کو اپنے قابو میں کر لیا..... لیکن جب زنگال دوبارہ قیدی بنا تو وہ تینوں بدروحیں آزاد ہوگئیں..... اور ان تینوں کے درمیان چوہے بلی کا کھیل پھر سے شروع ہوگیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایمن کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں اس کے لئے بستر بھی لگ چکا تھا اور الماری بھی آ گئی تھی۔ عائلہ پہلے تھوڑی دیر بیٹھی رہی اور پھر اس نے الماری کے پٹ کھولے سائیڈ پر رکھے ہوئے اپنے بیگ کو اٹھایا اور اس کی زپ کو کھولا۔ بیگ کے اندر وہی سامان کو دیکھ کر عائلہ کو ہنسی آ گئی۔

بیگ کے اندر گئی چنی کچھ بھیانک چیزیں تھیں..... کچھ صفحات تھے..... جس پر کچھ خاص منتر لکھے ہوئے تھے..... دو مری ہوئی چمگادڑیں تھیں..... اور وہ بوسیدہ سی کتاب جس کی وجہ سے زنگال بیگ میں موجود کھوپڑی میں قید تھا..... اور زنگال کے اس کھوپڑی میں آتے ہی وہ بدروحیں آزاد ہوگئی تھیں..... عائلہ کو زنگال کی سزا یہ ہی لگی تھی..... کیونکہ اس بوسیدہ کتاب میں اس بھوت زنگال کو قید میں لانے کے لئے جو طریقہ تھا وہ یہی تھا کہ زنگال کے خون کو اس کھوپڑی پر چھڑکا جائے تب وہ بدروحیں آزاد ہونگی..... اور اس کے بعد اس کھوپڑی پر سیندور چھڑک کر ایک خاص منتر تین بار پڑھا جائے تو زنگال اس میں قید ہو جائے گا۔

اور یہ کام صرف ہنومان کے بھگت کر سکتے تھے اور عائلہ میں یہ صفات تھیں۔ اس لئے اس نے زنگال کو اس کھوپڑی مین قید کر لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ تقدیر اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیل رہی ہے۔

وہ نہ جانتی تھی کہ وہ بھوت اس کے عشق میں

گرفتار ہو کر اپنی دنیا میں جانے کی خواہش کو فراموش کر بیٹھا ہے..... کاش وہ جان جاتی کہ اس جن کی زندگی میں وہ کتنی اہم بن چکی ہے..... اگر وہ ایک دن صبر کر لیتی تو اس جن کو قید نہ کرتی تو وہ جن بھوت اسے اپنی حقیقت خود آ کر سنانے والا تھا۔

مگر ہائے رے قسمت..... جب قسمت میں تباہی لکھ دی جائے تو کون کیا کر سکتا ہے..... کیونکہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہماری قسمت لکھ دی جاتی ہے..... اور ہم دنیا کے جس کونے میں مرضی چلے جائیں ہم اپنی قسمت کی لکیروں کے سامنے بے بس ہیں..... جو تکلیفیں ہیں تو ہیں..... جو مصائب ہیں سو ہیں..... ہم صرف اپنے رب سے اپنی آزمائش کا وقت کم ہونے کی دعا مانگ سکتے ہیں..... لیکن عائلہ نے رب سے دعا کے بجائے موت کو ترجیح دی اس کے بعد اپنا مذہب چھوڑنے کو..... ہنومان کا بھگت بننے کو..... شاید یہ ہی وجہ تھا کہ اس کی آزمائش اس کے لئے عذاب بننے والی تھی۔

وہ جو عائلہ سے پاروتی بنی اور پاروتی سے دوبارہ عائلہ اب وہ اس گھر میں مستقل رہنے کی خواہش مند ہو گئی کیونکہ ساحرہ تو وہ بن چکی تھی لیکن جادوگروں کی طرح دربدر نہیں ہونا چاہتی تھی۔ بحیثیت عورت اپنے گھر کی خواہش، ہر خواہش پر مقدم تھی۔ اس لئے اس نے مسز فیاض بننے کا فیصلہ کر لیا..... اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک اور گناہ کا ارادہ کر لیا۔

☆.....☆.....☆

دو سال گزر چکے تھے اور ان دو سالوں میں ہر چیز بالکل بدل گئی تھی..... وقت ہر طرح سے عائلہ کا ساتھ دے رہا تھا..... دو سال قبل اس نے سب سے پہلے کھنڈر کی بدروحوں کو اپنے قابو میں کر لیا..... چندر کی بدروح کہیں غائب ہو گئی تھی..... اس کے بعد اس نے ایمن کو اپنے راستے سے ہٹایا..... اور ایمن کی موت کو ایک حادثے کا رنگ دے دیا..... اور اس کے بعد لاشانہ کا خیال رکھنے کا اتنا ڈرامہ کیا کہ ہاجرہ خاتون نے عائلہ اور فیاض کی شادی کروادی..... اور پھر وہ ایک چاندی بیٹی کی ماں بن گئی۔

فیاض کی دوسری بیٹی کا نام ایقہ رکھا گیا تھا..... عائلہ نے اسی پر اکتفا نہ کیا..... گھر میں اپنے راج کو قائم رکھنے کے لئے اپنی شکتیوں سے اس نے ہاجرہ خاتون کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

دو سال میں عائلہ مکمل طور پر شیطان بن چکی تھی۔ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہ تھی..... شکتیاں حاصل کرنے اور انہیں بڑھانے کا نشہ اسے لگ چکا تھا..... اور طاقت کا نشہ کبھی اترتا نہیں ہے۔ ہمیشہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔

خیر فیاض دو دن سے غائب تھا..... عائلہ نے اپنی طاقتوں سے فیاض کو کھوجنے کی بہت کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اور فیاض اس محلے سے دور دوسرے محلے کے اس ویران کھنڈر میں بندھا ہوا تھا۔ دو دن سے وہ بے ہوش تھا..... اور اب جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو اس آسیبی کھنڈر میں ایک کرسی کے ساتھ مضبوطی سے بندھا ہوا پایا تھا۔

چند لمحات تک وہ ماحول سے واقف ہونے کی کوشش کرتا رہا اور پھر اچانک اس کمرے میں دھواں پھیلا..... اور جب دھواں چھٹا تو سامنے ایک انسان کھڑا تھا..... سیاہ رنگت کا اور چھوٹے قد والے اس انسان کے نقوش بہت بھدے تھے۔

فیاض حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کک..... کک..... کون ہو تم..... اور مجھے کیوں لائے ہو یہاں۔''

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے..... تمہیں میں کچھ نہیں کہوں گا..... میں ایک روح ہوں اور میرا نام چندر ہے۔''

''اگر کچھ نہیں کہو گے تو مجھے یہاں لائے کس لئے ہو۔''

''تمہیں کچھ دکھانا ہے..... کچھ بتانا ہے۔''

''تو جلدی دکھاؤ اور مجھے یہاں سے جانے دو۔''

''تو یہ دیکھو۔'' اس روح نے کہا اور اپنی انگلی سیدھی کی۔ ایک روشنی کی لکیر سی نکلی اور دیوار پر لگی..... دیکھتے ہی دیکھتے اس دیوار پر ایک اسکرین سی بن گئی..... اور اس اسکرین میں اس داستان کا ہر واقعہ ہر راز کھلنے لگا۔

عائلہ کے بھائی کی خودغرضی..... عائلہ کا اپنے گھر سے بھاگنا..... لوٹ کر آنا..... اس کے بھائی کا اسے گھر سے نکال دینا..... کھنڈر میں جانا..... ہنومان کا بھگت بننا، زنگال اور ان تینوں بدروحوں کی داستان..... زنگال کا قید ہونا..... ان بدروحوں کا پھر سے آزاد ہونا..... چندر کی روح کا غائب ہوجانا..... باقی دو بدروحوں کی قید..... ایمن اور ہاجرہ کی موت کی حقیقت..... سب کچھ فیاض نے ساڑھے تین گھنٹے اس اسکرین پر دیکھا۔

فیاض حیران تھا اپنی بیوی اور ماں کی اچانک موت پر..... اور عائلہ کی حرکتیں بھی اسے مشکوک لگتی تھیں مگر آج ہر راز کھل گیا تھا ہر منظر اتنا واضح تھا کہ یقین نہ کرنا بیوقوفی تھی۔

''اے روح تم نے مجھے یہ حقیقت کیوں بتائی..... اس مہربانی کی وجہ۔''

چندر بولا۔ ''تمہاری بیوی بہت خطرناک قسم کی ساحرہ بن گئی ہے..... اور وہ ایک جاپ کرنے والی ہے مجھے اپنی قید میں لانے کے لئے..... اس لئے میں نے اپنے بچاؤ کے لئے یہ طریقہ سوچا مجھے یقین ہے کہ تم مجھے بچالوگے۔''

فیاض نے کوئی جواب تو نہ دیا..... مگر وہ اپنے دل میں اپنے بیوی کے قتل کا ارادہ کرچکا تھا..... اس کی رسیاں غائب ہوگئیں..... اور وہ خاموشی سے کھنڈر سے نکل گیا..... باہر گہرا ہر سو مسلط تھا۔

☆.....☆.....☆

جنوری کی یخ بستہ رات تھی..... آسمان سے برف گر رہی تھی۔ دھند ہر طرف پھیل چکی تھی..... مگر فیاض ہر چیز سے لاتعلق ہوچکا تھا..... وہ دبے قدموں سے اپنے گھر میں داخل ہوا تھا۔ لاشانہ اور ایقہ ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں..... فیاض اپنے کمرے میں آیا مگر عائلہ وہاں نہ تھی..... اور پھر اس نے تہہ خانے کا رخ کیا جہاں وہ پائی جاتی تھی اکثر..... لیکن تب فیاض نے کوئی توجہ نہ دی تھی کہ وہ تہہ خانے میں اتنا وقت کیوں گزارتی ہے..... وہ تہہ خانے کے زینوں سے بغیر آواز کے نیچے اترنے لگا..... جب دو سیڑھیاں رہ گئیں جب اسے تہہ خانے کے درمیان عائلہ بیٹھی ہوئی نظر آئی..... اس کے اردگرد موم بتیاں روشن تھیں..... اور سامنے ایک کھوپڑی رکھی ہوئی تھی..... انسان کھوپڑی جسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کھوپڑی میں سبز رنگ کا دھواں سا بھرا ہوا ہو۔

اب مزید کسی تصدیق کی گنجائش نہ رہی تھی۔ اس روح کی ہر بات سچ تھی۔

فیاض جان گیا تھا کہ اس کے سامنے سیاہ لباس میں اور موم بتیوں کے حصار میں بال کھولے جو عورت بیٹھی ہوئی ہے وہ اس کی بیوی ہی نہ تھی..... اس کی ماں اور پہلی بیوی کی قاتلہ بھی تھی..... ایک ساحرہ بھی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا موم بتیوں کے حصار کو توڑتا ہوا اپنی جادوگرنی بیوی کو پکڑا اور اپنی طرف موڑ کر اس کا گلہ دبانے لگا۔

مگر عائلہ کی آنکھوں میں ذرا سی بھی حیرت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ اسے پتا تھا کہ فیاض اسے مارنے کے لئے آنے والا ہے۔

وہ بولی۔ ''تو تمہیں سب پتہ چل گیا..... میں جان گئی تھی کہ.....'' فیاض مسلسل اس کا گلہ دبا رہا تھا جس کی وجہ سے عائلہ کو بولنے میں دشواری ہورہی تھی..... کہ تم میری حقیقت سے واقف ہوگئے ہو..... اس چندر نے تمہیں سب بتادیا..... سب بتادیا، عائلہ کی تکلیف بڑھنے لگی..... مگر فیاض کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اور میں تسلیم کرتی ہوں۔ تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے یہ سب کیا..... میں خود مرنا چاہتی ہوں..... تو مار دو..... مگر میں لوٹ کر آؤں گی..... میرا عاشق جن زنگال تم سے میرا اور تمہاری بیٹی..... تمہاری بیٹی لاشانہ سے بھی انتقام لے گا..... اور میں نے ایک ایسا سحر بھی کر دیا ہے کہ دو گھنٹوں میں تمہاری موت واقع ہو جائے گی..... اور تمہاری روح تمہاری بیٹی کے قریب ہوتے ہوئے بھی اسے بچا نہ پائے گی کیونکہ..... عائلہ کی زبان بند ہو گئی..... کیونکہ اس کی سانسیں رک چکی تھیں..... دوسروں کو موت کی نیند سلانے والی آج خود موت کی آغوش میں آ گئی تھی۔

فیاض کے دماغ میں آخری لمحات میں عائلہ کی کہی ہوئی باتیں گونجنے لگیں..... اس نے اپنی بیٹیوں کو بچانا تھا۔

اس لئے وہ انہیں اپنے دوست عامر کے پاس امانت کے طور پر چھوڑنے چلا گیا..... عامر انہیں دیکھ کر بہت حیران ہوا مگر فیاض نے کہا کہ وہ وضاحت بعد میں کرے گا..... فی الحال اس کی بیٹیوں کو اپنے پاس رکھ لے۔

اور واپسی میں ایک لڑکی نے فیاض کو ٹکر ماری اور فیاض کی روح نے اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔

☆.....☆.....☆

اس رات برف باری مسلسل ہو رہی تھی۔ گھر میں عائلہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

اور روڈ پر فیاض کی لاش جس پر برف گر رہی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے۔ وہ بھوت جن زنگال آزاد ہو گیا تھا..... اور وہ دو بدروحیں بھی اور چندر کی روح لاپتہ تھی۔

اور وہ دو معصوم بچیاں اپنے بھیانک مستقبل سے بے خبر اپنے عامر انکل کے گھر میٹھی میٹھی نیند سو رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

بائیس سال بعد۔

پوری یونیورسٹی میں چمکیلی سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سردیوں کا موسم تھا اس لئے یہ دھوپ بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی۔ پوری یونیورسٹی میں اسٹوڈنٹس کی چہل پہل لگی ہوئی تھی..... کچھ اسٹوڈنٹ لان میں بیٹھے ہوئے دھوپ سے محظوظ ہو رہے تھے..... کچھ اسٹڈی میں مصروف تھے ایگزام جو سر پر تھا۔

وہ دونوں بے فکری سے کینٹین سے واپس ڈپارٹمنٹ میں آ رہی تھیں، دونوں کے ہاتھوں میں چپس کا پیکٹ تھا جسے وہ بڑے انہماک سے نوش فرما رہی تھیں۔

''یار ویسے میں ایک بات کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔'' انیقہ نے کہا۔

''واہ واہ کوئی بات تو ہماری انیقہ کو پریشان کرتی ہے۔'' اس کی دوست منال مزے سے بولی۔

''یار تم ذرا بلال کو دیکھو میں جس قدر اس سے بات کرنے کی اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی ہوں مگر وہ مجھ سے اتنا ہی دور بھاگتا ہے۔ کیا میں اتنی بدصورت ہوں۔'' انیقہ روہانسی ہو گئی تھی۔

''نہیں تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' منال نے اس بار بڑی محبت اور توجہ سے کہا۔ ''تم اس یونیورسٹی کی بیوٹی کوئین ہو اور رہی بلال کی بات تو میں جانتی ہوں بلال بھی تم سے محبت کرتا ہے مگر وہ صرف ظاہر نہیں کرتا..... کیونکہ وہ ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتا ہے..... اس کلاس کے لڑکے عام طور پر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن تم دل برداشتہ نہ ہو..... بس اسے وقت دو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' منازل نے اسے سمجھایا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو منال..... مجھے بلال کو وقت دینا چاہئے اپنے آپ کو اس پر مسلط نہیں کرنا چاہئے۔''

''گڈ.....'' منال نے کہا..... اور وہ دونوں چلتی ہوئی لان میں رکھے ہوئے بنچ پر آ بیٹھی جو اسٹوڈنٹس کے لئے رکھوایا گیا تھا۔

''ویسے میں نے سنا ہے بلال نے پارٹ ٹائم

جاب شروع کردی ہے۔'' انیقہ نے پوچھا۔

ہاں میں نے کل اس سے معلوم کیا تھا کہ ایک جاننے والے کے ریفرنس سے اسے ایک فرم میں جاب مل گئی ہے پارٹ ٹائم'' منال نے کنفرم کیا۔

''اللہ اس کی مشکلات کم کرے'' انیقہ نے صدق دل سے دعا مانگی..... اور سناؤ انیقہ لاشانہ آپی اور عامر انکل کیسے ہیں؟''

☆.....☆.....☆

اتنے سال گزر گئے تھے..... مگر وہ کھنڈر آج بھی اپنے اندر ہزاروں بھید لئے ہوئے تھا..... بائیس سال کے عرصے میں اس کھنڈر کی وحشت اور بڑھ گئی تھی۔

اس کھنڈر کا وہ کمرہ جہاں پہلے وہ صندوق رکھا ہوا تھا اور فیاض کو ایک کرسی کے ساتھ باندھا گیا تھا..... اس وقت کمرے کے نقشہ میں تھوڑی سی تبدیلیاں آ گئی تھیں۔ دیواروں سے مکڑیوں کے جالے غائب تھے..... اور دیواریں صاف ستھری تو تھیں مگر ان کا پلستر بہت زیادہ اکھڑا ہوا تھا..... زمین پر ایک بوسیدہ سی چٹائی بچھی ہوئی تھی..... اور چٹائی پر چندر کی روح بیٹھی ہوئی تھی..... دو سے چندر کی روح کو دیکھ کر یہ ہی محسوس ہوتا تھا کہ سیاہ دھواں ایک انسان کی شکل میں جمع ہوا ہے..... وہ دھویں کے مرغولے کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس وقت اس کے سامنے ایک کتاب تھی..... جس سے وہ ایک منتر کو بار بار پڑھ رہا تھا..... آدھا گھنٹہ یونہی چلتا رہا اور پھر اچانک چندر کی روح کو جھٹکے لگنے لگے اس کے چہرے پر درد و اذیت کے اثرات نمودار ہوئے تھے۔ اس کا دھواں چھٹے گا..... چند لمحات میں چندر کی روح مکمل طور پر غائب ہوگئی تھی..... اور وہ دھواں کمرے میں آس پاس پھیل گیا تھا..... لیکن اس دھویں سے بھی آہ و بقا کی آوازیں آ رہی تھیں... یوں محسوس ہو رہا تھا کہ چندر کی روح بہت ہی زیادہ اذیت میں ہے..... کافی دیر تک وہ دھواں کمرے میں چکراتا رہا اور پھر وہ سیاہ دھواں دوبارہ اس جگہ پر جمع ہونا شروع ہوگیا جہاں چندر پہلے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ دھواں ایک لکیر کی صورت اختیار کر گیا اور پہلے اس نے اس کتاب کے اردگرد تین چکر لگائے جس سے چندر منتر دیکھ کر پڑھ رہا تھا۔

اور پھر وہ دھواں دوبارہ چندر کی شکل اختیار کر گیا تھا..... لیکن اس بار چندر کے چہرے پر اذیت نہ تھی ایک مسکراہٹ تھی..... زہریلی مسکراہٹ..... اس نے کتاب کھولی..... طلسمی کتاب کے ان صفحات پر لال روشنائی تھی مگر چندر جانتا تھا کہ چمگادڑ کا خون ہے، اس سے لکھا ہوا تھا۔ ''اے حالات کی ستائی ہوئی روح'' تیری سالوں کی تپسیا رنگ لائی ہے۔ تیرے اندر مہان شکتی آ گئی ہے..... اب کوئی جن آسیب، شیطان اور دنیا کی کوئی اور بدروح تیرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔''

چندر کی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی تھی..... اب وہ کمزور نہ رہا تھا..... اور بدلے کی گھڑی بھی آ گئی تھی..... ان دو بدروحوں سے..... اس شیطانی بھوت زنگال سے..... اور جادوگرنی پاروتی سے..... لیکن وہ نہ جانتا تھا کہ اس کا بدلہ پہلے سے ہی فیاض لے چکا ہے۔

☆.....☆.....☆

بالکل آج کل عجیب حالات سے گزر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی کلاس میٹ انیقہ اس کی محبت میں گرفتار ہے کیونکہ انیقہ نے اسے بہت اشارے دیئے اور وہ کوئی بچہ نہ تھا..... بیس سال کا ایک خوبرو نوجوان تھا۔

بلال کوئی بچہ نہ تھا۔ بیس سال کا ایک خوبرو نوجوان تھا۔ اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے باپ طاہر کو کسی نے قتل کروا دیا تھا..... جب بلال آٹھ برس کا ہوا تھا تو اس کی ماں سعدیہ نے اسے ساری حقیقت من وعن بتا دی تھی کہ اس کا باپ طاہر اپنے کالج ٹائم میں ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہوگیا تھا۔ اس لڑکی کا بھائی اس کی شادی اپنے ہونے والی بیوی کے

بھائی کے ساتھ کروانا چاہتا تھا جس کی وجہ سے ان دونوں کو گھر سے بھاگنا پڑا لیکن بعد میں طاہر کو احساس ہوگیا کہ وہ غلط کر رہے ہیں اس لئے اس نے اس لڑکی کو گھر بھیج دیا..... سعدیہ نے عائلہ کے بارے میں ایک ایک بات اپنے بیٹے بلال کو بتائی تھی..... اور یہ ساری حقیقت شادی کی شروع میں ہی طاہر نے اسے بتائی۔ پھر جب طاہر اچانک مرگیا تو سعدیہ کو عائلہ پر شک ہوا۔

اس نے اپنے طور پر چھان بین کروائی تو اس کا شک درست ثابت ہوا تھا کہ طاہر کی موت کی ذمہ دار عائلہ ہے۔ تب تک سعدیہ کی گود میں بلال آچکا تھا..... وہ اپنے شوہر کی قاتلہ کو سزا دینا چاہتی تھی مگر وہ ایک ساحرہ سے الجھ کر اپنے بیٹے کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی..... ممتا کا جذبہ انتقام کے جذبے پر غالب آ گیا تھا..... اور اس نے سب اپنے خدا پر چھوڑ دیا تھا.....

اور بعد میں اپنے بیٹے کو بتا دیا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ بلال اپنے باپ کی قاتلہ کو کیفر کردار تک لے جائے..... مگر وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ عائلہ مرچکی ہے..... اور اس کی بیٹی بلال کی محبت میں گرفتار ہے۔

بلال بھی اس ساحرہ کی تلاش میں تھا۔ لیکن وہ یہ نہ جانتا تھا کہ جس لڑکی سے وہ محبت کرتا ہے وہ اس قاتلہ کی بیٹی کی بیسٹ فرینڈ ہے۔

☆.....☆.....☆

''آپ اپنی میڈیسن ٹائم پر استعمال تو کر رہی ہیں نا۔'' ڈاکٹر نی نے تشویش سے پوچھا۔

''جی ڈاکٹر صاحبہ میں ہر دوائی باقاعدگی کے ساتھ لے رہی ہوں..... لیکن میرا مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔'' لاشانہ کے لہجے سے پریشانی عیاں تھی۔

''چلیں اب میں آپ کو جو میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں اسے استعمال کریں اگر فرق نہ پڑا تو ہم تھراپی کرلیں لیکن مس لاشانہ آپ زیادہ سوچا نہ کریں اور نہ ہی اپنے وہم پر فوکس کیا کریں یہ میڈیسن ایک مہینے کی ہے..... ایک مہینے بعد آپ نے دوبارہ میرے پاس آنا ہے۔'' ڈاکٹر لبنیٰ نے دوائیوں والا نسخہ لاشانہ کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

لاشانہ نے ڈاکٹر سے مصافحہ کیا اور باہر نکل آئی۔ جب سے اس کے ماں باپ مرے تھے وہ اور اس کی بہن انیقہ، فیاض کے دوست عامر کے گھر رہتے تھے..... عامر کو محبت میں دھوکہ ملا تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے شادی نہ کی تھی اور عامر کے ماں باپ بھی بہت پہلے مرچکے تھے۔ عامر انکل نے ان دونوں کو ہی اپنی بیٹی مانا تھا..... وہ ان دونوں بچیوں سے بہت محبت کرتے تھے..... انیقہ حال ہی میں کالج سے نکل کر یونیورسٹی میں آ گئی تھی..... لاشانہ نے گریجویشن کمپلیٹ کرلیا تھا..... اور ایک فرم میں جاب کر رہی تھی۔ عامر انکل کا پراپرٹی بزنس میں نقصان پر نقصان ہو رہا تھا اور فیاض کا جنرل اسٹور جسے وہ سنبھالتے تھے وہ بھی کچھ خاص نہ چل رہا تھا جس کی وجہ سے لاشانہ نے جاب کا فیصلہ کیا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی عامر انکل کو اسے اجازت دینی پڑی تھی۔

☆.....☆.....☆

آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے..... اور چاند کی روشنی نے رات کے اندھیرے کو مات دی ہوئی تھی..... اس گھر کے مین گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا ایک زنگ آلود تالا..... یوں لگ رہا تھا جیسے ایک عرصے سے اس گھر کا کسی نے رخ نہیں کیا تھا۔ وہ گلی سنسان تھی..... ایکدم وہاں سبز رنگ کا دھواں آ گیا وہ دھویں کی ایک موٹی لکیر تھی۔ جو ایک فٹ لمبی تھی۔ وہ دھواں گیٹ کے اوپر سے گھر کے اندر داخل ہوا..... سامنے گھر کا داخلی دروازہ تھا..... سائیڈ پر تھوڑی سی جگہ کچی بھی تھی..... جہاں اب جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں..... شاید سالوں پہلے وہاں ایک خوبصورت گارڈن ہوا کرتا تھا۔ وہ دھواں داخلی دروازے کے پاس آ کر رکا۔

داخلی دروازہ اچانک کھل گیا جیسے کسی کے

نادیدہ ہاتھوں نے اس دروازے کو کھولا ہو..... دھویں کی وہ موٹی سی لکیر اندر داخل ہوئی۔ جہاں لاؤنج میں مٹی کا غبار اور مکڑیوں کے جالے تھے..... وہ دھواں بائیں طرف مڑا جہاں تہہ خانے کو جاتی ہوئی سیڑھیاں تھیں..... وہ دھواں ان سیڑھیوں سے نیچے تہہ خانے میں چلا گیا اور تہہ خانے کے وسط میں جا کر اس دھویں کی موٹی لکیر سیدھی ہوگئی..... دو سیکنڈ بعد وہ دھواں آناً فاناً چھٹ گیا۔ اب سامنے زنگال کھڑا تھا۔ اپنی پوری ہیبت ناکی کے ساتھ۔

وہ ایک الماری تک آیا..... اس نے الماری کے پٹ کھولے سامنے ایک کتاب تھی..... اس نے فوراً کتاب کو لیا اور اس کے ورق کو الٹنا شروع کیا..... یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بڑی بے چینی سے کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہے..... اور کچھ لمحات کے بعد وہ چیز اس کے مطلوبہ چیز اس کے سامنے تھی..... اس نے فوراً اس نے منتر پڑھا اور اپنی انگلی پر پھونک ماری اور انگلی دیوار کی جانب کی..... اس کی انگلی سے سبز روشنی نکلی تھی..... جو دیوار پر پھیل گئی اور وہاں ایک اسکرین بن گئی تھی۔

اس اسکرین میں بدقسمت ایمن کی بیٹی لاشانہ نظر آ رہی تھی وہ سائیکاٹرسٹ کے کلینک سے نکل رہی تھی..... اور پھر اس نے ٹیکسی روکی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی..... لیکن جب وہ ٹیکسی کو روک رہی تھی تو اس کے پاس ایک سفید سا ہیولہ بھی تھا..... اور جب وہ ٹیکسی میں بیٹھی تو وہ ہیولہ بھی اس کے ساتھ ٹیکسی میں داخل ہوگیا۔

اس جن نے انگلی کا اشارہ کیا تو وہ اسکرین بجھ گئی اور اب وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ ''میں نے پاروتی کا بدلہ اس کے قاتل کی بیٹی سے لینا ہے مگر یہ کون ہے کون ہے یہ ہیولہ جو بائیس سال سے اسے بچا رہا ہے..... کہیں یہ اس منحوس بدروح چندر کی کارستانی تو نہیں..... کیوں دوسری دو بدروحوں کو تو اس جن نے اپنی موت نے اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ چندر سے یا جو بھی ہے میں اس ہیولے سے جان چھڑالوں گا اور اس لاشانہ کو اس کے باپ کے پاس بھیج دوں گا۔'' اس جن کا لہجہ اور چہرے کی سرخی بتا رہی تھی کہ اس وقت وہ کس قدر غصے میں ہے۔

☆.....☆.....☆

''تمہاری لاشانہ آپی کا کیا حال ہے..... کیا اس مرتبہ جو میڈیسن وہ لے رہی ہیں اس سے کچھ افاقہ ہوا۔'' منال کوریڈور سے گزرتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

''بہت جلدی خیال آیا تمہیں میری آپی کا۔'' انیقہ کے لہجے میں گلہ تھا۔

''سوری یار تمہیں تو پتہ ہے ایگزامز میں، میں کتنا اسٹریس میں ہوتی ہوں، سر پر کنگھی کرنے کا ہوش نہیں ہوتا۔''

''اچھا اس کا مطلب تم نے ایک ہفتے سے کنگھی نہیں کی۔'' انیقہ کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

لیکن منال نے ہنس کر سر اثبات میں ہلایا۔

''تبھی تو میں سوچ رہی تھی کہ اتنے دنوں سے تم اسکارف سر پر لپیٹ کر کیوں آ رہی ہو۔'' انیقہ نے کہا اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

''منال میں تم سے ایک مشورہ کرنا چاہ رہی تھی۔'' انیقہ نے کہا۔ وہ دونوں باہر گراؤنڈ میں آ کر بیٹھ گئی تھیں اور انیقہ کے چہرے پر الجھن پھیلی ہوئی تھی۔

''بولو بھی کیا مسئلہ ہے۔'' منال بھی انیقہ کی اچانک بدلی ہوئی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔

''یار بلال اگر مجھے پرپوز نہیں کرسکتا تو میں ہی بلال سے اپنے دل کی بات کرنا چاہتی ہوں..... میں اس سے بہت پیار کرتی ہوں اور اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔''

''ہاں تو جاؤ بلال کو بتادو کہ تم اس کے لئے کیا محسوس کرتی ہو۔ اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔'' منال نے کہا۔

''لیکن منال میں ایک بات سے ڈرتی ہوں۔ اگر میں بلال سے خود اظہار محبت کردوں تو پتہ نہیں وہ کیا

سوچے گا میرے بارے میں۔'' انیقہ نے پریشانی سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا انیقہ وہ تمہیں غلط نہیں سمجھے گا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو..... بس اظہار نہیں کر پا رہے اگر تم نے ابتدا کر دی تو غلط بات کیا ہے..... یار کسی کو پسند کرنے کا حق تو ہمارا مذہب بھی ہمیں دیتا ہے اور اس میں غلط بات کیا ہے آخر؟

''تم صحیح کہہ رہی ہو میں کل بلال سے بات کروں گی۔'' انیقہ کی کنفیوژن کلیئر ہو گئی۔

''اچھا تم نے بتایا نہیں کہ لاشانہ آپی کا کیا حال ہے؟'' منال نے پوچھا۔

''یار ان کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا وہ بچپن سے کہتی آئی ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ عامر انکل نے انہیں کئی ڈاکٹرز کو دکھایا مگر ان کا وہم جوں کا توں ہے۔ اب بھی ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جا رہی ہیں۔''

''یار کہیں واقعی ان کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو یہ محض وہم نہ ہو۔'' منال پرسوچ لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' انیقہ منال کی بات سن کر حیرت سے بولی۔

''میرا مطلب ہے ان کے ساتھ کوئی جن بھوت یا روح وغیرہ تو نہیں۔''

''میں یہ نہیں کہتی منال کہ میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتی مگر آپی کا وہم ہے یہ صرف اور کوئی بات نہیں۔'' انیقہ نے حتمی لہجے میں بات ختم کر دی۔

☆.....☆.....☆

اس ویران کھنڈر کے کمرے میں آج بھی چندر کی روح آلتی پالتی مار کر بیٹھی ہوئی تھی..... اس کے سامنے دیوار تھی..... جس کے سہارے ایک نارمل سائز کا آئینہ رکھا ہوا تھا..... وہ روح بار بار کوئی منتر پڑھ کر اس آئینے پر پھونک مار رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس آئینے کے اندر دھواں سا بھر گیا تھا اور جب وہ دھواں چھٹا تو وہاں آئینہ کے اندر دھوئیں کا ایک وجود سا بنا ہوا تھا۔ غالباً وہ کوئی دوسری روح تھی..... چندر نے کچھ پڑھ کر اس آئینے پر پھونک ماری تو وہ روح اس آئینے سے نکلی..... اور باہر آ گئی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' چندر نے کہا اور وہ بیٹھ گئی۔

''یاد ہے تمہیں کہ بائیس سال پہلے ہماری پہلی ملاقات اس کمرے میں ہی ہوئی تھی۔'' چندر نے پوچھا۔

''ہاں جانتا ہوں۔'' نو وارد روح نے کہا۔

''بائیس سال قبل میری موت سے چند گھنٹے پہلے جب میں یہاں ایک کرسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور تم نے میری ساحرہ بیوی کی حقیقت مجھے بتائی تھی۔''

''زبردست تمہیں یاد ہے۔'' چندر نے ستائشی انداز میں کہا۔

''مجھے بھی یاد ہے کہ اس کے بعد تم اپنی بیوی کے سحر کا شکار ہو کر مر گئے۔ لیکن مرنے سے پہلے تم نے اپنی بیٹیوں کو اپنے دوست کے گھر چھوڑ دیا اور اب بائیس سالوں سے تمہاری روح تمہاری بیٹی لاشانہ کے آس پاس رہتی ہے..... لیکن اس ساحرہ کے سحر کی وجہ سے اس سے بات نہیں کر پاتی..... بے چاری لاشانہ اسے اپنا نفسیاتی مسئلہ سمجھ رہی ہے کہ اسے وہم ہو گیا ہے۔'' چندر کی روح نے اسے تفصیل بتائی۔

''تم یہ سب کیسے جانتے ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' فیاض کی روح حیران تھی۔

''دیکھو میں تمہیں ہر بات صاف صاف بتا دیتا ہوں..... بہت جلد پاروتی یا عائلہ جو تمہاری بیوی تھی..... تمہاری دوسری بیٹی انیقہ کے ذریعے واپس آئے گی..... اس مقصد میں زنگال اس کا ساتھ دے گا اور وہ دونوں مل کر لاشانہ کو مار دیں گے کیونکہ لاشانہ کے باپ یعنی تم نے اس ساحرہ کو مارا تھا۔ اور اس کے بعد وہ دونوں شیطان مل کر خون کی ہولی کھیلیں گے۔ ان کے ساتھ دو بدروحیں اور بھی ہیں..... اور وہ چاروں میرے دشمن بھی ہیں۔

بائیس سالوں سے میں اپنے آپ کو ان

شیطانوں سے کیسے بچا رہا ہوں یہ میں جانتا ہوں لیکن اب میں کمزور نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں مل کر آنے والی مشکلات کا سامنا کریں کیونکہ میری شکتیاں مجھے بتا رہی ہیں کہ وہ ساحرہ پھر سے تمہاری زندگیوں میں آرہی ہے۔''

فیاض کی روح حیدر کی باتیں سن کر سوچ میں پڑ گئی تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''اس سب کے بدلے مجھے کیا ملے گا۔''

چندر کی روح مسکرائی۔ ''مجھے اس سوال کا انتظار تھا۔ اگر تم میرا ساتھ دو گے تو میں پاروتی کا پھیلایا ہوا سحر ختم کردوں گا۔ تم کھل کر اپنی بیٹی کی حفاظت کرسکو گے..... اور اس کے بعد ہم مل کر ان شیطانوں کا انت کریں گے..... اس کے بعد واپس اپنی آخری منزل تک لوٹ جائیں گے۔ بولو منظور ہے۔''

''ہاں منظور ہے۔''

☆.....☆.....☆

''مس لاشانہ یہ پراجیکٹ ہماری کمپنی کے لئے بہت امپورٹنڈ ہے..... آپ ہماری کمپنی کی سب سے ذہین، محنتی اور ذمہ دار ہیں۔ اس لئے اتنی بڑی ذمہ داری ہم نے آپ کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا ہے..... اور ہاں جو نیا لڑکا آیا ہے..... کیا نام ہے اس کا ہاں بلال اس کا فیلڈ میں کافی نالج بھی ہے تو اپ اس کو بھی اپنے ساتھ رکھ لیں..... اس طرح ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔'' لاشانہ کو منیجر ہدایات دے رہا تھا۔

''او کے مس لاشانہ وش یو گڈ لک۔''

لاشانہ منیجر کے آفس سے نکلی اور اپنے کیبن میں جانے لگی..... ''بلال کا نام اسے کچھ شناسا لگ رہا تھا۔ پھر اسے اچانک یاد آیا کہ ایک مرتبہ انیقہ نے اسے بتایا تھا کہ بلال نام کا ایک لڑکا ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ اور آج کل وہ پارٹ ٹائم جاب بھی کررہا ہے۔''

لاشانہ اپنے کیبن میں آگئی..... اور کال کرکے ریسپشنسٹ کو بلال کو بھیجنے کا کہا۔

تھوڑی دیر بعد بلال اس کے سامنے بیٹھا تھا..... وہ اچھا خاصا ہینڈسم نظر آرہا تھا۔

''بلال کیسے ہیں آپ۔''

''اللہ کا شکریہ میم۔''

''بلال میں نے آپ کو اس لئے بلوایا ہے کیونکہ جو پراجیکٹ اس کمپنی کو ملا ہے باس چاہتے ہیں کہ ہم دونوں مل کر اس پراجیکٹ پر کام کریں۔'' لاشانہ نے بلال کو اپنے پاس بلانے کی وجہ بیان کی۔

جسے سن کر بلال کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ''آپ کے ساتھ کام کرنا میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا میم۔''

ہوں..... لاشانہ نے ہوں کو لمبا کرتے ہوئے کہا۔ ''ویسے بلال آپ نے ساتھ میں اپنی اسٹڈیز کو بھی جاری رکھا ہوا ہے نا۔''

بلال نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کون سی یونیورسٹی میں آپ؟''

جواباً بلال نے لاشانہ کو اپنی یونیورسٹی کا نام بتایا یہ وہی یونیورسٹی تھی جہاں انیقہ بھی پڑھ رہی تھی اب شک کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی..... لیکن پھر بھی لاشانہ تصدیق کرنا چاہتی تھی۔

''کیا آپ انیقہ کو جانتے ہیں وہ بھی اسی یونیورسٹی میں آپ کے ڈپارٹمنٹ میں ہے۔''

''آپ انیقہ فیاض کی بات کررہی ہیں۔'' جواباً بلال نے اس سے پوچھا۔

''جی انیقہ فیاض میری بہن ہے۔'' لاشانہ نے بتایا۔

''اوہ تو آپ انیقہ کی بہن ہیں وہ میری کلاس میٹ ہے۔''

لاشانہ نے اس مرتبہ بلال کو ذرا غور سے دیکھا..... سیاہ بڑی بڑی گہری آنکھیں، کھڑی مغرور ناک، ہلکی داڑھی مونچھیں اور عنابی ہونٹ اور گورا رنگ وہ واقعی مردانہ وجاہت سے بھرپور تھا۔ اسے انیقہ کا

انتخاب دل سے پسند آیا تھا۔

اس نے اس کے بعد پراجیکٹ کو تفصیل کے ساتھ بلال کے ساتھ ڈسکس کرنا شروع کردیا۔

☆.....☆.....☆

زنگال نے پتہ لگالیا تھا کہ لاشانہ کے آس پاس رہنے والا سایہ کوئی اور نہیں خود اس کے باپ کی روح ہے..... جوہر پل اس کے ساتھ رہتی ہے۔ زنگال یہ بھی جان گیا کہ چندر اور فیاض کی روحیں لاشانہ کی حفاظت کے لئے ایک ہوگئی ہیں۔ لیکن وہ بھی پاروتی سے محبت کرتا تھا بھلے اس ساحرہ نے اسے دو سال تک ایک انسانی کھوپڑی میں قید رکھا تھا مگر وہ وجہ بھی جانتا تھا کہ کیوں پاروتی نے اس کے ساتھ ایسا کیا تھا۔

کیوں پاروتی اس کے دھوکے سے دلبرداشتہ تھی۔ اس لئے اسے پاروتی سے کوئی شکایت نہ تھی..... صرف محبت تھی..... اس کی محبت میں، اس کے بدلے کے لئے وہ بائیس سال سے انسانی دنیا میں تھا..... کیونکہ مرنے سے قبل پاروتی کو پتہ چل گیا تھا کہ فیاض ساری حقیقت جاننے کے بعد اسے مارنے کے لئے آرہا ہے اس لئے اس نے زنگال کو آزاد کردیا تھا اور اسے لاشانہ کو مار دینے کا کہا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فیاض کی روح عالم ارواح میں نہیں جائے گی..... اور اس دنیا میں رہے گی اس لئے فیاض کو اذیت دینے کے لئے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

اور بالآخر زنگال بھی اپنے مقصد کے قریب ہوتا جارہا تھا۔ اب اسے بس پاروتی کی واپسی کا انتظار تھا..... وہ نہیں جانتا تھا کہ پاروتی کیسے واپس آئے گی مگر پاروتی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لوٹ کر ضرور آئے گی اور زنگال کو یقین تھا کہ پاروتی اپنا وعدہ وفا کرے گی۔

☆.....☆.....☆

بلال حیرت سے انیقہ کے چہرے کو تک رہا تھا جو بڑی امید سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے یہ آس تھی کہ بلال اس کی محبت کو رد نہیں کرے گا۔

ہم صرف کلاس فیلو ہیں اور دوست ہیں۔ بلال نے واضح کیا۔

انیقہ کی آنکھوں میں آنسو جھلمل کرنے لگے۔

''لیکن بلال میں تم سے محبت کرتی ہوں۔''

لیکن میں تمہاری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتا..... کیونکہ میری محبت کوئی اور ہے میں منال کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔''

انیقہ کو یوں محسوس ہوا جیسے آسمان اس کے سر پر گر گیا ہو جیسے زمین چکرانے لگی ہو۔ یوں جیسے اس کے اردگرد ہر شے بلیک اینڈ وائٹ ہوگئی ہو۔

لیکن اس نے فوراً خود کو سنبھالا۔ ''بلال میں جتنا پیار تم سے کرتی ہو کوئی اور تم سے نہیں کرسکتا۔'' اس نے بلال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

تھوڑے فاصلے پر منال کھڑی تھی..... انیقہ کو اپنی طرف یوں آتا دیکھ کر وہ بھی حیران رہ گئی تھی۔ اس کا رنگ سرخ ہورہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''انیقہ انیقہ کیا ہوا ہے تمہیں۔'' انیقہ جب منال کے سامنے سے اسے نظر انداز کرکے گزرنے لگی تو منال نے اس کے شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

انیقہ نے غصے سے اس کے دونوں ہاتھ جھٹکے اور زور سے چلائی۔ ''دفع ہوجاؤ کم ذات تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی..... جس انسان سے میں محبت کرتی ہوں وہ تمہارے عشق میں گرفتار ہے۔'' انیقہ نے کہا اور روتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

منال حیرت سے انیقہ کو جاتا دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا کہ کیا کرے..... کیا بلال مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' منال سوچنے لگی۔

☆.....☆.....☆

چندر اور فیاض کی روحیں آمنے سامنے اس کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں جہاں ان کے درمیان ایک

معاہدہ ہوا تھا۔

''میری شکتیاں مجھے بتا رہی ہیں کہ دو دنوں میں وہ آنے والی ہے۔ اور وہ آتے ہی سب سے پہلے تمہاری بیٹی کا خاتمہ کرے گی..... اور تمہاری چھوٹی بیٹی انیقہ جو اس کی اپنی اولاد بھی ہے..... اس کو بھی اپنے جیسا بنا دے گی۔'' چندر نے فیاض کو مطلع کیا۔

جسے سن کر فیاض کے چہرے پر بے چینی کے اثرات پیدا ہو گئے تھے۔ ''اب کیا ہوگا چندر ہم تو ابھی تک اس ساحرہ کا پھیلا ہوا طلسم بھی ختم نہیں کر پائے..... تو جب وہ آئے گی تو میں اپنی اولاد کو اس شیطان سے کیسے بچاؤں گا۔''

''شانت رہو۔'' چندر نے اسے تسلی دی۔ ''ہم کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔''

''ارے جب ہم بائیس سالوں سے کوئی حل نہیں نکال پائیں تو دو دن میں کیا حل نکالیں گے۔'' فیاض کی پریشانی عروج پر تھی۔

لیکن اب بائیس سال پہلے والی کوئی بات نہیں ہے..... اب ہم کمزور نہیں ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ساحرہ ہماری زندگیوں میں کھل کر شامل نہیں ہو سکے گی۔''

چندر کی اس بات پر فیاض حیران ہو گیا تھا۔

''کیا مطلب کہ وہ کھل کر ہماری زندگی میں شامل نہیں ہو سکے گی۔''

''مطلب یہ ہے کہ وہ اس دنیا سے رابطہ اپنی بیٹی انیقہ کے ذریعے کرے گی۔''

''انیقہ کے ذریعے..... مگر وہ کیسے۔'' فیاض حیران ہو رہا تھا۔

وہ ایسے کہ وہ انیقہ کے خوابوں میں آئے گی..... جو کچھ وہ چاہے گی وہ اپنی بیٹی کے ذریعے کروائے گی۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' فیاض کی آواز لرز رہی تھی۔ ''میں نے بائیس برس س لاشانہ کی حفاظت کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں..... میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ وہ کمینی اپنی سگی بیٹی کا استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گی..... اوہ! چندر میں کیا کروں میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی اپنی ماں کی طرح بن جائے..... چندر کچھ کرو۔''

چندر کچھ نہیں بس خاموشی سے حالات کے ستائے ہوئے ایک باپ کی محبت کے بارے میں سوچنے لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک عورت تھی..... جس نے ایک چھ سات ماہ کے بچے کو اٹھایا ہوا تھا..... وہ سرپٹ بھاگ رہی تھی..... اس کے سامنے ایک مرد کھڑا تھا..... جو مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور وہ اس ہاتھ کو تھامنے کا ہر ممکن جتن کر رہی تھی..... مگر ان کے درمیان کا فاصلہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا جا رہا تھا..... اس عورت کے دائیں اور بائیں جانب آگ جل رہی تھی..... بہت بھیانک آگ..... اور پھر اچانک اس عورت کا پیر پھسلا وہ گری اور اس کا بچہ اس کی بانہوں کے حصار سے نکل کر اس آگ میں گر گیا..... اس عورت نے سامنے دیکھا تو وہ مرد غائب تھا..... اس کا بچہ آگ میں جل رہا تھا..... وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی

تھی.....اور پھر بھیانک قہقہے گونجنے لگے۔ہاہاہا.....

تیرا شوہر تو بائیس سال قبل مرگیا تھا.....اور آج تیرا بچہ بھی مرنے والا ہے..... تیرے محبوب کو میری محبوبہ سے بیوفائی کی سزا مل رہی ہے..... اندھا انصاف ہونے والا ہے اور یہ انصاف ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے گا۔''

سعدیہ خاتون اٹھ بیٹھی.....پچھلے تین روز سے وہ یہ بھیانک خواب دیکھ رہی تھی.....نجانے کیا ہونے والا تھا۔''یا اللہ میرے بلال کی حفاظت فرما.....اس دنیا میں میرا اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔'' انہوں نے صدق دل سے دعا کی اور بستر سے نکل کر بلال کے کمرے کا رخ کیا۔کمرے کا دروازہ بند تھا..... بند دروازہ دیکھ کر سعدیہ نے اپنا ارادہ بدلا وہ بلال کی نیند ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے وہ لوٹ کر اپنے کمرے میں آ گئی.....لیکن بلال بھی اپنے کمرے میں میٹھی نیند نہیں سو رہا تھا..... پریشانی کے عالم میں سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بلال میں کوشش کر رہی ہوں کہ آج تم بہت پریشان ہو۔''ابھی ان دونوں نے کام کرتے ہوئے ٹی بریک لیا تھا جب لاشانہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے بلال سے پوچھا جس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

بلال سوچ میں گم ہوگیا اور بالآخر اس کے چہرے سے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے کوئی فیصلہ کرلیا ہو۔

''کیا سوچ رہے ہو..... میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' لاشانہ آج بلال کے رویے پر حیران ہو رہی تھی۔

''میم اصل میں ایک پرابلم ہے۔'' بلال نے کہنا شروع کیا۔''اور وہ پرابلم آپ کی بہن کی وجہ سے ہے۔''

''میری بہن کی وجہ سے۔'' لاشانہ حیران ہوئی۔

ہاں میم آپ کی بہن کی وجہ سے.....اس نے آج مجھے پرپوز کیا ہے.....میم آپ کی بہن میں کوئی کمی نہیں ہے.....لیکن بندہ محبت اپنی مرضی سے تو نہیں کرسکتا ناں..... میں اس سے نہیں منال سے محبت کرتا ہوں.....تو میں پھر کیسے اس کے پیار کا جواب پیار سے دے سکتا ہوں آپ ہی بتائیں مجھے.....اس لئے اس نے اسے ہر بات صاف صاف بتادی ہے۔لیکن وہ میری بات تسلیم کرنے سے انکاری ہے.....اور بار بار مجھے میسج کر رہی کہ وہ اپنی جان لے لی گئی اور میں اس کی موت کا ذمہ دار ہوں گا۔''

لاشانہ یہ سن کر حیران رہ گئی.....وہ جانتی تھی کہ انیقہ بلال کو پسند کرتی ہے.....مگر یہ بات اتنا آگے چلی جائے گی یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''بلال میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں..... ابھی انیقہ کے پاس جانا ضروری ہے۔'' لاشانہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے جلدی سے کہا۔ وہ واقعی بہت پریشان ہوگئی تھی۔

بلال اس کی پریشانی کی وجہ سمجھ سکتا تھا،اس لئے اس نے کچھ نہیں کہا بس لاشانہ کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

''چندر کیا کروں اب صرف ایک دن رہ گیا ہے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا میں اپنی انیقہ کو اس کی ماں کے شر کا شکار ہرگز نہیں ہونے دے گا۔'' فیاض کی پریشانی اپنے عروج پر تھی۔

''تو تم نے کیا سوچا ہے.....تم کیا کرنے والے ہو۔'' چندر نے پوچھا۔

''میں نہیں اب جو بھی ہوگا وہ تم کرو گے۔'' فیاض کا لہجہ معنی خیز ہوگا۔

''میں کروں گا۔'' چندر نے حیرت سے فیاض کی بات کو دہرایا.....میں کیسے کرسکتا ہوں کچھ؟

''کرسکتے ہو اس ساحرہ کے سحر کی وجہ سے میں اپنی بیٹیوں سے بات نہیں کرپا رہا مگر تم تو کرسکتے

ہو..... کیونکہ وہ سحر میری وجہ سے کیا گیا تھا..... اس کا تم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔''

فیاض کی بات سن کر چندر چونک سا گیا۔ وہ بولا۔ ''اتنا عرصہ میرے دماغ میں یہ بات کیوں نہ آئی۔''

''بس دیر آیا درست آیا۔'' فیاض بولا۔ ''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے..... تم لاشانہ کے پاس جاؤ اور اسے ساری حقیقت سے آگاہ کردو اس سے پہلے کہ دیر ہوجائے.....

''لیکن وہ ساحرہ انیقہ کو استعمال کرنے والی ہے..... انیقہ کو حقیقت کا علم ہونا زیادہ ضروری ہے..... میرے خیال میں مجھے انیقہ سے بات کرنی چاہیے۔'' بات ختم کرکے چندر نے سوالیہ نظروں سے فیاض کی جانب دیکھا تھا۔

''نہیں۔'' فیاض نے اس کی تجویز مسترد کرتے ہوئے کہا۔ ''انیقہ کم عقل ہے..... وہ تمہاری بات نہیں سمجھ پائے گی..... اس لئے بہتر ہے کہ تم لاشانہ سے بات کرو..... کیونکہ ہمیشہ سے وہ محسوس کرتی آئی ہے کہ میں اس کے ساتھ ہوں۔ اس لئے نہ صرف وہ تمہاری بات سمجھے گی بلکہ اپنی بہن کو بھی سمجھائے گی۔''

اور چندر کی روح لاشانہ کو سچ بتانے کے لئے کمرے سے نکل گئی۔

مگر تب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایک قیامت سی آ گئی تھی۔ لاشانہ کے اعصاب جواب دے گئے تھے..... اس کی اکلوتی بہن آپریشن تھیٹر میں تھی..... اس نے اپنی جان لینے کی کوشش کی تھی..... سلیپنگ پلز کا سارا پیکٹ اس نے نگل لیا تھا..... اور ڈاکٹرز کے مطابق وہ خطرے میں تھی۔

اس وقت ہاسپٹل میں عامر انکل منال اور بلال بھی تھے..... مگر جو حالت لاشانہ کی تھی وہ کسی اور کی نہ تھی..... وہ اپنی بہن سے بے پناہ پیار کرتی تھی اور ماں باپ کو کھونے کے بعد اس اکلوتے سگے رشتے کو نہیں کھو سکتی تھی۔

خود بلال بھی اپنے آپ کو اس سب کا ذمہ دار سمجھ رہا تھا۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کررہا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک لڑکی موت اور زندگی سے جنگ لڑ رہی تھی۔

لیکن وہ لڑکی انیقہ موت اور زندگی سے جنگ نہیں لڑ رہی تھی سچ اور جھوٹ سے بھی جنگ لڑ رہی تھی..... خوابوں کی دنیا میں بھٹک رہی تھی..... جہاں ایک عورت اسے اپنی داستان سنا رہی تھی۔

''ایمن تمہارے باپ کی پہلی بیوی تھی..... شادی کے سات برس تک ان کی اولاد نہ ہوئی..... اور پھر اللہ نے انہیں ایک بیٹی سے نوازا..... لیکن بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے انہوں نے اللہ سے شکایتیں شروع کردی کہ بیٹا کیوں نہ ہوا..... ایمن اب دوبارہ ماں نہ بن سکتی تھی اس لئے ان لوگوں نے اولاد نرینہ کے لئے مجھے ہتھیار بنایا..... میں ان کے گھر میں ملازمہ تھی..... اور بچپن سے مجھے جادو سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اور میں نے اس شوق کو پورا بھی کیا اور خوب جادو سیکھا لیکن بیٹی تمہارے سر کی قسم میں نے اس جادو کو کبھی استعمال غلط کام کے لئے نہیں کیا خیر پھر ان لوگوں نے میری شادی تمہارے باپ سے کروادی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جب میرا بیٹا پیدا ہوگا تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔

لیکن تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ تمہارے باپ کی پہلی بیوی اور لاشانہ کی ماں سیڑھیوں سے گر کر مرگئی..... اس کے بعد تمہاری دادی بھی ایک حادثے میں اللہ کو پیاری ہوگئی..... اور اس کے بعد میری گود میں تم آ گئی..... تمہارے پیدا ہونے کے بعد تمہارے باپ نے میری حالت پر بھی ترس نہ کھایا اور مجھے بہت مارا..... میں اس مار کی تاب نہ لاسکی اور مرگئی..... مارنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں نے بیٹا کیوں نہیں پیدا کیا..... اور اس کے بعد نجانے کیسے تمہارا باپ مرگیا۔''

''بیٹی بائیس سال بعد اس دنیا میں، میں

تمہارے لئے لوٹ کر آئی ہوں، جو زیادتیاں میرے ساتھ ہوئی ہیں وہ تیرے ساتھ نہ ہونے دوں گی..... میں جانتی ہوں کہ تمہارے لئے میری باتوں پر یقین کرنا آسان نہ ہوگا مگر میرے پاس ایک ثبوت ہے۔ تم اپنے پرانے گھر جانا..... اس کا پتہ بھلے اپنے انکل عامر سے پوچھ لینا وہاں تمہیں کوئی ایسا ملے گا جو تمہیں ساری حقیقت بتائے گا..... تمہیں یقین دلائے گا کہ تمہاری ماں جو کچھ کہہ رہی ہے..... غلط نہیں کہہ رہی بلکہ صحیح کہہ رہی ہے۔ میں اب تم سے روز ملنے آؤں گی تمہارے خوابوں میں..... اپنا خیال رکھنا۔''

☆.....☆.....☆

پندرہ دن بعد۔

رکشہ اس گھر کے سامنے آکے رکا جہاں بائیس سال پہلے وہ خوشحال فیملی رہا کرتی تھی..... رکشے میں سے انیقہ باہر نکلی..... اور رکشے والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا۔ سامنے مین گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا..... اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے تالے کی چابی اور تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگی..... چونکہ تالا کافی عرصے سے بند تھا اس لئے اسے کھولنے کے لئے محنت کرنی پڑ رہی تھی۔

آج اسپتال سے گھر آئے اسے پانچواں دن تھا..... اس گھر میں آنے کی اجازت اس نے بڑی مشکل سے لی تھی..... عامر انکل نہیں چاہتے تھے کہ وہ دوبارہ اس گھر میں جائے مگر اس کی ضد کے آگے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے تھے..... پھر وہ اس گھر میں دوبارہ آنے کی خواہشمند تھی کیونکہ وہ جاننا چاہتی تھی کہ اتنے دنوں سے جو عورت مسلسل اس کے خوابوں میں آرہی ہے کیا وہ سچ کہہ رہی ہے یا نہیں..... اور اسی عورت نے اسے اس گھر کے تہہ خانے میں جانے کا کہا تھا۔ نجانے وہ کون تھا جس سے وہ عورت اسے ملوانا چاہتی تھی۔

اس کا دماغ سوچوں کا بھنور بنا ہوا تھا۔ تالا کھولنے کے بعد وہ اندر داخل ہوئی..... وہ جگہ جو کبھی ایک پیارا سا لان کا منظر دیتی تھی۔

اب وہاں کثرت سے جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں..... انیقہ اپنے گھر کا نقشہ مکمل طور پر بھول چکی تھی۔ کیونکہ وہ صرف تین ماہ کی تھی جب ان دونوں بہنوں کو عامر انکل کے پاس جانا پڑا تھا۔

خیر گھر کا داخلی دروازہ اس نے کھولا۔ اور اندر داخل ہوئی، دائیں جانب ایک دروازہ تھا..... سب سے پہلے اس نے اس دروازے کو کھولا..... بدبو کا ایک جھونکا سا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ نیچے نظر ڈالی تو سیڑھیاں تھیں..... غالباً یہ بیسمنٹ کی سیڑھیاں تھیں۔ اس عورت نے بھی اسے تہہ خانے میں جانے کے لئے ہی کہا تھا اس لئے وہ ایک ایک کر کے سیڑھیاں اترتی گئی۔

''خوش آمدید پندرہ روز سے میں تمہارا منتظر تھا۔ بالآخر تم آگئیں۔'' ایک ہیبت ناک سی آواز انیقہ کی سماعت سے ٹکرائی اور اس آواز کو یوں اچانک سن کر انیقہ کا دل اس کے منہ میں آگیا وہ یکدم خوفزدہ ہوگئی۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے..... میں تمہارا دشمن نہیں دوست ہوں۔'' آواز ایک بار پھر آئی..... انیقہ نے آخری زینہ سے نیچے قدم رکھا..... سامنے وہی شیطان زنگال تھا۔

انیقہ نے پہلی بار اپنی ماں کے عاشق کو دیکھا تھا۔ وہ سبز سے لباس میں ملبوس تھا..... اس کی جلد بھی سنہری مائل تھی..... اور سر پر سبز ٹارچ تھا..... جس میں بیش قیمت نگینے چمک رہے تھے۔

''کون ہو تم۔'' انیقہ خوف سے پوچھ رہی تھی۔'' اور اس بند مکان کے اندر کیسے آگئے تم۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا..... اس کی آنکھیں پہلے ہی اس کے کانوں کی طرف کھنچی ہوئی تھیں..... جب وہ مسکرایا تو وہ اور کھنچ گئی اور وہ مزید بھیانک نظر آنے لگا۔

''میں تمہیں اپنے بارے میں سب بتادوں گا مگر پہلے تم مجھ سے اس بارے میں پوچھو جس کے بارے میں جاننے کے لئے تم نے سالوں سے پڑے اس بند مکان کو کھولا ہے..... تم یہ جاننے کے لئے آئی

ہو نہ جو عورت تمہارے خوابوں میں آتی ہے وہ تمہاری ماں ہے یا نہیں..... وہ سچ بول رہی ہے کہ نہیں؟

انیقہ حیران ہو رہی تھی کہ وہ اس کے یہاں آنے کا مقصد کیسے جانتا ہے۔

اب کی بار اس جن نے اپنے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا۔ اس کے ہاتھ میں اب دو تصاویر تھیں۔ جو اس نے انیقہ کی جانب بڑھائی۔ انیقہ یہ جادوئی کرشمے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

اب مزید وہ کوئی سوال نہیں کرنا چاہتی تھی..... اس نے اپنے خوف کو ایک جانب رکھ دیا..... اور وہ تصویریں دیکھیں..... ایک تصویر اس کے باپ کی تھی..... اور دوسری تصویر اس عورت کی تھی جسے وہ پچھلے کئی روز سے اپنے خوابوں میں دیکھ رہی تھی۔

اس جن نے کہا۔ ''یہ جس عورت کی تصویر تمہارے ہاتھ میں ہے یہ تمہاری ماں ہے..... اب تم گھر والوں سے یہ سوال پوچھ سکتی ہو کہ تمہاری ماں کی تصویر تمہیں ساری زندگی کیوں نہ دیکھنے دی۔ اور تمہاری ماں کیسے مری تھی وہ منظر میں تمہیں ابھی دیکھاتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر اس جن نے کچھ پڑھ کر تہہ خانے کے وسط میں پھونک ماری..... تہہ خانے کے وسط میں شیشے کی دیواریں سی بن گئی تھیں..... ان دیواروں کے اندر تہہ خانہ چمک رہا تھا..... بائیس سال پہلے کی طرح۔

خیر وہاں وہ عورت بیٹھی ہوئی تھی..... اچانک اس کا باپ آیا اور اس نے بہت بے رحمی سے اس عورت کو مار ڈالا۔

انیقہ کے دل میں اپنے مرحوم باپ کے لئے شدید نفرت انگڑائیاں لے کر بیدار ہو گئی۔

وہ جن سے اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ اور وہ جن زنگال اسے اپنے بارے میں سب بتا رہا تھا..... جو کہ آدھا جھوٹ اور آدھا سچ تھا۔

''اوہ پندرہ دنوں سے میری بیٹی اس ساحرہ کے قبضے میں ہے۔ میں کیا کروں چندر۔'' مارے پریشانی کے فیاض کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''فیاض پریشانی کسی مسئلے کا حل نہیں ہے..... دھیرج رکھو اور سکون سے سوچو کہ کیا ہو سکتا ہے۔'' چندر نے کہا۔

کیسے اطمینان رکھوں..... اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ اگر تم پندرہ روز پہلے لاشانہ کو ساری حقیقت بتا دیتے تو آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔'' توپوں کا رخ اب چندر کی جانب مڑ گیا تھا۔ فیاض بولا۔

''میں پندرہ روز قبل گیا تھا اس کے پاس مگر تب وہ اسپتال میں تھی..... بہت پریشان تھی اپنی بہن کی وجہ سے..... اور میں اسے اس وقت کوئی بات نہیں بتا سکتا تھا۔ کیونکہ انسان پریشانی کی حالت میں کوئی بات نہیں سمجھ سکتا..... میں اگر اس سے اس وقت بات کرتا تو بات مزید بگڑ بھی سکتی تھی۔ اس لئے میں نے کوئی بات نہیں کی..... میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ وہ ساحرہ کے آنے کے بعد اپنے شیطانی سحر کو مزید مضبوط کر دے گی۔''

''اس کتاب میں کیا معلوم اس مسئلے کا کوئی حل موجود ہے۔'' چندر ایک دم بولا۔

''کس کتاب میں۔'' فیاض کو حیرت ہوئی تھی۔

''بائیس برس قبل جب میں یہاں سے بھاگا تھا تب میں نے ایک کتاب حاصل کی تھی..... اس کتاب میں ہر مسئلے کا حل تھا..... اس کتاب کی بدولت ہی میں اتنا شکتی شالی ہو گیا تھا۔''

''نکالو وہ کتاب۔'' فیاض تابی سے بولا۔

کچھ دیر بعد ان کے سامنے وہ کتاب تھی..... اور چندر اس کتاب کو بہت غور سے پڑھ رہا تھا..... اچانک اس کے چہرے پر خوشی کے اثرات مرت ہوئے۔

''مل گیا اس سحر کو ختم کرنے کا حل۔'' چندر کی روح خوشی سے بولی۔ ''ہمیں ان دونوں لڑکیوں کے آس پاس کسی بھوت کو جلا کر اس کی راکھ اس پر ڈالنا ہوگا۔ اس بھوت کو مارنے کے بعد۔''

فیاض کے چہرے پر خوشی کے اثرات نمایاں ہوئے۔ ''یعنی تیر ایک اور شکار دو۔''

''مطلب تم بھی وہی سوچ رہے ہو فیاض جو میں سوچ رہا ہوں۔''

ہاں لیکن چندر ہم اس زنگال جو کہ اس ساحرہ کا دایاں بازو ہے..... ہم اسے ماریں گے کیسے؟

''جب ہم دونوں اپنی طاقتوں کو یکجا کر کے اس پر حملہ کریں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ بچ نہیں پائے گا کیونکہ ہم سچے ہیں اور اوپر والا بھی ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ اس کے بعد ہم اس بھوت کی راکھ سے اس شیطانی سحر کو ختم کر دیں گے..... اور تم اپنی بچیوں سے بات کر سکو گے..... ہم سب مل کر اس ساحرہ کو اپنی زندگی سے نکال دیں گے..... وہ بدروحیں بھی مر جائیں گی اور ہم دونوں بھی ان کے بعد اپنے اصلی جگہ چلے جائیں گے۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' فیاض امید بھرے لہجے میں بولا تھا۔

☆.....☆.....☆

''بلال یہ تم کیا کہہ رہے ہو..... میں تم سے ہرگز محبت نہیں کرتی..... تم صرف میرے ایک اچھے دوست ہو..... لیز اپنے بہکتے ہوئے قدموں کو روک لو۔'' منال بلال کو سمجھا رہی تھی۔

''منال میں جہاں اب آ گیا ہوں اب یہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔ تمہاری محبت میری رگوں میں خون بن کر دوڑ رہی ہے۔''

''لیکن میری وہ دوست تم سے پیار کرتی ہے جو میرے لئے میری بہن جیسی ہے۔''

''میں تمہارے لئے کسی اور سے محبت نہیں کر سکتا..... میں ضرور تمہیں چاہتا ہوں..... اور اس کے علاوہ کچھ اور نہیں جانتا۔''

''بلال تھوڑی شرم کرو..... انیقہ کی تمہاری وجہ سے جان بھی جا سکتی تھی..... اگر تم اس سے محبت نہیں کرتے تو کم از کم اس پر رحم تو کھاؤ۔''

''محبت کوئی ٹھیک نہیں ہوئی منال جو کسی کو بھیک میں دے دی جائے..... میں صرف تمہیں چاہتا ہوں صرف تمہیں۔'' اتنا کہہ کر بلال نے منال کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا..... اور اس کے بہت قریب ہو کر بولا۔ ''منال آئی رئیلی لو یو۔''

منال کا دل ایک دم زور سے دھڑکا تھا..... اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اس وقت یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ منظر کوئی اور بھی دیکھ رہی تھی..... جو بھی کیفے ٹیریا میں داخل ہوئی تھی..... آج اتنے دنوں بعد انیقہ یونیورسٹی میں آئی تھی..... اور آتے ہی اپنے محبوب کو اپنی بیسٹ فرینڈ کے ساتھ رومینس کرتا دیکھ رہی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے کیفے سے باہر آ گئی۔ ان دونوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

ان پندرہ دنوں میں بہت کچھ بدل چکا تھا۔ اس کی ماں نے اپنی ساری شکتیاں اپنی بیٹی کو دے دی تھیں اور زنگال نے اسے ان طاقتوں کا استعمال سکھا دیا تھا۔ وہاں کھڑے کھڑے انیقہ منال کی جان لینے کا ارادہ کر چکی تھی۔

ماضی ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

زنگال اس وقت اپنی محبوبہ کے گھر کے تہہ خانے میں تھا۔ وہ اس وقت تہہ خانے کی وسط میں عالم غنودگی میں اس ساحرہ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔

''زنگال میں دل سے تمہاری مشکور ہوں اور تمہاری لافانی محبت کی قدر بھی کرتی ہوں کیونکہ تم نے ہر مشکل وقت میں، میرا ساتھ دیا..... اس کے باوجود کہ میں نے اپنی طاقتوں سے دو سال تک تمہیں قید کئے رکھا۔

''مجھے شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ مت کرو..... تم لوگوں کے لئے عائلہ ہو اور میرے لئے پاروتی کیونکہ یہ نام میں نے تمہیں دیا تھا اور رہی قید کرنے کی بات تو اس وقت تمہیں جو کچھ پتہ چلا تھا کوئی اور بھی اگر تمہاری

جگہ ہوتا تو یہ ہی کرتا..... یاد ہے مجھے وہ رات جب تمہیں ساری حقیقت پتہ چلی تم نے مجھے آزاد کیا لیکن تمہارا شوہر بھی سارا سچ جان چکا تھا..... اور اس کی وجہ سے ہم سب کی زندگیاں بکھر گئیں۔''

''تم صحیح کہہ رہے ہو زنگال اگر اس رات میں نہ مرتی تو میں تمہارے ساتھ تمہاری دنیا میں چلی جاتی مگر فیاض کو اس کے کئے کی سزا مل رہی ہے..... میرے پھیلائے ہوئے سحر کی وجہ سے وہ اپنی بیٹیوں سے بات نہیں کرسکتا۔''

''پاروتی خوش فہمیوں سے نکلو اور حقیقت کا سامنا کرو۔ وہ سحر زیادہ عرصہ اب قائم نہیں رہ پائے گا۔ کیونکہ فیاض اور چندر کی روحیں ہمارے خلاف ہوگئی ہیں۔''

''وہ سحر کیسے ختم ہوگا وہ کبھی نہیں جان پائیں گے اور اگر انہیں پتہ چل بھی گیا تو تب تک لاشانہ مر چکی ہوگی اور انیقہ میری طرح ایک ساحرہ بن جائے گی۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے پاروتی..... مگر تم کب تک ہر کسی کے خوابوں میں آکر اسے ملو گی..... میں حقیقی آنکھوں سے تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہیں اپنے ان ہاتھوں سے چھونا چاہتا ہوں پاروتی..... کب تم دوبارہ اس دنیا میں آؤ گی۔''

''میں اس دنیا میں ہی ہوں..... لیکن جو سحر میں نے پھیلایا ہوا ہے اس کی وجہ سے میں کسی سے نہیں مل سکتی..... اور دوسری بات میں نے اپنی ساری شکتیاں اپنی بیٹی انیقہ کو دے دی ہیں اب اگر وہ سحر ختم ہو بھی گیا تو شکستوں کے نہ ہونے کی وجہ سے میں کسی سے مل نہ پاؤں گی۔''

''یہ تم نے کیا کیا پاروتی..... ایسی بیوقوفی کیوں کی..... جو شکتیاں تم نے اتنی محنت سے حاصل کی تھیں..... وہ اپنی بیٹی کو کیوں دے دیں۔''

''لیکن فی الحال اس بحث کو چھوڑو اور میری بات دھیان سے سنو..... انیقہ ایک لڑکے کی محبت میں گرفتار ہے..... وہ لڑکا جانتے ہو کون ہے..... وہ اس انسان کا بیٹا ہے جس کی محبت میں، میں در بدر ہوئی تھی..... بلال نام ہے اس کا..... میں نہیں چاہتی تھی کہ انیقہ اور بلال ایک ہوں..... کیونکہ جیسا باپ تھا ویسا بیٹا ہوگا اس لئے ہمیں بلال اور انیقہ کو ایک دوسرے کا دشمن بنانا ہوگا۔''

''اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے دشمن کیسے بنیں گے۔''

''بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے برسوں پہلے ہی اپنے محبوب کو مار دیا تھا۔ اس کو اس کی بیوفائی کی سزا دی تھی میں نے..... اور اس کی بیوی سعدیہ سارا سچ جانتی ہے..... مجھے نہیں معلوم کہ اس نے اپنے بیٹے کو کچھ بتایا یا نہیں..... مگر اب میں انیقہ کے ہاتھوں سعدیہ کو ماروں گی..... اور بلال یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ اس کی محبوبہ اس کی ماں کو مار رہی ہے۔ اور یہاں سے ان کی دشمنی شروع ہوگی۔''

''لیکن اس طرح تمہاری بیٹی جیل میں جاسکتی ہے۔''

''مت بھولو زنگال کہ وہ ایک ساحرہ کی بیٹی ہے..... بس تم اب انیقہ کو وہی کہو گے جو میں تم سے کہوں گی۔'' اور پاروتی اپنے محبوب کو اگلا لائحہ عمل سمجھانے لگی۔

مگر قسمت ایک مرتبہ پھر پلٹا کھانے والی تھی۔

''اچانک وہ آسیب نیند سے بیدار ہوگیا..... اس کو یوں لگنے لگا کہ اس کے اردگرد آہنی زنجیریں ہیں جن کا گھیرا تنگ ہو رہا ہے..... موت اس کے سامنے ناچنے لگی..... کیونکہ سامنے وہ انتہائی شکتی شالی بدروحیں تھیں۔

☆.....☆.....☆

لاشانہ ابھی تک ہر چیز سے مکمل طور پر بے خبر تھی..... وہ نہ جانتی تھی کہ کیسے شیطانی اور خونی کھیل اس کے اردگرد شروع ہوگئے ہیں..... لیکن ایک بات اس نے واضح طور پر محسوس کی تھی کہ جب انیقہ نے خود کو مارنے کی کوشش کی تھی تب سے اسے اپنے اردگرد کسی کی

موجودگی کا احساس نہ ہوا تھا۔ اور چھ سات دنوں سے اس نے آفس بھی دوبارہ سے آنا شروع کردیا تھا۔ یہاں پر بھی ہر کوئی اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس کی بہن نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا ہے..... سارے آفس والے اپنے اپنے طور پر کہانیاں بنا رہے تھے۔

وہ اس وقت اپنے کیبن میں بیٹھی ہوئی تھی بلال اس کے سامنے تھا۔

''آئی ایم رئیلی سوری میم میں نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے آپ کی فیملی کرائسس سے گزرے اگر انیقہ کو کچھ ہوجاتا تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرپاتا۔''

''جو کچھ بھی ہوا ہے بلال اس کا ذمہ دار خود کو مت ٹھہراؤ..... یہ تکلیفیں ہماری قسمت میں لکھی ہوئی تھیں۔'' لاشانہ نے کہا۔ ''لیکن اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے..... کیا تم انیقہ کو اپناؤ گے یا اب بھی.....'' لاشانہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مین آپ سے معذرت چاہتا ہوں لیکن میں اب انیقہ کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرسکتا..... کیونکہ میں نے منال کو اپنے دل کی بات کہہ دی ہے..... اور مجھے پوری امید ہے کہ وہ میری محبت کا جواب محبت سے ضرور دے گی۔'' بلال امید بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''چلو میں تمہاری پوزیشن سمجھ سکتی ہوں اور بس اللہ سے یہ ہی دعا کرتی ہوں کہ اللہ میری بہن کو حوصلہ دے۔''

''میم آپ سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں کیا۔''

''ہاں پوچھو۔''

''کیا آپ کو مجھ سے نفرت نہیں ہے۔''

''نہیں میں تم سے نفرت کیوں کروں گی۔ تم تو بہت اچھے انسان ہو۔''

''اس اچھے انسان نے آپ کی بہن کا دل توڑا ہے میم۔''

''لیکن بلال تم نے منافقت نہیں کی..... تم نے سچائی بیان کی ہے..... اور اگر انیقہ کو یہ ساری حقیقت بعد میں پتہ چلتی تو زیادہ مسئلہ ہوتا۔'' لاشانہ نے ساری بات کلیئر کی۔

''میم آپ کتنی اچھی ہیں اگلے بندے کی بات کو کتنی آسانی سے سمجھ لیتی ہیں کاش کہ آپ کی بہن بھی آپ جیسی ہوتی۔''

بلال کی بات سن کر لاشانہ نے مسکرانے پر اکتفا کیا..... ''ویسے بلال اپنے بارے میں کچھ بتاؤ، امی ابو بہن بھائیوں کے بارے میں۔'' لاشانہ آج بلال سے گپ شپ لگانے کے موڈ میں تھی کیونکہ جب سے انیقہ نے خودکشی کی کوشش کی تھی اس وقت سے وہ بہت اپ سیٹ تھی..... اس کی وجہ انیقہ کا بدلہ ہوا رویہ اور عجیب و غریب برتاؤ تھا۔

وہ جو اپنی بڑی بہن پر جان چھڑکتی تھی اب وہ اپنی بہن کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھی لاشانہ نے اس سے بات کرکے مسئلے کو حل کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔ بلال کے ساتھ اس کا ٹائم اچھا گزرتا تھا..... اس لئے اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔

بلال نے کہا۔ ''میم میرے پیدا ہونے سے پہلے ہی میرے ابو کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ اور میں اپنی امی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔''

''اوہ آئی ایم سوسوری میں نے تمہیں اداس کردیا۔'' لاشانہ پشیمان ہوتی ہوئی بولی۔

''اٹس اوکے کوئی بات نہیں۔'' بلال مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اچھا کیسے ہوئی ان کی ڈیتھ۔'' لاشانہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

بلال نے تھوڑی دیر سوچا پھر بولا۔ ''میم میں آپ پر بھروسہ کرتا ہوں اس لئے سچ بتا رہا ہوں..... ان کا قتل ہوا تھا..... ان کی ایکس محبوبہ ایک ساحرہ تھی اس نے میرے والد کو مروادیا.....'' بلال نے ساری بات لاشانہ کو بتائی۔

لاشانہ حیرت سے سب سنتی رہی۔ ''بلال یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''میری ماں نے مجھے بتایا ہے اور میری ماں یہ چاہتی ہے کہ میں اُس ساحرہ سے اپنے والد کی موت کا بدلہ لوں۔''

''اور تم کیا چاہتے ہو۔''

''وہی جو میری ماں چاہتی ہے..... میں نے اس ساحرہ کو بہت ڈھونڈا مگر مجھے وہ نہ ملی..... مگر ایک روز میں اسے ڈھونڈ کر سزا ضرور دوں گا۔'' بلال نے ایک عزم سے کہا۔

لاشانہ بلال کا چہرہ تکتی رہ گئی..... وہ نہ جانتی تھی کہ جس کہانی کو وہ حیرت سے سن رہی ہے..... وہ خود بھی اس کہانی کا ایک حصہ ہے۔

☆.....☆.....☆

جب سے انیقہ نے کیفے میں بلال اور منال کو ساتھ دیکھا تھا..... اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں..... کیا کرتے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا..... اس نے منال کے ساتھ پہلی بار مس بی ہیو کیا تھا..... اسے اس بات کا احساس ہوگیا تھا..... آخر جو بھی ہو منال اس کی بیسٹ فرینڈ تھی..... ہمیشہ ہر قدم پر اس کے ساتھ ہوتی تھی..... اگر بلال اس سے نہیں بلکہ منال سے محبت کرتا تھا تو اس میں منال کا کیا قصور تھا..... یہ ہی سب سوچ کر وہ یونیورسٹی منال سے بات کرنے کے لئے گئی تھی۔ تاکہ منال سے اپنے رویے کی معافی مانگ سکے مگر منال اور بلال کو اتنا قریب دیکھ کر وہ دنگ رہ گئی تھی..... کوئی انسان ایسا کیسے کرسکتا ہے وہ بھی اپنی بیسٹ فرینڈ کے ساتھ۔

اس وقت انیقہ بستر میں لیٹی ہوئی اپنے محبوب کی بے اعتنائی اور اپنی بیسٹ فرینڈ کی بیوفائی پر آنسو بہا رہی تھی۔ آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ وہ تین گھنٹوں سے اپنے کمرے میں بند تھی..... بالآخر وہ اٹھی..... اور آئینہ کے سامنے آکر کھڑی ہوئی..... رگڑ کر اپنے آنسوؤں کو صاف کردیا..... اور کچھ پڑھ کر شیشے پر پھونک ماری۔

پاروتی اپنی ساری طاقتیں اسے دے چکی تھی۔ اور زنگال نے اسے ان کا استعمال سکھا دیا تھا۔

آئینے میں اب اس کے عکس کے بجائے ایک انتہائی حسین وجمیل عورت تھی..... اور وہ عورت کوئی اور نہیں چندر کی بیوی پدماوتی کی بدروح تھی..... جو اب انیقہ کی غلام تھی۔

''پدماوتی میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لئے بلایا ہے..... ابھی جاؤ اور میری آنکھوں کے سامنے اس حرافہ منال کو مار دو ختم کردو اس کو۔'' انیقہ غصے سے بولی۔

روح نے سر اثبات میں ہلایا..... اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے آئینہ سے پدماوتی غائب ہوگئی۔ اب آئینہ میں ایک کمرے کا منظر تھا۔ اس کمرے میں رائٹنگ ٹیبل کے ساتھ بڑی کرسی پر منال بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر کچھ کتابیں بکھری ہوئی تھیں..... اور وہ نیچے جھکی ہوئی رجسٹر پر کچھ نوٹ کررہی تھی۔

پدماوتی اس کے پیچھے آگئی..... وہ بھی دھویں کے مرغولے کے سوا کچھ نہ تھی..... وہ دھواں منال کے قریب آیا اور منال کے جسم میں سما گیا۔ اب منال، منال نہ رہی تھی بلکہ پدماوتی بن گئی تھی اور انیقہ یہ سارا منظر اس آئینے میں دیکھ رہی تھی۔

وہ اٹھی اور الماری کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی الماری لوہے کی تھی..... منال نے اس الماری کے ساتھ اپنے سر کو زور زور سے مارنا شروع کردیا..... اس کا سر پھٹ گیا..... خون کی دھاریں اس کے منہ کو رنگین کرنے لگیں..... مگر پدماوتی نے منال کے جسم کو رکنے نہ دیا اور وہ ٹکریں مارتی رہی یہاں تک کہ بے دم ہوکر زمین پر گرگئی..... وہ دھواں منال کے وجود سے باہر نکلا اور دوبارہ پدماوتی کا روپ اختیار کرگیا..... وہاں اب منال کی بھیانک لاش پڑی ہوئی تھی..... وہ موت کی وادی میں جاچکی تھی۔

اب آئینے کا منظر بدلا وہاں صرف پدماوتی تھی۔ ''میں نے آپ کا حکم پورا کیا منال اور اب آپ فوراً سو جائیں کیونکہ آپ کی ماں آپ سے کوئی ضروری

بات کرنا چاہتی ہے۔''

☆.....☆.....☆

زنگال کی موت اس کے سامنے ناچ رہی تھی..... وہ دونوں روحیں اس وقت بہت طاقتور ہوگئی تھیں۔

''چندر تم اور فیاض تم۔''

''ہاں ہم دونوں آج تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا دیں گے اور باتوں میں وقت ضایع ہرگز نہیں کریں گے۔'' چندر نے اتنا کہا اور کچھ پڑھ کر زنگال کی جانب پھونک ماری..... زنگال یکدم ساکت ہوگیا یوں جیسے جنبش بھی نہیں کرسکتا۔

''فیاض یہ تیس سیکنڈ کے لئے ساکت ہوگیا ہے..... تم اب جلدی سے اسے مار دو اور اس کا خون جمع کرنے کے لئے کوئی چیز دیکھو۔'' چندر بولا۔ اور اچانک اس کی نظر ایک سائیڈ پر پڑی ہوئی کانچ کی بوتل پر پڑی۔ چندر نے جلدی سے وہ بوتل اٹھالی۔

فیاض نے ہاتھ بلند کیا اس کے ہاتھ میں تیز دھار خنجر آ گیا وہ آگے بڑھا اور اس نے پیچھے سے جا کر زنگال کا نرخرہ کاٹ دیا۔ خون کے فوارے ابل پڑے تھے..... چندر نے وہ بوتل فیاض کی جانب پھینکی..... فیاض جلدی جلدی اس بوتل کو اس خون سے بھرنے کی کوشش کرنے لگا۔

جب وہ بوتل خون سے بھر گئی تو وہ دونوں روحیں وہاں سے یکدم غائب ہوگئیں۔ کیونکہ ان کا یہاں آنے کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔

جن زنگال اب مر چکا تھا۔

جس کی وجہ سے اس ساحرہ پاروتی کا دایاں بازو کٹ گیا تھا۔

اور اگلے دن وہ شیطانی سحر بھی ختم ہوگیا تھا..... ساری حقیقت کھلنے میں اب زیادہ وقت نہ رہا تھا۔

''انیقہ میری پیاری بیٹی تم نے تو اپنے راستے کے کانٹے کو ہٹا دیا۔ پھر کیوں اتنی اداس ہو۔''

''امی منال میرے بچپن کی دوست تھی..... میرے دکھ سکھ کی ساتھی میری بیسٹ فرینڈ..... اور میں نے اپنی بیسٹ فرینڈ کی جان لے لی..... کیوں کیا میں نے ایسا۔'' انیقہ نادم تھی۔

''تم نے کوئی غلط کام نہیں کیا بیٹی تمہاری بیسٹ فرینڈ تم سے تمہاری محبت چھین رہی تھی..... کاش میں بھی وہی کرتی جو تم نے کیا ہے..... تو آج میں بھی ایک خوشگوار زندگی گزار رہی ہوتی۔''

''کیا مطلب ہے اس بات کا۔'' انیقہ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

''تم جانتی ہو بلال کس کا بیٹا ہے؟'' اس ساحرہ نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔

''نہیں۔'' انیقہ نے نفی میں جواب دیا۔

''انیقہ میں آج تمہیں کچھ باتیں بتانے والی ہوں۔'' ساحرہ نے کہنا شروع کیا۔ ''تم اکثر مجھ سے پوچھتی تھی اپنے نانا نانی اور ماموں کے بارے میں اور اکثر میں ٹال دیتی تھی تمہاری بات کو..... لیکن آج میں تمہیں سچ بتاؤں گی..... کیونکہ تم میرا بدلہ لو گی اور زنگال کی موت کا بدلہ بھی لینا ہوگا ہمیں ان لوگوں سے۔''

''امی آپ کیا باتیں کر رہی ہیں کیا وہ جن زنگال مر گیا ہے۔ اور آپ کے سارے مجرم تو مر گئے ہیں اب کس سے بدلہ لینا ہے آپ نے۔'' انیقہ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''انیقہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتی ہوں۔ جب میں تمہاری عمر کی تھی تو مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی۔ مجھے عشق کا مرض لاحق ہوگیا تھا..... اور اس محبت کے لئے میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا..... مگر وہ بیوفا نکلا اور جانتی ہو وہ کون تھا..... تمہارے بلال کا باپ..... طاہر نام تھا اس کا..... طاہر کی منگنی سعدیہ سے ہوئی تھی۔ طاہر نے کچھ روز مجھے اپنے ساتھ رکھا..... اور میں بھی اس کی محبت میں پاگل ہو کر بنا کسی رشتے کے اس کے ساتھ رہتی رہی۔

مگر طاہر نے اپنی منگیتر کی باتوں میں آ کر مجھے

جان سے مارنے کی کوشش کی..... کیونکہ وہ مجھ سے تنگ آ گیا تھا..... مگر میں وہاں سے جان بچا کر بھاگ گئی اور تمہارے باپ کے گھر میں ملازمہ بن گئی..... ان لوگوں نے بھی مجھے بہت دکھ دیئے۔ صرف ایک زنگال تھا..... جسے میں نے ایک عمل کر کے اپنا غلام بنایا تھا۔ اور زنگال کی وجہ سے میں نے کچھ طاقتیں حاصل کی تھیں جو میں نے اب تمہیں دے دی ہیں..... لیکن اب ان لوگوں نے زنگال کو بھی مار دیا ہے..... اور زنگال کے مرتے ہی تمہاری طاقتوں میں بھی کمی ہوئی ہے وہ دوڑ میں پدماوتی اور مہیش جل کر خاکستر ہو گئے ہیں۔

انیقہ ساری جھوٹی کہانی سن کر حیرتوں کے سمندر میں ڈوب رہی تھی۔ اس کے محبوب کی ماں اس کی ماں کی قاتل تھی.....''

''امی اور زنگال کو کس نے مارا ہے۔''

''تمہاری بہن لاشانہ نے۔'' وہ ساحرہ مزید زہر اگلنے لگی۔

''لیکن لاشانہ عام سی لڑکی ہے..... وہ ایک آسیب کو کیسے مار سکتی ہے۔''

''میری معصوم بیٹی اس نے یہ کام اپنے باپ کی روح کی مدد سے کیا ہے۔ اور اب ہمیں مل کر ہر چیز کا بدلہ لینا ہوگا۔''

''امی آپ کیا چاہتی ہیں کیا کرنا ہوگا ہمیں۔'' انیقہ کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔

طاہر کو تو قسمت نے سزا دے دی ہے وہ مر گیا ہے اب ہمیں سب سے پہلے سعدیہ کو اس کے کیے کی سزا دینی ہے..... پھر ہم تمہارے باپ کی روح کو عالم ارواح میں بھیج دیں گے..... اس کے بعد میں تمہاری بلال سے شادی کروا کے تمہاری زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔''

''امی لیکن سعدیہ بلال کی سگی ماں ہیں۔'' انیقہ نے احتجاج کیا۔

''اور میں تمہاری سگی ماں ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''ٹھیک ہے امی آپ نے اتنے دکھ سہے ہیں میں آپ کی بات بھلا کیسے ٹال سکتی ہوں..... آپ کی مجرم سعدیہ کو میں اپنے ہاتھوں سے ماردوں گی..... ختم کردوں گی اسے۔''

''اور یہ کام تمہیں آج رات کو ہی کرنا ہوگا۔'' اس نے کہا اور انیقہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زہریلی مسکراہٹ اس ساحرہ کے لبوں پر پھیل گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کی بیٹی سعدیہ کو موت کی نیند سلا دے گی اور بلال ساری حقیقت جان لے گا..... تو کیا ہوا کہ زنگال مر گیا..... فیاض کی روح کی لاعلمی میں وہ اسے استعمال کرنے والی تھی..... کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ اس کا پھیلایا ہوا شیطانی سحر ایک دن پہلے ٹوٹ گیا ہے۔

☆.....☆.....☆

''فیاض میرا مقصد پورا ہو گیا ہے..... وہ شیطان زنگال مر گیا ہے..... اور اس شیطان کے مرتے ہی میری دشمن بدروحیں بھی جہنم میں چلی گئی ہیں۔ اب میرا اس دنیا میں کوئی کام نہیں رہا..... مجھے اپنی دنیا میں لوٹنا ہوگا۔ جو میرا اصل ٹھکانہ ہے..... چندر کی روح کہہ رہی تھی۔

''لیکن چندر ابھی میرا مقصد پورا نہیں ہو وہ شیطانی سحر تو ٹوٹ گیا لیکن میری بیٹی اپنی ماں کی طرح ایک قاتل بن گئی ہے..... اور لاشانہ کو بھی ابھی اس بارے میں نہیں پتا۔'' فیاض نے کہا۔

''دیکھو فیاض یہ کہانی اب ختم ہونے کو ہے اور جب انیقہ حقیقت جان لے گی اور لاشانہ بھی تو تم لوگ مل کر اس ساحرہ کو اپنی زندگیوں سے نکال دینا سب صحیح ہو جائے گا۔'' چندر نے کہا۔

''لیکن میں یہ سب تنہا کیسے کر پاؤں گا۔''

فیاض نہیں چاہتا تھا کہ چندر ابھی چلا جائے۔

''بس تمہیں کرنا ہوگا یہ سب اپنے بچوں کے لئے اور اگر میں اس دنیا میں مزید رہا تو میری اذیت بڑھ جائے گی اس لئے مجھے مت روکو جانے دو۔''

''ٹھیک ہے چندر تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا..... تم نے میری مدد بھی بہت کی تھی کہا سنا معاف کرنا۔'' فیاض بولا۔

''معاف کیا تم بھی معاف کرنا۔'' چندر نے کہا۔

''معاف کیا۔'' فیاض بولا اور چندر وہاں سے غائب ہوگیا وہ جاچکا تھا اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد اپنی دنیا میں۔

اب تھوڑی سی جو جنگ باقی رہ گئی تھی وہ فیاض نے اکیلے لڑنی تھی۔

☆.....☆.....☆

پچھلے چوبیس سال سے جو خونی کھیل چل رہا تھا..... آج اس کی اختتامی رات تھی۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے جب انیقہ اپنے گھر سے باہر نکلی۔ عامر انکل ایک مہینہ پہلے دبئی چلے گئے تھے اس لئے وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔

لاشانہ کے کمرے کا دروازہ بند تھا..... وہ لیپ ٹاپ پر پراجیکٹ کے سارے ڈیٹا کو کوریج کر رہی تھی۔ اس لئے وہ نہ جانتی تھی کہ انیقہ ایک قتل کرنے کے لئے نکل گئی ہے۔

لاشانہ نے اچانک اپنے پاس کسی کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

لیکن وہ اپنے کام میں مصروف رہی کیونکہ کئی سالوں سے وہ ایسا محسوس کر رہی تھی۔

پھر اچانک کسی نے زور سے اس کا لیپ ٹاپ بند کردیا۔ لاشانہ ڈر سی گئی تھی..... اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور کمرے میں سفید دھویں کی موٹی سی لکیر کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

لاشانہ اس دھویں سے ڈر رہی تھی جو کمرے میں ہر طرف چکرا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتی تھی مگر اس کے قدم جیسے منجمد ہوگئے وہ انیقہ کو آواز دینا چاہتی تھی مگر اس کے لب سل سے گئے تھے۔

وہ دھواں پہلے تو کمرے میں چکراتا رہا اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک انسان کا روپ اختیار کر گیا اور وہ انسان کوئی اور نہ تھا اس کا باپ تھا۔

لاشانہ حیرتوں کے سمندر میں ڈوب رہی تھی۔

''ہاں تم صحیح سوچ رہی ہو میں تمہارا باپ ہوں اور میری ہی موجودگی کو تم اتنا عرصہ محسوس کرتی آئی ہو۔''

لاشانہ ورطہ حیرت سے اپنے باپ کی روح کو تک رہی تھی..... اس نے فیاض کو صرف تصویروں میں دیکھا تھا۔ وہ بہت چھوٹی تھی جب فیاض کی موت ہوئی تھی۔

''آپ روح بن گئے ہیں۔'' لاشانہ کپکپاتی آواز میں بولی۔ ''ہاں بیٹی اور میں یہاں صرف اپنی دونوں بیٹیوں کے لئے آیا ہوں..... تمہاری زندگی کا خطرہ ہے..... اور تم جانتی ہو تمہاری بہن ایک ساحرہ کے ساتھ ساتھ ایک قاتلہ بھی بن گئی ہے بالکل اپنی ماں کی طرح اور بھی ایک اور قتل کرنے کے لئے گئی ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی۔'' لاشانہ کے حواس ابھی تک بحال نہ ہوئے تھے۔ ''کیا آپ کی موجودگی میں اتنا عرصہ محسوس کرتی آئی ہوں..... اگر ایسا تھا تو آپ نے مجھ سے پہلے بات کیوں نہ کی۔''

''ایک شیطانی سحر کی وجہ سے۔'' فیاض نے کہا۔ ''میں تمہیں سب بتاؤں گا لیکن وقت کم ہے ہمیں بلال کو یہاں بلانا ہوگا اور اس کے بعد بلال کی ماں کی جان بچانے جائیں گے کیونکہ بلال اکیلا انیقہ کا مقابلہ نہ کر پائے گا کیونکہ انیقہ کے پاس شیطانی شکتیاں ہیں۔''

''بلال کی ماں کو کس سے خطرہ ہے..... انیقہ کے پاس شکتیاں کہاں سے آئیں وہ قاتلہ کیسے بنی میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔'' لاشانہ نے اپنے سر کو تھامتے ہوئے کہا۔ چکر سے آنے لگے تھے عجیب حالت ہوگئی تھی اس وقت اس کی۔

فیاض کی روح نے اس کو بٹھایا پانی پلایا اور بولی۔ ''میں تمہیں سب بتاؤں گا..... لیکن پہلے تم بلال کو فون کرو اسے یہاں بلاؤ..... لاشانہ خدا کے لئے جلدی

کرو..... ہم سب اس وقت ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔''

لاشانہ نے کچھ کہے بغیر اپنا موبائل اٹھایا بلال کو کال کی اور اسے اپنے گھر آنے کا کہا، بلال حیران ہوا کہ لاشانہ اسے رات کے اس وقت کیوں اپنے گھر بلا رہی ہے۔ بہرحال اس نے کہا وہ تھوڑی دیر میں آجائے گا۔

اور تھوڑی دیر بعد بلال وہاں اس کمرے میں موجود ایک روح سے مل رہا تھا..... اور وہ روح انہیں ایک ایک بات سچ سچ بتا رہی تھی۔''

بات سن کر بلال بولا۔''لاشانہ میم یہ درست کہہ رہے ہیں..... میری ماں نے بھی میرے باپ کی موت کے بعد اس ساحرہ عائلہ کے بارے میں بہت معلومات حاصل کی تھیں۔ میری ماں اور آپ کے باپ کی روح کی باتوں میں یکسانیت ہے۔''

ہاں، فیاض کی روح بولی۔''ابھی ہمیں جلدی تمہارے گھر جانا ہوگا، کیونکہ تمہاری ماں کی جان کو خطرہ ہے۔''

☆.....☆.....☆

''رک جاؤ خدا کے واسطے ایسا مت کرنا۔'' وہ دو انسان اور روح پر مشتمل چھوٹا سا قافلہ بلال کے گھر آ گیا اور اس وقت انیقہ نے سعدیہ کو پیچھے سے دبوچا ہوا تھا اور اس کے نرخرے پر ایک چمکدار خنجر رکھا ہوا تھا۔ بلا نے یہ منظر دیکھا اور چلا کر بولا۔''لاشانہ کو بھی اپنے باپ کی روح کی ساری باتوں پر یقین آ گیا تھا۔

انیقہ بھی حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی..... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جب وہ اپنی ماں کا انتقام لے رہی ہوگی تو عین اس وقت وہ لوگ وہاں آ جائیں گے۔

فیاض کی روح چیخ کر بولی تھی۔''انیقہ کسی بے قصور کی جان مت لینا ورنہ تمہارے پاس ساری زندگی کے پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہ رہے گا۔''

اپنے باپ کی روح کی بات سن کر انیقہ غصے سے لال بھبھوکا ہوگئی۔''چپ کر منحوس روح مجھے شرم آتی ہے کہ تو میرا باپ ہے..... لیکن تو میری ماں کا قاتل بھی ہے..... اور میں اپنی ماں کے قاتل کی کوئی بات کیوں سنوں آخر۔''

''انیقہ جو تمہاری ماں نے تمہیں کہا ہے وہ سچ نہیں ہے، تمہیں خدا کا واسطہ ہے تم سعدیہ آنٹی کو کچھ نہیں کہو گی۔'' لاشانہ بولی اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اپنی معصوم سی بہن کو اس بھیانک روپ میں دیکھ کر۔

''میں جانتا ہوں تم نفرت کرتی ہو مجھ سے۔'' فیاض کی روح نے کہا وہ سب انیقہ سے پانچ چھ قدم کی دوری پر تھے۔ انیقہ نے خنجر سعدیہ کی شہ رگ پر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ایک چھوٹی سی غلطی سعدیہ کو موت کی وادی میں بھیج سکتی تھی۔ اس لئے فیاض نے انیقہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔''تمہاری ماں نے تم سے کیا کیا جھوٹ بولے میں نہیں جانتا اور میں سمجھ بھی نہیں پا رہا تھا کہ آخر وہ کس قسم کی عورت ہے جسے صرف اپنا مفاد عزیز ہے اور اس نے اپنی بیٹی کو بھی شیطانی راہوں پر ڈال دیا..... مگر انیقہ مجھے صرف پانچ منٹ دے دو میں ہر بات کلیئر کر دوں گا۔''

انیقہ سنجیدگی سے فیاض کو تکنے لگی اور اس کے شکنجے میں پھنسی ہوئی سعدیہ کا خوف کے مارے برا حال تھا۔

فیاض نے چند منٹ میں ساری حقیقت انیقہ کو بتائی اور جب فیاض نے بات مکمل کی تو بلال چیخ کر بولا۔

''انیقہ اگر میری ماں کو کچھ ہوا تو خدا کی قسم تمہارے ساتھ وہ کروں گا کہ تمہاری نسلیں یاد رکھیں گی۔''

انیقہ بلال کی بات سن کر زخمی انداز میں مسکرائی اور بولی۔''میں نہیں جانتی کہ کون سچ کہہ رہا ہے اور کون جھوٹ اور نہ میں اب جاننا چاہتی ہو۔ بلال میری جان اس سارے وبال کا حصہ تمہاری وجہ سے بنی تھی کیونکہ بہت محبت کرتی ہوں تم سے..... لیکن آج میں ایک بات جان گئی ہوں کہ تم اب کبھی میرے نہیں ہو سکو گے

کیونکہ میں تمہاری منال کی بھی قاتل ہوں..... بلال مجھے یاد رکھنا کبھی بھول نہ جانا۔'' انیقہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی۔

لاشانہ نے چلا کر کہا۔ ''انیقہ خدا کے لئے کوئی غلط قدم نہ اٹھانا۔'' انیقہ اپنی بہن کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ ''بلال جب سے تم کو میں نے دیکھا تھا تبھی سے میرا دل صرف تمہارے لئے دھڑکتا رہا تھا۔ بہت ٹوٹ کے چاہا ہے تمہیں بس مجھے معاف کر دینا اپنی منال کی قاتلہ کو معاف کر دینا۔'' انیقہ نے اتنا کہا اور فوراً سعدیہ کو ایک طرف کر کے وہ خنجر اپنی شہ رگ پر پھیر دیا..... اس کا خون فوارہ بن کر ابلنے لگا۔ وہ زمین پر گر گئی۔

یہ سب اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ تینوں کچھ نہ کر پائے۔

انیقہ کے مرتے ہی وہاں وہ ساحرہ ظاہر ہوئی..... اس کی بیٹی ہی نہیں اس کی طاقتوں کی مالک بھی مر گئی تھی..... اس لئے اس ساحرہ کی بدروح کو بھی آگ جلانے لگی تھی..... وہ دھیرے دھیرے جہنم واصل ہو رہی تھی۔ لاشانہ دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔

بلال اپنی ماں کو سنبھال رہا تھا۔

اور اب فیاض کی روح بھی اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سات سال بعد۔

قبرستان کے سامنے ایک کار آ کر رکی..... پچھلی سیٹ کا دروازہ ایک چار سال کے بچے نے کھولا..... اور بھاگتا ہوا قبرستان کے اندر داخل ہو گیا کار کی فرنٹ سیٹس کے دروازے کھلے تو لاشانہ اور بلال کار سے باہر نکلے۔ لاشانہ کے ہاتھوں میں ایک شاپر تھا جس میں تازہ پھولوں کی پتیاں تھیں..... ان دونوں کے چہروں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔

وہ دونوں قبرستان میں ایک قبر کے پاس آ کر رکے وہ بچہ اب قبرستان میں ساری قبروں کو غور غور سے دیکھ رہا تھا۔

جس قبر کے پاس آ کر وہ رکے اس کے کتبے پر انیقہ فیاض اور موت کی تاریخ درج تھی۔ لاشانہ دھیرے سے قبر کے پاس بیٹھ گئی۔ قبر پکی نہ تھی کچی تھی..... اور یہ لاشانہ کی اپنی خواہش تھی..... لاشانہ نے شاپر میں سے پھول کی پتیاں نکال کر قبر پر ڈالنی شروع کر دیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر ان دونوں نے قبر پر فاتحہ پڑھی۔

''جانتے ہو بلال آج سات برس ہو گئے میری بہن کی موت کو تمہارے اور اپنے بیٹے حاشر کے علاوہ میری زندگی میں کوئی رشتہ نہ بچا۔'' لاشانہ کا لہجہ غمناک تھا۔

''ہاں جانتا ہوں لیکن لاشانہ کیا تم جانتی ہو کہ محبت کی آزمائش ہوتی ہے۔'' نہ انیقہ اور نہ اس کی ماں اس آزمائش پر پورا اتر سکیں۔

خدا نے مجھ سے بھی منال کو چھین لیا تھا لیکن اس کے بدلے خدا نے تمہیں میری زندگی میں بھیجا..... حاشر ہماری زندگیوں میں آیا..... مجھے اب اپنی قسمت سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ اب میں خوش اور مطمئن ہوں۔''

لاشانہ بلال کی باتیں سن کر مسکرا دی۔ اتنے میں حاشر بھی ان کے پاس آ گیا۔

''ماما میں نے ہر قبر پر دعا کی ہے اب سب کو ثواب ملے گا ناں۔'' حاشر نے معصومانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں سب کو ثواب ہوگا۔'' لاشانہ نے اپنے بیٹے کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

''اب چلیں۔'' بلال نے مسکرا کر پوچھا اور لاشانہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں واپس اپنی کار میں آ کر بیٹھے اور کار دھول اڑاتی ہوئی اپنی منزل کی جانب چل پڑی، ماضی کی ساری بھیانک یادیں اس دھول میں چھپ گئی تھیں۔ اور اب سامنے صرف ایک روشن مستقبل تھا۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com